# تعلیم القرآن والحدیث

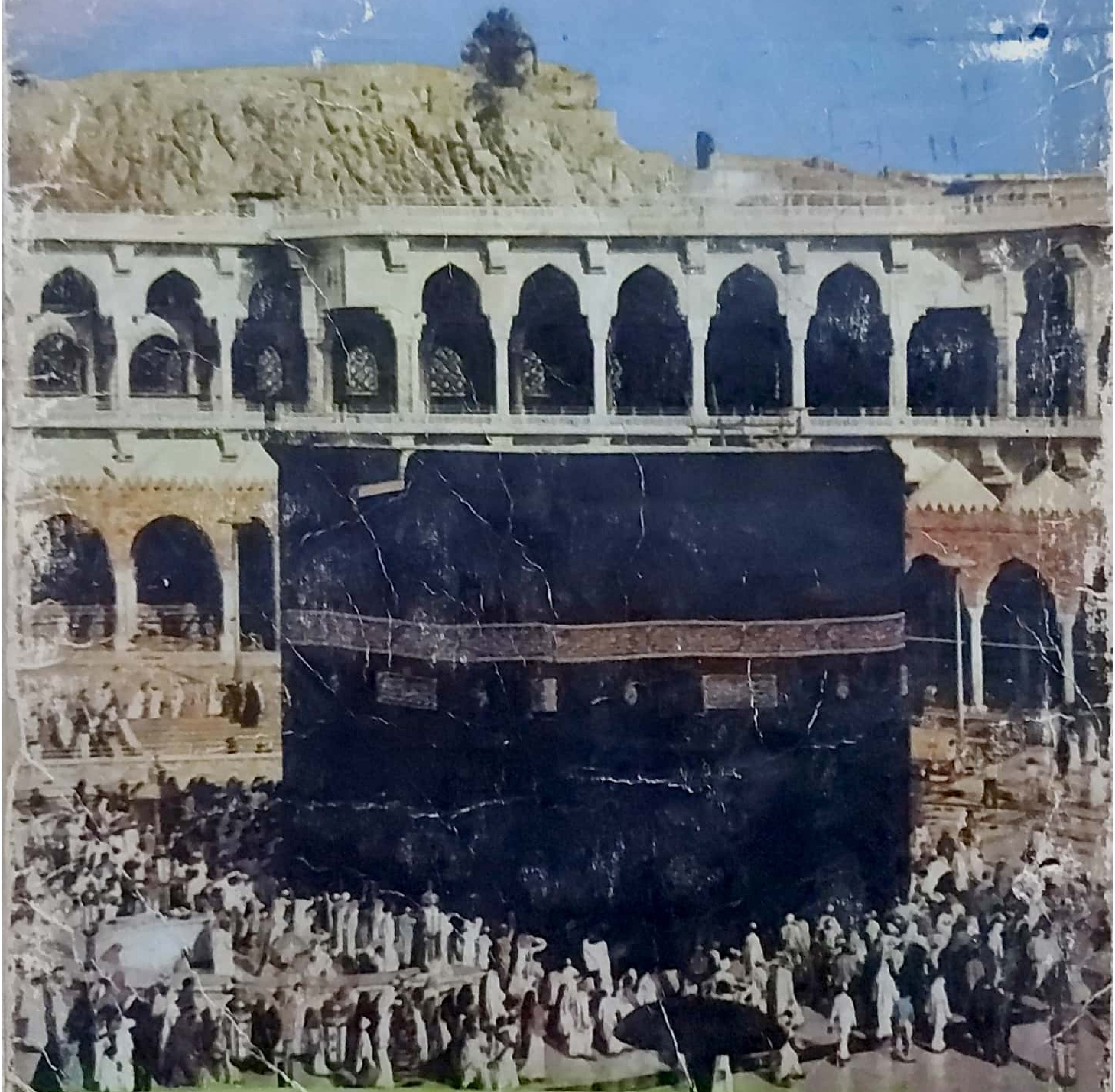

سٹینڈرڈ بک سنٹر

اردو بازار لاہور

جدید نصاب کے مطابق

# تعلیم القرآن والحدیث

برائے امتحان انٹرمیڈیٹ علوم اسلامیہ


**پروفیسر محمد شریف اصلاحی**
ایم اے اسلامیات عربی
صدر شعبہ اسلامیات
گورنمنٹ ایم اے او کالج لاہور

**پروفیسر محمد سلیم**
ایم اے اسلامیات عربی
سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ
گورنمنٹ کالج لاہور

**پروفیسر عابد صدیقی**
ایم اے اسلامیات
صدر شعبہ علوم اسلامیہ
گورنمنٹ کالج ماڈل ٹاؤن لاہور

**پروفیسر اقبال احمد**
شعبہ علوم اسلامیہ
گورنمنٹ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور

**پروفیسر شفقت اعجاز شاہین**
ایم۔اے اسلامیات
گورنمنٹ کالج عارف والا

**پروفیسر مستفیض احمد علوی**
ایم اے اسلامیات 'عربی' انگلش
شعبہ علوم اسلامیہ گورنمنٹ ایف۔سی کالج لاہور

**پروفیسر محمد اکبر چشتی**
شعبہ علوم اسلامیہ
گورنمنٹ کالج آف سائنس وحدت روڈ لاہور

جملہ حقوق محفوظ


| | |
|---|---|
| منتظم | چوہدری ظفر حسن کمبوہ |
| کمپوزنگ | بخاری کمپیوٹر کمپوزرز |
| مطبع | ملک عبید محمد پرنٹرز |
| طبع | 2003 |
| قیمت | 85/00 روپے |
| تعداد | 500 |

فون --------

سٹینڈرڈ بک سنٹر

اردو بازار لاہور


## انتساب

ان کشمیری مجاہدین کے نام

جو اپنی جدوجہد آزادی کے لیے

جہاد کو بطور شعار اپنائے ہوئے ہیں

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# پیش لفظ

کتاب "تعلیم القرآن و الحدیث" اسلامیات اختیاری پرچہ ب انٹرمیڈیٹ کے نصاب پر مشتمل ہے' جو کہ پنجاب کے تمام بورڈز کے نصاب کے عین مطابق لکھی گئی ہے۔

اپنے رفقائے کار کی نظر میں نہ تو میں نیا ہوں' نہ یہ کتاب۔ گزشتہ کئی برس سے یہ کتاب "افہام القرآن و الحدیث" کے نام سے اساتذہ کرام اور طلباء کی خدمت میں پیش کی جاتی رہی۔ بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر اس سال مجھے پبلشر تبدیل کرنا پڑا اور معاون مصنفین بھی۔ چنانچہ میں نے اپنا تصنیف کردہ حصہ "افہام القرآن و الحدیث" سے لے کر نئے سرے سے نظرثانی کر کے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کوشش کی ہے کہ "تعلیم القرآن و الحدیث" کے حوالے سے یہ کتاب کم از کم مارکیٹ میں موجود کتب سے بہتر ضرور ہو۔

میں چوہدری ظفر حسن صاحب (مالک "سٹینڈرڈ بک ہاؤس" اردو بازار' لاہور) کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ شائع کیا ہے۔ ٹائٹل بھی دیدہ زیب ہے' جو چوہدری صاحب کی نفاست طبع اور ذوق جمال کی علامت ہے۔ اس طرح تحریر کے بہتر اور پختہ ہونے کے ساتھ ساتھ ظاہری گٹ اپ کے اعتبار سے بھی کتاب خوب تر ہو گئی ہے۔

کتاب کی تیاری میں کئی ایک تفاسیر اور کتب حدیث کے ساتھ ساتھ تاریخ کی مستند ترین کتب سے استفادہ کیا گیا ہے اور جگہ جگہ حوالہ جات دیے گئے ہیں۔ کوشش کی گئی ہے کہ صرف مستند اور قابل اعتماد ماخذ ہی سے فائدہ اٹھایا جائے۔

Scanned with CamScanner

اللہ تعالیٰ نے اسلام کو بطور نظامِ زندگی سمجھنے کی جو توفیق عطا فرمائی ہے، اس کی وجہ سے انشاء اللہ تعالیٰ کتاب ہٰذا میں فرقہ واریت سے پاک اور یقین کامل (Conviction) پیدا کرنے والا مواد ملے گا، جو نئی نسل کی صحیح بنیادوں پر رہنمائی اور تربیت کر سکے گا۔

کتاب آسان، سادہ اور عام فہم انداز میں انٹر کے طلباء کی ذہنی سطح کو پیش نظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے، جو ریگولر اور پرائیویٹ طلباء کے لیے یکساں مفید ہے۔

میں اپنے دوستوں اور احباب کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے ہمیشہ میری بساط سے بڑھ کر میری پذیرائی کی ہے اور ہمیشہ اپنا تعاون پیش کیا ہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ "تعلیم القرآن و الحدیث" پر بھی میرے رفقاء خصوصی توجہ فرمائیں گے اور حسب سابق میرے ساتھ اپنا تعاون جاری رکھیں گے۔ کتاب کی غلطیوں اور کمزوریوں سے بھی آگاہ فرماتے رہیں گے، تاکہ آئندہ ایڈیشن بہتر سے بہتر ہو۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ آمین۔

کتاب میں شریک دوسرے مصنفین کی قلمی کاوش نے اس کتاب کو اور زیادہ مفید بنا دیا ہے۔ اگر ان حضرات کا قلمی تعاون نہ ہوتا تو شاید یہ کتاب بروقت نہ آ سکتی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو قبول فرمائے اور قبول عام سے نوازے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم آمین۔


بندۂ عاجز

**محمد شریف اصلاحی**

شعبہ علوم اسلامیہ،

گورنمنٹ کالج، لاہور


# فہرست مضامین


| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| تعارف قرآن | 1 |
| نزول قرآن | 3 |
| وحی | 7 |
| جمع و تدوین قرآن | 10 |
| اعجاز القرآن | 15 |
| تعارف سورۃ البقرہ | 23 |
| سورۃ البقرہ کے اہم مضامین | 26 |
| فضیلت سورۃ البقرہ | 30 |
| سورۃ البقرہ — ترجمہ و تفسیر | |
| رکوع نمبر1 | 32 |
| رکوع نمبر2 | 47 |
| رکوع نمبر3 | 63 |
| رکوع نمبر4 | 81 |
| رکوع نمبر5 | 97 |
| رکوع نمبر6 | 105 |
| رکوع نمبر7 | 120 |
| رکوع نمبر8 | 126 |
| رکوع نمبر9 | 139 |
| رکوع نمبر10 | 150 |
| رکوع نمبر11 | 158 |
| رکوع نمبر12 | 158 |
| رکوع نمبر13 | 169 |
| رکوع نمبر14 | 179 |
| رکوع نمبر15 | 195 |
| رکوع نمبر16 | 206 |
| رکوع نمبر17 | 218 |
| رکوع نمبر18 | 230 |
| رکوع نمبر19 | 241 |
| رکوع نمبر20 | 250 |
| تعارف حدیث و سنت | 268 |
| تدوین حدیث | 273 |
| اصطلاحات علم حدیث | 277 |
| اقسام حدیث | 278 |
| اصناف کتب حدیث | 281 |
| صحاح ستہ | 282 |
| امام نووی | 287 |
| اربعین نووی | 289 |
| احادیث 1 تا 42 | 291 |
| گرامر | 416 |
| ضمیمہ فیڈرل بورڈ | 434 |
| سورۃ البقرہ سے متعلق امتحانی سوالات | 459 |

# نصاب علوم اسلامیہ پرچہ (ب)

## القرآن

تعارفِ مطالعہ قرآن : ۱۰ نمبر
نزولِ وحی۔ تدوینِ قرآن مجید۔
حفاظتِ قرآن مجید

مطالعہ قرآن مجید : ۵۰ نمبر
ترجمہ و تشریح سورۃ البقرۃ رکوع ۱ تا ۲۰

## الحدیث

تعارفِ مطالعۂ حدیث۔ ضرورت و اہمیت حدیث جمع و تدوین کتب حدیث ۱۰

مطالعہ حدیث :
ترجمہ و تشریح اربعین امام نوویؒ : ۲۰ نمبر
عربی گرامر : ۱۰ نمبر
ماضی۔ مضارع۔ امر۔ نہی۔ واحد جمع اور مذکر و مؤنث ______

کل نمبر ۱۰۰



# تعارف قرآن

قرآن کا لفظ عربی کے سہ حرفی مادہ قراء سے مشتق ہے اور یہ مصدر بھی ہے۔ **قراءۃ** کے معنی ہیں پڑھنا' جمع کرنا۔ عربی قاعدہ کے مطابق مصدر بسا اوقات مفعول کے معنوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے قرآن کے دو معنی ہوئے۔

1- پڑھی جانے والی۔
2- جمع شدہ۔

اول الذکر معنوں میں ایک پیشین گوئی پائی جاتی ہے' یعنی یہ کتاب دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی ہوگی۔ یہ ایک ایسی پیشین گوئی ہے جس کی صداقت کو اسلام کا بدترین مخالف بھی نہیں جھٹلا سکتا۔ لیل و نہار میں کوئی لمحہ ایسا نہ ہوگا جس میں کرہ ارضی پر اس کتاب کی تلاوت نہ کی جا رہی ہو۔ اس صداقت کی شہادت نامور مستشرق "نولڈکے" نے اپنے مقالہ میں یوں دی ہے۔

"یہ حقیقت ہے کہ دنیا بھر میں صرف قرآن (مجید) ہی ایسی کتاب ہے جو سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے"۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مقالہ "قرآن")

موخر الذکر معنوں میں قرآن سے مراد ایسی کتاب ہے جو انسانی ہدایت کے سب بنیادی اصول و ضوابط کی جامع ہے۔ پھر یہ انسانی ذہنوں اور سینوں میں جمع و محفوظ بھی ہے۔ حفاظت تحریر کی یہ خوبصورت ترین مثال ہے جس کا دعویٰ دنیا کی کسی دوسری کتاب کے ماننے والے نہیں کر سکتے۔ یہ اس اعتبار سے بھی قرآن ہے کہ روز اول سے ہی سپرد تحریر ہوا۔

قرآن کا لفظ اپنے لغوی معنوں میں کسی دوسری کتاب کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ صرف اور صرف اپنے اصطلاحی معنوں میں ہی استعمال ہوتا ہے یعنی اس کتاب کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر آخرالزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر عربی زبان میں نازل ہوا۔ اس کا کسی بھی زبان میں ترجمہ کیا جا سکتا ہے لیکن اس ترجمے کو قرآن نہیں کہا جائے گا۔ کلام الٰہی کا اصل نام قرآن ہی ہے' لیکن اس کے بہت سے صفاتی نام بھی ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے پچپن نام گنوائے ہیں' جن میں سے زیادہ مشہور الکتاب' الذکر' الفرقان' التنزیل' الھدیٰ' الشفاء' الحق وغیرہ ہیں۔

عبارت قرآن کی ترکیب کے لیے مندرجہ ذیل اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں۔

**آیت:** تمام دیگر زبانوں کی طرح عربی میں بھی بنیادی اکائی حرف کہلاتی ہے۔ چند حروف کو ملا کر ایک لفظ بنتا ہے اور چند الفاظ کے ملنے سے ایک بامعنی جملہ یا فقرہ ترکیب پاتا ہے' جو قرآنی اصطلاح میں آیت کہلاتا ہے۔ کلام الٰہی میں بعض اوقات تنہا ایک حرف بھی اپنے اندر آزاد معنی رکھتا ہے مثلاً "ب" بمعنی ساتھ اور "ک" بمعنی مانند۔ اسی طرح بعض اوقات ایک لفظ بھی اپنے طور پر ایک آزاد فقرہ ہوتا ہے' مثلاً الم۔ آیت کے معنی نشانی' علامت یا معجزہ کے ہوتے ہیں۔ چونکہ قرآن حکیم کا ہر فقرہ اور جملہ قدرت خداوندی کی ایک نشانی ہے جس کی مثل دنیا میں پیش نہیں کی جا سکتی' اس لیے اسے آیت کا نام دیا گیا۔ ہر فقرہ کو دوسرے فقرے سے الگ کرنے کے لیے (○) کی علامت ڈالی جاتی ہے۔

قرآن حکیم کے کل حروف 323760' کل الفاظ 86430 اور کل آیات 6666 ہیں۔ آیات کی تقسیم حسب ذیل ہے۔

| | |
|---|---|
| آیات وعدہ | ایک ہزار |
| آیات وعید | ایک ہزار |
| آیات نہی | ایک ہزار |
| آیات امر | ایک ہزار |
| آیات امثال | ایک ہزار |
| آیات قصص | ایک ہزار |
| آیات حلت و حرمت | پانچ سو |
| آیات تسبیح | ایک سو |
| آیات متفرقہ | چھیاسٹھ |

**رکوع:** چند جملوں اور فقروں کے ملنے سے ایک پیرا (Paragraph) بنتا ہے۔ اسی طرح قرآن حکیم کی چند آیات کے ملنے سے ایک رکوع بنتا ہے۔ بعض رکوع بڑے اور بعض چھوٹے ہوتے ہیں اور کسی رکوع میں آیات کی تعداد مقرر نہیں ہے۔ رکوع کی علامت کو حاشیہ پر (ع) سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ کل رکوع 540 ہیں۔

**سورۃ:** سورۃ کے معنی رفعت و بلندی کے ہوتے ہیں۔ اس لفظ کے مادہ میں فصیل یا چاردیواری کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔ قرآنی اصطلاح میں سورۃ سے مراد ایک آزاد اور مستقل باب (Chapter) ہوتا ہے۔ ایک سورۃ بہت طویل بھی ہو سکتی ہے (جیسے سورۃ البقرہ جو چالیس رکوعات



پر مشتمل ہے) اور بہت مختصر بھی ہو سکتی ہے (جیسے سورۃ الکوثر جو صرف تین آیات پر مشتمل ہے)

قرآن حکیم میں کل 114 سورتیں ہیں۔ جن میں سے 86 مکی اور 28 مدنی ہیں۔

اس کے علاوہ سارے قرآن حکیم کو تیس پاروں اور سات منزلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

یہ تقسیم مضامین کے اعتبار سے نہیں بلکہ محض حفظ و قراۃ کی سہولت فراہم کرنے کے لیے روا رکھی گئی ہے۔ منازل قرآن کی تقسیم یوں ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| 1- سورۃ فاتحہ | تا | سورۃ نساء |
| 2- سورۃ مائدہ | تا | سورۃ توبہ |
| 3- سورۃ یونس | تا | سورۃ نحل |
| 4- سورۃ بنی اسرائیل | تا | سورۃ فرقان |
| 5- سورۃ شعراء | تا | سورۃ یاسین |
| 6- سورۃ الصّٰفّٰت | تا | سورۃ حجرات |
| 7- سورۃ ق | تا | سورۃ الناس |

## نزول قرآن

قرآن حکیم کا ایک نام تنزیل بھی ہے۔ یہ لفظ باب تفعیل سے ہے' جس کے معنی ہیں کسی کام کا ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ ہونا۔ گویا تنزیل سے مراد ہے وہ کتاب جو یکبارگی نازل نہیں ہوئی بلکہ اس کا نزول تدریجی تھا۔ اس کا ثبوت خود قرآن حکیم میں موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ
كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (الفرقان:33)

ترجمہ: اور منکرین کہتے ہیں کہ اس نبی پر قرآن ایک بار ہی سارا کیوں نہیں نازل ہو جاتا؟ یہ اس لیے کہ ہم اس (قرآن) کے نزول کے ذریعے تیرے دل کو مضبوط رکھنا چاہتے ہیں اور ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا ہے۔

ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن حکیم میں ہی یہ بھی ارشاد ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرۃ:185)

یعنی رمضان کا مہینہ وہ ہے۔ جس میں قرآن حکیم نازل کیا گیا۔

یا ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (القدر:1)

"یعنی ہم نے قرآن حکیم کو قدر کی رات میں اتارا"۔

ان آیات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم ایک خاص ماہ کی مخصوص رات کو نازل ہوا۔ کہیں یہ دونوں آیات سورۃ الفرقان کی مذکورہ بالا آیات سے متصادم تو نہیں؟ اس کا جواب مفسرین نے یہ دیا ہے کہ نہ ہی ان میں کوئی تصادم ہے اور نہ ہی ان میں سے کوئی ناسخ و منسوخ ہے' بلکہ تطبیق یہ ہے کہ قرآن حکیم نازل تو ٹھہر ٹھہر کر ہوا لیکن اس کے نزول کا آغاز رمضان کے مہینہ میں لیلۃ القدر کو ہوا۔ یا رمضان شریف کی لیلۃ القدر میں سارا قرآن حکیم لوح محفوظ سے آسمان اول پر نازل کر دیا گیا۔ لیکن دنیا میں قلب محمدیؐ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر تدریجی انداز ہی میں نازل ہوا۔

**کیفیت نزول قرآن:** اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز سچے خوابوں کی شکل میں ہوا۔ آپؐ جو کچھ رات کو خواب میں دیکھتے وہی دن کو ظہور میں آ جاتا۔ پھر آہستہ آہستہ آپؐ کی طبیعت خلوت اور تنہائی کی طرف مائل ہوگئی۔ اور آپؐ مکہ سے تین میل دور حرا نامی ایک غار میں چلے جاتے اور غور و فکر کرتے۔ یہاں تک کہ 610ء میں جب آپ کی عمر 40 سال کو پہنچی تو رمضان کے مہینہ میں ایک فرشتہ (جبرائیل) غار میں نمودار ہوا اور آپؐ سے کہا پڑھیے۔ آپؐ نے فرمایا "مَا اَنَا بِقَارِیٍ" (میں پڑھنا نہیں جانتا) اس نے آپؐ کو سینے سے لگا کر زور سے بھینچا اور دوبارہ کہا "اِقْرَاْ" (یعنی پڑھیے)۔ آپؐ نے پھر وہی جواب دیا۔ یہ عمل تین بار دہرایا گیا۔ حتیٰ کہ حضورؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ جاری ہو گئے۔

**اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ...... مَا لَمْ یَعْلَمْ۔** (علق: 1 تا 5)

اس کے بعد آپؐ گھر تشریف لائے تو آپؐ پر کپکپی طاری تھی اور آپؐ پسینے سے شرابور تھے۔ یہ پہلی وحی تھی اس کے بعد کچھ عرصہ تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا۔ بعض کے نزدیک یہ اڑھائی سال کا عرصہ ہے اور بعض کے نزدیک صرف چھ ماہ کا۔ بہرحال اس عرصہ کو دور فترۃ کہا جاتا ہے۔ پھر سورۃ المدثر کا ابتدائی حصہ نازل ہوا

**یٰۤاَیُّہَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ** (المدثر: 1'2)

(اے کمبل اوڑھنے والے اٹھ اور لوگوں کو ان کے انجام بد سے ڈرا)

ان آیات میں حضورؐ کو اپنا مشن لوگوں کے سامنے علی الاعلان پیش کرنے کا کہا گیا۔ اس کے بعد وحی کا سلسلہ چل نکلا۔ ضرورت اور موقع کے اعتبار سے آیات نازل ہوتیں۔ یوں 13 سال تک مکہ میں اور پھر ہجرت کے بعد دس سال تک مدینہ میں قرآن حکیم آہستہ آہستہ نازل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ جب آپؐ نے آخری حج ادا فرمایا تو آیت کلالہ نازل ہوئی۔

**یَسْتَفْتُوْنَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ** (سورۃ النساء: 176)



"لوگ آپ سے کلالہ کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہیئے کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے"۔

پھر جب آپؐ نے 9 ذی الحجہ کو عرفات میں وقوف فرمایا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

**اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا** (المائدہ: 4)

"آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا"۔

پھر آپؐ کی رحلت سے کچھ دیر قبل ہی یہ آیت نازل ہوئی

**وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْہِ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَہُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۔** (البقرۃ: 281)

"اس دن کی رسوائی و مصیبت سے بچو جب کہ تم اللہ کی طرف واپس ہو گے وہاں ہر شخص کو اس کی کمائی ہوئی نیکی یا بدی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر ظلم ہرگز نہیں ہوگا"۔

**ترتیب قرآن:** اوپر بیان شدہ کیفیت نزول قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلی اور سب سے آخری آیات کون سی تھیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جس شکل میں ہمارے پاس قرآن حکیم موجود ہے اس کی ترتیب یوں نہیں' اس ترتیب میں سب سے پہلے سورۃ الفاتحہ اور سب سے آخر میں سورۃ الناس ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن حکیم کی دو ترتیبی کیفیتیں ہیں۔ ایک وہ ترتیب جس میں یہ نازل ہوا اور دوسری وہ ترتیب جس میں یہ آج ہمارے پاس موجود ہے۔ پہلی ترتیب کو ترتیب نزولی کہا جاتا ہے اور دوسری کو ترتیب وقوفی۔ وقوف سے مراد ہے واقف کرنا' آگاہ کرنا۔ یعنی اس ترتیب سے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضورؐ کو آگاہ کیا جاتا رہا۔ جوں ہی کوئی آیت نازل ہوتی تو جبرائیلؑ اللہ کے حکم سے حضورؐ کو بتا دیتے کہ اس کو موقع محل کی مناسبت سے فلاں سورۃ میں فلاں آیت سے پہلے یا بعد میں درج کر لیں چنانچہ حضورؐ اپنے کاتبان وحی کو اسی ترتیب سے لکھوا دیتے۔ (جیسا کہ امام فخرالدین رازی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب آخری وحی

**وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ...... الخ۔**

نازل ہوئی تو ساتھ ہی جبرائیلؑ نے یہ ہدایت بھی دی کہ اس آیت کو سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 280 کے سرے پر رکھ دیجئے۔ گویا قرآن حکیم جس ترتیب میں ہمارے پاس موجود ہے یہ آنحضور صلی

Scanned with CamScanner

اللہ علیہ وسلم یا آپؐ کے بعد کسی کی دی ہوئی ترتیب نہیں بلکہ نزول قرآن کے ساتھ ساتھ ہی یہ ترتیب بھی حضورؐ کو بتا دی گئی تھی۔ اسی ترتیب سے پورا قرآن حکیم حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات مبارکہ میں تکمیل پا چکا تھا۔

**مکی اور مدنی سورتیں:** قرآن حکیم کی کچھ آیات مکی اور کچھ آیات مدنی ہیں۔ ان کے مکی اور مدنی ہونے کا تعین ہجرت نبوی سے کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ آیات جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں، مکی آیات کہلاتی ہیں، خواہ مکہ میں یا مکہ سے باہر کسی مقام پر نازل ہوئی ہوں اور جو ہجرت کے بعد نازل ہوئیں وہ مدنی آیات کہلاتی ہیں، خواہ مدینہ میں یا مدینہ سے باہر کسی مقام پر نازل ہوئی ہوں۔ اسی طرح سورہ قرآنی کو بھی مکی اور مدنی لحاظ سے تقسیم کیا گیا ہے وہ اس طرح کے بعض سورتیں مکمل کی مکمل یا مکی ہیں یا مدنی۔ بعض ایسی سورتیں ہیں جن کی کچھ آیات مکی ہیں اور کچھ مدنی۔ ایسی سورتوں کے تعین میں تعداد آیات کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یعنی جس سورت میں مکی آیات مدنی آیات سے زیادہ ہیں اسے مکی سورت اور جس میں مدنی آیات مکی آیات سے زیادہ ہیں، اسے مدنی سورت کہا جاتا ہے۔

مکی سورتوں اور مدنی سورتوں میں مندرجہ ذیل فرق ہے۔

## مکی سورتیں

1- یہ سورتیں عام طور پر چھوٹی چھوٹی ہیں۔
2- ان سورتوں میں اکثر خطاب یَاَیُّهَا النَّاسُ کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔
3- ان سورتوں میں بنی نوع انسان کو ابتدائی دعوت و تبلیغ کے تقاضوں کے تحت خطاب کیا گیا ہے۔
4- ان سورتوں میں بنیادی عقائد و نظریات پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔
5- چونکہ مکہ میں قیام کے دوران ابھی اسلام نے طاقت نہیں پکڑی تھی۔ اس لیے ان سورتوں میں جہاد کا ذکر نہیں ہے۔
6- ان سورتوں میں سابقہ اقوام اور انبیائے کرام کے قصص بیان کئے گئے ہیں۔

## مدنی سورتیں

1- یہ سورتیں عام طور پر لمبی لمبی ہیں۔
2- ان سورتوں میں اکثر خطاب یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے کیا گیا ہے۔
3- مدینہ میں چونکہ سب سے پہلی ریاست (City State) قائم کی گئی تھی، اس لیے اس



مناسبت سے امور سیاست بیان کئے گئے ہیں۔
4- ان سورتوں میں عبادات اور ارکان اسلام پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔
5- مدینہ میں سیاسی استحکام نصیب ہونے کی وجہ سے مدنی سورتوں میں جہاد کی تلقین پر زور الفاظ میں کی گئی ہے۔
6- ان سورتوں میں فرائض اور شرعی حدود کے نفاذ کے لیے تفصیلی طور پر احکام بیان کئے گئے ہیں۔

## وحی

**تعریف:** انبیاء علیہم السلام کو جو چیز عام انسانوں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ہم کلام ہوتا ہے۔ اس مکالمہ الٰہی کی کئی صورتیں ہیں جن میں سے ایک وحی ہے۔ وحی کے لفظی معنی ہیں اشارہ کرنا، پیغام دینا، دل میں ڈالنا، چھپا کر بولنا وغیرہ۔ لیکن اہل لغت کے نزدیک اس کے اصل معنی "دوسروں سے چھپا کر باتیں کرنا" ہیں۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ تین طور پر استعمال ہوا ہے۔

### 1- فطری حکم:

یعنی ہر جاندار کے اندر ایک جبلت (Instinict) پائی جاتی ہے، جس کے تحت وہ کسی سے کچھ سیکھے بغیر اعمال کرتا ہے۔ اسی کو فطری حکم کہا جاتا ہے۔

وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ (النحل:68)
(تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کو فطری حکم دیا۔)

### 2- دل میں بات ڈالنا:

وحی کی یہ قسم غیر انبیاء پر نازل ہوتی ہے۔ جیسا کہ ایک آیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ تو نبی نہیں ہیں لیکن ان کے لیے "او حینا" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ غیر نبی پر وحی کا نزول دین میں حجت ہرگز نہیں ہوتا، خواہ اس کا وصول کرنے والا کتنی بڑی ہستی ہی کیوں نہ ہو۔

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْهِ (قصص:7)
(اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ ان کو دودھ پلائیں۔)

### 3- چپکے چپکے چھپا کر بات کرنا:

Scanned with CamScanner

یہ وحی کی وہ قسم ہے جو بدلوگوں کو ہوتی ہے مگر خدا کی طرف سے نہیں، شیطان کی طرف سے۔ شیطانی وساوس اسی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ جھوٹے مدعیان نبوت کو بھی یہی وحی نصیب ہوتی ہے۔

اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِھِمْ (انعام۔121)

(بے شک شیطان اپنے دوستوں سے چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں۔)

**اقسام:** احادیث نبوی میں نزول وحی کی اور بھی صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ انہی کے پیش نظر حافظ ابن قیم نے وحی محمدی کی یہ سات قسمیں قرار دی ہیں۔

**1- رؤیائے صادقہ:** (سچے خواب) وحی کی اس قسم کے بارے میں حدیث میں ہے۔ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں کی شکل میں ہوئی۔ آپؐ جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح واضح ہوتا"۔

**2. القاء فی القلب:**

(یعنی دل میں پھونکنا یا دل میں ڈالنا) وحی کی اس قسم کے بارے میں حدیث یوں آئی ہے:

"روح القدس (جبرائیل امین) نے میرے دل میں یہ ڈال دیا کہ کوئی انسان اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک وہ اپنی روزی پوری نہ کرے۔ تو اے لوگو! خدا سے ڈرو اور روزی کی تلاش میں صحیح طریقے اختیار کرو۔ کیونکہ جو خدا کے پاس ہے وہ اس کی بندگی ہی سے مل سکتا ہے"۔

**3- صَلْصَلَۃُ الْجَرَسْ:** (گھنٹیوں کے بجنے کی آواز) صحیح بخاری میں ایک حدیث ہے کہ ایک صحابی نے پوچھا "یا رسول اللہ! آپ پر وحی کیسے نازل ہوتی ہے"۔ آپؐ نے فرمایا، "وحی کبھی گھنٹی کی آواز کی طرح میرے پاس آتی ہے اور یہ مجھ پر زیادہ سخت ہوتی ہے۔ پھر یہ حالت دور ہو جاتی ہے"۔ صحابہؓ کا بیان ہے کہ وحی کی اس صورت کی سختی اس قدر ہوتی تھی کہ آپؐ کا جسم مبارک بہت بوجھل ہو جاتا تھا۔ اور آپؐ کی سواری بیٹھ جاتی تھی۔ عقلیت پرست لوگ وحی کی اس شکل پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں۔ جبکہ محکمہ ٹیلی گراف کے ایک بابو کا محض ٹک ٹک کی آواز سے پورا پیغام اخذ کر لینا ان کے لیے حیرانی کا باعث نہیں بنتا۔

**4- تمثل:** (فرشتے کا کسی انسان کی شکل میں وارد ہونا) امام نوویؒ نے اپنی کتاب اربعین میں ایک حدیث بیان کی ہے جسے حدیث جبرائیل کہا جاتا ہے۔ اس میں جبرائیل علیہ السلام، آپؐ کے سامنے انسانی شکل میں نمودار ہوئے اور آپؐ سے اسلام، ایمان



احسان اور قیامت کے بارے میں سوالات کیے۔ روایات میں ہے کہ آنحضورؐ کے صحابہؓ میں سے حضرت دحیہ کلبیؓ انتہائی خوبصورت تھے۔ جبرائیل اکثر انہی کی شکل میں مجسم ہو کر آیا کرتے تھے۔ یہ اس صورت میں کبھی کبھی لوگوں کو نظر بھی آجاتے تھے۔

**5- فرشتے کا اصلی شکل میں نازل ہونا:** اس کی سب سے مشہور مثال غار حرا میں آغاز وحی کی صورت ہے، جس میں جبرائیلؑ اپنی اصلی شکل میں نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کے علاوہ بھی یہ صورت اکثر پیش آتی تھی۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپؐ رات کو سو رہے تھے کہ اٹھ کر بقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے۔ صبح کو آپؐ نے فرمایا، "رات جبرائیل نے مجھے پیغام دیا کہ میں اس وقت بقیع میں جا کر لوگوں کی مغفرت کے لیے دعا مانگوں"۔

**6- وراء الحجاب:** (پردے کے پیچھے سے) جس کی ایک شکل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کا بغیر کسی فرشتہ کے واسطہ سے ہم کلام ہونا ہے۔

**7- بالمشافہ کلام:** وحی کی اس قسم میں مشہور ترین مثال معراج کے موقع پر اللہ تعالیٰ کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کلام ہونا ہے۔

Scanned with CamScanner

# جمع و تدوین قرآن

## عہد نبوی

سب سے پہلے اس غلط فہمی کا ازالہ بہت ضروری ہے کہ قرآن حکیم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے بعد ضبط تحریر میں لایا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی، آپؐ اپنے کاتبین میں سے جو بھی پاس ہوتا اسے کہتے کہ اسے لکھ لو۔ نہ صرف یہ بلکہ اس آیت کے درج کرنے کا موقع اور جگہ بھی بتا دیتے۔

اس کے ثبوت میں باقاعدہ شواہد موجود ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ **الکتاب**: خود قرآن حکیم میں ہی اللہ تعالیٰ نے "الکتاب" کا لفظ بارہا استعمال کیا ہے۔ کتاب کے معنی ہیں لکھی ہوئی چیز۔ مثلاً

**الٓمّٓ ○ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ** (البقرہ:2)

(الم ○ یہ ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں)

**الٓمّٓصٓ ○ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ** (اعراف:1'2)

(المص ○ یہ ایسی کتاب ہے جو آپ پر نازل کی گئی)

**وَالطُّوْرِ ○ وَکِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ** (الطور:1'2)

(قسم ہے کوہ طور کی اور لکھی ہوئی کتاب کی)

**اِنَّہٗ لَقُرْاٰنٌ کَرِیْمٌ فِیْ کِتٰبٍ مَّکْنُوْنٍ** (واقعہ:77'78)

(یہ آبرو والا قرآن ہے۔ ایک غلاف پوش کتاب میں ہے)

2۔ **مس یعنی چھونا**: اسی چیز کو ممکن ہے جس کی جسمانی شکل ہو۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

**لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ۔** (واقعہ:79)

(اسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں)

ظاہر ہے کہ یہ ایسی شکل میں تھا کہ اسے چھوا جا سکے۔

3۔ **تاریخی شواہد**: اس امر کے تاریخی شواہد بھی ہیں کہ قرآن حکیم عہد نبوی ہی میں لکھا جا چکا تھا۔ مثال کے طور پر قرآن حکیم میں کفار کو چیلنج ہے کہ اگر تمہیں اس کلام کے 'کلام الٰہی ہونے



میں شک ہے تو اس کی مثل ایک سورۃ ہی بنا کر دکھاؤ۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن حکیم تحریری شکل میں تھا ورنہ کفار یہ بھی اعتراض کرتے کہ جس کلام کے بے مثال ہونے کا ہمیں چیلنج کرتے ہو وہ ہمیں لکھا ہوا دکھلاؤ تو سہی۔

دوسری مثال یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب اسلام لانے سے پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر گئے اور انہیں کلام اللہ کی تلاوت کرتے سنا تو ان سے کہا کہ "یہ لکھا ہوا قرآن جو تمہارے پاس ہے ذرا مجھے دو، میں بھی اسے پڑھوں"۔

4۔ **احادیث کی شہادت**: احادیث سے بھی تحریری قرآن مجید سے متعلق شواہد ملتے ہیں مثلاً "صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب سے ایک حدیث مروی ہے کہ جب آیت **لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ** الخ نازل ہوئی تو آنحضورؐ نے حضرت زیدؓ کو بلا بھیجا اور کہا کہ اپنے ساتھ دوات اور تختی لائیں پھر آپؐ نے انہیں وہ آیت لکھوا دی۔

ترمذی شریف میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آیت نازل ہوتی، تو آپؐ کاتبان وحی میں سے کسی کو بلاتے اور فرماتے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ میں درج کرو، جس میں ایسا اور ایسا مذکور ہے"۔

5۔ **مستشرقین کی رائے**: مشہور مورخ اور سوانح نگار ولیم میور نے اپنی کتاب "سیرت محمدؐ" کے دیباچے میں لکھا ہے۔

"اس قدر بے شک احتیاط سے قرآنی متن کو محفوظ رکھا گیا ہے کہ آج تک کسی قسم کا کوئی فرق واقع تک نہیں ہوا۔ خواہ ہم جس قدر بھی قرآن کے نسخے وہ مطبوعہ ہوں یا ہاتھ کے لکھے ہوئے دیکھیں، یکساں ہیں۔ یہ سب اسلام کی وسیع دنیا میں یکساں ملیں گے۔ دنیا میں کوئی اور مذہب اس طرح اپنی کتاب کو پیش نہیں کر سکتا جو قرآن کریم کو اس قدر صدیاں گذرنے کے باوجود حاصل ہے"۔

مندرجہ بالا تمام شواہد سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہی مکمل طور پر تحریر ہو چکا تھا اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ دوران نزول قرآن آپؐ نے تختی سے منع فرما رکھا تھا کہ ان کی زبان مبارک سے غیر قرآن نکلنے والے الفاظ کو رقم نہ کیا جائے۔ مبادا قرآن اور غیر قرآن میں اشتباہ ہو جائے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ قرآن حکیم ایک باقاعدہ کتاب کی شکل میں موجود نہ تھا۔ اس دور میں کاغذ اگرچہ موجود تھا لیکن کمیاب اور مہنگا تھا اس لیے اکثر صحابہؓ پتھر کی سلیٹوں، لکڑی کی تختیوں، کھجور کی چھال،

Scanned with CamScanner

اونٹ کے شانے کی ہڈیوں پر بھی لکھ لیتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپؐ کے دور مبارک میں قرآن کو کتاب کی شکل دینے کی ضرورت بھی محسوس نہ کی گئی۔ کیونکہ یہ اپنی صحیح ترتیب و تدوین کے ساتھ حفاظ کے سینوں میں محفوظ تھا۔

**عہد صدیقی:** رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا آغاز ہوا، تو آپؓ کو بہت سے مسائل سے دوچار ہونا پڑا، جن میں سے ایک مدعیان نبوت کی سرکوبی تھی۔ اس سلسلے میں مسیلمہ کذاب سے ایک خونریز جنگ ہوئی، جسے جنگ یمامہ کہا جاتا ہے۔ اس جنگ میں بعض روایات کے مطابق سات سو اور بعض کے مطابق پانچ سو حفاظ شہید ہوئے، جن میں کچھ قاری بھی تھے۔ یہ صحابہ آنحضورؐ کے تربیت یافتہ تھے اور عرب و عجم تک قرآن کی تعلیم پہنچانے کے ضامن تھے۔ لہٰذا ان کی شہادت امت مسلمہ کے لیے ناقابل تلافی نقصان تھا۔ حضرت عمرؓ کو بہت شاق گزرا کہ یہ تو فتنوں اور جنگوں کا دور ہے اگر اسی طرح مسلمان حفاظ اور قراء شہید ہوتے رہے، تو امکان ہے کہ قرآن مجید کا ایک کثیر حصہ کھو جائے۔ اسی خدشہ کے تحت آپ نے حضرت ابو بکرؓ کو مشورہ دیا کہ قرآن حکیم کو جمع کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

حضرت ابو بکرؓ سنت نبوی کے عشق میں اس قدر راسخ تھے کہ آپؓ اس اقدام پر آسانی سے راضی نہیں ہو رہے تھے۔ آپؓ کا موقف تھا کہ جس کام کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہیں کیا، میں اس کے کرنے سے کہیں حدود سنت سے تجاوز نہ کر جاؤں اور کہیں میرا یہ اقدام خدا اور رسول کے نزدیک بدعت نہ ٹھہرے۔ لیکن حضرت عمرؓ اور دیگر اہل دانش صحابہؓ سے پیہم گفتگو اور بحث و تمحیص کے بعد بالآخر حضرت ابو بکرؓ اس کام پر آمادہ ہوگئے۔ چنانچہ روایات میں آپ ہی کے الفاظ درج ہیں۔ "پھر اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ (جمع قرآن) سے متعلق میرا سینہ کھول دیا اور میری بھی وہی رائے ہوگئی، جو حضرت عمرؓ کی تھی"۔ اس شرح صدر کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے ایک بورڈ تشکیل دیا جس کے چیئرمین حضرت زیدؓ بن ثابت تھے۔ حضرت زیدؓ نے بھی حضرت ابو بکرؓ کی طرح پہلے اس کام کے کرنے میں پس و پیش کیا لیکن اہل تدبر صحابہؓ کے سمجھانے سے ان کے ذہن میں بھی معاملہ کی اہمیت بیٹھ گئی۔ حضرت ابو بکرؓ کے فرمان سے حضرت زیدؓ کے پاس وہ تمام نوشتے پہنچائے گئے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص اہتمام سے لکھوائے تھے۔ اسی طرح دوسرے صحابہؓ کے پاس قرآن کے جو مسودات تھے وہ سب اکٹھے کیئے گئے حضرت زیدؓ خود بھی حافظ قرآن تھے اس کے باوجود ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کسی بھی صحابی کے لائے ہوئے نوشتہ کی تصدیق میں کم از کم دو حافظوں کی شہادت لیتے کہ آیا یہ نوشتہ واقعی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سن کر لکھا گیا ہے۔

یوں حضرت زید بن ثابتؓ نے قرآن پاک کے متفرق اجزا کو اوراق پر تحریر کیا اور ترتیب وہی



رکھی جو عہد نبوی میں تھی اور یہ تیار کردہ نسخہ ہر لحاظ سے وہی قرآن تھا، جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ یہ نسخہ حضرت ابو بکرؓ کی تحویل میں دے دیا گیا۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ فاروق کے پاس رہا۔ انہوں نے اپنی وفات سے قبل اپنی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ کے حوالے کر دیا۔ عہد عثمانی کے کچھ عرصہ تک یہ نسخہ انہی کی تحویل میں رہا۔

**عہد عثمانی:** یہ بات مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر زبان میں ارضی فاصلوں سے کچھ نہ کچھ فرق نمودار ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس زبان کی ذیلی شاخیں (DIALECTS) بن جاتی ہیں۔ ہم اپنے ماحول ہی کی بات کرتے ہیں۔ لاہور، سیالکوٹ اور جہلم اضلاع میں پنجابی ہی بولی جاتی ہے۔ لیکن تینوں شہروں کے لہجے اور انداز تکلم میں فرق ہے۔ اسی طرح عربی زبان میں بھی علاقائی فاصلوں کی وجہ سے لہجوں میں فرق آجاتا ہے۔ لہجوں کے اس فرق سے معنوں میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہی وجہ ہے کہ نزول قرآن کے دوران عرب کے مسلمانوں کو اپنے اپنے قبیلے اور علاقے کے لہجے کے مطابق قرآن پڑھنے کی اجازت دے دی گئی تھی کیونکہ اس میں بولنے کی آسانی تھی۔ یہ رعایت اس وقت تک تو روا ہے جب تک صرف عربی زبان کے لہجوں میں اختلاف کا مسئلہ ہو۔ لیکن ہوا یوں کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اسلامی قلمرو کے پھیلاؤ اور اسلام میں عجمیوں کے داخلے سے زبان کا یہ فرق اور وسیع ہوگیا۔ ایسی صورت میں رعایت قرآن کے بنیادی معنوں میں انتشار کا باعث بن سکتی تھی۔ اسی خدشہ کو حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے بروقت محسوس کیا۔ وہ آرمینیہ کی فتح میں اہل شام کے ساتھ اور آذربائیجان کی فتح میں اہل عراق کے جہاد میں شریک رہے تھے۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ شام اور عراق کے لوگ اپنے اپنے لہجے پر مصر ہیں اور ہر کوئی دعویدار ہے کہ اس کی قرات فائق ہے۔ چنانچہ جب وہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے تو عرض کیا" "اے امیر المومنین! اس امت کی خبر لیجئے۔ قبل اس کے کہ وہ کتاب اللہ میں اسی طرح اختلاف کرنے لگیں، جس طرح یہود و نصاریٰ نے اختلاف کیا"۔

حضرت حذیفہؓ کی اس دردمندانہ اپیل پر حضرت عثمانؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ سے وہ مصحف منگوایا، جس کی تدوین حضرت ابو بکرؓ کے دور میں کی گئی تھی۔ پھر آپؓ نے تین صحابہؓ کی ایک کمیٹی تشکیل دی جن کی سربراہی اس بار پھر حضرت زیدؓ کے نصیب میں آئی۔ آپؓ کے شریک کار حضرت سعیدؓ بن عاص اور حضرت عبدالرحمنؓ تھے۔ اس بورڈ نے بڑی عرق ریزی اور چھان پھٹک سے قرآن حکیم کی قرات میں اختلاف کو رفع کرنے اور یکسانیت برقرار رکھنے کے لیے قریشی لہجہ میں نقول تیار کیں اور ہر صوبہ کے مرکز میں ایک ایک نسخہ بھیج دیا اور ایک نقل حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ رکھ دی تاکہ جس کسی کو اپنے پاس موجود قرآنی آیات کی قرات درست کرنا مقصود ہو، وہ اس نسخے سے درست کرلے۔

Scanned with CamScanner

یہ مصاحف چونکہ آئندہ کے لیے نمونہ کی حیثیت رکھتے تھے اس لیے ان کو "مصاحف الائمہ" یعنی معیاری صحیفے بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر نسخہ کے ساتھ متعلقہ صوبوں میں ایک ایک خاص قاری بھیجنے کا اہتمام بھی کیا تاکہ لوگ اپنے قرآن اس نسخہ سے مقابلہ کر کے درست کرلیں۔ یہ کام 30ھ میں انجام پذیر ہوا۔ یہ حضرت عثمانؓ کی بروقت مساعی کا نتیجہ ہے کہ آج عالم اسلام میں قرآن کا صحیح معیاری نسخہ موجود ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ حضرت عثمانؓ کا لکھوایا ہوا نسخہ مصحف عثمانی کہلاتا ہے۔ ان مصاحف عثمانی میں سے دو مصحف اس وقت دنیا میں محفوظ ہیں۔ ایک تاشقند میں اور دوسرا استنبول میں۔

بخاری کے باب جمع القرآن میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے قرآن حکیم کی قرات میں اختلاف کے ہر امکان کا خاتمہ کرنے کے لیے یہ فرمان جاری کیا کہ جہاں کہیں بھی علیحدہ قراتوں میں لکھے ہوئے قرآن ہوں جلا دیے جائیں۔ اگرچہ بعض مفسدین نے آپؓ کے اس اقدام کو آپؓ کے خلاف سازش کے لیے حربہ کے طور پر استعمال کیا' تاہم آپؓ کی پیش بینی کی بدولت آج قرآن حکیم میں ذرہ برابر بھی اختلاف نظر نہیں آتا۔ اور آپؓ کو جامع القرآن بھی اسی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ آپؓ نے امت مسلمہ کو قرآن حکیم کی ایک قرات پر جمع کیا۔ ورنہ جہاں تک قرآن کی جمع و تدوین کا تعلق ہے یہ کام تو اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہی انجام پا چکا تھا۔

**اعراب:** اعراب کے معنی ہیں کسی لفظ کی صحیح ادائیگی کے لیے اس لفظ پر حرکات یعنی زبر' زیر اور پیش لگانا۔ ابتداء" قرآن حکیم میں یہ اعراب نہیں ہوتے تھے' صرف نقطے ہوتے تھے۔ یہ بات عربوں کے لیے تو کوئی دشواری نہیں رکھتی تھی کیونکہ وہ اس سے اچھی طرح مانوس تھے۔ لیکن غیر عربوں کے لیے اس میں بڑی دقت پیش آتی تھی۔ چنانچہ 50ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک مشہور شاگرد ابو الاسود الدولی نے قرآن پاک میں اعراب لگانے کی خدمت انجام دی۔ اکثر مورخین اس بات کے قائل ہیں کہ بعد ازاں حجاج بن یوسف نے اس کام کو مکمل طور پر سرانجام دیا جبکہ مورخین یہ خیال رکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں حجاج بن یوسف نے کوئی خدمت نہیں کی بلکہ ابو الاسود ہی کے شاگردوں نصر بن عاصم اور یحییٰ بن یعمر نے اپنے استاد کے کام کو آگے چلایا اور اسے آخری شکل عباسی دور کے ایک مشہور ماہر علم عروض خلیل بن احمد نے دی۔



# اعجاز القرآن

قرآن حکیم ایک معجزہ ہے۔ معجزہ کے معنی ہوتے ہیں "عاجز اور لاجواب کر دینے والی چیز"۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیے جانے والے معجزات الٰہیہ میں سے قرآن حکیم سرفہرست ہے۔ اس کے اعجاز کو انسانی عقل اپنے احاطہ میں نہیں لا سکتی۔ تاہم اس کے مندرجہ ذیل پہلو بہت اہمیت کے حامل ہیں:

## (الف) حفاظت قرآن:

قرآن حکیم دنیا کی واحد کتاب ہے جو تقریباً چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی اسی طرح محفوظ ہے۔ جس طرح عہد نبوی میں توقیف الٰہی سے ترتیب دی گئی تھی اور یہ بات اس کے معجزہ ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اس کے محفوظ رہنے کے مندرجہ ذیل اسباب ہیں۔

1- **وعدۂ خداوندی:** خود صاحب کتاب نے اس کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

**اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ** (الحجر:9)

"اس ذکر کو ہم نے ہی نازل کیا اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں"۔

ظاہر ہے کہ جس چیز کی نگہبانی کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے اٹھا رکھا ہو وہ یقیناً ہر طرح کی دست برد سے محفوظ رہے گی۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

**لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ** (حم السجدۃ:42)

باطل نہ سامنے سے اس پر آ سکتا ہے' نہ پیچھے سے۔

"سامنے سے نہ آسکنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پر براہ راست حملہ کر کے اگر کوئی شخص اس بات کو غلط اور کسی تعلیم کو باطل و فاسد ثابت کرنا چاہے تو اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ پیچھے سے نہ آسکنے کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کوئی حقیقت و صداقت ایسی منکشف نہیں ہو سکتی' جو قرآن کے پیش کردہ حقائق کے خلاف ہو کوئی علم ایسا نہیں آسکتا' جو فی الواقع علم ہو اور قرآن کے بیان کردہ علم کی تردید کرتا ہو۔ کوئی تجربہ اور مشاہدہ ایسا نہیں ہو سکتا جو یہ ثابت کر دے کہ قرآن نے عقائد اخلاق قانون' تہذیب و تمدن' معیشت و معاشرت اور سیاست مدن کے باب میں انسانوں کی جو

رہنمائی دی ہے وہ غلط ہے۔ اس کتاب نے جس چیز کو حق کہہ دیا ، وہ کبھی باطل نہیں ہو سکتی اور جسے باطل کہہ دیا وہ کبھی حق ثابت نہیں ہو سکتی"۔ (تفہیم القرآن)

## 2۔ طریق نزول:

مکمل قرآن حکیم حالات اور ضروریات کے مطابق آہستہ آہستہ 23 سال میں نازل ہوا۔ اسی طریق نزول کی وجہ سے اسے تنزیل کا نام بھی دیا گیا۔ یہ طریق نزول اس کی حفاظت میں ممد و معاون ثابت ہوا کیونکہ اسے جبریلؑ حضورؐ کے قلب مبارک پر بحفاظت اتار دیتے اور آپؐ اپنے صحابہؓ کو وہ حصہ سنا دیتے اور صحابہؓ اسے زبانی ازبر کر لیتے۔ گویا قرآن کا تھوڑا تھوڑا نازل ہونا اسے حفظ کرنے میں سہولت کا باعث بنا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضورؐ کی حیات مبارکہ میں ہی سارا قرآن جمع کر لیا تھا اور اسے رات بھر پڑھتا تھا۔

## 3۔ تلاوت قرآن:

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تلاوت قرآن کی جو تاکید کی ہے اور اس کے لیے جو اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہے، وہ حفاظت قرآن کی ایک انتہائی کامیاب تدبیر ہے۔ قرآن حکیم ہی میں تلاوت قرآن کے لیے رات اور فجر کے وقت کو خصوصیت اور فضیلت کا حامل قرار دیا گیا ہے۔

يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ۔ (آل عمران:113)

"ترجمہ: اللہ کے بندے اللہ کی آیات کی تلاوت راتوں کے وقت کرتے ہیں"۔

إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا"۔ (المزمل:4) (بنی اسرائیل:78)

"ترجمہ: بیشک صبح کی تلاوت کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں"۔

وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ۔ (کہف:27)

تیرے رب کی کتاب سے جو آپؐ کی طرف وحی کیا گیا ہے اس کی تلاوت کیجیے"۔

آیات قرآنی کے علاوہ احادیث نبویہ سے بھی تلاوت قرآن کی تاکید ملتی ہے۔

"دو چیزوں میں رشک جائز ہے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ نے قرآنی علوم سے نوازا ہو اور وہ رات دن اس میں غرق رہے"۔ (بخاری و مسلم)

"تلاوت اللہ تعالیٰ کا دسترخوان ہے اسے مت چھوڑو"۔ (مسلم)

"اے قرآن والو! قرآن کو ایسے پڑھو جیسے پڑھنے کا حق ہے، رات دن پڑھو، اسے پھیلاؤ، اس کے مضامین پر غور کرو تاکہ تم کامیاب رہو"۔

## 4۔ حفظ قرآن:

دنیا کی کوئی اور کتاب ایسی نہیں جسے مکمل شکل میں اپنے ماننے والوں کے سینوں میں جگہ ملی



ہو۔ یہ صرف قرآن حکیم ہی ہے جسے کروڑوں افراد کی نوک زبان پر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ دنیا کی کسی قوم نے اپنی مذہبی کتاب کے تحفظ اور بقا کے لیے یہ اہتمام نہیں کیا جو مسلمانوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کے لیے کیا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حفظ قرآن کی بہت تاکید فرمائی ہے۔

"جن ماں باپ نے اپنے بچے کو قرآن حفظ کرایا ان کو جنت میں تاج پہنایا جائے گا"۔ (احمد، ترمذی)

"حافظ قرآن کو قیامت کے دن یہ انعام دیا جائے گا کہ اسے کہا جائے گا، قرآن پڑھتا جا اور جنت کی منزلیں طے کرتا جا۔ جہاں تیرا قرآن ختم ہو گا وہی تیرا مقام ہے"۔ (احمد، نسائی)

اس کے علاوہ آپؐ نے قرآن بھلا دینے کی پاداش میں سزا کی وعید بھی سنائی ہے۔ "جو شخص قرآن کو یاد کر کے بھلا دے وہ قیامت کے دن کوڑھی بن کر اٹھے گا"۔

## حفاظت قرآن کے بارے میں غیر مسلموں کی شہادت

**(الف) مستشرقین کی آراء:** قرآن حکیم کی حفاظت ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف غیر مسلموں کو تمام تر تعصب کے باوجود بھی کرنا ہی پڑتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں چند غیر مسلموں کے اقتباسات درج کیے جاتے ہیں۔

1۔ "قرآن کا کوئی جزو، کوئی فقرہ اور کوئی لفظ ایسا نہیں سنا گیا جس کو جمع کرنے والوں نے چھوڑ دیا ہو اور نہ کوئی لفظ اور فقرہ ایسا پایا جاتا ہے، جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ زائد داخل کر دیا گیا ہے اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو ان احادیث میں جن میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی چھوٹی چھوٹی باتیں محفوظ رکھی گئی ہیں، ان کا پتہ ضرور چلتا"۔ (ولیم میور)

2۔ "قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں تیرہ سو برس سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یہودی اور عیسائی مذہب میں کوئی ایسی چیز نہیں جو معمولی طور پر بھی قرآن کے مقابلے میں پیش کی جا سکے"۔ (باڈلے)

3۔ "قرآن بلاشبہ عربی زبان کی سب سے بہتر اور دنیا کی سب سے زیادہ مفید کتاب ہے"۔ (جارج سیل)

4۔ "بیشک قرآن مجید الہامی کتاب ہے"۔ (پادری آر میکوئل کنگ)

Scanned with CamScanner

## (ب) اسلوبِ قرآن:

عربوں کو اپنی فصیح اللسانی اور بلاغت پر اتنا ناز تھا کہ وہ اس سلسلہ میں کسی دوسری قوم کو خاطر میں نہیں لاتے تھے' بلکہ اپنے سوا سب کو عجمی یعنی گونگا قرار دیتے تھے۔ قرآن حکیم کے بعد ان کے تمام دعوے باطل ثابت ہوگئے۔ کلام الٰہی کا اسلوب اس قدر منفرد اور بے نظیر ہے' اس کی اثر انگیزی اور فصاحت و بلاغت ایسی بلا کی ہے کہ عرب کیا' عجم کیا' ہر کوئی قیامت تک اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ علامہ راغب طباخ لکھتے ہیں: "عربوں جیسے فصیح و بلیغ زبان دانوں اور زبان آوروں کو اگر کسی نے ششدر کیا ہے' تو وہ ذات رسالت مآب تھی جس نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ اس نادر کتاب یعنی قرآن حکیم کے ذریعے انہیں چیلنج دیا۔ جس کی آیات محکم ہیں اور کلمات مفصل، جس کی بلاغت نے عقلوں کو مبہوت بنا دیا۔ جس کی وضاحت ان کی ہر گفتگو پر غالب آئی اور جس کے ایجاز و اعجاز نے سربلندی کے جھنڈے لہرائے۔ جس کے دامن میں حقیقت و مجاز کے بے مثل شاہکار ہیں"۔

خود اللہ تعالیٰ نے بار بار یہ کہا کہ اگر تمہارے نزدیک یہ انسانی کلام ہے تو انسان کو ایسے کلام پر قادر ہونا چاہیے۔ لہٰذا تمہارا یہ دعویٰ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خود تصنیف کیا ہے صرف اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ تم ایک ایسی کتاب تصنیف کر کے دکھاؤ' لیکن اگر بار بار چیلنج دینے پر بھی تم سب مل کر اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتے تو پھر اس بات کو تسلیم کرو کہ اس کتاب کا مصنف محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ یہ میرے (یعنی اللہ) کے علم سے نازل ہوئی ہے۔ بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے اور یہ بات انسان کی قدرت سے باہر ہے کہ ایسا کلام تصنیف کر سکے۔ یہ چیلنج نہ صرف قریش کو بلکہ تمام دنیا کے منکرین کو سب سے پہلے سورہ الطور میں دیا گیا تھا۔ اس کے بعد تین مرتبہ مکہ مکرمہ میں (یعنی سورہ یونس' ہود اور سورہ بنی اسرائیل) اور آخری مرتبہ مدینہ منورہ (سورہ البقرۃ) میں دیا گیا۔ مگر کوئی اس کا جواب دینے کی نہ اس وقت ہمت کر سکا نہ اس کے بعد آج تک کسی کو یہ جرات ہوئی کہ قرآن کے مقابلے میں کسی انسانی تصنیف کو لے آئے۔ وہ چیلنج ترتیب وار درج ذیل ہے۔

1- **اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ**۔ (الطور:33-34)

ترجمہ: کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص نے یہ قرآن خود گھڑ لیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں لانا چاہتے۔ اگر یہ اپنے اس قول میں سچے ہیں تو اسی شان کا ایک کلام بنا لائیں۔



2- **اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝** (یونس:38)

ترجمہ: کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اسے خود تصنیف کر لیا ہے؟ کہو اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو ایک سورت اس جیسی تصنیف کر لاؤ اور ایک خدا کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو مدد کے لیے بلا لو۔

3- **اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝**

(ہود:13)

ترجمہ: کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے یہ کتاب خود گھڑی ہے؟ کہو اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں تم بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اور جو (تمہارے معبود) ہیں ان کو مدد کے لیے بلا سکتے ہو تو بلا لو اگر تم (انہیں معبود سمجھنے میں) سچے ہو۔

4- **قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا" ۝** (بنی اسرائیل:88)

ترجمہ: کہہ دو کہ اگر انسان اور جن سب کے سب مل کر اس قرآن جیسی کوئی چیز لانے کی کوشش کریں تو نہ لا سکیں گے چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔

5- **وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَاۗءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝**

(البقرۃ:23)

ترجمہ: اور اگر تمہیں اس کتاب میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی ہے تو اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا لاؤ اور اپنی حمایت میں سب غیر خداؤں کو بھی پکار لو اگر تم سچے ہو۔

مندرجہ بالا آیات قرآنی میں قرآن حکیم کے کلام الٰہی ہونے پر یہی استدلال کیا گیا ہے کہ "یہ قرآن اپنی زبان' اسلوب بیان' طرز استدلال' مضامین' مباحث' تعلیمات اور اخبار غیب کے لحاظ سے ایک معجزہ ہے۔ جس کی نظیر لانا انسانی قدرت سے باہر ہے۔ تم کہتے ہو کہ اسے ایک انسان نے تصنیف کیا ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ تمام دنیا کے انسان مل کر بھی اس شان کی کتاب تصنیف نہیں کر

Scanned with CamScanner

سکتے۔ بلکہ اگر وہ جن، جنہیں مشرکین نے اپنا معبود بنا رکھا ہے اور جن کی معبودیت پر یہ کتاب علانیہ ضرب لگا رہی ہے، منکرین قرآن کی مدد پر اکٹھے ہو جائیں، تو وہ بھی ان کو اس قابل نہیں بنا سکتے کہ قرآن کے پائے کی کتاب تصنیف کر کے اس چیلنج کو رد کر سکیں"۔

"بعض لوگ اس چیلنج کی حقیقی نوعیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ ایک قرآن ہی کیا، کسی شخص کے سٹائل میں بھی دوسرا کوئی شخص نثر یا نظم لکھنے پر قادر نہیں ہوتا۔ ہومر، رومی، شیکسپیئر، گوئٹے، غالب، ٹیگور، اقبال، سبھی اس لحاظ سے بے مثل ہیں کہ ان کی نقل اتار کر انہی جیسا کلام بنا لانا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ قرآن کے چیلنج کا یہ جواب دینے والے دراصل اس غلط فہمی میں ہیں۔ **فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِّثْلِهِ** کا مطلب قرآن کے سٹائل میں اس جیسی کوئی کتاب لکھ دینا ہے۔ حالانکہ اس سے مراد سٹائل میں مماثلت نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اس پائے اور اس شان اور اس مرتبے کی کوئی کتاب لے آؤ، جو صرف عربی ہی میں نہیں دنیا کی کسی زبان میں ان خصوصیات کے لحاظ سے قرآن کی مد مقابل قرار پا سکے، جن کی بناء پر قرآن ایک معجزہ ہے"۔ (تفہیم القرآن)

**(ج) پیش گوئیاں:** اعجاز قرآن کے سلسلے میں قرآن حکیم کی پیش گوئیاں اس کی معجزاتی صداقت کی دلیل ہیں۔ ان میں چند "نمونے کے طور" پر ذیل میں بیان کی جاتی ہیں

1- اسلوب بیان کے تحت یہ بات بڑی تفصیل سے مذکور ہو چکی ہے کہ قرآن حکیم کے بے مثل ہونے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا چیلنج موجود ہے۔ چودہ سو سال گزر چکے ہیں، یہ چیلنج بدستور مخالفین کو للکار رہا ہے مگر کسی میں اس کے جواب کی ہمت نہیں ہوتی۔

2- قرآن حکیم کی حفاظت میں بھی کئی انداز سے پیش گوئی کی گئی ہے، جس کا ذکر حفاظت قرآن کی ذیلی سرخی "وعدہ خداوندی" کے تحت تفصیل سے ہو چکا ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ باطل کسی طور پر بھی قرآن حکیم میں راہ نہیں پائے گا اور اس کی حفاظت کا ایسا اہتمام ہوگا کہ اس کی صحت میں ذرہ برابر شک کی گنجائش نہ باقی ہوگی۔ چنانچہ یہ پیش گوئی من و عن صحیح ثابت ہو چکی ہے۔

3- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمانے سے قبل ایرانی اور رومی سلطنتیں برسرپیکار تھیں۔ ایران زیادہ غلبہ حاصل کرتا جا رہا تھا۔ عین اسی زمانے میں قرآن حکیم نے روم کے حق میں پیش گوئی کی۔

**غُلِبَتِ الرُّومُ ۝ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ۝ فِي بِضْعِ سِنِينَ ۝** (الروم: 2 تا 4)

ترجمہ: "آج اہل روم قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں لیکن اپنے



مغلوب ہونے کے بعد وہ عنقریب چند ہی سالوں میں غلبہ پا لیں گے"۔

اس پر مشرکین نے مسلمانوں کا ہنسی مذاق اڑانا شروع کر دیا کہ ظاہری قرائن اور اسباب بتاتے ہیں، فتح ایران کی ہوگی تو بھلا رومی کیسے غالب آ سکتے ہیں؟ لیکن اللہ نے ان کے تمام اندازے غلط کر دیے اور بالآخر فتح روم ہی کی ہوئی۔

4- قرآن حکیم میں فرعون کے جسم کو عبرت کے لیے محفوظ رکھنے کا ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔

**فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ ۝** (یونس: 92)

ترجمہ: آج تو ہم صرف تیری لاش ہی کو بچائیں گے تاکہ تو بعد کی نسلوں کے لیے باعث عبرت بنے۔ اگرچہ بہت سے انسان ایسے ہیں جو ہماری نشانیوں سے غفلت برتتے ہیں۔

"آج تک وہ مقام جزیرہ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر موجود ہے جہاں فرعون کی لاش سمندر میں تیرتی ہوئی پائی گئی تھی۔ اس کو موجودہ زمانے میں جبل فرعون کہتے ہیں اور اس کے قریب ایک گرم چشمہ ہے جس کو مقامی آبادی نے حمام فرعون کے نام سے موسوم کر رکھا ہے۔ اس کی جائے وقوع ابوزنیمہ سے چند میل اوپر شمال کی جانب ہے اور علاقے کے باشندے اسی جگہ کی نشاندہی کرتے ہیں کہ فرعون کی لاش یہاں پڑی ہوئی ملی تھی۔

اگر یہ ڈوبنے والا وہی فرعون منفتہ ہے جس کو زمانہ حال کی تحقیق نے فرعون موسیٰ قرار دیا ہے تو اس کی لاش آج تک قاہرہ کے عجائب خانے میں موجود ہے۔ 1907ء میں سرگرافٹن ایسٹ سمتھ نے اس کی ممی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں، تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہ جمی ہوئی پائی گئی تھی جو کھارے پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی"۔ (تفہیم القرآن)

5- قرآن حکیم میں ایک پیش گوئی یہ بھی ہے۔

**فَأَنجَيْنَاهُ وَأَصْحَابَ السَّفِينَةِ وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝** (العنکبوت: 15)

ترجمہ: "پھر نوح علیہ السلام کو اور کشتی والوں کو ہم نے بچا لیا اور اسے دنیا والوں کے لئے ایک نشان عبرت بنا کر رکھ دیا"

اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس ہولناک عقوبت کو یا اس عظیم الشان واقع کو بعد والوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا گیا۔

لیکن یہاں اور سورۃ قمر میں یہ بات جس طریقے سے بیان فرمائی گئی ہے، اس سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ نشان عبرت خود وہ کشتی تھی، جو پہاڑی کی چوٹی پر صدیوں موجود رہی اور بعد کی نسلوں کو خبر دیتی رہی کہ اس سرزمین میں کبھی ایسا طوفان آیا تھا جس کی بدولت یہ کشتی پہاڑ پر جا ٹکی ہے۔

Scanned with CamScanner

سورہ قمر میں اس کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ○ تَجْرِىْ بِاَعْيُنِنَا جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ○ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○ (القمر: 13 تا 15)

ترجمہ: اور ہم نے نوحؑ کو سوار کیا تختوں اور میخوں والی کشتی پر وہ چل رہی تھی ہماری نگرانی میں اس شخص کے لیے جزا کے طور پر جس کا انکار کر دیا گیا تھا اور ہم نے اسے چھوڑ دیا نشانی بنا کر۔ پس ہے کوئی سبق لینے والا؟

سورہ قمر کی اس آیت کی تفسیر میں ابن جریر نے قتادہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ "عہد صحابہ میں جب مسلمان الجزیرہ کے علاقہ میں گئے ہیں تو انہوں نے کوہ جودی پر (اور ایک روایت کی رو سے باقردیٰ نامی بستی کے قریب) اس کشتی کو دیکھا ہے۔ موجودہ زمانہ میں بھی وقتاً" فوقتاً" یہ اطلاعات اخبارات میں آتی رہتی ہیں کہ کشتی نوحؑ کو تلاش کرنے کے لیے مہمات بھیجی جا رہی ہیں اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بسا اوقات ہوائی جہاز جب کوہستان ارارط پر سے گزرے ہیں تو ایک چوٹی پر انہوں نے ایسی چیز دیکھی ہے جو ایک کشتی سے مشابہ ہے"۔ (تفہیم القرآن)



# تعارف سورۃ البقرۃ

**وجہ تسمیہ :** "بقرۃ" کا لفظ عربی میں گائے اور بیل دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس سورۃ کا نام البقرۃ اس لیے رکھا گیا کہ اس کے آٹھویں رکوع میں بنی اسرائیل کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ اس سورۃ میں صرف یہی واقعہ ہے۔ مضامین تو اور بھی ہیں لیکن البقرۃ عنوان بنانے سے اس واقعہ کی اہمیت واضح کرنا مقصود ہے۔ اس سورۃ کے چالیس رکوع ہیں جو 286 آیات پر مشتمل ہیں۔ اس کی آیت نمبر286 قرآن پاک کی سب سے طویل آیت ہے۔

**زمانہ نزول :** اس سورۃ کی بیشتر بلکہ تقریباً تمام تر آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے ہجرت کے بعد قیام مدینہ کے زمانہ میں نازل ہوئیں۔ کہیں کہیں کوئی مکی آیت بھی شامل ہے لیکن یہ بات اس کے مدنی ہونے کے منافی نہیں۔ ویسے اس کی مدنی آیات میں بھی زیادہ تعداد ان ہی کی ہے جو ہجرت مدینہ کے فوراً بعد نازل ہوئیں۔ آخری دو آیات مکہ میں معراج کے موقع پر اور حرمت سود سے متعلق آیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے آخری دور میں اور آیت **وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ** حجۃ الوداع کے موقعہ پر نازل ہوئیں۔

**پس منظر:** سورۃ البقرۃ کے مضامین کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل پہلوؤں کو ذہن میں رکھ لینا چاہیے۔

1- یہ یاد رہے کہ اس سورۃ کا بیشتر حصہ مدینہ کی طرف ہجرت سے فوراً بعد کا نازل شدہ ہے اور ہجرت سے بیشتر جب تک مکہ میں اسلام کی دعوت دی جاتی رہی' خطاب بیشتر مشرکین عرب سے تھا' جن کے لیے اسلام کی آواز نئی اور غیر مانوس تھی۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں اسلام کا واسطہ یہود سے پڑا۔ یہ لوگ اسلام کی بنیاد یعنی توحید رسالت' وحی' ملائکہ اور آخرت کے قائل تھے اور شریعت موسوی کے دعویدار تھے۔ اگرچہ حضرت موسیٰؑ کے بعد 19 صدیاں گزر جانے سے وہ مسلسل انحطاط پذیر تھے اور اصل دین سے بہت دور ہٹ چکے تھے اور بہت سی ایسی باتیں ان کے دین میں در آئی تھیں' جن کا شریعت موسوی کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ ان کے احبار و رہبان نے تورات کے اندر بھی تحریف کر کے

Scanned with CamScanner

اپنی مرضی کے مسائل شامل کر دیے تھے اور اپنی مرضی کے خلاف کچھ مسائل کو گول کر دیا تھا۔ دین کی اصل روح قائم نہیں تھی اور محض ظاہری مذہب اور رسومات کا ڈھانچہ باقی تھا' جس کو وہ سینہ سے لگائے ہوئے تھے۔ اس بگاڑ میں وہ اس قدر راسخ ہو چکے تھے کہ جب کوئی بندۂ خدا دین کی صحیح تصویر ان کے سامنے رکھتا تو وہ اس کے دشمن ہو جاتے۔ وہ اپنا اصل نام یعنی مسلم بھول چکے تھے۔ سورۃ البقرۃ کے ابتدائی نصف میں انہیں اصل دین کی طرف دعوت دینے کا حکم ہی آنحضور ؐ کو دیا گیا ہے۔ ان آیات میں یہود کی تاریخ اور ان کی مذہبی و اخلاقی حالت پر جس انداز سے تنقید کی گئی ہے اور جس طرح ان کے بگڑے ہوئے مذہب و اخلاق کی نمایاں خصوصیات کے مقابلے میں حقیقی دین کے اصول پہلو بہ پہلو پیش کیے گئے ہیں' اس سے یہ بات روز روشن کی طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ایک پیغمبر کی امت کا بگاڑ کس نوعیت کا ہوتا ہے۔ رسوم محض کے مقابلے میں دین حقیقی کیا ہے۔ دین حق کے بنیادی حقوق کیا ہیں اور خدا کی نگاہ میں اصل اہمیت کن چیزوں کو ہے۔

2۔ قیام مکہ کے دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مشن صرف اصول دین کی تبلیغ اور دین قبول کرنے والوں کی اخلاقی تربیت تک محدود رکھا۔ لیکن جب آپ ؐ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو مختلف قبائل کے لوگ جو اسلام قبول کر چکے تھے' ہر طرف سے سمٹ کر ایک جگہ جمع ہونے لگے اور انصار کی مدد سے ایک چھوٹی سی ریاست وجود میں آئی۔ چنانچہ انہیں تمدنی' معاشرتی' سیاسی امور کے معاملے میں بھی اصولی ہدایت کی ضرورت تھی۔ سورۃ البقرۃ کے آخری نصف میں زیادہ تر اسی ضرورت کے تحت آیات شامل کی گئی ہیں اور یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اسلام کی بنیاد پر نئے نظام زندگی کی عمارت کیسے کھڑی کرنی چاہیئے۔

3۔ ہجرت سے پہلے دعوت اسلامی خود دارا لکفر میں جاری تھی اور مختلف قبیلوں میں سے اسلام قبول کرنے والے لوگ اپنی اپنی جگہ رہ کر ہی دین کی تبلیغ کرتے جس کے جواب میں ان پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے۔ لیکن ہجرت کے بعد صورت حال نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا۔ کیونکہ دنیا میں پہلی ریاست (City State) معرض وجود میں آگئی' اس لیے تمام عرب اس کا استیصال کرنے پر تلا ہوا تھا۔ گویا اسلام اور کفر کی کشمکش ایک نئے مرحلے میں داخل ہو گئی۔ اب اس مٹھی بھر جماعت کے وجود وبقا کا انحصار ان باتوں پر تھا۔

(الف) یہ جماعت بھرپور تبلیغ کرے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ہم عقیدہ بنائے جائیں۔

(ب) مخالفین کا باطل پر ہونا اس طرح واضح کر دے کہ صاحب عقل کو اس میں شبہ



نہ رہے۔

(ج) مصائب و آلام سے ہراساں نہ ہو بلکہ پورے صبر و استقلال کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرے۔

(د) کفار کی تعداد اور ان کے مادی وسائل کی پروا کیے بغیر ان کی ہر مسلح مزاحمت کا مسلح مقابلہ پوری دلیری سے کرے۔

(ہ) اس جماعت میں اتنی ہمت پیدا کی جائے کہ اگر اسلام کے مطلوبہ نظام کو اہل عرب عقل و دانش سے قبول نہ بھی کریں تو انہیں جاہلیت کے فاسد نظام زندگی کو بزور مٹا دینے میں بھی تامل نہ ہو۔

4۔ اسلام کے لیے ایک سب سے زیادہ خطرہ منافقین کی جماعت تھی۔ یہ لوگ کھلے مخالفین کی نسبت زیادہ نقصان دہ ہوتے تھے۔ ان کی پانچ اقسام ہیں۔

(الف) وہ جو اسلام کے برحق ہونے کے معترف تھے۔ لیکن مشکلات لا الہ کو برداشت کرنے اور اسلام کی خاطر اپنے مفاد کی قربانی کے لیے تیار نہ تھے۔

(ب) وہ جو اسلام کے شدید منکر تھے اور محض فتنہ و شر پھیلانے کے لیے مسلمانوں میں شامل ہو جاتے تھے۔

(ج) وہ جو اسلامی جماعت کے دائرہ اقتدار میں گھر جانے کی وجہ سے اپنا مفاد اسی میں دیکھتے تھے کہ ایک طرف مسلمانوں میں بھی اپنا شمار کرائیں۔ دوسری طرف مخالفین اسلام سے بھی اپنا ربط رکھیں تاکہ دونوں طرف کے فوائد سے متمتع ہوں اور دونوں طرف کے خطرات سے محفوظ رہیں۔

(د) وہ جو اسلام اور جاہلیت کے درمیان متردد تھے انہیں اسلام کے برحق ہونے پر کامل اطمینان نہ تھا۔ مگر چونکہ ان کے قبیلے یا خاندان کے بیشتر لوگ مسلمان ہو چکے تھے اس لیے یہ بھی مسلمان ہو گئے۔

(ہ) وہ جو اسلام کے بحیثیت امر حق تو معترف تھے مگر جاہلیت کے طریقے اور اوہام اور رسوم چھوڑنے اور اخلاقی قیود و پابندیاں قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ (ماخوذ از تفہیم القرآن)

ان میں سے اول الذکر منافقین کا ظہور قیام مکہ کے دوران ہی وجود میں آچکا تھا اور باقی چاروں اقسام نے مدینہ میں وجود پایا۔ چنانچہ ان کی طرف اجمالی اشارات بھی سورۃ البقرۃ میں ملتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

## سورۃ البقرۃ کے اہم مضامین

سورۃ البقرۃ قرآن حکیم کی طویل ترین سورت ہونے کے سبب اپنے اندر متعدد مضامین سموئے ہوئے ہے۔ بعض جو کسی ایک سورت میں آزاد اور الگ تفصیلاً "بیان ہوئے ہیں' ان کا ذکر بھی اس سورت میں اجمالاً کر دیا گیا ہے۔ تمام ضروری انفرادی و اجتماعی اعمال و نظریات اس سورت میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ اس کے اہم مضامین کا خلاصہ رکوعات کی ترتیب کے لحاظ سے حسب ذیل ہے۔

### 1- تین گروہوں کا بیان:

پہلا رکوع اس بیان میں ہے کہ یہ کتاب منزل من اللہ ہے اور اس میں متقین کے لیے ہدایت ہے اور متقین کا گروہ غیب پر' قیامت پر' قرآن اور سابقہ الہامی کتابوں پر ایمان رکھتا ہے اور نماز کے قیام اور ادائے زکوٰۃ کا بڑا پابند ہوتا ہے۔ ان کے مقابلے میں دوسرا گروہ کفار کا ہے جو انکار مسلسل سے امر تکوینی کے تحت قبول حق کی صلاحیت سے محروم ہو چکا ہے۔

دوسرے رکوع میں تیسرے گروہ یعنی منافقین کا ذکر ہے۔ یہاں قرآن مجید نے ان کا تفصیلی ذکر کیا ہے

### 2- حد بندی کا حکم:

تیسرے رکوع میں معبودیت کے لیے صفت خلاقی کو ایک لازمہ قرار دے کر ایک خدا کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہی فلاح اور نجات کا راستہ ہے۔ نیز قرآن حکیم کے کلام الٰہی ہونے کی قطعی دلیل اور منکرین کو اس کے جواب میں کلام پیش کرنے کا چیلنج دیا گیا ہے۔

### 3- تخلیق آدم کا بیان:

چوتھے رکوع میں آدمؑ کی تقرری بطور خلیفۃ اللہ' اس تقرری پر فرشتوں کے اظہار تعجب اس تعجب کے ازالہ کے لیے جواب خداوندی کا بیان ہے۔ نیز انسان کے ازلی دشمن یعنی شیطانی طاقت کا ذکر ہے اور یہ وضاحت کی گئی ہے کہ غلطی کر کے پچھتانا انسانی خاصہ ہے جو کہ محمود ہے اور غلطی کر کے سرکشی اور تکبر کرنا شیطانی خاصہ ہے جو کہ مذموم ہے۔

### 4- بنی اسرائیل پر انعامات ربانی اور ان کی ناشکری:

پانچویں رکوع سے لے کر چودھویں رکوع تک اس بات کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی لاڈلی قوم ہونے کی حیثیت سے بے شمار انعامات ربانی سے نوازے گئے۔ مثلاً اس قوم میں سے



انبیاء کا مبعوث ہونا' فرعون سے نجات من و سلویٰ کا نزول' بادلوں کا سایہ' چشموں کا ظہور وغیرہ۔ نیز بنی اسرائیل کی اخلاقی' مذہبی اور معاشرتی برائیوں کا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے اور آئندہ اقوام کے لیے عبرت کے طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل نے تمام تر انعامات الٰہیہ کی ناشکری کی اور خدا نے ان سے شرف فضیلت چھین لیا۔ انہی رکوعات میں قصہ ہاروت و ماروت' گائے کی قربانی اور واقعہ سبت کا ذکر بھی ہے۔

### 5- جد انبیاء (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کا ذکر:

پندرھویں اور سولھویں رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت' کعبہ کی فضیلت دعائے ابراہیمی اور اس کے شرف قبولیت کا بیان ہے۔ نیز یہود کو' جو کہ اپنے آپ کو دین ابراہیمی پر سمجھتے تھے' دین ابراہیمی کی پیروی کی ہدایت کی گئی ہے۔

### 6- تحویل قبلہ:

رکوع نمبر 17 اور 18 میں قبلہ کی جہت بدلنے سے متعلقہ احکامات ہیں۔ تحویل قبلہ کا حکم تقریباً ڈیڑھ سال بعد از ہجرت نازل ہوا تھا۔ اس پر یہود نے اعتراضات کیے جن کا جواب ان آیات میں دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ایسا محض امتحان اطاعت کے لیے کیا گیا نہ یہ کہ اللہ پہلے کسی ایک جہت میں تھا اور اب اس نے نقل مکانی کر لی ہے۔

### 7- دنیا کی حقیقت:

انیسویں رکوع میں بتایا گیا ہے کہ انسان کی دنیاوی زندگی ایک آزمائش ہے اور اصل کامیابی اس آزمائش میں صبر و ثابت قدمی ہے۔ نیز حج و عمرہ ریاضتوں کا بیان ہے جن سے روح کو تازگی ملتی ہے۔

### 8- قدرت الٰہیہ میں تدبر اور رزق حلال:

رکوع نمبر 20 اور 21 میں قدرت الٰہیہ میں تفکر اور تدبر کر کے شرک سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ نیز کسب حلال پر زور دیا گیا ہے اور کتاب اللہ اور اس میں بیان کردہ احکام پر پردہ ڈالنا ایک بڑا ظلم قرار دیا گیا ہے۔

### 9- نیکی کا تصور اور قصاص کا بیان:

رکوع نمبر 22 میں مشہور آیت البر ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ نیکی کسی خاص سمت کی طرف منہ کرنے کا نام نہیں بلکہ نیکی اس امر کا نام ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ پر' قیامت پر' فرشتوں پر' کتاب

Scanned with CamScanner

اللہ پر اور انبیاء پر ایمان لائے اور محض اللہ کی رضا و محبت میں قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوالیوں، غلاموں کو آزاد کرانے پر مال خرچ کرے۔ نیز اس رکوع میں جرم کا قصاص یعنی برابر بدلہ اور اسکا فلسفہ اور اس سے متعلقہ احکام کا بیان بھی ہے۔

## 10- فرائض کی بجا آوری اور خبائث سے اجتناب کا بیان:

تیئسویں سے ستائیسویں رکوع تک بعض ایسے فرائض جو کہ دین کی اصل ہیں، ان کی بجا آوری کا حکم دیا گیا ہے اور ان خبائث سے اجتناب کا حکم ہے، جو دین کی اصل کاٹتے ہیں۔ مثلاً رکوع نمبر 23 میں رمضان شریف کے روزوں کی فرضیت اوقات اور دیگر احکامات کا بیان ہے۔ نیز دوسروں کا حق مارنے اور ناحق مالی غبن کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ رکوع نمبر 24 اور 25 میں حج و عمرہ سے متعلق آداب و احکام کا بیان ہے۔ نیز انفاق فی سبیل اللہ، احسان اور حسن خلق اور اطاعت خداوندی کی تاکید بھی کی گئی ہے۔ رکوع نمبر 26 میں کفر اور ناانصافی کے خلاف جہاد کرنے اور فتنہ و فساد کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رکوع نمبر 27 میں جوئے اور شراب کے نقصانات بیان کر کے اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ انسان ان خبائث سے اجتناب کرے اور اپنا مال یتیموں، مسکینوں پر خرچ کرے۔

## 11- عائلی زندگی کے احکام:

رکوع نمبر 28 تا 31 میں عائلی زندگی اور اس سے متعلقہ مسائل کا بیان ہے۔ اس سلسلے میں نکاح کی فضیلت، حقوق زوجین کی تفصیلات، احکام رضاعت، طلاق، ایلاء، عدت، حق مہر وغیرہ کے مسائل کا ذکر ہے۔

## 12- جہاد کے احکام:

راہ حق پر گامزن رہنے کے دوران مزاحم باطل قوتوں کو دور کرنے کے لیے جہد و سعی کو جہاد کہا جاتا ہے اور اس کی ایک آخری شکل قتال ہے۔ رکوع نمبر 32 اور 33 میں دعوت جہاد دی جا رہی ہے اور ضمناً "طالوت و جالوت" کا قصہ بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ فتح و شکست کا انحصار تائید ایزدی اور قوت ایمانی پر ہے۔

## 13- آیت الکرسی:

یہ قرآن حکیم کی سب سے مشہور آیت ہے جو رکوع نمبر 34 میں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و صفات کا بیان ہے۔



## 14- انفاق فی سبیل اللہ:

رکوع نمبر 35 تا 40 میں خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا بیان ہے۔ اس انفاق میں خلوص کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے۔ یعنی اس میں ریا اور دکھاوا نہیں ہونا چاہیے۔ نیز کن مدات پر خرچ کیا جائے، اس کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ان آیات میں حرمت سود کے احکام بھی بیان ہوئے ہیں اور تجارت و سود کے فرق کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ نیز قرض اور اس کے لین دین کے احکام کا بیان ہے کہ اس سلسلے میں معاہدہ کو ضبط تحریر میں لے آنا فریقین کے لیے فائدہ مند رہتا ہے۔ پھر آخری رکوع میں اسلامی عقائد اور ایک جامع دعا بیان کی گئی ہے۔

Scanned with CamScanner

# سورۃ البقرۃ کی فضیلت

ویسے تو قرآن حکیم کی ہر سورت ہمارے لیے باعث رحمت و برکت ہے لیکن سورۃ البقرۃ کا شمار افضل ترین سورتوں میں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی عمال و عقائد کی تمام لازمی تعلیمات اس سورت کے اندر شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور باسعادت میں جب کسی عامل کی تقرری کی جاتی تھی تو اس کے لیے سورۃ البقرۃ کا حافظ و عالم ہونا اس کی ایک اعلیٰ خوبی (Qualification) تصور کیا جاتا تھا۔ احادیث مبارکہ سے اس سورت کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

1- صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: **اِنَّ الشَّیْطَانَ یَفِرُّ مِنَ الْبَیْتِ الَّتِیْ تُقْرَاُ فِیْھَا سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ۔**
ترجمہ: جس گھر میں سورۃ بقرہ پڑھی جائے شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے۔

2- سنن دارمی میں خالد بن معدانؒ کی روایت ہے **اِقْرَءُوْا سُوْرَۃَ الْبَقَرَۃِ فَاِنَّ اَخْذَھَا بَرَکَۃٌ وَتَرْکَھَا حَسْرَۃٌ**
ترجمہ: سورۃ البقرہ پڑھا کرو کہ اس کا پڑھنا باعث برکت اور نہ پڑھنا باعث حسرت ہوتا ہے۔

3- سنن دارمی ہی میں حضرت سہیل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر چیز کی ایک کوہان ہوتی ہے اور قرآن کی کوہان سورۃ البقرۃ ہے۔ جس گھر میں کوئی شخص سورۃ البقرۃ کی تلاوت دن کے وقت کرتا ہے اس گھر میں تین دن تک شیطان داخل نہیں ہوتا اور اگر رات کو اس کی تلاوت کرتا ہے تو تین رات تک شیطان اس گھر میں داخل نہ ہوگا"۔

4- صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دو تر و تازہ سورتیں (سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران) کی تلاوت کیا کرو۔ قیامت کے دن یہ دونوں اپنے پڑھنے والوں کو جھگڑ کر بخشوا لیں گی"۔

5- امام بیہقیؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص سورۃ البقرۃ پڑھے گا اسے جنت میں تاج پہنایا جائے گا۔



6- مشکوٰۃ شریف میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سورۃ البقرۃ اور سورۃ آل عمران اپنے پڑھنے والوں پر حشر کے دن سایہ کریں گی"۔

7- ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک جنگ میں ایک سردار کی تلاش تھی۔ جن لوگوں نے اپنی خدمات پیش کیں، آپؐ ان میں سے ہر ایک سے پوچھتے کہ قرآن پاک کے کون سے اجزاء حفظ ہیں۔ اتنے میں ایک نوجوان نے کہا کہ مجھے پوری سورۃ البقرۃ یاد ہے۔ آپؐ نے فرمایا "تم اس جماعت کے امیر ہو"۔ حالانکہ وہ عمر کے اعتبار سے سب سے چھوٹا تھا۔

8- آیت الکرسی جو کہ سورۃ بقرہ کا ایک حصہ ہے، اس کی فضیلت میں بھی حدیثیں ملتی ہیں۔ مثلاً سنن نسائی میں حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھتا ہو، اس کے جنت میں داخلے میں موت کے سوا کوئی دوسری چیز مانع نہیں"۔

9- صحیح مسلم میں آیت الکرسی کی فضیلت میں یہ روایت حضرت ابی بن کعبؓ سے بیان کی گئی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا "قرآن کریم کی سب سے عظیم آیت کون سی ہے؟ حضرت ابی بن کعبؓ نے جواب میں عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آنحضورؐ نے بار بار یہی سوال دہرایا۔ اس پر حضرت ابی بن کعبؓ نے عرض کیا "آیت الکرسی"۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا "تمہیں علم مبارک ہو"۔

10- سورۃ بقرہ کی آخری دو آیات کی فضیلت کے بارے میں صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص رات کے وقت البقرہ کی آخری دو آیتیں تلاوت کرے تو یہ اس کے لیے کفایت کریں گی"۔

اس کے علاوہ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپؐ نے ان دو آیات کو عرش کے نیچے سے حاصل ہونے والا خزانہ قرار دیا۔

Scanned with CamScanner

# سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ساتھ نام اللہ نہایت مہربان نہایت رحم والا

الٓمّٓ ۝١ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۝٢

الٓمّٓ وہ کتاب نہیں شک میں اس ہدایت واسطے ڈرنے والے

الف لام میم اس کتاب میں کوئی شک نہیں یہ ڈرنے والوں کے لیے ہدایت ہے

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا

وہ جو ایمان لاتے ہیں ساتھ غیب اور قائم کرتے ہیں نماز اور اسمیں سے

جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ

رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝٣ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ

جو ہم نے دیا انہیں خرچ کرتے ہیں اور وہ جو ایمان رکھتے ہیں ساتھ اس جو نازل کیا گیا طرف تیری

ہم نے انکو دیا اسے خرچ کرتے ہیں اور جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو آپ پر اتارا گیا ہے اور اس پر

وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝٤

اور جو نازل کیا گیا سے پہلے تجھ اور ساتھ آخرت وہ یقین رکھتے ہیں

جو آپ سے قبل اتارا گیا ہے۔ اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں

اُولٰٓىِٕكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٥ اِنَّ

وہ سب اوپر ہدایت سے رب انکا اور وہ سب وہ فلاح پانیوالے بیشک

یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ پورے بامراد ہیں۔ بیشک

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ

وہ جو کافر ہوئے برابر اوپر انکے خواہ تونے ڈرایا انہیں یا نہ تو ڈرائے انہیں

جو لوگ کفر اختیار کیے ہوئے ہیں۔ انکے لیے یکساں ہے خواہ آپ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان

لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝٦ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ۚ وَ عَلٰۤى

نہیں ایمان لانیوالے مہر لگادی اللہ اوپر دلوں ان کے اور اوپر کان ان کے اور اوپر

نہ لائیں گے۔ اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے شنوائی پر مہر لگادی ہے۔ اور ان کی



اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝٧

آنکھوں ان کی پردہ اور واسطے انکے عذاب بہت بڑا

آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا ہی عذاب ہے۔

## الفاظ کے معانی وضروری تشریحات

**الٓمّٓ** تشریح حروفِ مقطعات کے عنوان کے تحت دیکھئے۔

**ذٰلِكَ** یہ اشارہ بعید ہے۔ اُردو میں اس کا ترجمہ "وہ" ہونا چاہیئے :: لیکن اس موقعہ پر "یہ" ترجمہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ کتاب یعنی قرآن مجید کی عزت وعظمت کی جانب اشارہ ہو۔ اُردو میں بھی تعظیماً قریب کے بجائے اشارۂ بعید استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے کسی بڑے یا بزرگ شخص کو مخاطب کرتے وقت ایں جناب کی بجائے آں جناب کہتے ہیں::

**اَلْكِتٰبُ** کتاب۔ خاص یعنی قرآن حکیم۔ الؔ کی وجہ سے اِسم معرفہ ہے ::

**لَا** نہیں "رَیْبَ" شک، شُبہ، گمان، یہاں اتنا اور یاد رکھیئے کہ لَا کے بعد جب کسی اسم پر زبر ہو تو اس کی پوری قسم کا اِنکار مقصود ہوتا ہے۔ لَا رَیْبَ کے معنی ہیں۔ کسی قسم کا شک وشُبہ نہیں ہے۔ اسے گرامر کی اصطلاح میں لائے نفی جنس کہتے ہیں۔ :: فِیْهِ : اس میں ::

**هُدًى** اس کے معنی ہیں۔ (۱) راہ دکھانا۔ (۲) منزلِ مقصود تک پہنچانا :: یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ پہلے معنی کے اعتبار سے قرآن حکیم هُدًى لِّلنَّاسِ اور هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ہے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ہے۔

**لِلْمُتَّقِیْنَ** لَ : واسطے، کے لیے۔ مُتَّقِیْن، مُتَّقِی کی جمع۔ پرہیزگاروں یا خُدا خوفی یا خُدا ترسی یا اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے۔ مُتَّقِیْن اِسم فاعل جمع مذکر ہے۔ مصدر اِتِّقَاءٌ اور مادہ وَقْیٌ ہے ::

**اَلَّذِیْ** وُہ لوگ۔ جو، جنہیں۔ اَلَّذِیْ کی جمع اور اسم موصول ہے۔

**یُؤْمِنُوْنَ** وُہ ایمان رکھتے ہیں۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب۔

| مصدر | مادہ | ماضی | مضارع | امر | نہی |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| اِیْمَانٌ | (ا م ن) | اٰمَنَ | یُؤْمِنُ | اٰمِنْ | لَا تُؤْمِنْ |

**بِالْغَیْبِ** غیب پر، پوشیدہ چیزوں پر، ان دیکھی باتوں پر، جو چیز نظر اور تجربہ سے باہر ہو۔ جیسے حشر ونشر، حُور، فرشتے، جنّت، دوزخ وغیرہ۔ غَیْبَۃٌ کی جمع ہے ؛

**یُقِیْمُوْنَ** وہ قائم کرتے ہیں۔ فعل مضارع، صیغہ جمع مذکّر غائب ؛

| مصدر | مادہ | ماضی | مضارع | امر | نہی |
|---|---|---|---|---|---|
| اِقَامَۃٌ | (ق و م) | اَقَامَ | یُقِیْمُ | اَقِمْ | لَا تُقِمْ |

**صَلٰوۃٌ** لغوی معنی دُعا، مراد نماز ؛

**مِمَّا** مرکّب ہے مِنْ سے اور مَا (وہ چیز جو) سے یعنی اُس چیز ؛

**رَزَقْنٰھُمْ** جو ہم نے اُن کو رزق دیا۔ رِزْقٌ مصدر سے ہے ؛

**یُنْفِقُوْنَ** وہ خرچ کرتے ہیں۔ فعل مضارع، صیغہ جمع مذکر غائب ؛

| مصدر | مادہ | ماضی | مضارع | امر | نہی |
|---|---|---|---|---|---|
| اِنْفَاقٌ | (ن ف ق) | اَنْفَقَ | یُنْفِقُ | اَنْفِقْ | لَا تُنْفِقْ |

**بِمَا** مرکب ہے۔ بِ (ساتھ) اور مَا (وہ چیز جو) یعنی اس کے ساتھ جو یا اس پر جو ؛

**اُنْزِلَ** وہ اُتارا گیا۔ وہ نازل کیا گیا۔ مصدر اِنْزَالٌ ہے۔ ماضی مجہول صیغہ واحد مذکّر غائب ؛

**اِلَیْکَ** تیری طرف، تجھ تک "قَبْلِکَ" تجھ سے پیشتر، تجھ سے پہلے۔

**بِالْاٰخِرَۃِ** آخرت پر، قیامت پر، بعد میں آنے والی چیز پر مُراد، وہ زندگی جو موت کے بعد دوسرے عالم میں ہے ؛

**یُوْقِنُوْنَ** وہ یقین رکھتے ہیں۔ فعل مضارع معروف، صیغہ جمع مذکّر غائب۔

| مصدر | مادہ | ماضی | مضارع | امر | نہی |
|---|---|---|---|---|---|
| اِیْقَانٌ | (ی ق ن) | اَیْقَنَ | یُوْقِنُ | اَیْقِنْ | لَا تُوْقِنْ |

**اُولٰٓئِکَ** وہ سب اسم اشارہ ہے۔ جمع کے لیے آتا ہے۔

**رَبِّھِمْ** اُن کا ربّ، اُن کا پروردگار، ان کا پرورش کرنے والا۔

**مُفْلِحُوْنَ** فلاح پانے والے، کامیاب ہونے والے، اپنے مطلوب کو پانے والے، مُراد کامیاب، کامران، اسم فاعل جمع مذکّر ہے۔ واحد مُفْلِحٌ ہے۔



مُفْلِحٌ وہ شخص ہے جو ہر قسم کی مشکلات اور رُکاوٹوں کو دُور کرتے ہوئے کامیابی کی آخری منزل تک پہنچ جائے ؛

| مصدر | مادہ | ماضی | مضارع | امر | نہی |
|---|---|---|---|---|---|
| اِفْلَاحٌ | (ف ل ح) | اَفْلَحَ | یُفْلِحُ | اَفْلِحْ | لَا تُفْلِحْ |

**اِنَّ** بے شک، بلاشُبہ، تحقیق، یقیناً۔ اَلَّذِیْنَ۔ جو لوگ۔

**کَفَرُوْا** اُنہوں نے کُفر کیا، انہوں نے انکار کیا، انہوں نے نہ مانا۔ فعل ماضی معروف صیغہ جمع مذکّر غائب، کُفر کے معنی لُغت میں ڈھانپنے اور چُھپانے کے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم میں یہ لفظ ناشکری و کفرانِ نعمت کے مضمون میں بھی استعمال ہوا ہے اور انکار کرنے کے معنوں میں بھی ؛

**سَوَآءٌ** برابر، یکساں، مساوی۔ اسم مصدر ہے۔

**عَلَیْھِمْ** ان پر ؛

**ءَاَنْذَرْتَھُمْ** تُونے اُن کو ڈرایا، تُونے اُن کو ہوشیار کیا، تُونے ان کو خبردار کیا۔ اَنْذَرْتَ، اِنْذَارٌ مصدر سے ہے۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر حاضر "ھُمْ" ضمیر جمع مذکّر غائب ؛

**اَمْ** یا، خواہ، کیا ؛

**لَمْ** نہیں۔ یہ لفظ مضارع کے شروع میں آتا ہے۔ اور اُسے ماضی منفی یا انکاری کے معنی میں کر دیتا ہے۔ مثلاً یَفْعَلُ کے معنی ہیں۔ وہ کرتا ہے یا کرے گا۔ لَمْ داخل ہونے کے بعد لَمْ یَفْعَلْ کے معنی ہوں گے۔ اُس نے نہیں کیا۔ اِسی طرح لَمْ یَذْھَبْ۔ وہ نہیں گیا۔ لَمْ یَقْرَءْ۔ اُس نے نہیں پڑھا۔ نیز یہ حرف جازم ہے۔ اگر آخر میں حرفِ علّت ہو۔ تو ساقط کر دیتا ہے۔ اگر نہ ہو۔ تو حرف کو سکون دیتا ہے ؛

**تُنْذِرْ** تو ڈرائے یا ڈراتا ہے۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب۔

**لَا یُؤْمِنُوْنَ** وہ ایمان نہیں لائیں گے ؛

**خَتَمَ** اُس نے مُہر لگائی۔ خَتْمٌ مصدر سے ہے جس کے معنی مُہر لگانے اور ختم کرنے کے ہیں۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب ؛

**قُلُوْبٌ** دِل، عقل اور احساس۔ اِس کا واحد قَلْبٌ ہے ؛

Scanned with CamScanner

سَمْعِهِمْ اُن کے کان، اُن کی سماعت، اُن کی شنوائی، قوتِ سامعہ، سُننے کی حِس۔

اَبْصَارِهِمْ اُن کی آنکھیں، بَصَرٌ کی جمع ہے۔ جس کے معنی آنکھ یا بینائی کے ہیں۔

غِشَاوَةٌ۔ پردہ، حجاب، تاریکی ⁘

لَهُمْ اُن کے لیے۔ عَذَابٌ۔ عذاب، تکلیف، سزا ⁘

عَظِيمٌ بہت بڑا، بہت سخت ⁘

## حروف مقطعات

## تشریح و تفسیر آیت نمبر1

الم اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ حروفِ مقطعات کہلاتے ہیں' جو قرآن حکیم کی انتیس سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں۔ یہ حروف اکٹھے لکھے جاتے ہیں لیکن علیحدہ علیحدہ پڑھے جاتے ہیں۔ اگر مکرر یعنی بار بار آنے والے حروف مقطعات نکال لیے جاتے ہیں' تو ان کی تعداد چودہ رہ جاتی ہے۔ مفسرین نے ان حروف کی تشریح میں متعدد اقوال تحریر کیے ہیں' جو درج ذیل ہیں:

1- ایک مصری عالم سید نصوح طاہر نے حروف ابجد کے اعتبار سے حساب لگا کر بتایا کہ ان حروف میں سورتوں کی آیات کی تعداد ملتی ہے۔

2- بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ سورتوں کے نام ہیں۔ اکثر متکلمین اور خلیل نحوی اور سیبویہ نحوی اسی طرف گئے ہیں کیونکہ بعض سورتوں کے نام ان ہی حروف پر رکھ دیے گئے ہیں۔ مثلاً طٰہٰ' صٓ' یٰس' قٓ' نٓ وغیرہ۔

3- ایک بزرگ کا قول ہے کہ الف' اللہ کے لیے مخفف ہے' جس نے قرآن حکیم نازل کیا۔ لام سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں' جو اللہ کی طرف سے وحی لائے اور میم' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخفف ہے' جن پر یہ کتاب نازل ہوئی۔

4- حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ صحابی اور بعض تابعین نے فرمایا: الم سے مراد اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ (میں اللہ بہت جاننے والا ہوں) ہے۔ (تفسیر ابن جریر)

5- بعض کے نزدیک یہ حروف قرآن حکیم ہی کے نام ہیں۔ کلبی' سدی اور قتادہ کا یہ قول ہے۔

6- یہ حروف اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں۔ تبرکاً" ان کو اول کل سورہ میں ذکر کر دیا ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ دعا میں کھیعص یا حمعسق کہتے ہیں۔ (تفسیر حقانی)



7- محض خبردار کرنے کے لیے اور اس بات کے لیے کہ ایک کلام تمام ہو کر دوسرا شروع ہوتا ہے' یہ حروف بولے گئے ہیں۔

8- بحساب ابجد ان سے قوموں کے زمانہ حکومت اور دور سلطنت اور بقا و عزت کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر حقانی)

9- ایک قول یہ بھی ہے کہ کلام و خطاب کے شروع میں اس طرح کے الفاظ لانا اہل عرب کے اسالیب بیان میں سے تھا۔ اس لحاظ سے یہ حروف نہ غیر مانوس ہیں نہ مطلقاً بے معنی۔ زمانہ جاہلیت کے عربی ادب میں اس طرح کی مثالیں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ کرام میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان حروف کے معانی نہیں پوچھے۔ آہستہ آہستہ یہ اسلوب بیان عربی زبان میں متروک ہوگیا' اس لیے علماء متاخرین کے لیے ان حروف کے معانی متعین کرنا مشکل ہوگیا۔

یہ آخری قول زیادہ مقبول اور قابل قبول ہے۔ اگرچہ ان مقطعات میں بعض رموز و اسرار ہونے کا بھی مطلقاً" انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ایک قول یہ بھی ہے کہ الٓمّٓ اور دیگر حروف مقطعات سِرٌّ بَيْنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ یعنی خدا اور رسول کے درمیان اسرار و رموز کی باتیں ہیں' جنہیں ان کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

خلفائے راشدینؓ' حضرت عبداللہؓ بن مسعود' شعبی' سفیان ثوری اور حاتم اور جمہور مفسرین کا مسلک یہ ہے کہ یہ حروف ان متشابہات قرآنی میں سے ہیں' جن کا علم کسی مصلحت کی وجہ سے عام بندوں کو نہیں دیا گیا ہے۔ (قرطبی و تفسیر ابن کثیر)

## قرآن حکیم کتاب الٰہی ہے

## تشریح و تفسیر آیت نمبر2

اس آیت میں قرآن حکیم نے اپنا تعارف کرایا ہے' چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ "اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے" یعنی اس کتاب کے کتاب الٰہی یا منزل من اللہ یا منجانب اللہ ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ قرآن پاک کے دوسرے مقامات سے بھی اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً:

**وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ** (بقرہ-23)

"اور اگر تمہیں شک ہو جو کچھ ہم نے اپنے بندے پر اتارا تو اس کے مانند

Scanned with CamScanner

ایک سورت لاؤ"۔

الٓمّٓ تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سجدہ-2:1)

"الم کتاب کی تنزیل، جس کے کتاب الٰہی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے"۔

حٰمٓ تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (مومن-2:1)

"حم کتاب کا نازل کرنا خدائے عزیز و علیم کی جانب سے ہے"۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا "کَثِیْرًا"

"کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ اگر وہ غیر اللہ کا بنایا ہوا ہوتا تو اس میں اختلاف کثیر پاتے"۔

گویا یہ کتاب خود اپنے کتاب الٰہی ہونے پر ایک حجت قاطع ہے اور کسی طرح خارجی ثبوت و دلیل کی محتاج نہیں۔ اس کی روشن تعلیمات، معجزانہ فصاحت و بلاغت، اس کے بیان کردہ تاریخی واقعات، اس کی سچی پیشین گوئیاں اور حیرت انگیز قوت تاثیر اس کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل ہیں۔ اس کا ہر حکم برحق اور علم و حکمت پر مبنی ہے۔ اگر کوئی شک و شبہ کرتا ہے تو یہ اس کی کج فہمی اور فہم و فراست کا قصور ہے، نہ کہ اس کتاب کا۔ اگر یرقان کے مریض کو ہر چیز زرد دکھائی دے تو یہ اس کی آنکھوں کا قصور ہے، ہر چیز تو زرد نہیں۔

پھر فرمایا کہ "یہ کتاب متقین کے لیے ہدایت ہے" یعنی اگرچہ یہ کتاب تمام بنی نوع انسان کے لیے سراسر ہدایت و راہنمائی کا سامان مہیا کرتی ہے اور خطاب ساری نوع انسانی سے کرتی ہے لیکن اس سے مستفید صرف وہی لوگ ہوں گے جن کے اندر حق کی طلب اور تلاش ہے۔ جن کا ضمیر زندہ ہے اور جو احساس ذمہ داری، خشیت، خدا خوفی اور خدا ترسی رکھنے والے ہیں۔ جو بھلائی و برائی میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، برائی سے بچنا چاہتے ہوں، بھلائی کے طلبگار ہوں اور اس پر عمل پیرا ہونے کے متمنی ہوں۔ جو لوگ دنیا میں جانوروں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں، جنہیں کبھی یہ فکر لاحق نہیں ہوا کہ آیا جو کچھ وہ کر رہے ہیں، صحیح بھی ہے یا نہیں؟

وہ اس کتاب سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے۔ زمین اگر مردہ ہے تو اس کے حق میں بڑی سے بڑی بارش بے اثر ہے اور غذا بہتر سے بہتر بھی ہیضہ کے مریض کے لیے نقصان دہ ہے۔ (تفسیر ماجدی) گویا قرآن مجید سے بہرہ ور ہونے کے لیے تقویٰ ایک ضروری شرط ہے۔

**تقویٰ کا مفہوم:** اصطلاح شریعت میں تقویٰ سے مراد خوف الٰہی ہے۔ اپنی حدود کے اندر رہنا، احتیاط و نگہداشت سے زندگی بسر کرنا، ممنوع چیزوں سے پرہیز کرنا اور اپنے آپ کو گناہ



میں پڑنے سے بچانا ہے۔ خاص تقویٰ یہ ہے کہ حرام کردہ چیزوں کے ساتھ وہ مباح چیزیں بھی ترک کر دی جائیں جن میں کراہیت کا ادنیٰ شائبہ بھی ہو، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

"ان امور کو ترک کر کے جو شک میں ڈالیں اور وہ امور اختیار کر جو شک میں نہ ڈالیں"۔ (ترمذی، مشکوٰۃ)

ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا:

"کوئی شخص متقین میں شمار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ گناہ میں پڑنے کے ڈر سے وہ چیز نہ چھوڑ دے، جس میں کسی گناہ کا اندیشہ ہو"۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعب سے ایک دن پوچھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کبھی آپ کا گزر ایسے راستے سے ہوا جہاں ہر طرف کثرت سے خاردار درخت ہوں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: ہاں۔ حضرت ابی بن کعب نے پوچھا: پھر آپ کس طرح گزرے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: کپڑوں اور دامن کو سمیٹ کر احتیاط کے ساتھ قدم رکھتے ہوئے گزر گیا۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا: بس یہی تقویٰ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

یعنی اس دنیا میں انسان کی زندگی ایک خاردار جنگل کی مانند ہے جس میں قدم قدم پر جھاڑیوں کے کانٹے اس کے دامن سے الجھنے اور اسے آلودہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جو شخص اس میں سے احتیاط کے ساتھ صحیح و سالم گزر جائے وہ متقی اور پرہیزگار ہے اور اس کا یہ فعل تقویٰ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی تمام عبادات، دینی معاملات، اخلاقیات اور روحانیات کا مقصد و منشا یہ ہے کہ ایک مسلمان کے دل میں خدا خوفی یا خدا ترسی کی روح پیدا ہو جائے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ تقویٰ تمام نیکیوں کی جان اور تمام اخلاق کی روح اور اصل الاصول ہے۔

**تقویٰ کا حصول:** تقویٰ کا اصل مرکز اور مقام دل ہے۔ دل اگر خوف خدا سے خالی ہے تو وہ محرک بھی غائب ہو جائے گا، جو انسان کو اپنے محاسبہ پر ابھارتا ہے، اس لیے دل کی درستی انتہائی ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خبردار جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے، جب وہ صحیح و تندرست رہتا ہے تو سارا جسم تندرست رہتا ہے۔ اگر وہ خراب و فاسد ہو جائے تو سارا جسم خراب و فاسد ہو جاتا ہے۔ خبردار! گوشت کا وہ لوتھڑا دل ہے"۔ (صحیح بخاری "کتاب الایمان")

قرآن مجید سے بھی واضح ہوتا ہے کہ تقویٰ کا اصل مرکز دل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ (حج-32)

"اور جو خدا کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے"۔

Scanned with CamScanner

# متقین کے اوصاف اور ان کا انجام

## تشریح و تفسیر آیات نمبر 3-5

اب اس آیت میں اہل تقویٰ کی صفات و علامات بیان ہو رہی ہیں جو درج ذیل ہیں:

1- **ایمان بالغیب:** "وہ غیب پر ایمان رکھتے ہیں"۔ ایمان امن سے ہے۔ ایمان کے معنی جاننا اور ماننا ہے۔ کسی چیز کی تصدیق کرنا اور اس کے وجود کو تسلیم کرنا بھی ایمان کا لغوی معنی ہے۔ ادب میں یہ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے یعنی اس کے معنی امن میں آنا اور امن دینا بھی ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں وحی و الہام سے آئے ہوئے اور پیغمبرؐ کے بتلائے ہوئے اصولوں کو مان لینا اور تسلیم کرنا ایمان کہلاتا ہے۔ الغرض ایمان اس کا نام ہے کہ **کل ما جاء بہ الرسول من عند اللہ** کی تصدیق کی جائے۔ اس کی اصل حقیقت وہ تصدیق ہے جو دل کی گہرائیوں میں اتری ہوئی ہوتی ہے اور جو آدمی کے ارادہ کو حرکت میں لاتی ہے۔ یہ ارادہ آدمی کو بہت سے امور کو سرانجام دینے اور بہت سے کاموں کو ترک کرنے کے لیے کربستہ کرتا ہے۔

غیب سے مراد وہ حقیقتیں ہیں جو انسان کے حواس سے پوشیدہ ہیں اور کبھی براہ راست عام انسانوں کے تجربہ و مشاہدہ میں نہیں آتیں۔ مثلاً خدا کی ذات و صفات' ملائکہ' وحی' جنت' دوزخ وغیرہ۔ (تفہیم القرآن)

مطلب یہ ہے کہ اہل تقویٰ محض محسوسات کے غلام اور مادیت کے پرستار نہیں اور نہ ہی وہ ایمان لانے کے لیے اس بات کے منتظر ہیں کہ تمام حقائق کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں بلکہ وہ مشاہدہ کے بغیر محض فطرت کی شہادت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دعوت کی بنا پر ان تمام چیزوں پر ایمان لائے ہیں' جن پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ (رسالہ "میثاق" مولانا امین احسن اصلاحی)

2- **اقامت صلوٰۃ:** قرآن حکیم سے مستفید ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ایمان کے ساتھ عملی اطاعت کا ثبوت بھی دیا جائے۔ چنانچہ فرمایا کہ "وہ نماز قائم کرتے ہیں"۔ صلوٰۃ کا مادہ صلی ہے' جس کے معنی ہیں جلانا۔ گویا نماز وہ فریضہ اور عمل ہے جو گناہوں کو جلا ڈالنے کے بعد نمازی کو کندن بنا ڈالتا ہے۔ صلوٰۃ کے معنی دعا و برکت اور رحمت بھی آتا ہے۔ اصطلاح شریعت میں ایک خاص طریقہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا صلوٰۃ کہلاتا ہے۔ صلوٰۃ کے بارے میں ہر جگہ یہاں اقامت کا حکم ہے۔ اقامت کے معنی ہیں قائم کرنا۔ مراد یہ ہے کہ متقین نماز باجماعت' پابندی اوقات' خلوص' یکسوئی' خشوع و خضوع



اور شرائط و ارکان کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی نماز کو مقررہ اوقات میں پڑھنے کا حکم ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

**اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا** (نساء-103)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وقت مقررہ کی نماز افضل ترین عمل ہے۔ اس ذوق و شوق سے ادا کی ہوئی نماز ہی وہ نماز ہے جسے دین کا ستون اور مومن کی معراج کہا گیا ہے۔ بدنی عبادتوں میں بھی یہی فریضہ سب سے اعلیٰ اور ایمان و توحید کا سب سے بڑا عملی مظہر ہے۔

**نماز کی اہمیت:** قرآن حکیم میں نماز پر جس قدر زور دیا گیا ہے' وہ کسی دوسرے فریضے پر نہیں دیا گیا' چنانچہ قرآن کریم میں نماز سے متعلقہ احکام و ترغیبات کا کم و بیش سات سو مرتبہ ذکر آتا ہے۔ قرآن مجید میں اکثر انبیاء کے ذکر کے سلسلہ میں یہ بیان ہوا ہے کہ ان کو بھی نماز کا حکم ملا تھا اور وہ نماز پڑھا کرتے تھے' چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی بیوی حضرت ہاجرہؓ اور اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ کو اس ویرانہ میں چھوڑا جہاں اب مکہ ہے' تو لوٹتے وقت یہ فرمایا کہ "اے رب میں نے انہیں اس لیے یہاں بسایا ہے کہ وہ نماز قائم کریں"۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے متعلق خود قرآن مجید نے گواہی دی کہ وہ اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم دیتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ "اے موسیٰؑ! میری یاد کے لیے نماز قائم کر"۔ حضرت عیسیٰؑ کے یہ الفاظ بھی قرآن مجید میں موجود ہیں: "اللہ تعالیٰ نے مجھے نماز کا حکم دیا ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار احادیث نماز کی تاکید میں موجود ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: "مومن اور کافر کے درمیان صرف نماز ہی کا امتیاز ہے"۔ ایک اور حدیث میں آپؐ فرماتے ہیں کہ "نماز دین کا ستون ہے"۔ نیز آپؐ نے فرمایا کہ دل چاہتا ہے کہ اذان کہلوا کر اقامت کے بعد میں اپنی جگہ کسی اور کو امام کھڑا کر دوں اور جو لوگ نماز میں شریک نہ ہوں' ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ (مسلم و بخاری)

**نماز کے فوائد:** نماز کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ نماز دل اور روح کو پاکیزہ کر کے اسے نیک کاموں کی طرف مائل کرتی ہے اور برائیوں سے روکتی ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

**اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ** (العنکبوت:45)

"بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے"۔

نماز کے لیے چونکہ جسم اور لباس کا پاکیزہ ہونا لازمی ہے' اس لیے نماز نظافت اور صفائی کا درس دیتی ہے۔ یہ جسم میں چستی اور دل میں عزم پیدا کرتی ہے۔ یہ تنظیم و اتحاد کا بہترین طریقہ

Scanned with CamScanner

ہے۔ نماز سے پابندی اوقات اور اطاعت امیر کی عادت پڑتی ہے۔ دل میں خشوع اور عاجزی پیدا ہوتی ہے۔ انسانی مساوات اور اخوت کا سبق حاصل ہوتا ہے۔ بندہ و آقا کی تمیز نماز میں ختم ہو جاتی ہے۔ نماز کی حالت میں حاکم و محکوم، غلام و آقا، خادم و مخدوم، غریب اور امیر، ادنیٰ اور اعلیٰ سب دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے مرتبہ وغیرہ کو بھول کر سب ایک خدا کی اطاعت میں سر بسجود ہوتے ہیں۔ نماز کے ذریعہ بندہ اور خدا کے تعلقات استوار ہوتے ہیں۔

3 - **انفاق فی سبیل اللہ:** متقین کا تیسرا وصف یہ بیان ہوا ہے کہ جو کچھ اللہ نے انہیں عطا کیا ہے، اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ یہاں زکوٰۃ کے بجائے انفاق کا لفظ استعمال ہوا ہے جو اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے۔ یہ لفظ صدقات و خیرات کی ساری ہی قسموں پر حاوی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ مال و جان اور علم و عرفان کی شکل میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے، اسے اللہ تعالیٰ کے دین، راہ حق، اپنے عزیز و اقارب اور مستحقین پر خرچ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور عداوت و سرکشی میں صرف نہیں کرتے اور اپنی ذات پر خرچ کرنے میں بھی بخل سے کام نہیں لیتے۔

**انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت:** قرآن مجید میں انفاق فی سبیل اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی بہت تاکید آئی ہے۔ ایک مقام پر تو اللہ تعالیٰ نے یہاں تک فرمایا:

**لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ** (آل عمران-92)

تمہیں ہرگز نیکی نہ ملے گی جب تک کہ تم اپنی دل پسند چیز میں سے خرچ نہ کرو گے"۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

"دردناک سزا کی خوشخبری دو ان کو جو سونے اور چاندی کو جمع کر کے رکھتے ہیں اور انہیں خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اس سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا... اور کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔" (توبہ: ۳۵)

سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے متعلق تفصیل سے احکام آئے ہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

**وَاَنْفِقُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ**

(البقرہ -196)



"اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو، اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو"۔

**مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا" حَسَنًا" فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا" كَثِيْرَةً** (بقرۃ-245)

"ایسا کون شخص ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے، پھر اللہ اس کو کئی گنا بڑھا کر دے"۔

**يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ** (بقرۃ-254)

"اے ایمان والو! جو ہم نے تمہیں رزق دیا ہے، اس میں سے خرچ کرو"۔

**مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ** (بقرۃ-261)

"ان لوگوں کی مثال، جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں، ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں"۔

قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات کے علاوہ اور بھی متعدد آیات انفاق فی سبیل اللہ سے متعلق موجود ہیں۔ اگر ہر شخص اپنے سرمایہ کو بند کر کے رکھ لے یا صرف ذاتی مفاد پر ہی خرچ کرے تو معاشرہ اور جماعتی تحریکیں قائم نہیں ہو سکتیں اور قوم کی فلاح و بہبود کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ صحابہؓ کرام کی مالی قربانیوں کی کیفیت یہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جنگ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپیل پر یکبارگی اپنا تمام سرمایہ حاضر کر دیا اور آپؐ جب ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسولؐ۔ حضرت عثمانؓ دعوت اسلامی کی کامیابی کے لیے اتنا مال بارگاہ رسالت میں نچھاور کر دیتے ہیں کہ اسے احاطہ شمار میں لانا دشوار ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ وہ پورا کا پورا لشکر صرف اپنے مال سے تیار کر دیتے ہیں۔

مال کو خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا چاہیے، نمود و نمائش کی خاطر صرف نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی کسی شخص پر مال خرچ کر کے احسان جتلانا چاہیے اور نہ ہی اسے کوئی اذیت یا تکلیف دینا چاہیے کیونکہ اس طریق سے صدقات اور زکوٰۃ و خیرات ضائع ہو جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

**لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى** (بقرۃ-264)

Scanned with CamScanner

"اپنے صدقات کو احسان اور اذیت کے ساتھ ضائع نہ کرو"۔

انفاق فی سبیل اللہ کے مستحق ہمارے والدین اہل قرابت' یتیم' مساکین' مسافر' سوالی وغیرہ ہیں۔ بحیثیت مسلمان کے ہم پر یہ فرض عاید ہوتا ہے کہ ہم اپنی استطاعت کے مطابق ان افراد کی مالی امداد کریں۔

4- **ایمان بالکتب:** اس کے بعد ان اہل تقویٰ کے اس وصف کو خصوصی طور پر نمایاں کر کے بیان کیا گیا ہے کہ وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں جو آپؐ پر اتارا گیا' جو آپؐ سے پہلے اتارا گیا۔ مطلب یہ ہوا کہ متقین آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے رسول برحق اور بہترین معلم وہادی ہونے اور قرآن حکیم کے کلام الٰہی ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ نیز وہ گزشتہ انبیاء اور ان پر نازل شدہ کتب الیہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کریم سے پہلے نازل شدہ سب کتابیں الہامی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔ وہ اپنے اپنے زمانہ میں سرچشمہ ہدایت ہونے کی وجہ سے واجب العمل تھیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اہل تقویٰ خدا کی اتاری ہوئی کتابوں اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں میں کوئی تفریق اور امتیاز نہیں کرتے۔ انہیں اگر بحث ہوتی ہے تو صرف اس چیز سے ہوتی ہے کہ بات خدا کی اتاری ہوئی ہو' یہ نہ ہو کہ کسی غیر اللہ کی بات خدا کی طرف منسوب کر دی گئی ہو یا کوئی بات اپنی طرف سے خدا کی بات میں ملا دی گئی ہو۔

5- **ایمان بالاخرت:** آیت میں متقین کا پانچواں اور آخری وصف یہ بیان ہوا ہے کہ "وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں"۔ آخرت سے مراد موت کے بعد کی زندگی ہے۔ اسے یوم آخر' حیات اخروی اور دار الاخرت بھی کہا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں اس عقیدے کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کا شاید ہی کوئی ایسا صفحہ ہو جس میں کسی نہ کسی انداز سے آخرت کا ذکر متعدد بار نہ آیا ہو۔ مختلف انداز میں اس پر دلیلیں دی گئی ہیں۔ اس کے جھٹلانے والوں کے اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ اس کے ماننے یا نہ ماننے سے زندگی کا جو رنگ ہو جاتا ہے' اس کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں اور واضح الفاظ میں کہہ دیا گیا ہے کہ آخرت پر ایمان لائے بغیر ایمان کے سارے اعمال بیکار ہیں۔

آخرت ایک جامع لفظ ہے جس کا اطلاق بہت سے الفاظ کے مجموعے پر ہوتا ہے۔ اس میں حسب ذیل عقاید شامل ہیں:

(الف) اس دنیا میں انسان سے جس قسم کے بھی اعمال انجام پاتے ہیں' وہ ان کے لیے خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔

(ب) موجودہ دنیا ابدی نہیں بلکہ اس کا خاتمہ ضروری ہے۔



(ج) اس دنیا کے خاتمے پر اللہ تعالیٰ ایک اور عالم پیدا کرے گا اور تمام بنی نوع انسان کو دوبارہ پیدا کر کے ان کے اعمال کا حساب و کتاب لے گا اور ہر ایک کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

(د) جو لوگ خدا کے فیصلے سے نیک قرار پائیں گے' ان کے لیے جنت ہے اور جو لوگ بد ٹھہریں گے' وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

(ر) دنیا میں کامیابی' آخرت میں کامیابی کا پیش خیمہ نہیں بلکہ اصل کامیابی اخروی کامیابی ہے۔

مذکورہ بالا صفات کے حامل لوگوں کو قرآن حکیم پاک باز اور پاک طینت قرار دیتا ہے اور ان کے متعلق فرماتا ہے کہ

"یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور یہی لوگ فائز المرام اور کامیاب ہیں"۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں مندرجہ بالا نعمتوں سے نوازا اور انہیں راہ ہدایت نصیب ہوئی اور آخرت میں وہ حقیقی کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔

# کفار کی حالت اور ان کا انجام

## تشریح و تفسیر آیات نمبر 6-7

جب دعوت حق شروع ہوتی ہے تو عموماً لوگوں کے تین گروہ ہو جاتے ہیں۔ ایک گروہ اس دعوت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے' دوسرا گروہ اس کا انکار کر دیتا ہے' تیسرا گروہ زبان سے اقرار مگر دل سے انکار کرتا ہے۔

چنانچہ دعوت اسلام کے آغاز میں بھی اس طرح کے تین گروہ تھے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں پہلی قسم کے لوگ مومن' دوسری قسم کے کافر اور تیسری قسم کے منافق کہلاتے ہیں۔

**الٓمٓ** سے **هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** تک اہل ایمان کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اب **اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا** سے **عَذَابٌ عَظِیْمٌ** تک کافروں کا ذکر ہے' اس کے بعد **مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ** سے دوسرے رکوع کے آخر تک منافقین کا بیان ہے۔

**کفار:** ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس مخصوص گروہ کی نفسیاتی حالت کا تجزیہ کیا ہے جو محض تعصب اور ہٹ دھرمی کے باعث دانستہ طور پر کفر کی راہ پر گامزن تھا۔ کفر کے

Scanned with CamScanner

لغوی معنی چھپانا اور پردہ ڈالنا ہے۔ اسی وجہ سے رات اور کسان کو بھی کافر کہا جاتا ہے کیونکہ رات روشنی پر پردہ ڈالتی ہے اور کسان بیج کو زمین میں چھپا دیتا ہے۔ اصطلاح شریعت میں ایمان کی مخالف کیفیت کا نام کفر ہے اور کافر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو واقف ہو جانے کے بعد جان بوجھ کر اسلام کے مسلمہ اصولوں اور توحید الٰہی، رسالت اور آخرت وغیرہ اسلامی عقاید کو نہ ماننے اور عقل خداداد کو کام میں نہ لا کر جہالت و ظلمت میں ٹھوکریں کھاتا پھرے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ان آیتوں کے نزول کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رنج تھا کہ اہل مکہ، باوجود قرآن حکیم سننے اور اس کا مطلب بار بار سمجھنے اور معجزات دیکھنے کے، اپنے کفر پر کیوں اڑے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ سب کے سب ایمان کیوں نہیں لاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین کے لیے یہ آیات نازل کیں۔ (تفسیر ابن کثیر، ج 1، ص 45) چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا جا رہا ہے کہ جو لوگ کفر پر قائم اور جمے ہوئے ہیں، اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ آپؐ کے انداز تبلیغ میں کوئی کمی یا کسر ہے یا آپ جو کلام ان کے سامنے پیش کر رہے ہیں، وہ کسی لحاظ سے ناقص اور غیر موثر ہے، بلکہ یہ لوگ ہٹ دھرمی، عناد، انانیت اور حسد و تکبر کی بنا پر قرآن اور حامل قرآن کی مخالفت کر رہے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی پیہم نافرمانیوں اور دین کی صداقتوں کو جھٹلانے کے سبب ان کے دلوں سے اثر پذیری، ان کے کانوں سے حق نیوشی اور ان کی آنکھوں سے عبرت نگاہی کی ساری صلاحیتیں سلب کر لی ہیں۔ اب آپؐ ان کے ایمان لانے کی فکر نہ کریں اور ان کے دعوت حق کو قبول نہ کرنے پر مغموم اور غم زدہ نہ ہوں۔ اگر اب ان کے لیے کوئی چیز باقی رہ گئی ہے، تو وہ عذاب الٰہی ہے، جس سے وہ لازماً ہمکنار ہوں گے۔

"خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ" الخ کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو زبردستی ایمان کی دولت سے محروم رکھا یا ماں کے پیٹ ہی سے ان لوگوں کے دلوں پر ٹھپے لگا کر پیدا کیا یا پہلے ہی انہیں ہوش، فہم سے عاری کر دیا گیا، تاکہ وہ حق کو سمجھ ہی نہ سکیں، بلکہ اس سے ان کی اس شدید، سرکشانہ اور معاندانہ حالت کا اظہار مقصود ہے جس کے بعد ایمان یا قبول حق کا امکان نہیں ہو سکتا، یعنی انہوں نے اپنی بداعمالیوں اور پیہم کفر و انکار سے اپنے آپ کو اس قدر بگاڑ لیا کہ ان کے دل پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے اور سمجھنے کی صلاحیت اور استعداد سے محروم ہو گئے۔

جہاں تک اللہ تعالیٰ کا تعلق ہے، اس نے ہر انسان کو اچھی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے، اسے نیکی و بدی کا امتیاز بخشا ہے اور ساتھ ہی نیکی کو پسند کرنے اور بدی سے نفرت کرنے کا مذاق بھی اس کے اندر ودیعت کیا ہے۔ ان فطری صلاحیتوں سے آراستہ کرنے کے بعد اس نے انسان کو آزاد چھوڑا ہے کہ چاہے وہ نیکی کا راستہ اختیار کرے، چاہے بدی کا۔ اگر انسان نیکی اور بھلائی کی



راہ اختیار کرے تو اس سے اس کی فطری صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے نیکی کی راہ میں ترقی کی توفیق ملتی ہے۔ اگر وہ خواہشات نفس کی پیروی کر کے برائی کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے تو پھر آہستہ آہستہ اس کا دل برائی کا رنگ پکڑنا شروع کرتا ہے، یہاں تک کہ یہ رنگ اس پر اس قدر غالب ہو جاتا ہے کہ پھر اس کے اندر نیکی کی کوئی رمق باقی ہی نہیں رہ جاتی۔

یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر قانون الٰہی کے تحت آدمی کے دل پر مہر لگ جاتی ہے اور اس کا مذاق طبیعت اس قدر بگڑ جاتا ہے کہ اس کی ساری دلچسپی صرف بدی کے کاموں سے رہ جاتی ہے۔ نیکی کے کام کرنا تو الگ رہا، نیکی کی باتیں سننے سے بھی اسے وحشت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص ڈاکوؤں کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے۔ پہلی بار وہ کسی مظلوم کو قتل کرتا ہے تو اس کے ساتھ ساتھ اس پر ترس بھی کھاتا ہے لیکن آہستہ آہستہ اس کا یہ جذبہ فنا ہو جاتا ہے اور وہ قتل کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ

اور سے لوگ جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے ساتھ اللہ اور ساتھ دن آخرت اور نہیں وہ

اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ پر اور یوم آخرت پر حالاں کہ وہ بالکل ہی

بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨﴾ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ

ایمان لانیوالے وہ دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور ان کو جو ایمان لائے اور نہیں وہ دھوکہ دیتے

ایمان لانیوالے نہیں ہیں۔ وہ دھوکہ دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو وہ حقیقتاً کسی کو دھوکہ نہیں دیتے

اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩﴾ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ

مگر جانوں اپنی اور نہیں وہ شعور رکھتے۔ بیچ دلوں ان کے بیماری بڑھا دیا انہیں

سوائے اپنی ذات کے اور وہ اسکا احساس بھی نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ سو اللہ نے ان کی

اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿١٠﴾

اللہ بیماری میں اور واسطے انکے عذاب دردناک بوجہ جو تھے وہ جھوٹ بولتے

بیماری کو بڑھا دیا ہے۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس سے کہ وہ جھوٹ کہتے تھے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ

اور جب کہا گیا واسطے انکے نہ تم فساد پھیلاؤ بیچ زمین انہوں نے کہا بے شک ہم

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت پھیلاؤ تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم ہی تو اصلاح

مُصْلِحُوْنَ ⑪ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫

اصلاح کرنیوالے خبردار بیشک وہ وہ فساد پھیلانے والے اور لیکن نہیں وہ شعور رکھتے

کر رہے ہیں۔ سن رکھو حقیقتاً یہی لوگ فسادی ہیں۔ اور یہ اس کا بھی احساس نہیں رکھتے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ

اور جب کہا گیا واسطے ان ایمان لاؤ جیسے ایمان لائے لوگ انہوں نے کہا کیا ہم ایمان لائیں جیسے

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لے آؤ جیسا کہ لوگ ایمان لے آئے ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لے آئیں

اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑬

ایمان لائے بیوقوف خبردار بیشک وہ وہ بیوقوف اور لیکن نہیں وہ علم رکھتے

جیسا کہ بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں۔ سن رکھو کہ بیوقوف تو خود یہی لوگ ہیں اور وہ اسکا بھی علم نہیں رکھتے۔

# الفاظ کے معانی وضروری تشریحات

اَلنَّاسُ — سب لوگ (مرد۔عورت) اچھے برے، بچے بوڑھے ؛

مَنْ — وہ شخص جو، جس، جن۔ یہ لفظ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے ؛

يَقُوْلُ — وہ کہتا ہے۔ یہاں جمع کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی قول سے فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب ؛

اٰمَنَّا — ہم ایمان لائے۔ فعل ماضی صیغہ جمع متکلم، بِاللّٰهِ۔ اللہ پر۔

يَوْمِ الْاٰخِرِ — قیامت کے دن ؛

"مُؤْمِنِيْنَ" جمع مومن یعنی ایمان والا، مرد۔ اسم فاعل جمع مذکر ؛

يُخٰدِعُوْنَ — وہ دھوکہ دیتے ہیں۔ وہ فریب کرتے ہیں۔ فعل مضارع، صیغہ جمع مذکر غائب ؛

| نہی | امر | مضارع | ماضی | معنی | مادہ | مصدر |
|---|---|---|---|---|---|---|
| لَاتُخَادِعْ | خَادِعْ | يُخَادِعُ | خَادَعَ | دھوکہ دینا | (خ دع) | مُخَادِعَةٌ |

اٰمَنُوْا — وہ ایمان لائے۔ انہوں نے مانا۔ انہوں نے یقین کیا۔ فعل ماضی صیغہ جمع مذکر غائب ؛



مَايَخْدَعُوْنَ — وہ دھوکہ نہیں دیتے۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب مصدر مُخَادِعَةٌ اور مادہ (خ دع) ہے۔ تمام صیغے فَعَلَ يَفْعَلُ کی طرح آئیں گے ؛

اِلَّآ — سوائے، مگر، حرفِ استثنا ہے۔ اَنْفُسَهُمْ اُن کی جانیں۔ ان کے جی ؛

مَايَشْعُرُوْنَ — وہ احساس نہیں رکھتے۔ وہ سمجھتے نہیں۔ وہ شعور نہیں رکھتے ؛ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب۔ شُعُوْرٌ۔ مصدر ہے۔ جس کے معنی حواسِ ظاہریہ کے ذریعہ سے کسی چیز کا علم حاصل کرنا ہے۔ قُلُوْبٌ جمع قلب کی معنی دل۔ مَرَضٌ۔ بیماری۔ روگ ؛

فَزَادَهُمُ — پس اُس نے اُن کو بڑھا دیا۔ ف، پس۔ تو ؛

| نہی | امر | مضارع | ماضی | معنی | مادہ | مصدر |
|---|---|---|---|---|---|---|
| لَاتَزِدْ | زِدْ | يَزِيْدُ | زَادَ | بڑھانا | (ز ی د) | زِيَادَتًا |

اَلِيْمٌ — المناک، دردناک، كَانُوْا۔ تھے۔ ہوتے، فعل ماضی صیغہ جمع مذکر غائب ؛

بِمَا — جس کے ساتھ۔ کہ (ب۔ساتھ ؛ مَا۔ جو چیز ؛)

يَكْذِبُوْنَ — وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب ؛

وَاِذَا — "اور جب" کے معانی کے تمام الفاظ کے بعد ماضی عموماً مضارع کے معنی میں ہو جاتی ہے۔ مثلاً یہاں قِيْلَ، قَالَ کا ماضی مجہول ہے۔ جس کا ترجمہ "کہا گیا" ہوتا۔ لیکن اِذَا کے بعد ہونے کی وجہ سے مضارع مجہول کے معنی پیدا ہوتے ہیں اور ترجمہ ہوتا ہے "جب کہا جاتا ہے"۔

قِيْلَ — کہا گیا، کہا جاتا ہے۔ ماضی مجہول صیغہ واحد مذکر غائب ؛

لَا تُفْسِدُوْا — تم فساد نہ پھیلاؤ، تم بگاڑ پیدا نہ کرو، تم خرابی نہ ڈالو۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر ؛

اَرْضِ — زمین، ملک، دنیا۔ اِنَّمَا۔ سوائے اِس کے نہیں۔ بلاشبہ، بے شک، صرف، واقعی ؛

نَحْنُ — ہم، ہم نے۔ مُصْلِحُوْنَ۔ درستی کرنے والے، اصلاح کرنے والے۔ اسم فاعل مذکر۔ مُصْلِحٌ واحد ہے ؛

اَلَا — خبردار ، ہوشیار ، سُنو ، دیکھو ، جان لو ، خوب سمجھ لو ::
کلمۂ تنبیہہ ہے اور یہ لفظ مخاطب کو متوجّہ کرنے کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے ::

مُفۡسِدُوۡنَ — فساد پیدا کرنے والے ۔ لٰکِنۡ ۔ لیکن ۔ مگر ::

لَا یَشۡعُرُوۡنَ — وہ شعور نہیں رکھتے ، وہ احساس نہیں رکھتے ::

اٰمِنُوۡا — تم ایمان لاؤ ۔ فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر ، اِیۡمَانٌ مصدر سے ہے ::

کَمَا — مانند ، کہ جیسے ، جس طرح ، جیساکہ ۔ حرفِ تشبیہہ ہے ::

اٰمَنَ — وہ ایمان لائے ۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب ۔

اَنُؤۡمِنُ — کیا ہم ایمان لائیں ؟ اَ ۔ کیا ۔ اسے عربی میں ہمزۂ استفہام کہتے ہیں ::

سُفَهَآءُ — نادان ، بے وقوف ، کم عقل ، بے سمجھ ، احمق ۔ واحد "سَفِیۡہٌ" ہے ۔ اس کم عقل کو کہتے ہیں ۔ جسے اپنے نفع ونقصان کی پوری تمیز نہ ہو ::

لَا یَعۡلَمُوۡنَ — وہ جانتے نہیں ، وہ علم نہیں رکھتے ۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب ::

# منافقین اور ان کا انجام

## تشریح و تفسیر آیات نمبر 8-10

**نفاق سے مراد:** اب تک قرآن حکیم نے دو قسم کے انسانوں کا ذکر کیا ہے: ایک مومن فرماں بردار، قانون الٰہی کے مطیع --- دوسرے کافر، نافرمان، قانون الٰہی کے منکر و باغی۔ اب ذکر ایک تیسری صنف کا شروع ہو رہا ہے جو کافر و منکر ہی ہیں لیکن اپنے کفر و انکار پر مکر اور فریب کا پردہ ڈالے رکھتے ہیں۔ کبھی اسلام کے اقتدار سے مرعوب ہو کر، کبھی پیش آنے والی سختی کی بنا پر اور کبھی صرف ذاتی مفاد کے لیے یہ زبان پر اسلام کا دعویٰ رکھتے ہیں، لیکن دل میں کفر خالص پوشیدہ ہوتا ہے۔ زبان سے اقرار ایسا کہ جس میں قلب کی تصدیق کسی وجہ میں بھی شامل نہیں ہوتی۔ ان ننگ انسانیت انسانوں کو شریعت کی اصطلاح میں منافق کہتے ہیں۔ نفاق کی حیثیت یہ ہے کہ انسان اعلان و اظہار بھلائی کرتا پھرے اور شر کو اندر ہی اندر چھپائے رکھے۔ منافق ایک اچھی سوسائٹی میں مار آستین ہے اور صالح نظام کے ارتقاء و استحکام کے لیے اس کا وجود زہر قاتل ہے، اس لیے قرآن کریم میں منافقوں کی شدید مذمت بیان کی گئی ہے اور ان کی سزا کافروں سے بھی بدتر



بتائی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں ان کے عادات و خصائل، فریب کاریوں اور چالبازیوں کا ذکر بکثرت کیا گیا ہے اور سورۂ منافقون کے نام سے ایک مستقل سورہ آئی ہے تاکہ اہل ایمان ان سے باخبر رہیں۔

**نفاق کی قسمیں:** نفاق کی درج ذیل چند قسمیں ہیں:

1- زبان سے اسلام اور ایمان ظاہر کرے لیکن درپردہ صاف منکر ہو۔

2- درپردہ صاف منکر تو نہ ہو لیکن یقین بھی نہ رکھتا ہو، بلکہ تردد اور تذبذب کی حالت میں ہو۔

3- دل میں تصدیق تو ہو مگر کامل نہ ہو۔ گناہوں، حب دنیا اور غلبہ شہوات نے اس شخص کو ایسا کر دیا ہو کہ دنیوی منفعت کو ایمان پر مقدم سمجھتا ہو۔ دنیا کی خاطر لشکر اسلام کا مقابلہ اور اہل اسلام کی بربادی اور دین کی تباہی اس کے نزدیک کچھ مشکل نہ ہو۔

یہ تینوں گروہ خدا کے نزدیک سخت کافر ہیں اور جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں رہیں گے، جیساکہ ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِى الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء: 145)

یہ تین قسم کے منافق مدینہ میں موجود تھے۔

4- زبان سے کچھ کہے، دل میں کچھ اور ہو۔ اگرچہ اس روش سے کافر نہیں ہوتا لیکن یہ بھی منافقین کا شیوہ ہے اور سراسر بے جا ہے، کیونکہ نور ایمان اور صداقت کی روشنی مکر و فریب کو قطعاً برداشت نہیں کرتی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت میں رہنے والے صحابہؓ اپنی حالت قلبیہ میں ذرا سا فرق آنے کو بھی نفاق سمجھتے تھے، چنانچہ امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے کہ حنظلہؓ بن ربیع اسدی حضرت ابوبکرؓ سے ملے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حال دریافت کیا تو کہا: میں تو منافق ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: یہ کیا کہتے ہو؟

حنظلہؓ نے عرض کیا کہ جب ہم آنحضورؐ کے پاس سے گھر آتے ہیں اور بیوی بچوں میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ کیفیت جو بارگاہ نبوی میں ہوتی ہے، اس کو بھول جاتے ہیں حضرت ابوبکرؓ نے کہا: میرا بھی یہی حال ہے۔ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور عرض پرداز ہوئے، تو آپؐ نے فرمایا کہ اے حنظلہ! اگر تم ہمیشہ اسی کیفیت میں رہو جو میرے پاس ہوتی ہے اور یاد الٰہی میں رہو تو ملائکہ تم سے گلی کوچوں میں اور بستروں پر مصافحہ کیا کرتے، لیکن یہ بات کبھی کبھی ہوتی ہے۔ (تفسیر حقانی)

Scanned with CamScanner

**مدینہ میں منافقین کی حالت:** مدینہ میں منافقین بکثرت تھے۔ اسلام سے عداوت میں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عناد میں یہ لوگ کھلے ہوئے کافروں سے کچھ کم نہ تھے' شاید کچھ بڑھے ہوئے ہی ہوں۔ نفاق یعنی جھوٹا اظہار اسلام مکہ میں نہ تھا' بلکہ مکہ میں تو اس کے برعکس صورت حال یہ تھی کہ لوگ مومن ہو کر بھی اپنے ایمان کو چھپائے رکھتے اور بظاہر کافروں ہی میں شامل رہتے۔ نفاق کی بنیاد مدینہ میں پڑی اور وہ بھی غزوۂ بدر کے بعد۔ جب اسلام کو روز بروز دنیوی عظمت و شوکت حاصل ہونا شروع ہو گئی' تو اس وقت بعض لوگوں نے اپنے آپ کو محض تقیۃً "بلا شائبہ ایمان و صداقت مومن و مسلم کہنا شروع کر دیا۔ اس پارٹی کا سرغنہ یا سرخیل بنو خزرج کا سردار عبداللہ بن ابی سلول تھا۔ اس کا اثر و اقتدار حریف قبیلہ بنو اوس پر بھی تھا' یہاں تک کہ ساری آبادی اس کی سرداری پر متفق ہو چکی تھی اور قریب تھا کہ اس کی بادشاہی کا اعلان ہو جائے' اسلام کے قدم مدینہ میں جم گئے۔ اس نے اپنی دکان اجڑتے دیکھی تو اپنے پیروؤں کے کان میں یہ افسوں پھونک دیا کہ زبان سے کلمہ اسلام کا پڑھتے جاؤ لیکن دل میں اپنے ہی عقاید پر جمے رہو۔ اوس و خزرج کے علاوہ یہود کی بھی ایک غدار و ضمیر فروش جماعت نے خوشی سے اس تحریک پر لبیک کہا' البتہ مکہ کا کوئی مہاجر اس میں شریک نہیں ہوا۔ (تفسیر ماجدی)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی تین خصلتوں کا ذکر کیا ہے:

1- وہ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ ہم بھی اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں' حالانکہ ان کے دلوں میں اللہ اور یوم آخرت پر کوئی ایمان نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان وہی ہے جو زبان کے اقرار کے ساتھ دل سے تصدیق بھی کرے اور عملاً اس کا ثبوت پیش کرنے کے لیے آمادہ ہو۔ جو دل سے تصدیق نہ کرے' وہ مومن نہیں ہو سکتا' خواہ وہ ایمان و اسلام کے دعویٰ میں کتنا ہی چرب زبان ہو' اس لیے قرآن مجید نے منافقوں کے قول کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہرگز مومن نہیں ہیں' کیونکہ ان کے دل میں ایمان کا ذرہ برابر بھی شائبہ نہیں۔ وہ قرآن مجید اور حامل قرآن پر مسلمانوں کی طرح ایمان نہیں رکھتے۔ وہ محض مسلمانوں سے نفع حاصل کرنے اور ان کی گرفت سے اپنے آپ کو آزاد کرنے اور بچانے کے لیے دعوائے ایمانی کا اظہار کرتے ہیں اور کبھی جاسوسی کے لیے اور کبھی صرف ذاتی چاہت اور اقتدار کی خاطر ایسا طریق اختیار کرتے ہیں۔ ان کے دل میں نہ خوف خدا ہے اور نہ آخرت کے حساب و کتاب اور جوابدہی کا احساس ہے' اس لیے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ یہ لوگ فریبی ہیں' ہرگز مومن نہیں!

2- اس منافقانہ طرز عمل سے وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اللہ اور مسلمانوں کو دھوکا دے رہے ہیں اور یہ روش ان کے لیے فائدہ مند ہو گی' حالانکہ وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔



اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص عیاری و مکاری سے اپنے کسی مہربان ناصح کی نصیحت کو بالائے طاق رکھتا ہے' وہ اس نصیحت کرنے والے کا کچھ نہیں بگاڑتا' بلکہ وہ اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں گراتا ہے۔ منافقین کی روش دنیا اور آخرت دونوں میں نقصان دہ ہے۔ وہ دنیا میں رسوائی' فضیحت اور منافقت کی پردہ دری سے دوچار ہوتے ہیں۔ ان کی منافقت کا راز فاش ہو جاتا ہے اور آخرت میں اس کا انجام دردناک ہے' لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ان کا احساس بیدار نہیں ہوتا اور انہیں یہ موٹی سی بات بھی دکھائی نہیں دیتی کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی فریب نہیں دے سکتا' گویا ان کے دلوں میں فتور آ چکا ہے۔

3- پھر فرمایا کہ "ان کے دلوں میں بیماری ہے"۔ یعنی ان کے دلوں میں کفر و نفاق اور شک کی بیماری ہے' جو انہوں نے اپنے عمل سے پیدا کر رکھی ہے' کیونکہ جو کچھ وہ کہتے ہیں' اس پر یقین نہیں رکھتے۔ "پس اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری میں اضافہ کر دیا"۔ اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ جب منافقین اسلام کی روز افزوں ترقی اور کامیابی دیکھتے تو ان کے حسد و عناد میں بھی ترقی ہوتی جاتی' دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ منافقین سے فوراً مواخذہ نہیں کرتا' بلکہ انہیں ڈھیل دیتا ہے تاکہ ان پر حجت تمام کرے' چنانچہ وہ بظاہر اپنی چالوں میں کامیابی دیکھ کر کلی طور پر منافق بنے چلے جاتے ہیں۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم کی ہر ہر آیت کے نزول کے ساتھ ان کے غیظ و غضب اور بغض و عداوت میں مزید اضافہ ہوتا گیا۔ یہ تینوں مفہوم ہو سکتے ہیں' چنانچہ اس منافقت اور جھوٹے دعوائے ایمانی پر وہ دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے۔

یہ امر ذہن نشین رہے کہ اہل تقویٰ کو کامرانی و کامیابی کی بشارت و خوشخبری دی گئی۔ کفار کو عذاب عظیم کا مستحق قرار دیا گیا اور منافقین کے لیے عذاب الیم "دردناک عذاب" کا اعلان کیا گیا۔ تالمود میں ہے "جو کوئی منافقت برتتا ہے' وہ غضب (خداوندی) دنیا پر لاتا ہے۔ اس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں اور جو بچے ابھی رحم مادر میں ہیں' وہ تک اس پر لعنت کرتے ہیں اور اس کی جگہ جہنم ہے"۔

# منافقین کی دیگر خرابیاں

## تشریح و تفسیر آیات نمبر 11-13

جب اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عام مومنین منافقین کی سازشوں' نافرمانیوں اور فتنہ پردازیوں کی طرف توجہ دلاتے اور انہیں باز رکھتے تو بڑی ڈھٹائی سے کہتے کہ آپ ہمیں

زمین میں فتنہ وفساد اور انتشار پھیلانے والے کہتے ہیں' حالانکہ ہم تو لوگوں کے درمیان امن و اصلاح کے لیے کوشاں ہیں۔ ہم حالات و واقعات کو سنوارنے والے اور ان کی اصلاح کرنے والے ہیں۔ محمدیؐ اور غیر محمدیؐ کے درمیان جو کشمکش اور فرق ہے' ہم اس کے رفع کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی شرارتوں سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ درحقیقت یہی فسادی ہیں اور تمام تر فساد ان کی شرارتوں اور ذات سے ہو رہا ہے' لیکن یہ اپنی خود غرضی اور تنگ نظری کے سبب اس حقیقت کو سمجھ نہیں رہے ہیں اور اتنے بے شعور ہیں کہ فساد و اصلاح میں تمیز نہیں کرسکتے۔ ان کے مسخ شدہ اور کند ذہن کا حال یہ ہے کہ خود اپنے ہی فساد کو صلح کا اور تخریب کو تعمیر کا نام دیتے ہیں۔ سیاہ کو سفید کہنا اور تاریکی کو روشنی قرار دینا ان کی عادت میں شامل ہے۔ قانون شریعت کے علاوہ کسی جاہلی دین پر قائم رہنا' اس کے طور طریقوں کی اشاعت کرنا فساد فی الارض کے مترادف ہے۔ امن عالم و نظام اقوام جب ہی قائم رہ سکتا ہے کہ قانون شریعت پر عمل درآمد رہے۔ اس راہ سے سرمو انحراف کرنا دنیا کو بدنظمی' ابتری' کشت و خون اور ہر قسم کی طبقاتی جنگ و کشمکش میں مبتلا کر دیتا ہے' چنانچہ دنیا عملاً اس کا تجربہ بارہا کر چکی ہے اور اس وقت بھی کر رہی ہے۔

پھر جب منافقین کو دعوت دی جاتی ہے کہ تم بھی سچے دل سے اس کے فرشتوں' کتابوں' رسولوں اور آخرت وغیرہ پر ایمان لاؤ' جس طرح تمہاری قوم کے دوسرے لوگ سچائی اور خلوص کے ساتھ ایمان لائے ہیں' جو دنیوی نفع و نقصان کو اخروی نفع و نقصان کے مقابلے میں ہیچ سمجھتے ہیں' جو اپنے جان و مال کو راہ خدا میں صرف کرنے سے دریغ نہیں کرتے' تو اس کے جواب اور اپنی صفائی میں وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم بیوقوف ہیں جو لوگوں کی طرح ایمان لائیں اور خیالی جنت و دوزخ کے لیے مطالب و مقاصد دنیا کو ترک کر دیں؟ منافقین اپنے نزدیک ان لوگوں کو سادہ لوح' بیوقوف اور نادان سمجھتے تھے جو سچائی کے ساتھ اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو تکلیفوں' مشقتوں اور خطرات میں مبتلا کر رہے تھے۔ ان کی رائے میں یہ سراسر احمقانہ فعل تھا کہ محض حق اور سچائی کی خاطر تمام ملک کی دشمنی مول لے لی جائے۔ ان کے خیال میں عقل مندی یہ تھی کہ آدمی حق اور باطل کی بحث میں نہ پڑے' بلکہ ہر معاملہ میں صرف اپنا مفاد دیکھے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "خبردار! یہی لوگ احمق اور بے وقوف ہیں"۔ جو راہ ہدایت کو چھوڑ کر کفر میں مبتلا ہیں اور اپنے انجام کے متعلق غور و فکر نہیں کرتے۔ روزمرہ کی زندگی میں صدہا واقعات و حادثات ان کے سامنے وقوع پذیر ہوتے ہیں' لیکن یہ ان سے عبرت و موعظت حاصل نہیں کرتے۔ دنیوی عیش و عشرت پر مفتون و فریفتہ ہونا' آخرت کی یقینی و ابدی نعمتوں کو ترک کر دینا' اپنے عیب کو ہنر اور دوسروں کے ہنر کو عیب تصور کرنا' اس سے بڑی نادانی اور حماقت اور کیا ہو سکتی ہے؟ جب عالم آخرت حق ہے اور وہاں جانا بھی حق ہے' اللہ تعالیٰ کے ہادی بھی برحق ہیں اور ان کا وعدہ بھی سچا ہے' تو پھر تذبذب اور تردد میں رہنا اور بھی بیوقوفی ہے۔



وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا

اور جب وہ ملاقات کرتے ہیں انسے جو ایمان لائے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب خلوت میں ہوتے ہیں پاس شیطانوں اپنے وہ کہتے ہیں

اور جب ان لوگوں سے ملتے ہیں۔ جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی تو ایمان لا چکے ہیں اور جب اپنے شیطانوں کے پاس

اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (۱۴) اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ

بیشک ہم ساتھ تمہارے بیشک ہم مذاق کرتے ہیں اللہ مذاق کرتا ہے ساتھ انکے اور

اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو محض بیوقوف بنارہے ہیں۔ اللہ انہیں بے وقوف بنا رہا ہے اور،

يَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (۱۵) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ

بڑھاتا ہے انہیں میں سرکشی ان کی وہ بھٹکتے ہیں وہ سب جنہوں نے خریدیا گمراہی

انہیں ڈھیل دے رہا ہے وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں ہو رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے گمراہی خرید لی۔

بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ (۱۶) مَثَلُهُمْ

بدلے ہدایت پس نہیں نفع دیا تجارت ان کی اور نہیں تھے وہ ہدایت پانیوالے مثال ان کی

ہدایت کے بدلے۔ سو نہ ان کی تجارت سود مند ہوئی اور نہ وہ ہدایت پا سکے۔ ان کی مثال

كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ

مانند مثال جس نے بھڑکائی آگ پس جب اسنے روشن کیا جو اسکے اردگرد لے گیا

اس شخص کی سی مثال ہے۔ جس نے آگ جلائی۔ پھر جب آگ نے اپنے اردگرد کو روشن کردیا تو اللہ نے ان

اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ (۱۷) صُمٌّ ۢ بُكْمٌ عُمْىٌ

اللہ روشنی انکی اور چھوڑ دیا انہیں میں اندھیروں نہیں وہ دیکھتے بہرے گونگے اندھے

کی روشنی سلب کرلی۔ اور انہیں اندھیروں میں چھوڑ دیا اور وہ کچھ نہیں دیکھتے۔ (وہ) بہرے، گونگے، اندھے ہیں

فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (۱۸) اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ

پس نہیں لوٹنے والے یا مانند طوفان باد و باراں سے آسمان میں اس اندھیرے اور گرج

پس وہ رجوع نہیں کرینگے۔ یا انہیں ان لوگوں کی مثال ایسی ہے کہ آسمانوں سے زور کی بارش ہو رہی ہے۔

وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ

اور بجلی وہ کرتے ہیں انگلیاں اپنی میں کانوں اپنے سے بجلی کی کڑک

اسمیں اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی اور اپنے کانوں میں کڑک کے سبب انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں۔ موت کے ڈر سے

حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ (۱۹) يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ

ڈر موت اور اللہ احاطہ کئے ہوئے واسطے کافروں قریب ہے بجلی اچک کرلے جائے

حالانکہ اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ قریب ہے کہ بجلی (کی چمک) ان کی آنکھوں

أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَآ أَضَآءَ لَهُم مَّشَوْا فِيهِ وَ إِذَآ أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ

آنکھیں انکی جب بھی روشنی ہوئی واسطے ان وہ چلے میں اُس اور جب تاریکی ہوئی اوپر ان

(کی بصارت) کو اچک کر لیجائے۔ جب بجلی چمکتی ہے تو اس کی روشنی تک وہ چل پڑتے ہیں اور جب اُن پر اندھیرا چھا جاتا

قَامُوا ۚ وَلَوْ شَآءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ

وہ کھڑے ہوگئے اور اگر چاہے اللہ البتہ لے جائے سماعت انکی اور آنکھیں ان کی بیشک اللہ

ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے کان اور ان کی بینائی سلب کر لیتا۔ بلا شبہ اللہ

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾

اوپر ہر چیز قدرت رکھنے والا

ہر چیز پر قادر ہے۔

# الفاظ کے معانی وضروری تشریحات

**لَقُوا** وہ ملتے ہیں، وہ مُلاقاتی ہوتے ہیں، وہ سامنے آتے ہیں۔ فعل ماضی، صیغہ جمع مذکر غائب :

| مصدر | مادہ | معنی | ماضی | مضارع | امر | نہی |
|---|---|---|---|---|---|---|
| لِقَاءٌ | (ل۔ق۔ی) | ملنا | لَقِیَ | یَلْقیٰ | اِلْقَ | لَا تَلْقَ |

**خَلَوْا** وہ خلوت میں ہوئے، وہ تنہا ہوئے، وہ علیحدہ ہوئے۔ فعل ماضی صیغہ جمع مذکر غائب :

| مصدر | مادہ | معنی | ماضی | مضارع | امر | نہی |
|---|---|---|---|---|---|---|
| خَلْوَةٌ | (خ۔ل۔د) | تنہائی میں ہونا | خَلَا | یَخْلُوْا | اُخْلُ | لَا تَخْلُ |

**شَيَاطِيْنِ** شیطان کی جمع ہے۔ شیطان عربی زبان میں سرکش، بھڑکانے والا، متمرّد اور شوریدہ سر کو کہتے ہیں۔ انسان اور جن دونوں کے لیے یہ لفظ مستعمل ہوتا ہے۔ ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے دُور ہٹائے۔ شیطان ہے۔ یہ لفظ شطن سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ دُور ہٹایا۔ یہاں اس لفظ سے منافقین اور یہودیوں کے سردار مُراد ہیں :

**اِنَّا** بے شک ہم، تحقیق ہم، دراصل ہم۔ مَعَكُمْ۔ تمہارے ساتھ :

**مُسْتَهْزِءُوْنَ** ہنسی ٹھٹھہ کرنیوالے، استہزاء کرنے والے، تمسخر اڑانے والے، مذاق کرنے والے۔ اسم فاعل جمع مذکر :



**يَسْتَهْزِئُ** وہ تمسخر اُڑاتا ہے، وہ ہنسی اُڑاتا ہے، وہ مذاق کرتا ہے۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب۔ بِهِمْ۔ ان کے ساتھ وہ مُہلت دیتا ہے، وہ ڈھیل دیتا ہے۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب :

| مصدر | مادہ | معنی | ماضی | مضارع | امر | نہی |
|---|---|---|---|---|---|---|
| مَدٌّ | (م د و) | ڈھیل بنانا | مَدَّ | یَمُدُّ | اُمْدُدْ | لَا تَمْدُدْ |

**طُغْيَانِهِمْ** اُن کی سرکشی، اُن کی بغاوت، اُن کی گمراہی، طغیان، سرکشی، نافرمانی، بغاوت :

**يَعْمَهُوْنَ** وہ بھٹک رہے ہیں، وہ سرگرداں ہیں، وہ حیران و سرگرداں ہیں، وہ بھٹکتے پھرتے ہیں، وہ اندھوں کی طرح ٹٹولتے ہیں۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب :

**اِشْتَرَوُا** اُنہوں نے خرید لیا۔ اُنہوں نے مول لیا۔ فعل ماضی صیغہ جمع مذکر غائب۔ یہ لفظ خرید و فروخت دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں فعل مضارع پر خریدنے کے معنی ہیں :

| مصدر | مادہ | معنی | ماضی | مضارع | امر | نہی |
|---|---|---|---|---|---|---|
| اِشْتِرَ | (ش ر ی) | خریدنا | اِشْتَریٰ | یَشْتَرِیْ | اِشْتَرِ | لَا یَشْتَرِ |

**ضَلٰلَةَ** گمراہی + هُدیٰ۔ ہدایت :

**رَبِحَتْ** اس نے فائدہ دیا۔ وہ سُومند ہوئی۔ فعل ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب :

**مُهْتَدِيْنَ** ہدایت یافتہ، ہدایت پانے والے، ہدایت یاب۔ اس کا مصدر اِهْتِدَاءٌ ہے :

**مَثَلُهُمْ** اُن کی مثال۔ اُن کی حالت، اُن کی کہاوت۔ اُن کی نظیر :

**كَمَثَلِ** (ك۔ مَثَلَ) جیسی مثال :

**اِسْتَوْقَدَ** اُس نے جلائی، اس نے روشن کی۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب :

| مصدر | مادہ | ماضی | مضارع | امر | نہی |
|---|---|---|---|---|---|
| اِسْتِیْقَادٌ | (و ق د) | اِسْتَوْقَدَ | یَسْتَوْقِدُ | اِسْتَوْقِدْ | لَا یَسْتَوْقِدْ |

**نَارًا** آگ + فَلَمَّا پس۔ جب (ف۔ پس۔ لَمَّا۔ جب)

**اَضَآءَتْ** — اُس نے روشن کر دیا۔ فعل ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب اَضَاءَ ۃٌ مصدر سے ہے اور مادہ (ض و ء) ہے ؛

**مَاحَوْلَہٗ** — جو اِس کے اِرد گرد ۔ جو اس کے آس پاس ؛

**ذَھَبَ** — وہ گیا۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب۔ اِس کے بعد "ب" ہے تو لے جانا ترجمہ ہوتا ہے ؛

**ظُلُمٰتٌ** — اندھیرے، تاریکیاں، گمراہی۔ ظُلُمَۃٌ کی جمع ہے۔ یہ لفظ عموماً جمع میں لایا جاتا ہے ؛

**لَا یُبْصِرُوْنَ** — وہ نہیں دیکھتے۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب۔ اِبْصَارٌ مصدر سے ہے اور مادہ (ب ص ر) ہے ؛

**صُمٌّ** — بہرے، اَصَمُّ کی جمع ہے ؛ بُکْمٌ گونگے۔ اَبْکَمُ کی جمع ہے۔

**عُمْیٌ** — اندھے۔ اَعْمٰی کی جمع ہے ؛

**یَرْجِعُوْنَ** — وہ واپس آئیں گے۔ وہ لوٹیں گے۔ وہ رجوع کریں گے ؛ فعل مضارع صیغہ مذکر غائب + اُوْ - یا ؛

**صَیِّبٌ** — سخت بارش۔ زور کی بارش۔ موسلا دھار بارش۔ زور کے ساتھ برسنے والا بادل۔ صَوْبٌ سے مشتق ہے ؛

**اَلسَّمَآءُ** — آسمان۔ بادل۔ بلندی۔ مینہ ؛

**رَعْدٌ** — بجلی کی کڑک اور گرج + بَرْقٌ۔ بجلی کی چمک ؛

**یَجْعَلُوْنَ** — وہ کرتے ہیں۔ وہ ٹھہراتے ہیں۔ فعل مضارع صیغہ جمع غائب ؛

**اَصَابِعَھُمْ** — اُن کی انگلیاں۔ اِصْبَعٌ کی جمع ہے ؛

**اٰذَانِھِمْ** — اُن کے کان۔ اُذُنٌ کی جمع ہے ؛

**صَوَاعِقَ** — کڑک، گرج، بجلیاں۔ صَاعِقَۃٌ کی جمع ہے اور صاعقہ اس کی ہولناک آواز کو کہتے ہیں جو گرج سے پیدا ہوتی ہے ؛

**حَذَرَ** — ڈرنا، ڈر، خوف ؛

**مُحِیْطٌ** — احاطہ کرنے والا، گھیرنے والا، احاطہ کیے ہوئے، گھیرے ہوئے ؛

**یَکَادُ** — قریب ہے۔ افعال مقاربہ میں سے ہے۔ قرآن مجید میں مبالغہ کے لیے استعمال ہوتا ہے ؛



| مصدر | مادہ | معنی | ماضی | مضارع | امر | نہی |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| کَوْدٌ | (ک و د) | قریب ہونا | کَادَ | یَکَادُ | کُدْ | لَا تَکُدْ |

**یَخْطَفُ** — اُچک لے، جھپٹ لے۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب۔ خَطْفٌ مصدر سے ہے۔ کُلَّمَا جب۔ جب بھی وہ چلتے ہیں ؛

**مَشَوْا** — وہ چلے، فعل ماضی، صیغہ جمع مذکر غائب

| مصدر | مادہ | معنی | ماضی | مضارع | امر | نہی |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| مَشْیٌ | (م ش ی) | چلنا | مَشٰی | یَمْشِیْ | اِمْشِ | لَا تَمْشِ |

**اَظْلَمَ** — اُس نے اندھیرا کیا۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب۔ اِظْلَامٌ مصدر سے ہے۔ جس کے معنی تاریکی کرنا ہیں۔ مادہ (ظ ل م) ہے ؛

**قَامُوْا** — وہ کھڑے ہوئے۔ وہ رُکے۔ وہ ٹھہرے۔ فعل ماضی صیغہ جمع مذکر غائب ؛ لَوْ : اگر۔ حرفِ شرط ہے ؛

**شَآءَ** — اُس نے چاہا۔ اُس نے ارادہ کیا۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب۔

| مصدر | مادہ | معنی | ماضی | مضارع | امر | نہی |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| مَشِیْئَۃٌ | (ش ی ء) | چاہنا | شَاءَ | یَشَاءُ | شَاءُ | لَا تَشَاءُ |

**قَدِیْرٌ** — صاحبِ قدرت۔ قادر۔ قدرت رکھنے والا۔ تصرف رکھنے والا۔

# منافقین کی دو رخی

## تشریح و تفسیر آیات نمبر 14-16

منافقین کا طرزِ عمل یہ تھا کہ غریب عوام مسلمانوں کے مقابلہ میں تو اکڑتے رہتے، لیکن جب وہ صاحب اثر و اقتدار مسلمانوں سے ملتے تو ان کی خوشنودی اور رضاجوئی کے لیے کہتے کہ ہم ایمان لا چکے ہیں، گویا ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ اس طرح اپنا ایمان، دوستی اور خیر خواہی ظاہر کر کے مسلمانوں کو دھوکے میں ڈالنا چاہتے ہیں، تاکہ مال و جان کا بچاؤ بھی ہو جائے اور بھلائی اور غنیمت کے مال میں حصہ بھی قائم ہو جائے، لیکن جب اپنے شریر رفیقوں، سرداروں، لیڈروں اور سرغنوں کے پاس تنہائی میں ملتے، تو انہیں یقین اور اطمینان دلاتے کہ ہم اپنے اصل عقاید و خیالات پر قائم ہیں، ہم تمہارے ہم عقیدہ اور ہم مذہب ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ ہماری گفتگو اور نشست و برخاست اس لحاظ سے ہرگز نہیں کہ ہم ان کا دین قبول کر چکے

ہیں ------ بلکہ ہم تو ان کے ساتھ محض ظاہرداری کے طور پر ہیں۔ ہم تو اس طرح انہیں بیوقوف بناتے اور ان کا تمسخر اڑاتے ہیں' کیونکہ اس طرح وہ ہمیں اپنے رازوں اور دلی ارادوں سے مطلع کرتے اور فوائد میں شریک بنالیتے ہیں۔

قرآن حکیم نے ان کی اس بات کا جواب یہ دیا کہ مذاق و تمسخر تو قدرت ان کے ساتھ کر رہی ہے' جو ان کی سرکشی و طغیانی کے باوجود انہیں مہلت پر مہلت دیے جا رہی ہے اور وہ فتنہ پردازیوں اور چالوں میں اپنے آپ کو کامیاب و کامران تصور کرتے ہوئے آگے بڑھتے جا رہے ہیں' حالانکہ وہ یہ نہیں سمجھ رہے ہیں کہ ان کا یہ آگے بڑھنا اس ہلاکت کے گڑھے میں گرنے کے مترادف ہے' جو اس قسم کے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے' لیکن انہیں نظر نہیں آ رہا ہے' اب وہ اسی دلدل میں پھنسے رہیں گے اور نجات کی تمام راہیں ان پر بند ہو گئی ہیں۔ آخری بات جو ان آیات میں بیان کی گئی' وہ یہ ہے کہ منافقین کی بدبختی کی انتہا یہ ہے کہ انہوں نے ہدایت و ایمان جیسی بیش بہا چیز کے بدلے گمراہی و ضلالت اور کفر کو خریدا اور اس سودے کو بڑا فائدہ مند سمجھا۔ منافقین نے اپنے نزدیک بڑی عمدہ اور نفع دینے والی تجارت کی تھی کہ زبان سے کلمہ توحید کہہ دیا اور اس کی بدولت دنیوی منفعت کو حاصل کر لیا' لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سودا دنیا و آخرت دونوں میں نقصان دہ رہا۔ انہوں نے دین کے عوض دنیا لے کر کوئی نفع بالکل نہیں کمایا' بلکہ ایک طرف تو فطرت سلیمہ کو برباد کیا اور دوسری طرف ہدایت سے محروم رہے۔ گویا وہ ہدایت کے چمنستان سے نکل کر گمراہی کے خارزار میں اور جماعت کے مضبوط قلعہ سے نکل کر فرقت کے تنگ جیل خانے میں اور امن کے وسیع میدان سے نکل کر خوف کی تاریک کوٹھڑی میں اور سنت کے پاکیزہ گلشن سے نکل کر بدعت کے پژمردہ جنگل میں آ گئے۔

## منافقین سے متعلق دو مثالیں

### تشریح و تفسیر آیات نمبر 17-18

اس سے پیشتر آیات میں منافقین کی حالت اور ان کے طرز عمل کو بیان کیا گیا ہے۔ اب دو تمثیلوں کے ذریعے ان کی حالت کو مزید وضاحت سے پیش کیا جا رہا ہے۔ مدینہ میں دو قسم کے منافق تھے: ایک وہ جو دلی طور پر اسلام کے شدید دشمن اور منکر تھے' جن کے دلوں میں طلب حق مطلق نہ تھی اور کسی غرض و مصلحت کے پیش نظر صرف زبان سے اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے' دوسرے وہ جو اسلام کی حقانیت کے قائل تو ضرور تھے لیکن مصائب و مشکلات اور آزمائشوں کے وقت اسلام سے دستبردار ہو جاتے گویا یہ دوسرا گروہ شک و تذبذب اور ضعیف الاعتقادی میں مبتلا تھا۔



ان آیات میں منافقین کے پہلے گروہ کی مثال بیان کی گئی ہے اور منافقین کو ان لوگوں سے تشبیہ دی گئی ہے جنہوں نے بیابان کی سخت تاریکی یا گھٹا ٹوپ اندھیرے میں آگ جلائی تاکہ راہ نظر آئے اور ضرر رساں و نفع بخش چیزوں میں فرق واضح ہو سکے۔ جب آگ روشن ہوئی اور اس نے اپنے گرد و پیش کو منور کر دیا' تو دفعتاً روشنی ختم ہو گئی اور وہ اندھیرے میں حیران و ششدر ٹھوکریں کھانے لگے۔ مصیبت یہ ہے کہ اس سخت تاریکی کے ساتھ یہ بہرے' گونگے اور اندھے بھی ہیں' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ کسی کی اچھی باتیں سن سکتے ہیں' نہ کسی سے پوچھ سکتے ہیں اور نہ ہی خود دیکھ سکتے ہیں۔

یہی حال منافقین کا تھا۔ کفر کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اسلام اور ہدایت کا نور چمکا اور گرد و پیش کی ہر چیز روشن ہو گئی۔ حق و باطل' صحیح و غلط کا فرق نمایاں ہو گیا۔ منافقین نے بھی ظاہراً اسلام قبول کیا' لیکن افسوس انہوں نے پھر ایمان کی بجائے نفاق کی راہ اختیار کی۔ دفعتاً" ہدایت کا نور بجھ گیا اور ان کے پیہم کفر و انکار' بغض و عناد' سرکشی و طغیان اور حب جاہ و مال کی تاریکیوں نے پھر راہ منزل گم کر دی اور وہ اندھیروں میں گھر کر رہ گئے۔ اب ان کے پاس نہ زبان حق گو ہے --- گویا گونگے ہیں --- نہ گوش نیوش --- گویا بہرے ہیں --- اور نہ نگاہ حق شناس --- گویا اندھے ہیں' غرضیکہ فلاح و کامگاری کی ساری راہیں بند ہیں۔ یہ سب کچھ ان کی اپنی اختیاری گمراہی کے سبب ہے اور اس امر کا کوئی امکان نہیں ہے کہ جس راہ پر گامزن ہیں' اس سے مڑ کر کسی اور راہ کو اپنا سکیں گے گویا ان کی کیفیت اب ناقابل اصلاح ہے۔

مذکورہ بالا مثال میں جماعت کی مثال جماعت سے دی گئی ہے۔ **مثلهم** میں **هم** جمع کی ضمیر ہے' لیکن **کمثل الذی** میں **الذی** واحد ہے' اس لیے مفسرین نے صراحت کی ہے کہ **الذی** جمع کے موقع پر بولا جاتا ہے' چنانچہ یہاں بھی **الذین** جمع کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس طرح کی مثالیں کلام عرب اور قرآن مجید میں موجود ہیں' البتہ شاہ عبدالقادرؒ صاحب نے موضح القرآن میں عام مفسرین سے مختلف مطلب بیان کیا ہے۔ ان کی تشریح کے اعتبار سے بات اس طرح ہے کہ کفر کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس اندھیرے میں ایمان کی آگ روشن کی۔ اس روشنی سے آپ کا گرد و پیش منور ہو گیا لیکن منافقین کی حرماں نصیبی کی یہ کیفیت ہے کہ اس عالم نور میں بھی ان پر منزل مقصود گم اور راہ عمل مفقود ہے۔ شاہ صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

> "اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین اسلام روشن کیا۔ خلق نے اس میں راہ پائی اور منافق اس وقت اندھے ہو گئے۔ آنکھوں کی روشنی نہ ہو تو مشعل کیا کام آئے"۔

Scanned with CamScanner

# تشریح و تفسیر آیات 19-20

یہ مثالیں منافقین کے دوسرے گروہ سے متعلق ہیں جو تردد اور تذبذب میں تھا' یعنی اسلام کی ترقی کو دیکھتے ہوئے ادھر مائل ہوتا' لیکن پھر رک جاتا۔ یہ گروہ ایسی حق پرستی کا قائل نہ تھا کہ اسلام کی خاطر تکلیفوں اور مصیبتوں کو بھی برداشت کرتا۔ اس دوسری مثال میں بارش سے مراد اسلام یا قرآن پاک یا ہدایت ربانی ہے۔ گرج اور کڑک سے مراد وہ مصائب و مشکلات اور آزمائشیں تھیں' جو دین حق اور تبلیغ اسلام کے راستے میں مسلمانوں کو پیش آ رہی تھیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شرعی پابندیاں مراد ہیں' جو اظہار اسلام کے بعد ہر حال میں منافقین پر عاید ہو جاتی تھیں' مثلاً ادائے نماز' فریضہ جہاد' ترک امارت قدیم' اطاعت رسول وغیرہ۔ بجلی کی خیرہ کن چمک سے اسلام کی صداقت و حقانیت کی جانب اشارہ ہے۔

یعنی آسمان سے دین حق کی بارش ہو رہی ہے' تاکہ مردہ دلوں میں روح حیات پیدا ہو' لیکن افسوس کہ منافقین کی چشم بصیرت اب بھی وا نہیں ہوتی۔ جس طرح بارش کے وقت انسان بادلوں کی کڑک سے خوفزدہ ہو کر موت سے ڈرتے ہوئے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتا ہے' اسی طرح یہ منافق بھی اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے ہیں' تاکہ اللہ کی آیات سننے سے بچ سکیں' جن میں ان کے لیے وعیدیں اور دھمکیاں ہیں یا اس لیے کہ کہیں کلام الٰہی اثر نہ کر جائے اور انہیں اسلام قبول ہی کرنا پڑے یا اپنی بزدلی اور پست ہمتی کی بنا پر اسلام لانے میں وہ ہر وقت خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ وہ اس طرح اپنے آپ کو کچھ دیر کے لیے غلط فہمی میں تو مبتلا کر سکتے ہیں کہ وہ ہلاکت سے بچ جائیں گے لیکن فی الحقیقت وہ بچ نہیں سکتے۔ ان کی تمام تدبیریں اور حیلے بے اثر رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

برقی روشنی میں منافقین کی رہروی اور اس کے غائب ہو جانے کے بعد ان کے توقف سے اس حقیقت کی جانب توجہ دلائی گئی ہے کہ جب مسلمانوں کو عروج' شوکت اور کامیابی حاصل ہوتی ہے اور راحت و آرام کے آثار نظر آتے ہیں تو منافقین اسلام کی جانب مائل ہو جاتے ہیں' لیکن جب یہ سامان مفقود ہوتا ہے اور راحت و آرام کی بجائے مشکلات و مصائب اور آزمائشوں کا سامنا ہوتا ہے یا ایسے احکام دیے جاتے ہیں' جن سے ان کی خواہشات نفس اور ان کے تعصبات و جاہلیت پر ضرب پڑتی ہے تو اسلام کی طرف ان کے بڑھتے ہوئے قدم ٹھٹک جاتے ہیں اور پھر کفر و نفاق کی زندگی شروع ہو جاتی ہے' جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: "بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کنارے پر ٹھہر کر خدا کی عبادت کرتے ہیں اور اگر بھلائی ملی تو مطمئن ہوئے اور اگر برائی پہنچی تو اسی وقت پھر گئے"۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو منافقین کی قوت سماعت اور بینائی کو ختم کر دیتا' کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔



**ولو شاء اللہ الخ** سے یہ واضح اشارہ نکل رہا ہے کہ اگر منافقین کے اس دوسرے طبقے نے بھی ہدایت سے بالکل انحراف کیا تو اللہ تعالیٰ ان سے بھی سماعت و بصارت کی صلاحیت سلب کر لے گا کیونکہ وہ ہر چیز پر قدرت اور غلبہ رکھتا ہے۔ مصری اور یونانی دیوتاؤں کی طرح اس کے اختیارات محدود نہیں ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا تابع فرمان ہے۔ بلندیاں اور پستیاں سب اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دل چار قسم کے ہیں: ایک تو صاف دل جو روشن چراغ کی طرح چمک رہا ہے' دوسرے وہ دل جو غلاف آلود ہیں' تیسرے وہ دل جو الٹے ہیں' چوتھے وہ دل جو مخلوط ہیں۔ پہلا دل تو مومن ہے جو پوری طرح نورانی ہے' دوسرا دل کافر کا دل ہے جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں' تیسرا دل خالص منافقوں کا ہے جو جانتا ہے اور انکار کرتا ہے' چوتھا دل اس منافق کا ہے جس میں ایمان و نفاق دونوں جمع ہوں۔ ایمان کی مثال اس سبزی کی طرح ہے جو پاکیزہ پانی سے بڑھ رہا ہو اور نفاق کی مثال اس پھوڑے کی طرح ہے جس میں پیپ اور خون بڑھتا ہی جاتا ہو۔ اب جو مادہ بڑھ جائے' تو دوسرے پر غالب آ جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ

اے لوگو عبادت کرو رب تمہارا جس نے پیدا کیا تمہیں اور ان کو جو سے

اے انسانو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝21 الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا

پہلے تم تاکہ تم بچ جاؤ وہ جس نے کیا واسطے تمہارے زمین کو بچھونا

پہلے ہوئے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ وہی پروردگار ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش

وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ

اور آسمان چھت اور اتارا سے آسمان پانی پس نکالا ذریعے اس کے سے

اور آسمان کو چھت بنا دیا ہے اور آسمان سے پانی اتارا پھر تمہارے لئے غذا کے طور پر پھل پیدا کیے

الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ

پھلوں رزق کے طور پر واسطے تمہارے پس نہ ٹھہراؤ واسطے اللہ شریک اس حال میں کہ تم

سو تم اللہ کے ہمسر نہ ٹھہراؤ۔ اس حال میں کہ تم

تَعْلَمُوْنَ ۝22 وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا

جانتے ہو اور اگر تم ہو میں شک اس بارے میں جو ہم نے اتارا اوپر بندے اپنے پس لے آؤ

اور اگر تم اس کتاب ہی کے بارے میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری تو کوئی

بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ایک سورۃ سے مانند اسکی اور بُلا لو گواہ اپنے سوائے اللہ کے

سورت اس جیسی تم بنا لاؤ۔ اور اپنے حمایتیوں کو اللہ کے مقابلے میں بلا لو۔ اگر

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٣﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا

اگر تم ہو سچے پس اگر نہ تم کر سکو اور یقیناً نہیں تم کر سکوگے پس ڈرو

تم سچے ہو۔ پھر اگر تم (یہ) (نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکوگے تو پھر اس آگ سے

النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٤﴾

آگ جو ایندھن اسکا لوگ اور پتھر تیار کی گئی واسطے کافروں کے

ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور خوشخبری دے دو ان کو جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک کہ بیشک واسطے انکے باغات بہتی ہیں

اور اُن لوگوں کو خوشخبری سنا دیجیے جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل کئے نیک کہ اُن کے لیے (بہشت کے) باغ ہیں۔

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا

سے نیچے ان نہریں جب بھی انہیں دیا جائیگا سے اس کوئی پھل رزق کے طور پر وہ کہیں گے

جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں انہیں جب کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا۔ تو وہ بول اٹھیں گے

هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ

یہ وہ جو دیا گیا ہمیں سے پہلے اور انہیں دیئے جائیںگے ملتے جلتے اور واسطے انکے میں ان

کہ یہ تو وہی ہے۔ جو ہمیں (اس سے) قبل مل چکا ہے تو اور انہیں (واقعی) ملتا جلتا ہوا دیا جائیگا اور ان کے لئے

اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ

جوڑے پاکیزہ اور وہ میں ان ہمیشہ رہنے والے بیشک اللہ نہیں شرماتا کہ

وہاں پر پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ ان (بہشتوں) میں ہمیشہ کیلئے رہیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا کہ وہ کوئی

يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بیان کرے مثال خواہ مچھر اور پر اسکے پس جہاں تک تعلق ہے انکا جو ایمان لائے

مثال بیان کریں مچھر کی یا اس سے بڑھ کر (کسی اور چیز کی) سو جو لوگ ایمان لا چکے ہیں۔ وہ تو یہی سمجھیں

فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ

پس وہ جانتے ہیں کہ بیشک وہ حق سے پروردگار انکا اور جہاں تک تعلق ہے انکا جو کافر ہوئے پس وہ کہتے ہیں

گے کہ وہ مثال یقیناً اُن کی سے۔ پروردگار کی طرف سے حق ہے البتہ وہ لوگ جو کفر اختیار کئے ہوئے ہیں۔



مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ

کیا چاہا اللہ نے ساتھ اس مثال گمراہ کرتا ہے ساتھ اس اکثر اور ہدایت دیتا ہے ساتھ اس اکثر

وہ یہی کہتے ہیں۔ کہ اللہ کا اس مثال سے کیا مطلب تھا کہ اللہ بہتوں کو اسی سے گمراہ کرتے ہیں۔ اور بہتوں کو

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ

اور نہیں وہ گمراہ کرتا ساتھ اس مگر نافرمان وہ جو توڑتے ہیں وعدہ اللہ کا سے

اسی لئے وہ راہ بھی دکھاتا ہے اور وہ کسی کو بھی گمراہ نہیں کرتا۔ سوائے اُن لوگوں کے جو فاسق ہیں جو اللہ سے

بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ

بعد پکا باندھنا اسکا اور کاٹتے ہیں جو حکم دیا اللہ نے ساتھ اس کہ جوڑا جائے اور فساد پھیلاتے ہیں

اپنے معاہدہ کو پکا باندھنے کے بعد توڑتے ہیں۔ اور جس چیز کو اللہ نے حکم دیا تھا۔ جوڑے رکھنے کا اُسے وہ کاٹتے ہیں بس

فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٢٧﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ

میں زمین وہ سب وہ خسارے میں رہنے والے کیسے تم انکار کرتے ہو ساتھ اللہ اور تم تھے

اور وہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ تم لوگ کس طرح کفر کرتے ہو اللہ سے در انحالیکہ

اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٨﴾ هُوَ الَّذِيْ

بے جان پس اسنے جان ڈال تم میں پھر وہ موت دیگا تمہیں پھر وہ زندہ کریگا تمہیں پھر طرف اسکی تم لوٹائے جاؤگے وہ جس نے

تم بے جان تھے اُس نے تمہیں زندہ کیا پھر وہی تمہیں موت دیگا پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا پھر اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے وہ وہی خدا

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۤ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ فَسَوّٰىھُنَّ سَبْعَ

پیدا کیا واسطے تم جو میں زمین تمام پھر ارادہ کیا طرف آسمانوں پس ٹھیک کر دیا انہیں سات

ہے جس نے تمہارے لئے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب پھر اُس نے آسمان کی طرف توجہ کی اور انہیں سات آسمان درست

سَمٰوٰتٍ ۭ وَھُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٩﴾

آسمان اور وہ ساتھ ہر چیز سے علم رکھنے والا

کرکے بنا دیے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

## الفاظ کے معانی و ضروری تشریحات

**يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ** اے لوگو! اے انسانو! خطاب ساری نوعِ انسانی سے ہے ::

**اُعْبُدُوْا** تم عبادت کرو۔ تم بندگی کرو۔ عِبَادَۃٌ مصدر سے فعل امر ہے۔ صیغہ جمع مذکر حاضر ::

Scanned with CamScanner

رَبَّكُمْ تمہارا رب، تمہارا پروردگار، تمہارا پرورش کرنے والا۔ کُمْ: تمہارا ::

خَلَقَكُمْ اُس نے تمہیں پیدا کیا۔ قَبْلِكُمْ۔ تم سے پہلے، تم سے قبل ::

لَعَلَّكُمْ شاید کہ تم۔ تاکہ تم۔ لَعَلَّ۔ زیادہ تر کسی چیز کے ممکن و متوقع یا امید و اندیشہ کے لیے استعمال ہوتا ہے ::

تَتَّقُوْنَ تم تقویٰ حاصل کرتے ہو۔ تم ڈرتے ہو۔ تم متقی اور پرہیزگار بن جاؤ۔ فعل مضارع صیغہ مذکّر حاضر۔ اِتِّقَاءٌ مصدر سے ::

جَعَلَ اُس نے بنایا، اس نے ٹھہرایا۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب ::

لَكُمُ تمہارے لیے۔ اَلْاَرْضَ۔ زمین۔ ہر وہ چیز جو انسان کے قدموں کے نیچے ہو ::

فِرَاشًا فرش، بچھونا۔ جمع فُرُشٌ ہے :: سَمَآءٌ۔ آسمان۔ بلندی ::

بِنَآءً چھت۔ اَنْزَلَ۔ اُس نے اُتارا۔ اُس نے نازل کیا۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکّر غائب۔ مصدر اِخْرَاجٌ، اور مادہ (خ ر ج) ہے۔ اِس کے ذریعے سے۔ اِس کے ساتھ ::

مَآءً پانی۔ جمع مِيَاهٌ ::

فَاَخْرَجَ پس اُس نے نکالا، مُراد اُس نے پیدا کیا۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکّر غائب۔ مصدر اِخْرَاجٌ اور مادہ (خ ر ج) ہے۔ اس کے ذریعے سے۔ اُس کے ساتھ ::

بِهٖ اِس کے ذریعہ سے، اس کے ساتھ ::

اَلثَّمَرَاتِ پھل، میوے، ہر قسم کی پیداوار۔ واحد ثَمَرٌ ہے ::

فَلَا تَجْعَلُوْا پس تم نہ کرو، تم نہ بناؤ، پس تم نہ ٹھہراؤ۔ لِلّٰهِ، اللہ کے لیے۔ لِ، واسطے، کے لیے ::

اَنْدَادًا مدِّ مقابل، ہمسر، برابر، شریک، ساتھی، ہم پلّہ، ہم پایہ۔ نِدٌّ کی جمع ہے ::

اَنْتُمْ تم سب مرد۔ جمع مذکّر، حاضر کی ضمیر ::

[illegible] تم سب جانتے ہو۔ تم سب علم رکھتے ہو۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکّر حاضر ::



اِنْ اگر حرفِ شرط ہے۔ كُنْتُمْ۔ تم تھے، تم ہو۔ دونوں ترجمے ہوتے ہیں۔ جس طرح انگریزی میں BE سے IS اور WAS ہوتے ہیں۔ فعل ماضی معروف صیغہ جمع مذکّر حاضر۔ مصدر كَوْنٌ اور مادہ (ک و ن) ہے ::

فِيْ رَيْبٍ کسی شک میں مِمَّا نَزَّلْنَا۔ ہم نے اُتارا، ہم نے نازل کیا۔ فعل ماضی صیغہ جمع متکلّم۔ تَنْزِيْلٌ مصدر سے ہے + عَلٰى عَبْدِنَا۔ ہمارے بندے پر ::

فَأْتُوْا پس تم دو۔ پس تم بنالاؤ۔ ف (پس) اور اِئْتُوْا (آؤ) سے مرکب ہے۔ شروع میں ف کے آجانے کی وجہ سے اِئْتُوْا کا الف (جسے عربی قواعد میں ہمزہ کہتے ہیں) بے کار ہو کر گر گیا اور فَأْتُوْا رہ گیا:

| مصدر | مادہ | ماضی | مضارع | امر | نہی |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| اِيْتَانٌ | (ا۔ت۔ی) | اَتٰى | يَاْتِیْ | اِئْتِ | لَا تَاْتِ |

سُوْرَةٍ ٹکڑا، رتبہ، فصیل، درجہ ::

مِثْلِهٖ اس کے مانند، اس کے مثل ::

اُدْعُوْا تم بُلالاؤ۔ تم پکارو۔ دَعْوَةٌ مصدر سے فعل امر ہے۔ صیغہ جمع مذکّر حاضر، مادہ (د۔ع۔و) ہے ::

شُهَدَآءَ طرف دار، مددگار، ہم نوا، گواہ، حاضر، حامی، ساتھی۔ شَهِيْدٌ کی جمع ہے۔ شَهَادَةٌ اور شُهُوْد مصدر اور (ش۔ہ۔د) مادہ ہے ::

دُوْنِ سوائے، غیر، علاوہ، کمتر۔ صٰدِقِيْنَ۔ سچے مرد، سچ بولنے والے، صادق کی جمع۔ فَاِنْ۔ پس، اگر ::

تَفْعَلُوْا تم کرو گے، تم کرتے ہو۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکّر حاضر ::

وَلَنْ تَفْعَلُوْا اور تم ہرگز نہ کر سکو گے۔ نفی استقبال میں زور پیدا کرنے والے کے لیے لَنْ کا لفظ استعمال ہوتا ہے ::

وَلَنْ اور ہرگز نہیں۔ وَ۔ اور۔ لَنْ۔ ہرگز نہیں ::

اِتَّقُوْا تم ڈرو، تم تقویٰ اختیار کرو۔ فعل امر صیغہ مذکّر حاضر ::

Scanned with CamScanner

**اَلَّتِیْ** جو، جس۔ اسمِ موصول ہے۔ مفرد مؤنث کے لیے آتا ہے ؛

**وَقُوْدُ** ایندھن، جس سے آگ جلائی جاتی ہے۔ ھَا۔ وہ۔ اس۔ لوگ۔ اَلْحِجَارَۃُ۔ پتھر۔ حجر کی جمع ہے ؛

**اُعِدَّتْ** وہ تیار کی گئی ہے۔ اِعْدَادٌ مصدر سے ہے۔ فعل ماضی مجہول صیغہ واحد مؤنث غائب ہے ؛

**کٰفِرِیْنَ** کافر، منکرینِ حق ؛

**بَشِّرْ** تُو بشارت دے۔ تُو خوشخبری دے۔ تُو خبر دے۔ تُو مژدہ سُنا۔ تَبْشِیْرٌ مصدر سے فعل امر کا صیغہ واحد مذکر حاضر ہے۔ بشیر اور بشارت بھی اس سے تعلق رکھتے ہیں۔

| مصدر | مادہ | ماضی | مضارع | امر | نہی |
|---|---|---|---|---|---|
| تَبْشِیْرٌ | (ب۔ش۔ر) | بَشَّرَ | یُبَشِّرُ | بَشِّرْ | لَا تُبَشِّرْ |

**عَمِلُوْا** اُنہوں نے عمل کیے ؛

**اَلصّٰلِحٰتِ** نیکیاں، اچھے کام۔ صَالِحَۃٌ کی جمع ہے ؛

**جَنّٰتٍ** باغ۔ جَنَّتَیْنِ۔ بہشتیں۔ جَنَّۃٌ کی جمع ہے ؛

**تَجْرِیْ** وہ بہتی ہے، وہ چلتی ہے، وہ جاری ہے۔ فعل مضارع صیغہ واحد مؤنث غائب ؛

**تَحْتِهَا** اُس کے نیچے۔ تَحْتَ مضاف، ھَا ضمیر مؤنث غائب مضاف الیہ ؛

**اَنْهٰرُ** نہریں۔ نَہْرٌ کی جمع ہے۔ دریا اور نہر ہر دو کے لیے مستعمل ہے۔

**رُزِقُوْا** وہ روزی دیے گئے۔ ان کو رزق دیا گیا۔ فعل ماضی مجہول صیغہ جمع مذکر غائب ؛

**ثَمَرَۃٍ** پھل، میوہ۔ اس کی جمع ثَمَرٌ ہے ؛

**ھٰذَا** یہ، یہی۔ اسم اشارہ ہے ؛

**رُزِقْنَا** ہمیں روزی دی گئی، ہمیں رزق دیا گیا۔ فعل ماضی مجہول صیغہ جمع متکلم ؛

**اُتُوْا** وہ دیے گئے۔ فعل ماضی مجہول صیغہ جمع مذکر غائب، اَتَوْا کا مجہول ہے ؛



**مُتَشَابِهًا** ملتا جلتا، مشابہ، ہم شکل، ہم صورت، اس جیسے ؛

**اَزْوَاجٌ** جوڑے، ہم مثل چیزیں۔ زوج کی جمع ہے۔ زوج مذکر اور مؤنث ہر دو کے لیے آتا ہے۔ یعنی خاوند کے لیے بھی اور بیوی کے لیے بھی، انسانی جوڑے کے علاوہ دوسری اشیاء کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے ؛

**مُطَهَّرَۃٌ** پاک، پاکیزہ، پاکباز، اسمِ مفعول اور واحد مؤنث ؛

**خٰلِدُوْنَ** ہمیشہ رہنے والے، مُقیم۔ اسم فاعل صیغہ جمع مذکر۔ خَالِدٌ کی جمع ہے۔ خُلد سے بنا ہے۔ خُلُوْدٌ کے معنی ایسی حالت میں رہنے کے ہیں جس میں کبھی تغیر اور خرابی نہ ہو۔ ہمیشگی کا مفہوم مُضمر ہے ؛

**لَا یَسْتَحْیٖ** وہ نہیں شرماتا، وہ نہیں جھجکتا، وہ نہیں جھینپتا، وہ نہیں عار کرتا۔ مصدر اِسْتِحْیَاءٌ اور مادہ (ح۔ی۔ی) ہے ؛

**اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا** یہ کہ وہ کوئی سی مثال بیان کرتا ہے۔ یَضْرِبُ۔ وہ بیان کرتا ہے۔ مَثَلًا تمثیل، نکرہ کے ساتھ مَا آنے سے اُس کا نکرہ پن اور بڑھ جاتا ہے ؛

**بَعُوْضَۃً** مچھر۔ فَوْقَهَا، اُس کے اوپر، اُس سے حقیر تر، اس سے بڑھ کر اس موقع پر حقارت میں بڑھ کر مقصود ہے ؛

**اَمَّا** لیکن، سو، پس۔ حرفِ شرط ہے۔ فَیَعْلَمُوْنَ۔ پس وہ جانتے ہیں ؛

**حَقٌّ** حق، اللہ کی ہدایت، ہر لحاظ سے درست چیز، ٹھیک، سچائی، عین درست ؛

**یَقُوْلُوْنَ** وہ کہتے ہیں۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب ؛

**مَاذَا** کیا چیز ہے ؟ کیا ہے یہ ؟

**اَرَادَ** اُس نے چاہا، اُس نے ارادہ کیا۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب ؛

**یُضِلُّ** وہ گمراہ کرتا ہے۔ اَضَلَّ، یُضِلُّ، اِضْلَالٌ سے ہے۔ مادہ (ض۔ل۔ل) ہے ؛

**كَثِيْرًا** — بہت زیادہ ۔ یَهْدِیْ ۔ وہ ہدایت کرتا ہے ۔ وہ راہ راست دکھاتا ہے ۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب ::

**مَا يُضِلُّ بِهٖ** — وہ اُس کے ساتھ گمراہ نہیں کرتا ۔ اِلَّا ۔ سوائے ::

**فَاسِقِيْنَ** — بدکار، فاسق لوگ، نافرمان لوگ، نافرمانِ خُدا، راستی سے نکل جانے والے لوگ، حد شکن لوگ، بداعمال، کبیرہ گناہوں کے مرتکب اور مدارج کے اعتبار سے کُفر تک پہنچتا ہے ::

**يَنْقُضُوْنَ** — وہ توڑتے ہیں ۔ نَقْضَ، يَنْقُضُ، نَقْضًا سے ہے ۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب ::

**عَهْدَ اللّٰهِ** — اللہ کا عہد، معاہدۂ اطاعت، اقرارِ توحید و ربوبیت ۔ وہ عہد جو اللہ تعالیٰ نے عالمِ رُوحانی میں تمام ارواح کو حاضر کرکے اُن سے لیا تھا ::

**بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ** — اِس کی مضبوطی، پختگی، استحکام کے بعد ::

**يَقْطَعُوْنَ** — وہ کاٹتے ہیں، وہ منقطع کرتے ہیں ۔ قَطَعَ، يَقْطَعُ، قَطْعًا سے ہے ::

**مَا اَمَرَ اللّٰهُ** — جس کا اللہ نے حکم دیا ۔ مَا ۔ جس کا ۔ جو ::

**يُّوْصَلَ** — وہ جوڑا جاتا ہے ۔ فعل مضارع مجہول صیغہ واحد مذکر غائب ۔

| مصدر | مادہ | ماضی | مضارع | امر | نہی |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| وَصْلٌ | (و ۔ ص ۔ ل) | وَصَلَ | يَصِلُ | صِلْ | لَاتَصِلْ |

**يُفْسِدُوْنَ** — فساد پھیلانے والے ۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب ::

**خٰسِرُوْنَ** — گھاٹا پانے والے، نقصان اٹھانے والے، خسارہ اُٹھانے والے، خاسر کی جمع ہے ::

**كَيْفَ** — کیسے، کس طرح، کیسا، کیونکر ::

**تَكْفُرُوْنَ** — تم کُفر کرتے ہو، تم اِنکار کرتے ہو ۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر ::

**اَمْوَاتًا** — معدُوم، بے جان، مُردے ۔ مَيِّتٌ کی جمع ہے ::



**اَحْيَا** — اُس نے زندہ کیا، اُس نے زندگی عطا کی، فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب ::

**ثُمَّ** — پھر ۔ يُمِيْتُكُمْ وہ تمہیں موت دیتا ہے، وہ تمہاری زندگی سلب کر لیتا ہے، وہ تمہیں موت دے گا ۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب، اِمَاتَةٌ مصدر سے ہے اور مادہ (م و ت) ہے ::

**يُحْيِيْ** — وہ زندگی بخشتا ہے، وہ جان ڈالتا ہے ۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب ::

**اِلَيْهِ** — اِسی کی طرف ۔ تُرْجَعُوْنَ ۔ تم لوٹائے جاؤ گے، تم پھیرے جاؤ گے ۔ فعل مضارع مجہول صیغہ جمع مذکر حاضر ::

**هُوَ** — وُہ، وُہی ۔ خَلَقَ ۔ اُس نے پیدا کیا ۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب ::

**لَكُمْ** — تمہارے لیے ۔ مَا فِي الْاَرْضِ جو کچھ زمین میں ہے ::

**جَمِيْعًا** — ساری کی ساری، تمام، سب کا سب ::

**اِسْتَوٰى اِلَى** — اُس نے قصد کیا، اُس نے توجّہ کی، اُس نے ارادہ کیا، اُس نے التفات کیا ۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب، اِسْتَوٰی کے عام معنی سیدھے ہونے کے ہیں ۔ لیکن جب اِس کے بعد صلہ ہو ۔ تو قصد کرنا ترجمہ ہوتا ہے ::

**سَوّٰهُنَّ** — اُس نے اُن کو ٹھیک کر دیا ۔ اُس نے اُن کو اُستوار کر دیا ۔ اُس نے انہیں تکمیل تک پہنچا دیا ۔ اُس نے اُن کو درست کر دیا ۔ یہ لفظ تَسْوِيَةٌ سے نکلا ہے ::

| مصدر | مادہ | معنی | ماضی | مضارع | امر | نہی |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| تَسْوِيَةٌ | (س وی) | برابر کرنا | سَوّٰى | يُسَوِّيْ | سَوِّ | لَاتُسَوِّ |

**اَلسَّمٰوٰتِ** — واحد سماء معنی آسمان، بلندی ::

**عَلِيْمٌ** — علم رکھنے والا، صاحبِ علم، خوب جاننے والا ::

Scanned with CamScanner

# نوع انسانی کو دعوت توحید

## تشریح و تفسیر آیات نمبر21-22

سورۃ کے آغاز میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ کتاب الٰہی ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہے۔ اس کے بعد مومنین و متقین کی صفات اور ان کا انجام، پھر منکرین و منافقین کے حالات، خصائل اور ان کی ذہنی کیفیات کا مفصل تذکرہ نظر سے گزرا، مختصر یہ کہ سابقہ دو رکوع اعتقاد کے اعتبار سے انسانوں کے تین گروہوں یعنی مومن، کافر اور منافق پر مشتمل ہیں۔ اب تیسرے رکوع میں "**یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ**" سے عام نوع انسانی کو خطاب کیا جا رہا ہے اور انہیں رحمت و ربوبیت کے مظاہر اور اختیار و قدرت کے علامات و آثار کی جانب توجہ دلا کر قبول حق کی دعوت دی جا رہی ہے۔

چونکہ اسلام کسی خاص قوم، ملک اور وقت کا دین نہیں اور نہ ہی اس میں کالے گورے، عربی اور عجمی کی کوئی تخصیص ہے، اس لیے ان آیات میں خطاب مجموعی طور پر ساری انسانیت سے کیا گیا ہے اور حکم یہ دیا جا رہا ہے کہ اے لوگو! تم اپنے اس رب کی عبادت اور بندگی کرو جو واحد اور یکتا ہے۔ جس نے بغیر کسی شریک اور معاون کے تمہیں اور تم سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو نیست بہ ہست کیا۔ پھر آہستہ آہستہ ہمیں ترقی کے مدارج عطا کیے اور کمال کی اس اعلیٰ منزل پر پہنچا دیا جہاں کمال کے تمام مدارج ختم ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ کرم نہ کرتا تو تم فنا کی دنیا سے وجود کی دنیا میں کیسے آتے۔ کائنات میں جو کچھ ہے یا جو کچھ ہو رہا ہے، وہ نہ از خود اور بے سبب ہے اور نہ کسی اور کی قلت و قوت سے ہو رہا ہے، بلکہ سب کچھ صرف خدائے واحد و یکتا ہی کی قدرت سے ہوا اور ہو رہا ہے، لہٰذا تم اس کی بندگی اور فرماں برداری بجا لاؤ۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ تم تقویٰ اور پرہیزگاری کے مرتبہ تک پہنچ سکو گے اور دنیا میں غلط کاری اور آخرت میں خدا کے عذاب سے بچ سکو گے۔

**عبادت کا مفہوم:** انسان جس عقیدے کا اقرار اور تصدیق کرتا ہے، اس کا اظہار اپنے اعمال، اعضاء اور جوارح سے کرتا ہے۔ یہ اظہار اعمال عبادت کہلاتا ہے۔ اللہ کی عبادت قلب انسانی کے عجز و نیاز کی وہ انتہائی کیفیت ہے جو اس کے ظاہری و باطنی اعضاء پر موثر ہو کر اس کے فکر و عمل کو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے سانچہ میں ڈھال دے۔ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کی فکر میں غلطاں و پیچاں رہے اور اس کا کوئی قدم احکام خداوندی کی حدود سے متجاوز نہ ہو۔ اسلامی نقطہ نظر سے اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف یہی نہیں ہے کہ مخصوص رسوم کے ذریعے اس کے آگے اظہار عاجزی و بندگی کر لیا لائے، بلکہ معاشرت و معیشت، تجارت و زراعت، تہذیب و



اخلاق، حکومت و سیاست، غرض زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور اپنی مرضی کو نظرانداز کر کے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو ملحوظ رکھنا ہی عبادت ہے۔

**عبادت زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہے:** اس تفصیل کے پیش نظر عبادت انسانی زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہے اور انسانوں کا کوئی فعل ایسا نہیں جو اس کے لیے عبادت نہ بن سکتا ہو۔ انسان کا سونا، جاگنا، اٹھنا، کھانا، بیٹھنا، پینا، کمانا اور خرچ کرنا، بیوی بچوں کے ساتھ رہنا سہنا، عزیزوں اور دوستوں سے ملنا جلنا، حاکموں اور محکوموں سے برتاؤ کرنا، غرض اس کی زندگی کا ہر عمل، اگر وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہے اور اگر اس سے اس کی رضا مطلوب ہے، تو وہ سب عبادت ہی ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا: وہی پروردگار ہے جس نے تمہاری زندگی کی بقا کے لیے زمین کا فرش بچھایا اور آسمان کا شامیانہ تانا، الغرض زمین ہو آسمان، کوئی بھی از خود نہیں بن گئے ہیں، بلکہ اللہ کے بنائے ہوئے اور اسی قادر مطلق کے زیر فرمان ہیں، پھر خالق یکتا و مطلق نے آسمان سے پانی برسایا اور اس سے تمہاری روزی کے لیے طرح طرح کے اناج اور پھل اور میوے پیدا کیے اور تمہاری روحانی زندگی کی نشوونما کے لیے اس کارخانہ عالم کو اپنی وحدانیت، خالقیت و مالکیت کی دلیل بنایا۔ غرض وہ تمہارے آرام و آسائش کا انتظام نہ کرتا تو تم پیدا ہوتے ہی ہلاک ہو جاتے، جبکہ تمہارا وجود بھی اس کے کرم کا صدقہ ہے اور تمہاری زندگی و بقا بھی اس کی نظر رحمت کی محتاج ہے اور کسی دوسرے کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ تو ان حالات میں تم پر لازم ہے کہ صرف اسی منعم و محسن خدا کے آگے عجز و نیاز کا سر جھکاؤ اور اسی کے انعامات و احسانات کا شکر بجا لاؤ، کسی اور کو اس کا مستحق نہ سمجھو، جبکہ تم جانتے ہو کہ اس کے سوا کسی اور کو کسی درجہ میں بھی یہ قوت و قدرت حاصل نہیں۔ اگر تم اس ہدایت پر عمل کرو گے تو خدا کی نافرمانی کے عذاب سے بچ سکو گے اور اس کی اطاعت کے اجر و ثواب سے شادکام ہو گے۔

**اسلام میں تصور توحید اور اس کی اہمیت:** اتنی بات ہر زمانہ میں اور تمام اقوام میں تسلیم کی جاتی رہی ہے کہ اللہ اس دنیا کو پیدا کرنے والا ہے۔ موجودہ دور میں بھی، جسے دہریت کا دور کہا جاتا ہے، خدا کے منکروں کی تعداد خدا کے ماننے والوں کے مقابلہ میں آٹے میں نمک کے حساب سے زیادہ نہیں، حتیٰ کہ روس، جو خدا بیزاری اور خدا دشمنی کا مرکز سمجھا جاتا ہے، وہاں بھی خدا کے منکر خدا کے ماننے والوں کی نسبت اقلیت میں ہیں۔ اس لیے اسلام نے اس مسئلہ پر چنداں زور نہیں دیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے استدلال اور اشارات سے کام لیا۔ البتہ اسلام کی جو خصوصیت ہے، وہ تصور توحید میں ہے کیونکہ دوسرے مذاہب میں یا تو سرے سے توحید تھی ہی نہیں یا تھی تو کامل نہ تھی، کیونکہ یہ تصور تھا کہ خدا خود بھیس بدل بدل کر آتا ہے۔ کہیں یہ یقین تھا کہ خدا کی بھی

Scanned with CamScanner

نسل چلتی ہے، کہیں یہ خیال تھا کہ خدا نے اس کائنات کو پیدا تو ضرور کیا لیکن اب اسے اس انتظام سے کوئی سروکار نہیں، کہیں خدا کو مجسم مان لیا گیا، کہیں اسے محض حاجتیں پوری کرنے والا تصور کیا گیا، کہیں اسے مختلف ہستیوں میں تقسیم کیا گیا۔ عیسائی تین خداؤں کو مانتے اور ہندو فلسفہ میں تو کئی خداؤں کا وجود تھا۔ اسی بنا پر قرآن حکیم نے بار بار کہا کہ کفار کو بھی خدا سے انکار نہیں، کفار کو جو وحشت ہے، وہ توحید سے ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

اِذَا دُعِیَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ کَفَرْتُمْ وَاِنْ یُّشْرَکْ بِہٖ تُؤْمِنُوْا

(مومن-12)

"جب اکیلا خدا کو پکارا جاتا ہے تو تم منکر ہو جاتے ہو اور اگر کوئی اور شریک کر لیا جائے تو تم مان لیتے ہو"۔

وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَہُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ (زمر-45)

"اور جب صرف تنہا خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو تم منکر ہو جاتے ہو اور اگر کوئی اور شریک کر لیا جائے تو تم مان لیتے ہو"

حقیقت یہ ہے کہ جن اسباب سے ہمیں خدا کے وجود کا یقین ہوتا ہے، بعینہٖ وہی اسباب اس بات کے بھی شاہد ہیں کہ خدا ایک ہے۔ نظام عالم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گو بظاہر وہ کثیر الاجزاء اور کثیر الافراد ہے، لیکن سب مل کر ایک ہے، یعنی اس کل کا ایک ایک پرزہ دوسرے سے اس قدر وابستہ ہے کہ وہی ایک شخص اس کو چلا سکتا ہے جو تمام پرزوں کا موجد اور ان کے باہمی تناسب کا محافظ ہو۔ اسی دلیل کو قرآن مجید میں اس طرح ادا کیا گیا ہے:

لَوْ کَانَ فِیْھِمَآ اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا (انبیاء:22)

"اگر آسمان اور زمین میں کئی خدا ہوتے تو نظام عالم بگڑ جاتا"۔

اسلام میں توحید کا اقرار صرف ایک کلمہ **لا الہ الا اللہ** (خدا کے سوا کوئی معبود نہیں) ہے۔ پھر ایک اور مقام پر قرآن حکیم نے کہا:

قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ

(اخلاص:1-3)

"اے محمدؐ! کہہ دیجئے کہ خدا ایک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا"۔

**ولم یولد** کے الفاظ میں خدا کی سچی محبت اور خالص توحید سکھا کر جھوٹے دعووں اور باطل اعتقادوں سے انسان کے دل کو پاک صاف کیا۔ جملہ انبیاء و رسل کی دعوت بھی صرف واحد مسئلہ



توحید کی طرف تھی، جیسا کہ قرآن حکیم نے فرمایا:

"اے محمدؐ! آپ سے پہلے ہم نے بھی جو رسول بھیجے، انہیں یہی وحی کی کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا تم اسی کی عبادت کرو"۔

اسلام کا تصور توحید ایک زندہ خدا کا ہے، جو ایک لحہ کے لیے بھی غافل نہیں ہوتا۔ اسلام ہی نے بتایا کہ ہر شخص براہ راست خدا تک پہنچ سکتا ہے اور اپنی ہر قسم کی حاجات پیش کر سکتا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

ہم انسان کی رگ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں"۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خدا کے اقرار و اعتراف کا دل پر جو اخلاقی اثر پڑتا ہے، وہ توحید کامل کے بغیر پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ اطاعت و فرماں برداری، خشوع و خضوع، عزم و استقلال، توکل و اخلاص کی حالت اسی وقت دل پر طاری ہو سکتی ہے جب یہ خیال ہو کہ ہماری تمام حاجتوں، تمام ضرورتوں، تمام اغراض اور تمام خواہشوں کا ایک ہی مرکز ہے۔ انسان میں آزادی، دلیری اور بے نیازی کے اوصاف بھی توحید کامل کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتے۔ جو شخص ایک کے سوا اور کو بھی حاجت روا مانتا ہے، اس کا سر ہر آستانے پر جھک سکتا ہے۔

قرآن حکیم کی بدولت توحید کا یہ تصور آج بھی اصلی شکل میں موجود ہے۔ یہی وہ روح ہے جس سے انسانیت نے ہمیشہ زندگی حاصل کی ہے اور آج بھی اگر اسے زندگی نصیب ہو سکتی ہے تو اسی روح کی بدولت۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی اللہ کے بندے اللہ پر صحیح ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے تو ان کے سامنے نہ کسی کسریٰ کی حقیقت باقی رہی اور نہ قیصر کی۔ انہوں نے بڑی سے بڑی طاقت کو شکست دی اور ایک خدا سے اپنا تعلق مضبوط کرنے کے بعد انہوں نے سارے بندھنوں کو توڑ ڈالا۔

# اثبات رسالت کی دلیل

## تشریح و تفسیر آیات نمبر23-24

دلائل توحید کے بعد اب ان آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی قوی دلیل اعجاز القرآن کے ذریعہ پیش کی گئی ہے۔ آپ قرآن حکیم کو اپنی رسالت کے ثبوت میں پیش کرتے تھے۔ مشرکین عرب آپ کے اس دعویٰ کے مخالف تھے اور کہا کرتے تھے کہ یہ کسی انسان یا جن کی بنائی ہوئی کتاب ہے۔ ایک مقام پر کافروں کے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

"وہ کہتے ہیں کہ آپ نے خود قرآن بنا لیا ہے۔ اکثر لوگ ناواقف ہیں۔

Scanned with CamScanner

آپ ان سے کہہ دیں کہ درحقیقت تمہارے رب کی طرف سے پاک روح اس کو لائی ہے"۔(نحل-14)

اس مخالفت میں یہود بھی ان کے ہم نوا تھے۔ لہٰذا قرآن مجید نے پہلے تو منکرین کو چیلنج دیا کہ اگر سارے انسان اور جن مل کر قرآن جیسی کتاب پیش کرنا چاہیں تو بھی نہیں کر سکیں گے۔ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا"

(بنی اسرائیل-88)

"آپ فرما دیجئے کہ تمام جنات و انسان اس بات کے لیے جمع ہو جائیں کہ ایسا قرآن بنا کر لائیں، تب بھی وہ ایسا قرآن بنا کر پیش نہیں کر سکتے، اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں"۔

پھر جب دیکھا کہ پوری کتاب لانے سے قاصر ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن جیسی دس سورتیں ہی بنا لاؤ اور خدا کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو جمع کر لو۔

ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (ھود۔ 13)

"آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی بنائی دس سورتیں ہی لے آؤ اور خدا کے سوا جنہیں تم بلا سکتے ہو بلا لو"۔

جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ یہ لوگ دس سورتیں بھی نہیں بنا سکتے تو اتمام حجت کے طور پر انہیں دعوت دی کہ اگر ہو سکے تو ایک ہی سورت بنا لاؤ، چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر تمہیں اس قرآن کے کلام اللہ ہونے میں کوئی شک و شبہ ہے، جو ہم نے اپنے بندے پر آہستہ آہستہ حسب ضرورت و مصلحت اتارا ہے تو تم بھی اس کے مانند کوئی سورت پیش کرو اور اس ضمن میں اللہ کے سوا اپنے حمایتیوں مثلاً ادیبوں، خطیبوں، شاعروں، کاہنوں، جنوں اور دیوتاؤں کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کرو، اگر فی الحقیقت تمہارے کچھ حمایتی اور مددگار موجود ہیں اور اگر تم ایسا نہ کر سکو اور خدا کی طرف سے یہ اعلان عام ہے کہ تم ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو پھر عناد و سرکشی کو چھوڑ کر قرآن اور حامل قرآن کی صداقت پر اعتبار کرو اور بے چون و چرا دین حق کو تسلیم کرو تاکہ جہنم کی اس آگ سے محفوظ رہ سکو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اور جو اس کتاب کے تکذیب کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے، جس میں منکرین ہی نہیں بلکہ ان کے باطل اصنام (بت) بھی



جھونکے جائیں گے، جن کی وہ پرستش اور بندگی کرتے رہے ہیں۔ بتوں کو دوزخ میں پھینکنے سے دراصل ان کو عذاب دینا مقصود نہیں، بلکہ ان کے پرستاروں کے عذاب میں اضافہ کرنا ہوگا۔ اس وقت انہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ خدائی میں ان کے بت کتنا دخل رکھتے ہیں۔ اس طرح ساری حقیقت کی وضاحت قرآن مجید نے ایک دوسرے مقام پر اس طرح کی ہے:

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ هٰۤؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا وَكُلٌّ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ (انبیاء-98:99)۔

"تم اور وہ چیزیں، جن کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو، سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ تم سب کو اس میں جانا ہوگا۔ اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو جہنم میں نہ پڑتے اور تم سب اس میں ہمیشہ رہو گے"۔

# مومنین کو خوشخبری

## تشریح و تفسیر آیت نمبر 25

منکرین حق کے لیے جو عذاب تیار کیا گیا ہے، اس کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سرمدی اور ابدی نعمتوں کا مژدہ سنایا ہے جو ایمان اور نیک اعمال دونوں سے متصف ہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: آپ ان لوگوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو ایمان لائے اور جنہوں نے عمل صالح کیے یعنی توحید و رسالت پر ایمان لائے اور جنہوں نے عمل شریعت اسلام کے مطابق کیے کہ ان کے لیے شاندار باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جو منظر میں دل کشی پیدا کرنے کے علاوہ سرسبزی اور شادابی میں سدا بہار اضافہ کا باعث ہوں گی۔ جب ان باغوں سے انہیں کوئی پھل دیا جائے گا تو وہ فرط مسرت و انبساط سے دیکھ کر کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل ہے جو ہم نے کھایا تھا یعنی جنت کے میووں اور پھلوں کی شکل ایسی ہوگی جن سے وہ پہلے آشنا ہوں گے لیکن ان کا ذائقہ اور خوشبو بالکل نرالی ہوگی۔ اہل جنت یہ پھل دیکھ کر پہچان لیں گے کہ یہ آم ہیں اور یہ انار ہے اور یہ سنگترہ ہے، مگر مزے میں دنیا کے آموں اور اناروں اور سنگتروں کو ان سے کوئی نسبت نہ ہوگی، دونوں میں اشتراک صرف نام کا ہوگا۔

پھر فرمایا: "وہاں ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی" یعنی بالکل پاک صاف۔ نہ جسمانی آلائشوں کا وہاں گزر ہوگا اور نہ اخلاقی عیب سے ان کی سیرت کا دامن داغدار ہوگا۔ مطہرہ کی صفت اس حقیقت کو ظاہر کر رہی ہے کہ نہایت اہتمام کے ساتھ ان کی تربیت ہوئی ہے اور ان کا تزکیہ کیا گیا

Scanned with CamScanner

ہے تاکہ وہ اہل جنت کی رفاقت کے لیے پوری طرح موزوں ہو سکیں۔ مرد' عورت دونوں ہی آلائش دنیا اور اعمال بد سے پاک و صاف ہوں گے گویا جنت مادی اور روحانی ہر ہر قسم کی لذتوں' مسرتوں اور راحتوں کا گہوارہ ہوگا۔ ان انعامات کی بڑی خصوصیت یہ ہوگی کہ یہ عارضی نہیں ہوں گے' بلکہ اہل جنت ان سے ہمیشہ لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔

# قرآنی تمثیلات کی حقیقت

## تشریح و تفسیر آیات 26-27

سابقہ آیات میں جنت اور اس کی نعمتوں کا جو ذکر ہوا ہے' وہ بطور تمثیل ہے کیونکہ اس دنیا میں جنت اور دوزخ سے متعلق جو بات بھی ذہن نشین کرائی جا سکتی ہے' وہ تمثیل ہی کے ذریعے بہ آسانی سمجھائی جا سکتی ہے۔ قرآن مجید میں اسی نقطہ نظر سے موقع محل کے مطابق متعدد مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے انسان کی ناکامی اور کمزور تدبیروں کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی۔ (عنکبوت- 41) بتوں کی بے بسی کو مکھی کے مقابل ناتواں بتلایا۔ (حج- 72) اسی طرح دوسری چھوٹی بڑی اشیاء کی مثالیں اور تشبیہیں دے کر باریک مسئلوں کو سمجھایا۔

مخالفین کا اعتراض تھا کہ یہ کیسا کلام الٰہی ہے' جس میں ایک طرف ہاتھی' اونٹ' شیر اور دوسری طرف چیونٹی' مکڑی' مکھی جیسی چیزوں کی تمثیلیں دی گئی ہیں' چنانچہ آیات زیر نظر میں ان کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔ مچھر بظاہر ایک انتہائی حقیر اور بے حقیقت سی مخلوق ہے' لیکن جہاں مخلوق کو بے حقیقت بیان کرنا ہوگا' وہاں مچھر سے زیادہ موزوں مثال کوئی نہیں ہو سکتی' اس لیے اس قسم کی مثالوں پر اعتراض کرنا کم فہمی اور بے وقوفی ہے۔

حقیقت واضح کرنے کے لیے اگر مکھی' مکڑی' مچھر یا اس سے بھی حقیر ترین چیز کی مثال دینا ضروری ہو تو اللہ تعالیٰ کسی کے اعتراض کے ڈر سے مثال کو ترک نہیں فرماتا اور نہ ہی کوئی جھجک محسوس کرتا ہے۔

اس سلسلہ میں صلاحیت پذیر اور عناد پسند طبیعتوں کے ذہنی خصائص کا مختصر بیان بھی کر دیا گیا' تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ دعوت حق کے ماننے والے کس قسم کے انسان ہیں اور گمراہی و کج روی کی صلاحیت کس قسم کے لوگوں میں ہوتی ہے۔ جو لوگ علم اور حقیقت کے طلبگار ہوتے ہیں' جو اپنی قوت فکر و نظر سے صحیح کام لیتے رہتے ہیں' صحیح بصیرت رکھتے ہیں اور سلیم الطبع ہوتے ہیں' ان کا دل پکار اٹھتا ہے کہ ایسی حکیمانہ باتیں اللہ ہی کی طرف سے ہو سکتی ہیں۔ وہ امثال اور تشبیہات و تمثیلات پڑھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں اور ان کی حقانیت کے قائل ہو جاتے ہیں' نیز ان سے ان



کے علم میں اضافہ ہوتا ہے' لیکن ان کے برعکس جو ضلالت و گمراہی کے طلبگار ہوتے ہیں' جن کی طبیعت مسخ ہو چکی ہے' جو بات کو سمجھنا نہیں چاہتے' جو حقیقت کی جستجو نہیں رکھتے' وہ ان تمثیلوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور الٹے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ گمراہی میں پڑ جاتے ہیں۔

آیت نے خود اس بات کو واضح کر دیا کہ ضلالت و گمراہی تو انہیں کے حصہ میں آتی ہے جو خود اپنی رائے اور ارادہ سے گمراہ رہنا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہرگز کسی کو گمراہ نہیں کرتا بلکہ اعمال کے مطابق اللہ کی طرف سے ہدایت یا گمراہی کا اطلاق ہوتا ہے۔ بارہا کی ارادی نافرمانیوں اور معصیتوں سے ضمیر مردہ ہو جاتا ہے اور طبیعت میں حق کی طلب اور صداقت کی تلاش باقی نہیں رہ جاتی' بلکہ اس کے برعکس باطل اور ناحق پر جمود پیدا ہو جاتا ہے اور اس سلسلہ کا خاتمہ کفر و انکار پر ہو جاتا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

پھر فرمایا کہ گمراہ اور کج رو وہی ہو سکتے ہیں جو فاسق ہیں' یعنی جو دائرۂ اطاعت سے باہر نکل جانے والے ہیں' جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کے خیال سے خالی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو عہد اللہ یعنی معاہدۂ اطاعت یا بندگی یا عہد ایمان کو پختہ کر کے اسے توڑ دیتے ہیں۔ اللہ کے عہد سے مراد اس کا وہ مستقل فرمان ہے جس کی رو سے تمام نوع انسانی صرف اسی کی بندگی' اطاعت اور پرستش کرنے پر مامور ہے۔ "مضبوط باندھ لینے کے بعد" سے اشارہ اس طرف ہے کہ آدم کی تخلیق کے وقت تمام نوع انسانی سے اس فرمان کی پابندی کا اقرار لے لیا گیا تھا۔ (تفہیم القرآن)

یہ اہل فسق مومنین کو چھوڑ کر اپنا رشتہ اور تعلق کافروں سے جوڑ لیتے ہیں۔ وفائے عہد اور حسن سلوک سے خالی ہیں۔ تعمیر و اصلاح کی بجائے تخریب و فساد سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ جن روابط کے قیام اور استحکام پر انسان کی اجتماعی و انفرادی فلاح کا انحصار ہے اور جنہیں اللہ نے دوست رکھنے کا حکم دیا ہے' ان پر یہ لوگ تیشہ چلاتے ہیں اور پھر اپنے عقاید کفریہ اور باطلہ سے روحانی اور مادی' گویا ہر قسم کا فساد پھیلاتے ہیں۔ ان کی وجہ سے قوم و افراد قوم طرح طرح کی بد اخلاقیوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ یہی لوگ خسران' نقصان اور گھاٹے میں ہیں' جو ہلاکت اور تباہی سے بچ نہیں سکیں گے اور جن کے لیے آخرت میں ہر نعمت سے محرومی ہوگی۔

ان تین جملوں (آیت نمبر 27) میں فسق اور فاسق کی مکمل تعریف بیان کر دی گئی ہے۔ خدا اور بندے کے تعلق' انسان اور انسان کے تعلق کو منقطع یا بگاڑنے کا لازمی نتیجہ فساد ہے اور جو اس فساد کو برپا کرتا ہے' وہی فاسق ہے۔ یہ مختصر جملے انسانی تمدن و اخلاق کی پوری دنیا پر حاوی و محیط ہیں۔

Scanned with CamScanner

# آخرت کے دلائل

## تشریح و تفسیر آیات نمبر 28-29

رکوع کے آخری حصہ میں انسان کی بے بسی اور اللہ تعالیٰ کی زبردست قوت و اختیار کے اظہار کے بعد پھر ایمان و قبول حق کی دعوت دی گئی ہے اور خطاب عام نوع انسانی سے ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ تم اللہ سے کس طرح کفر کر سکتے ہو؟

یہاں کفر سے مراد خدا کا انکار نہیں' بلکہ قیامت کا انکار ہے کیونکہ قیامت کا انکار در حقیقت خدا کی تمام اعلیٰ صفات' قدرت' ربوبیت' حکمت اور علم کا انکار ہے اور جو شخص ان صفات کے بغیر خدا کو مانے' اس کا خدا کو ماننا اور نہ ماننا دونوں برابر ہیں' اس لیے فرمایا کہ جب تم یہ مانتے ہو کہ خدا نے تم کو عدم سے وجود بخشا اور یہ بھی دیکھا ہے کہ وہی خدا ہے کہ جو تم کو زندگی کے بعد موت دیتا ہے گویا پیدائش' زندگی اور موت سب قوتیں اللہ ہی کی ہیں' جیسا کہ ایک اور مقام پر آتا ہے:

قُلِ اللّٰہُ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یَجْمَعُکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ

"کہہ دیجئے اللہ ہی تمہیں پیدا کرتا ہے' پھر مارتا ہے' پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا"۔

تو پھر اس بات کو کیوں ناممکن سمجھتے ہو کہ وہ تمہیں دوبارہ اٹھا کر کھڑا کرے۔ جس خدا کے لیے پہلی بار پیدا کرنا ممکن ہو' آخر اس کے لیے دوبارہ پیدا کر دینا کیوں ناممکن ہو جائے گا اور یاد رکھو کہ اس زندگی کے بعد تمہیں اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے' جہاں تمہارے اعمال کا حساب ہوگا۔

پھر فرمایا کہ تم خود ہی ساری کائنات ارضی کے مقصود و مطاع ہو۔ زمین کی جملہ اشیاء تمہارے فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہیں تاکہ تم انہیں اپنے حسب ضرورت استعمال میں لاسکو۔ حدیث نبویؐ کا یہ ٹکڑا' جو مسلمان ہر جمعہ کو خطیب کی زبان سے سنتا ہے کہ "دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لیے پیدا کیے گئے ہو" اسی آیت کا ترجمان ہے۔ خلیفۃ اللہ کی بیشک یہی شان ہونی چاہیے کہ سب کچھ اس کے لیے ہو اور وہ خود خدا کے لیے ہو۔ وہ جس چیز کو جس طرح چاہے' اپنے تصرف میں لائے اور اس کا جوابدہ وہ صرف اپنے مالک و خالق کے سامنے ہو۔ مرتبہ انسانی کا یہ شرف و احترام اسلام ہی کا قائم کیا ہوا ہے۔ آیت ہر قسم کے شرک اور ہر قسم کی مخلوق پرستی کی جڑ کاٹ دینے کے لیے کافی ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف توجہ کر کے سات آسمان بنا دیے' جن سے انسان کو بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اسے اپنے بندوں کی ساری ضرورتوں کا بھی پورا علم ہے۔ اس نے اپنے بندوں کو محض پیدا ہی نہیں کیا' بلکہ ازراہ بندہ پروری ان کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کا سامان بھی مہیا کر دیا۔

Scanned with CamScanner



وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا

زمین نائب انہوں نے کہا
اور جب کہا پروردگار تیرے واسطے فرشتوں بیشک میں بنانیوالا میں
وہ بولے
اور جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں

اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ

خون حالانکہ ہم تسبیح کرتے ہیں
کیا تو بنائیگا بیچ اسکے جو فساد پھیلائیگا بیچ اس کے اور بہائے گا
اور خون بہائے گا درحالانکہ ہم تیری حمد کی تسبیح
کیا اس میں ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا۔

بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ

اور سکھا دیئے آدم کو
ساتھ تعریف تیری اور پاکی بیان کرتے ہیں واسطے تیرے کہا بیشک میں جانتا ہوں جو نہیں تم جانتے
اور اللہ نے آدم کو
کرتے ہیں۔ اور تیری پاکی پکارتے رہتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا بیشک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ

ساتھ نام مجھے بتاؤ پس کہا فرشتوں
نام تمام اسکے پھر سامنے کیا انہیں اوپر
بتاؤ ان کے نام
نام سکھا دیئے کل کے کل پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا پھر فرمایا

هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا

انہوں نے کہا پاک ہے تو نہیں علم واسطے ہمارے مگر جو
ان سب اگر تم ہو سچے
وہ بولے تو پاک ذات ہے ہمیں تو کچھ علم نہیں مگر اس قدر
اگر تم سچے ہو۔

عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ

ساتھ نام ان کے بتا دو اے آدمؑ کہا حکمت والا
تو نے سکھایا ہمیں بیشک تو تو علم والا
اللہ نے فرمایا اے آدم بتلاؤ انہیں ان کے نام
جو تو نے ہمیں علم دیا بیشک تو ہی ہے بڑا علم و حکمت والا۔

فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ

پس جب اسنے بتا دیئے انہیں نام ان کے کہا کیا نہیں میں نے کہا واسطے تمہارے بیشک میں جانتا ہوں چھپی ہوئی باتیں
پھر جب آدم نے ان کو ان کے نام بتلائے تو فرمایا کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی چھپی

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَاِذْ

اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم ہو چھپاتے اور جب
آسمانوں اور زمین
ہوئی چیزوں کو جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو وہ سب جانتا ہوں اور جب

قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ ٭ وَ

اور جب ہم نے کہا واسطے فرشتوں کے جھک جاؤ واسطے آدمؑ پس وہ جھک گئے مگر ابلیس اس نے انکار کیا اور اسنے تکبر کیا اور
ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا اس نے انکار کیا اور تکبر کیا۔ اور

كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا

تھا سے کافروں اور ہم نے کہا آدم سکونت اختیار کر تو اور بیوی تیری جنت اور تم دونوں

اور کافروں میں سے ہو گیا اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو اور اس میں

مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ

کھاؤ سے اس جی بھر کر جہاں سے تم دونوں چاہو اور نہ تم دونوں قریب جاؤ اس درخت مبادا تم دونوں ہو جاؤ سے

جہاں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم گنہگاروں میں سے ہو

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا

ناانصافوں پس پھسلا دیا ان دونوں کو شیطان نے سے اس پس ان دونوں کو نکال دیا سے جو وہ دونوں تھے اس میں اور ہم نے کہا

جاؤ گے۔ پس شیطان نے دونوں کو پھسلا دیا اسی درخت کے باعث اور وہ دونوں جس میں تھے اس سے نکلوا دیا

اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ

اُتر جاؤ بعض تم میں سے واسطے بعض دشمن اور واسطے تمہارے بیچ زمین جائے قرار اور سامان

اور ہم نے کہا اب تم نیچے اُتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے اور ایک

اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ

تک وقت مقررہ پس حاصل کئے آدمؑ نے سے رب اپنے کلمات پس توبہ قبول کی اس کی بیشک وہ

وقت تک نفع اٹھانا ہے۔ پھر آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھ لئے پھر اللہ نے اُن کی توبہ قبول کر لی وہ بے شک بڑا

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ

توبہ قبول کرنیوالا رحم کرنے والا ہم نے کہا اُتر جاؤ اس سے تمام پس جب آئے تمہارے پاس میری طرف سے

توبہ قبول کرنے والا اور بڑا مہربان اور ہم نے حکم دیا کہ تم سب اُس کے نیچے اُتر جاؤ پھر اگر تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت

هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

ہدایت پس جس نے پیروی کی ہدایت میری پس نہیں خوف اوپر ان اور نہ وہ غمگین ہوں

پہنچے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو اُن کے لئے خوف ہو گا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور وہ جو کافر ہوئے اور جھٹلایا ساتھ آیات ہماری کے وہ سب ساتھی آگ وہ بیچ اس ہمیشہ رہنے والے

اور جو لوگ کفر کریں گے ہماری آیات کو جھٹلائیں گے سو وہ ہی دوزخی ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے



# الفاظ کے معانی وضروری تشریحات

**اِذْ** جب، وہ وقت، ظرفِ زمان ہے۔ کسی گزشتہ واقعہ کی یاد دلانے کے لیے آتا ہے ؛

**قَالَ** اس نے کہا۔ ماضی معروف صیغہ واحد مذکر غائب ؛

**رَبُّكَ** تیرا ربّ، تیرا پروردگار، تیرا پرورش کرنے والا، تیرا پالنہار ؛

**مَلٰٓئِكَةِ** فرشتے، مَلَكٌ کی جمع ہے۔ مَلَک کے اصلی معنی پیغام بر یا پیغام رساں کے ہیں۔ ملائکہ کو ملائکہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیغام اُس کی مخلوق تک پہنچاتے ہیں۔ یہ نوری مخلوق ہیں۔ خارجی وجود رکھتے ہیں۔ مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں۔ ان کی تعداد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ بدی کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ وجود میں انسان سے قدیم ہیں اور خُدا کے خالص فرمانبردار خادم ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن سے اپنی سلطنت کے انتظام اور تدبیر میں کام لیتا ہے۔

**اِنِّىْ** یقیناً میں، بے شک میں۔ جَاعِلٌ بنانے والا ہوں خالق، کرنے والا، رکھنے والا، اسم فاعل ؛

**خَلِيْفَةً** خلیفہ، جانشین، قائم مقام، نائب، اُس کی جمع خُلَفَآءُ، اور خَلَائِفُ ہے ؛

**اَتَجْعَلُ** کیا تو بنائے گا۔ اَ کیا۔ تَجْعَلُ۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر حاضر ؛

**مَنْ** جو کوئی، جو بھی ہے۔ يُفْسِدُ۔ وہ فساد برپا کرے گا۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب ؛

**دِمَآءَ** لہو، خون، دَمٌ کی جمع ہے۔ يَسْفِكُ۔ وہ خون بہائے گا۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب ؛

**نُسَبِّحُ** ہم تسبیح کرتے ہیں، ہم پاکی بیان کرتے ہیں۔ فعل مضارع صیغہ جمع متکلم غائب، مادہ (س-ب-ح) ہے اور مصدر تسبیح ہے ؛

**بِحَمْدِكَ** تیری حمد کے ساتھ، تیری تعریف کے ساتھ ؛

**نُقَدِّسُ** ہم پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ ہم تصدیق و تقدیس کرتے ہیں۔ فعل مضارع صیغہ جمع متکلم۔ مصدر تقدیس اور مادہ (ق-س-د) ہے ؛

**أَعْلَمُ** میں جانتا ہوں۔ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ تم جانتے نہیں ؛

**عَلَّمَ** اُس نے سکھایا، اُس نے تعلیم دی۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب مصدر تعلیم اور مادہ (ع-ل-م) ہے ؛

**اٰدَمَ** مُراد حضرت آدم علیہ السلام۔ بعض اس لفظ کو عجمی قرار دیتے ہیں۔ امام راغب اس کے دو معنی لکھتے ہیں۔ مختلف عناصر اور متفرق قویٰ سے بنی ہوئی مخلوق یا عقل و فہم میں دوسروں سے برتر مخلوق۔ دونوں سے بہر حال فضیلت کے معنی نکلتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السّلام سب سے پہلے بشر تھے۔ اسی لیے ابوالبشر اور ابوالآباء کہلائے اور خلافتِ الٰہیّہ کے پہلے مصداق بنے۔ ان کے صاحبزادوں میں ہابیل، قابیل اور شیث کے نام توریت میں موجود ہیں۔ توریت میں آپ کی عمر نو سو بیس سال بیان کی گئی ہے ؛

**اَسْمَآءَ** جمع اسم معنی نام۔ عَرَضَ اُس نے پیش کیا۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب ؛

**اَنْبِئُوْنِیْ** مجھے بتاؤ، مجھے خبر دو۔ فعل امر، مصدر اَنْبَاءٌ اور مادہ (ن ب ء) ہے ؛

**هٰٓؤُلَآءِ** وُہ سب۔ سُبْحَانَكَ۔ تُو پاک ہے۔ لَا عِلْمَ لَنَا۔ نہیں ہے ہمارے لیے علم۔ لَنَا۔ ہمارے لیے ؛

**عَلَّمْتَنَا** تُو نے ہمیں سکھایا۔ عَلَّمْتَ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر حاضر نَا ضمیر جمع متکلم ؛

**حَكِيْمٌ** حکمت والا۔ اَنْبِئْهُمْ تُو انہیں خبر دے۔ فعل امر صیغہ واحد مذکر حاضر۔ هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب۔ اَنْبَاَهُمْ۔ انہیں خبر دی۔ انہیں بتلایا ؛

**اَلَمْ** کیا نہیں۔ اَقُلْ لَّكُمْ میں نے تمہارے لیے کہا تھا۔ اَقُلْ



میں نے کہا۔ فعل مضارع صیغہ واحد متکلم ؛

**غَيْبَ** راز، بھید، پوشیدہ باتیں۔ سَمٰوٰتِ جمع سماء معنی آسمان ؛

**تُبْدُوْنَ** تم ظاہر کرتے ہو۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر ؛

| مصدر | مادہ | ماضی | مضارع | امر | نہی |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| اِبْدَاءٌ | (ب-د-و) | اَبْدٰى | يُبْدِىْ | اَبْدِ | لَا تُبْدِ |

**تَكْتُمُوْنَ** تم چھپاتے ہو۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب۔ كَتَمَ يَكْتُمُ، كِتْمَانًا سے ہے ؛

**قُلْنَا** ہم نے کہا۔ فعل ماضی صیغہ جمع متکلم ؛

**اُسْجُدُوْا** سجدہ کرو، تم جُھک جاؤ۔ فعل امر ؛

**فَسَجَدُوْا** پس اُنہوں نے سجدہ کیا، پس وہ جُھک گئے ؛

**اِبْلِيْسَ** شیطان کا دوسرا نام ہے۔ اس کا مادہ لَبَسَ ہے۔ جس کے معنی نا اُمیدی ہیں۔ اُسے ابلیس اِس لیے کہا جاتا ہے کہ وُہ اللہ کی رحمت سے نا اُمید ہوگیا اور مُنکر سرکشوں کی فہرست میں شامل ہوگیا ؛

**اَبٰى** اِس نے انکار کیا۔ وہ نہ مانا۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب۔

| مصدر | مادہ | ماضی | مضارع | امر | نہی |
| --- | --- | --- | --- | --- | --- |
| اَبَاءٌ | (ا ب ی) | اَبٰى | يَابٰى | اِبَ | لَا تَاْبَ |

**اِسْتَكْبَرَ** اُس نے تکبّر کیا، غرور کیا، گھمنڈ کیا، اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب، مصدر اِسْتِكْبَارٌ اور مادہ (ک-ب-ر) ہے ؛

**اُسْكُنْ** تم رہو، تم سکونت اختیار کرو۔ فعل امر صیغہ واحد مذکر حاضر سُكُوْنٌ مصدر سے ہے ؛

**كُلَا** تم دونوں کھاؤ۔ فعل امر صیغہ تثنیہ مذکر حاضر، اَكْلٌ مصدر سے ہے ؛

**رَغَدًا** خوب جی بھر کر، سیر ہوکر، فراغت سے، اچھی طرح، فراواں۔

**حَيْثُ** جہاں، جس جگہ۔ ظرفِ مکان ہے ؛

**شِئْتُمَا** تم دونوں نے چاہا۔ تم دونوں چاہو۔ فعل ماضی صیغہ تثنیہ مذکر حاضر۔ مصدر مَشِیْئَۃٌ ہے ؛

**لَا تَقْرَبَا** تم دونوں قریب نہ جاؤ، تم دونوں پاس نہ پھٹکو ؛

**شَجَرَۃٌ** درخت۔ اس کی جمع شَجَرَاتٌ ہے اور شَجَرٌ کی جمع اَشْجَارٌ ہے ؛

**فَتَکُوْنَا** پھر تم دونوں ہی ہو جاؤ گے۔ پس تم دونوں ہو گے۔ فعل مضارع صیغہ تثنیہ مذکر حاضر۔ کَوْنٌ مصدر سے ہے ؛

**ظَالِمِیْنَ** ظلم کرنے والے، ظالم لوگ، زیادتی کرنے والے۔ ظَالِمٌ کی جمع ہے ؛

**فَاَزَلَّهُمَا** پھر ان دونوں کو پھسلایا، پھر ان دونوں کو ڈگمگایا، پھر ان دونوں کو لغزش دی۔ اِزْلَالٌ مصدر سے ہے۔ مادہ (ز ل ل) ہے۔ اس میں بغاوت، سرکشی یا ارادی نافرمانی داخل نہیں ہے ؛

**فَاَخْرَجَهُمَا** پھر ان دونوں کو نکلوایا ؛

**اِهْبِطُوْا** تم سب اُتر جاؤ، تم نقل مکانی کر جاؤ۔ فعل امر ؛

**عَدُوٌّ** دُشمن۔ اس کی جمع اَعْدَاءٌ ہے ؛

**مُسْتَقَرٌّ** جائے قرار، قرارگاہ، ٹھکانا، ٹھہرنے کی جگہ۔ ظرف مکان ہے ؛

**مَتَاعٌ** سامان جس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے ؛

**حِیْنٌ** وقت، زمانہ، مدّت ؛

**تَلَقّٰی** اُس نے پالیا، اُس نے سیکھ لیا۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب مصدر تَلَقِّیْ اور مادہ (ل ق ی) ہے۔ کَلِمٰتٍ۔ چند جملے۔ چند باتیں یعنی کلماتِ توبہ ؛

**تَابَ** وہ پلٹا، اُس نے رجوع کیا۔ محاورہ میں توبہ کرنا ترجمہ کیا جاتا ہے اور جب علیٰ ہوتا ہے تو مُعاف کرنا ترجمہ ہوتا ہے۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب ہے۔ مصدر تَوْبَۃٌ اور مادہ (ت و ب) ہے ؛



**تَوَّابٌ** اصل ترجمہ بڑا رجوع ہونے والا، بہت پلٹنے والا۔ لیکن اُردو محاورہ میں معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا ترجمہ کیا جاتا ہے ؛

**رَحِیْمٌ** بہت ہی رحم کرنے والا ؛

**جَمِیْعًا** سب کے سب۔ فَاِمَّا۔ پھر اگر۔ یَاْتِیَنَّکُمْ۔ تمہاری طرف آئے۔ تمہارے پاس آئے۔ اِس جگہ اِمَّا حرفِ شک اور نونِ تاکید، دونوں کے جمع کرنے کی غرض یہ ہے کہ انسان کو اگرچہ شک ہے۔ لیکن خُدا کی طرف سے ہدایت کا آنا یقینی ہے۔ اس عبارت کا اگر پورا ترجمہ کیا جائے تو اُردو میں اِس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں کہ تکرار سے کام لیا جائے اور کہا جائے کہ پس اگر تمہارے پاس میری جانب سے کوئی ہدایت آ جائے اور وہ یقیناً آئے گی ؛

**مِنِّیْ** میری طرف سے، مجھ سے ؛

**تَبِعَ** اُس نے پیروی کی ؛

**هُدَایَ** میری ہدایت ؛

**خَوْفٌ** ڈر، خوف ؛

**وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ** اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے، اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے ؛

**کَفَرُوْا** اُنہوں نے کُفر کیا ؛

**کَذَّبُوْا** اُنہوں نے جھٹلایا، انہوں نے تکذیب کی۔ فعل ماضی معروف صیغہ جمع مذکر غائب۔ اِس کا مصدر تَکْذِیْبٌ اور مادہ (ک ذ ب) ہے ؛

**اٰیٰتِنَا** ہماری علامات، ہماری آیات، ہماری نشانیاں۔ "اٰیَۃٌ" کی جمع ہے ؛

**اَصْحٰبُ** دوست، لوگ، ساتھی، صٰحِبٌ کی جمع ہے ؛

**اَلنَّارُ** آگ ؛

**خٰلِدُوْنَ** ہمیشہ رہنے والے، مُقیم ؛

# خلافت آدم پر فرشتوں کا اظہار تعجب

## تشریح و تفسیر آیت نمبر 30

یہاں سے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت اور شیطان کی طرف سے اس کی مخالفت کی سرگزشت کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سرگزشت میں انسان کی تخلیق اور کائنات میں اس کی حیثیت پر بحث کی گئی ہے۔ خالق کائنات نے جس اہتمام سے اس پیکر خاکی کی تخلیق کا ذکر کیا ہے' اس اہتمام سے کسی دوسری مخلوق کا ذکر نہیں کیا۔ اس ضمن میں یہ امر ذہن نشین رہے کہ دنیا میں انسان کی حیثیت محض خلیفۃ اللہ (اللہ کے نائب یا جانشین) کی ہے اور اصلی حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے۔ خلیفۃ اللہ بننے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو زمین کے انتظام و انصرام کے معاملہ میں کچھ اختیارات دے کر یہ دیکھے کہ وہ ان اختیارات کو خدا کی مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے یا خلافت پا کر مطلق العنان بن جاتا ہے اور اپنی من مانی کرنے لگ جاتا ہے۔ گویا خلیفہ کو کچھ اختیارات دے کر مقصود اس کی اطاعت و فرماں برداری کا امتحان کرنا ہے۔ اس لحاظ سے خلیفہ کے اختیارات ذاتی نہیں ہوتے' بلکہ اللہ تعالیٰ کے تفویض کردہ ہوتے ہیں۔ اسے اپنی مرضی و منشاء کے مطابق کام سرانجام دینے کا کوئی حق نہیں ہوتا' بلکہ اس کا کام اپنے مالک یعنی اللہ تعالیٰ کی منشاء کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ نیز نیابت کے فرائض انفرادی اور اجتماعی ہر لحاظ سے ادا ہوں گے کیونکہ ہر انسان اللہ کا نائب ہے۔

اسی بات کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو یہ اطلاع دی کہ وہ زمین پر اپنا خلیفہ یا نائب بھیجنا چاہتا ہے' جو نوع انسانی کی ہدایت و راہنمائی کا کام کرے گا اور دنیا میں میرا قانون عدل پھیلائے گا' تو فرشتوں نے کہا: "کیا تو زمین پر اسے خلیفہ بنائے گا جو خونریزی اور فساد برپا کرے گا' حالانکہ ہم تیری حمد و ثنا اور پاکی بیان کرتے ہیں"۔ فرشتوں کا یہ قول بطور اعتراض مباحثہ حسد اور گستاخی کے نہ تھا' بلکہ تمام تر وفور نیازمندی' وفاداری' فرمانبرداری اور جوش جاں نثاری کا نتیجہ تھا' کیونکہ وہ تو گستاخی یا حکم عدولی کر ہی نہیں سکتے' جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

**لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ (نحل-6)**

"جو انہیں حکم دیا جائے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے"۔

چونکہ فرشتوں نے خلیفہ کے لفظ سے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ انسان کو ایک خاص حد کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اختیار تفویض ہوں گے' اس لیے انہوں نے محسوس کیا کہ اختیار کو استعمال کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اسے حاصل کر کے انسان بہک سکتا ہے' نافرمانی کر سکتا ہے اور اس کے بہکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ روئے زمین پر مادی و معنوی دونوں حیثیتوں سے فساد برپا ہو کر رہے



گا۔ نیز حضرت آدم علیہ السلام جن عناصر اور اجزائے ترکیبی سے مرکب تھے' ان کے پیش نظر فرشتوں کے سامنے یہ نتیجہ خود سامنے آگیا تھا کہ زمین پر شر و فساد بھی ہوگا اور انسانوں میں سے باغی' سرکش اور نافرمان بھی پیدا ہوں گے۔

مذکورہ بالا خطرات اور شکوک و شبہات کو ظاہر کرنے کے بعد فرشتوں کی طرف سے اپنی تسبیح و تقدیس کا حوالہ دینا اس لیے نہیں تھا کہ وہ خود خلافت کے خواہش مند اور مستحق تھے' بلکہ وہ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ اللہ کا یہ فیصلہ آخر کس حکمت و مصلحت پر مبنی ہے' جبکہ وہ مکمل طور پر اطاعت و فرمانبرداری میں سرگرم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس بھی کر رہے ہیں۔ آخر کمی اب کس چیز کی ہے' چنانچہ فرشتوں کے اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "جو کچھ میں جانتا ہوں' تم نہیں جانتے"۔ یعنی تخلیق آدم اور اس کے منصب پر فائز ہونے کی ضرورت و مصلحت میں جانتا ہوں' تم اسے نہیں سمجھ سکتے۔ آدم کی تخلیق سے مقصود محض تسبیح نہیں ہے' بلکہ کچھ اور مطلب ہے۔ جب مکمل سکیم تمہارے سامنے آجائے گی' تو تم پر واضح ہو جائے گا کہ اس کے اندر زمین پر شر و فساد کے استیصال کا اہتمام و انتظام بھی موجود ہے۔

# تعلیم آدم اور فرشتوں کا اقرار عجز

## تشریح و تفسیر آیات 31-32

فرشتے یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ تخلیق آدم اور اس کے خلیفہ بنانے میں کیا حکمت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ پسند فرمایا کہ ان کے سوال کا جواب عمل و فعل کے ذریعہ اس طرح دیا جائے کہ انہیں خود بخود آدم کی برتری اور حکمت الٰہی کی بلندی و رفعت کا نہ صرف اعتراف کرنا پڑے' بلکہ اپنی درماندگی اور عجز کا بھی بدیہی طور پر مشاہدہ ہو جائے' لہٰذا آدم کو اپنی سب سے عظیم المرتبت صفت علم سے نوازا اور انہیں اشیائے کائنات کے اسماء' آثار و خواص کا علم عطا کیا' تاکہ انسان کی اعلیٰ صلاحیت اور منصب خلافت الٰہی سے اس کی مناسبت فرشتوں پر بھی ظاہر ہو جائے۔ اس کے بعد کی آیت میں خطاب فرشتوں سے ہوتا ہے کہ تم ان تمام چیزوں کے نام' آثار و خواص بتاؤ' اگر تم اس دعوے میں صحیح ہو کہ تم ہر منصب کی اہلیت اور ہر خدمت کے ساتھ مناسبت رکھتے ہو۔ چونکہ فرشتوں میں وہ مادہ نہ تھا جس کی وجہ سے وہ حقائق اشیاء اور جزئیات امور کو بتا سکتے' اس لیے انہوں نے کہا: "تو پاک ہے۔ ہمارا علم اتنا ہی ہے جو ہمیں تیری طرف سے عطا ہوا ہے۔ بے شک حقائق میں تو بڑا علم رکھنے والا اور حکمت والا ہے"۔ یعنی تیرا کوئی فعل حکمت اور مصلحت سے خالی و عاری نہیں ہے اور ہم ناچیز بندوں کے علم کی تیرے لامتناہی اور لامحدود علم کے سامنے بساط ہی کیا

Scanned with CamScanner

ہے۔ ہم نے جس شبہ کا اظہار کیا ہے' وہ محض ہماری کم علمی کی بنا پر ہے۔ ہمارے پاس تو صرف اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں بخشا ہے۔ علم و حکمت کا اصل خزانہ تو صرف تیرے پاس ہے۔ گویا ہر فرشتے اور فرشتوں کی ہر جماعت کا علم صرف ان کے اپنے شعبے تک محدود ہے' لیکن اس کے برعکس انسان کو جامع علم سے نوازا گیا۔

حضرت آدمؑ کے اس شرف علم کے متعلق مفسرین کی دو رائے ہیں: ایک یہ کہ کائنات کی وہ تمام اشیاء' جو ماضی سے مستقبل تک وجود میں آنے والی تھیں' ان سب کے نام اور ان کی حقیقت کا علم حضرت آدمؑ کو دے دیا گیا تھا' دوسری رائے یہ ہے کہ **هٰٓؤُلَآءِ** سے اکثر وجود و محسوس یعنی حاضر ہی کی جانب اشارہ مقصود ہوا کرتا ہے' لہٰذا اس وقت جس قدر اشیاء بھی عالم کائنات میں موجود تھیں اور حضرت آدمؑ کے سامنے ان کا مظاہرہ کیا گیا تھا' ان سب کا علم عطا کیا گیا تھا۔ حضرت آدمؑ کو صفت علم سے اس طرح نوازا گیا کہ فرشتوں کے لیے بھی ان کی برتری اور استحقاق خلافت کے علاوہ چارۂ کار نہ رہا اور یہ ماننا پڑا کہ اگر ہم زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بنائے جاتے تو کائنات کے تمام بھیدوں سے ناآشنا رہتے اور قدرت نے جو خواص اور علوم ودیعت کیے ہیں' ان سے یکسر ناواقف ہوتے' اس لیے کہ نہ ہم خورد و نوش کے محتاج ہیں کہ زمین میں ودیعت شدہ رزق اور خزانوں کی جستجو کرتے' نہ ہمیں مرض کا خوف کہ قسم قسم کے معالجات' اشیاء کے خواص' کیمیائی مرکبات' طبی ایجادات' علوم نفسیات و وجدانیات اور اسی طرح کے بے شمار علوم و فنون کے اسرار اور ان کی حکمتوں سے واقف ہوتے۔ بلاشبہ یہ صرف حضرت انسان ہی کے ذریعے موزوں تھا کہ وہ زمین پر خدا کا خلیفہ بنے اور ان تمام حقائق و معارف اور علوم و فنون کے رازوں سے واقف ہو کر نیابت الٰہی کا صحیح حق ادا کرے۔

جب فرشتے اظہار عجز کر چکے تو اب حضرت آدم سے ارشاد ہوتا ہے کہ اے آدمؑ! انہیں وہ نام بتاؤ۔ جب آدمؑ نے اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے علم کے مطابق اشیائے کائنات کے آثار و خواص بتا دیے' تو اللہ تعالیٰ نے کہا: ''میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمانوں اور زمین کے بھید کو میں ہی جانتا ہوں اور میں یہ بھی خوب جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو''۔ گویا اس طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر واضح کر دیا کہ آدمؑ کو اختیارات کے ساتھ علم بھی دیا جا رہا ہے تاکہ علم کے ذریعے فساد کا سدباب ہو سکے۔ جب آدمؑ کی فضیلت علمی فرشتوں پر ظاہر ہو گئی اور وہ اچھی طرح قائل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے سابقہ قول **اِنِّیٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ** (میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے) کو مزید وضاحت کے ساتھ فرمایا کہ یہ حقیقت بخوبی واشگاف ہو جائے کہ نظام کائنات کی ساری حکمتیں اور مصلحتیں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ فرشتوں' جنوں اور انسانوں میں سے کسی کے لیے ممکن نہیں کہ خدائے علیم و حکیم کے تمام امور کی حکمتوں اور مصلحتوں کو سمجھ لیں۔



# فرشتوں کو سجدہ کا حکم اور ابلیس کا انکار

## تشریح و تفسیر آیت 34

جب فرشتوں کے تمام شکوک و شبہات رفع ہو گئے اور وہ آدمؑ کی خلافت پر مکمل طور پر راضی اور مطمئن ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے اب فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و مرضی کے مطابق انسان کی عملی زندگی میں اس سے مکمل تعاون کریں' یعنی جس طرح زمین و آسمان کی تمام چیزیں انسان کے لیے مطیع و مسخر کر دی گئیں' اسی طرح نظام کائنات کے چلانے والے کارندوں کو انسان کے لیے مطیع و مسخر کر دیا گیا۔ تمام فرشتوں نے تعمیل کی اور آدمؑ کے سامنے سجدہ کیا' لیکن ابلیس نے' جو دراصل جن تھا اور فرشتوں میں عبادت و ریاضت کی وجہ سے جا ملا تھا' غرور و تمکنت کی راہ اختیار کر کے تعمیل حکم سے انکار کر دیا' چنانچہ وہ کافر ہو گیا۔ اس نے صرف انکار ہی نہیں کیا' بلکہ جہالت و گمراہی کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے مناظرہ بھی کرنے لگا اور بزعم خویش اپنے مادۂ تخلیق یعنی آگ کو آدمؑ کے مادۂ تخلیق یعنی مٹی سے بہتر سمجھ کر ان حقیقتوں کو نہ جان سکا جو خالق کائنات کے علم میں تھیں۔ اس وجہ سے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے آغوش رحمت سے دور اور جنت سے محروم کر دیا گیا۔

**سجدہ:** سجدہ کا لغوی معنی سر جھکا کر عاجزی اور فرمانبرداری ظاہر کرنا ہے۔ شرعی اصطلاح میں اس کے معنی زمین پر پیشانی رکھنا ہے' جو اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے اور کبھی کسی شریعت میں غیر اللہ کے لیے تعظیمی شکل میں جائز نہیں ہوا' بلکہ ہمیشہ حرام رہا ہے۔ یہاں سجدہ کا لفظ اپنے لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے جو حضرت آدمؑ کے اکرام' بڑائی' احترام اور سلام کے طور پر تھا اور خداوند تعالیٰ کی اطاعت کے ماتحت تھا' جس کی بجا آوری ضروری تھی۔ امام رازی نے اسی قول کو قوی بتایا ہے۔ اسی طرح کی تعظیم و تکریم کا اظہار حضرت یوسف علیہ السلام کے باپ اور بھائی نے آپ کے سامنے کیا تھا۔

**ابلیس:** ابلیس کا لفظی ترجمہ ''مایوس'' ہے۔ اصطلاحاً'' یہ اس جن کا نام ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کر کے آدم کے لیے مطیع و مسخر ہونے سے انکار کر دیا اور اللہ سے قیامت تک کے لیے مہلت مانگی کہ اسے نسل انسانی کو بہکانے اور گمراہیوں کی طرف ترغیب دینے کا موقع دیا جائے' اسی کو ''الشیطان'' بھی کہا جاتا ہے۔ کسی کو یہ غلط فہمی بھی نہیں ہونی چاہیے کہ یہ فرشتوں میں سے تھا۔ آگے چل کر قرآن نے خود تشریح کر دی۔ **وَ کَانَ مِنَ الْجِنِّ** (کہف-50) (وہ جنوں میں سے تھا) جو خدا تعالیٰ کی ایک علیحدہ مخلوق ہے۔ (تفہیم القرآن)

Scanned with CamScanner

# حضرت آدمؑ کا قیام جنت اور خلد سے نکلنا

## تشریح و تفسیر آیات 35-36

منصب خلافت کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کو مزید اعزاز یہ دیا گیا کہ انہیں اور ان کی بیوی حوا کو جنت میں قیام کرنے اور اس چیز سے استفادہ کرنے کی اجازت دے دی گئی اور ایک معین درخت کے پھل کھانے اور اس کے قریب تک پھٹکنے کی ممانعت کردی گئی اور اس کا انجام بھی بتا دیا گیا کہ ایسا کرو گے تو ہماری نظر میں ظالم قرار پاؤ گے۔ اصل مقصد یہ تھا کہ ان کے رجحانات کی آزمائش ہو جائے اور یہ دیکھا جائے کہ یہ دونوں انسان' شیطان کی ترغیب اور بہکانے میں آتے ہیں یا نہیں! نیز انہیں معلوم ہو جائے کہ شیطان کی ترغیب سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ درخت جنت کے درختوں میں سے کوئی درخت تھا' اس لیے قرآن و حدیث خاموش ہیں۔ محققین کا مسلک بھی اس باب میں خاموش ہے۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کے تعین کے لیے کوئی دلیل نہ ہمیں قرآن سے ملتی ہے اور نہ حدیث سے' پھر آخر کوئی شخص کوئی بات کہے تو کس سند پر۔ (تدبر القرآن)

ابلیس و شیطان پہلے ہی سے موقع کی تلاش میں تھا۔ اب یہ بات جو اس کے ہاتھ آئی تو اپنی ذلت و رسوائی اور خاکی مخلوق کو اس کے موجودہ مرتبہ سے گرانے کے لیے کمربستہ ہوگیا۔ اس نے اس درخت کے پھل کے بارے میں عجیب و غریب باتیں گھڑیں۔ قرآن حکیم میں آتا ہے' اس نے اس درخت کے بارے میں کہا: "اے آدم! میں تجھ کو ایک ایسا درخت بتلاتا ہوں کہ جس کے کھانے سے تو ہمیشہ جیتا رہے گا اور تجھے ہمیشہ کی سلطنت ملے گی"۔ (طٰہٰ) ایک دوسرے مقام پر آتا ہے "اور تمہارے رب نے جو اس کے کھانے سے منع کیا ہے تو صرف اس غرض سے کہ تم فرشتہ ہو جاؤ یا ہمیشہ زندہ رہو اور میں قسم کھا کر تم سے کہتا ہوں کہ میں تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں"۔ (اعراف)

روایات احادیث میں آتا ہے کہ شیطان نے پہلے تو قسم کھا کر آدم و حوا کو اپنی دوستی' ہمدردی و اخلاص کا یقین دلایا' حضرت آدمؑ کے خیال میں یہ بات نہ تھی کہ خدا کی قسم جھوٹی بھی کھائی جا سکتی ہے' اس کے بعد کہا کہ اس درخت کا پھل اگر کھا لو گے تو جنت میں قیام مستقل ہو جائے گا۔ اس میں تاثیر یہ ہے کہ پھر یہاں سے ہٹائے نہیں جا سکتے۔ نیز درخت کے قریب جانے کی ممانعت تو ایک عارضی حکم تھا کیونکہ اس وقت تک تمہاری استعداد پختہ نہیں ہوئی تھی۔ ان تاویلات اور جھوٹی قسموں سے ابلیس اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا اور حضرت آدمؑ اس کے فریب میں آگئے اور اپنے



خالق کے حکم امتناعی کو فراموش کر کے درخت کے پھل کو کھا گئے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: "اور دونوں نے اس درخت کو چکھ لیا۔ اس کے کھاتے ہی اس کی تاثیر یہ ہوئی کہ آدم و حوا برہنہ ہو گئے اور شرم کے مارے درختوں کے پتے چپٹانے لگے"۔ (اعراف)

ایک دوسرے مقام پر آتا ہے کہ خدا نے انہیں کہا کہ "کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہ کیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے"۔ (اعراف)

ان کا ایسا کرنا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیچے اترنے کا حکم ہوا' یعنی وہ جنت کے عیش و عشرت سے نکال کر دنیا کے غم کدہ میں ڈال دیے گئے۔ انہیں زمین کی زندگی کا مختصر نقشہ بھی بتا دیا گیا کہ تم اس زمین میں بھی ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہاری اولاد مکمل امن و چین سے نہ رہ سکے گی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ زمین پر تمہارا قیام اور معاش ایک مخصوص وقت کے لیے ہے' اس کے بعد پھر تمہیں اپنے اصلی مقام کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا: "میری مثال تو اس مسافر کی طرح ہے جو دوپہر کے وقت ایک درخت کے نیچے قیام کرے اور شام کو پھر منزل کی طرف چل دے"۔ لہٰذا ان فرصت کے لمحوں میں اپنی ابدی زندگی کو بہتر بنانے کی کوشش کرو۔ اگر تم شیطانی ترغیبات کی وجہ سے راہ راست سے ہٹ گئے تو جس طرح ابتدا میں جنت سے محروم کر دیے گئے تھے' اسی طرح دنیوی زندگی کے بعد آخرت میں بھی محروم کر دیے جاؤ گے۔

# قبولیت توبہ

## تشریح و تفسیر آیت نمبر 37

حضرت آدم علیہ السلام نے اس موقع پر نہ فرشتوں کی راہ اختیار کی کہ اس حکم امتناعی کی حکمتوں کے بھید کے سمجھنے کے لیے کوئی سوال کرتے اور نہ ابلیس کے طریقے پر چلے کہ تکبر اور غرور کا اظہار کرتے' بلکہ انتہائی ندامت اور شرمساری کے ساتھ اپنی لغزش کا اعتراف کیا اور بتقاضائے بشریت ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ سے اس سہو و نسیان پر عفو و درگزر اور بخشش کے لیے دعا کریں' لیکن انہیں وہ الفاظ نہ ملتے تھے' جن کے ساتھ وہ خطا بخشی کے لیے دعا کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ازراہ کرم یہ الفاظ سکھائے:

**رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ** (اعراف-23)

"اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ

Scanned with CamScanner

بخشا اور رحم نہ کیا تو البتہ ہم نقصان اٹھانے والوں میں ہو جائیں گے"۔

جب حضرت آدمؑ نے ان کلمات سے دعا کرنا شروع کی تو خدا کو رحم آیا۔ بارگاہ الٰہی میں حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہو گئی اور ان کی اجتہادی غلطی کو معاف کر دیا گیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے' یعنی وہ صرف توبہ قبول ہی نہیں کرتا بلکہ اپنی جناب سے رحمت کا تحفہ بھی اپنے بندے کو عطا کرتا ہے۔

**توبہ اور اس کی شرائط:** توبہ کے معنی رجوع کرنے' لوٹنے اور پلٹنے کے ہیں۔ یہ لفظ بندے اور معبود دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بندے کی توبہ یہ ہے کہ وہ غلطی اور خطاکاری کے بعد اپنے کیے پر پشیمان ہو۔ آئندہ ایسا کام نہ کرنے کا مصمم ارادہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔ جب ان شرائط سے بندہ توبہ کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بندہ کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ گناہ کر کے اس کا اقرار کرتا ہے اور تائب ہوتا ہے تو خدا اس کے گناہ معاف کرتا ہے۔ جتنی پشیمانی سے بندہ رجوع کرتا ہے' اتنے ہی جوش سے رحمت الٰہی اس کا استقبال کرتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات اس کی موج اس خطا کے ساتھ دوسری خطاؤں کو بھی بہا لے جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے نادم بندے کی خواہش (معافی) پر رحمت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہے اور خطا معاف کر کے اس پر رحم کرتا ہے۔

# انسان کی سعادت و شقاوت کا قانون

## تشریح و تفسیر آیات 38-39

قبول توبہ کے بعد گناہ کا داغ دھل گیا۔ چونکہ حضرت آدمؑ کو زمین میں بھیجنے کی اور بھی ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں علم خداوندی میں تھیں' اس لیے یہ حکم منسوخ نہیں ہوا' البتہ پہلا حکم حاکمانہ طور پر تھا اور دوسرا حکم حکیمانہ طرز پر دیا جا رہا ہے' یعنی اب تم جنت سے زمین پر ایک معین وقت تک خلافت الٰہیہ کے قیام کا حق ادا کرو اور ساتھ ہی اولاد آدم کی نجات کا قاعدۂ کلیہ بھی بیان فرمایا کہ تمہارے پاس وقتاً" فوقتاً" میری جانب سے بذریعہ انبیاء و رسل' رشد و ہدایت پہنچتی رہے گی۔ جو لوگ میری اس ہدایت کا اتباع کریں گے' ان کے لیے کوئی خوف نہ رہے گا اور نہ رنج ہو گا' یعنی نہ تو انہیں مستقبل کے خطرات و نقصانات اور تکالیف کا ڈر ہو گا' بلکہ اس عالم اور دوسرے عالم میں بھی شاد و خرم رہیں گے' لیکن جو ہماری آیات و احکام کی تکذیب کریں گے' وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخی ہوں گے اور وہاں سے نکلنے کی ان کے لیے کوئی صورت نہ ہو گی۔ سورۂ طٰہٰ میں بھی



فرمایا گیا ہے کہ میری ہدایت کرنے والے نہ گمراہ ہوں گے' نہ بدبخت ہوں گے اور میری یاد سے منہ موڑنے والے دنیا کی تنگی اور آخرت کے اندھے پن کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

**واقعہ میں نصائح اور عبرتیں:** اس واقعہ میں بے شمار نصائح اور عبرتیں ہیں:

1 - اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا احاطہ محال ہے' اس لیے فرشتے انتہائی مقرب ہونے کے باوجود خلافت آدم کی حکمت سے آشنا نہ ہو سکے۔ جب تک معاملہ کی پوری حقیقت سامنے نہ آگئی' وہ حیرت میں مستغرق رہے۔

2 - اللہ تعالیٰ کی عنایت و نوازش ایک حقیر شے کو بڑے مرتبے اور جلیل القدر منصب پر فائز کر سکتی ہے۔ اس نے ایک مشت خاک کو خلیفۃ اللہ اور پھر منصب نبوت و رسالت پر پہنچا دیا۔ اس کی توجہ کا فیضان حکمت و مصلحت سے خالی نہیں۔

3 - انسان کو اگرچہ ہر طرح کی جلالت و بزرگی نصیب ہوئی اور تمام قسم کا شرف عطا ہوا' لیکن اس کی طبعی کمزوری اپنی جگہ اسی طرح قائم رہی۔ بشریت اور انسانیت کا وہ خلقی نقص ہی تھا جس نے حضرت آدم پر بہ ایں جلالت قدر و منصب عظیم نسیان طاری کر دیا اور وہ ابلیس کے وسوسہ سے متاثر ہو گئے۔

4 - خطاکار ہونے کے باوجود اگر انسان کا دل ندامت اور توبہ کی طرف مائل ہو تو اس کے لیے باب رحمت بند نہیں ہے' البتہ خلوص اور صداقت شرط ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ان کی تمام نسل کے لیے عفو و رحمت عام کا دامن وسیع ہے۔

5 - قرآن حکیم سے اشارتاً" یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جس ابلیس کی مخالفت کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت قائم ہو کر رہی' اسی طرح یہودیوں کی مخالفت کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت قائم ہو کر رہی۔

6 - ابلیس کا واقعہ بلاشبہ سرمایہ صد ہزار عبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گستاخی اور بغاوت بڑی سے بڑی نیکی اور بھلائی کو برباد کر دیتی ہے اور ابدی ذلت و خسران کا باعث بن جاتی ہے۔ **فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَارِ**۔

# بنی اسرائیل سے خطاب

**بنی اسرائیل:** تخلیق آدم علیہ السلام اور ابلیس کی عداوت کے واقعات بیان کرنے کے بعد سابقہ رکوع کے اختتام پر ہدایت کی اتباع کرنے والوں کو فلاح و کامیابی کی بشارت سنائی گئی اور کفار و مکذبین کے لیے ہمیشہ ہمیشہ آتش دوزخ میں رہنے کا اعلان کیا گیا۔ اب یہاں سے چودھویں

Scanned with CamScanner

رکوع تک مسلسل بنی اسرائیل کے حالات و واقعات پیش کیے جا رہے ہیں۔ کہیں کہیں عیسائیوں اور مشرکین عرب سے بھی خطاب کیا گیا ہے اور بعض مقامات پر کلام کا رخ ان لوگوں کی طرف بھی پھر گیا ہے' جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان لائے تھے۔ بنی اسرائیل کو براہ راست مخاطب کر کے پہلے انہیں ان کی ذمہ داریاں یاد دلائی گئی ہیں' جو توریت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت اور آپ کی دعوت سے متعلق عاید ہوتی تھیں' پھر تفصیل کے ساتھ ان کے وہ جرائم بیان ہوئے' جن کے سبب اللہ تعالیٰ نے انہیں منصب امامت سے معزول کر کے اسمٰعیل کو اپنی ہدایت و شریعت سونپی۔

**اسرائیل کے معنی:** اسرائیل عبرانی لفظ ہے جو دو جزوں سے مرکب ہے: اسرا اور ایل۔ اسر کے معنی بندہ کے ہیں اور ایل عبرانی میں اللہ کے معنی کے لیے مشہور ہے۔ اس طرح اسرائیل کے معنی عبداللہ یعنی اللہ کے بندے کے ہوئے۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا' جو ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ وہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ صاحبزادے تھے' جن سے بنی اسرائیل کی نسل بڑھی۔ ان کا وطن شام رہا۔ دنیا میں توحید کی علم برداریہی قوم رہی۔ چار ہزار سال تک سلسلہ نبوت ان میں جاری رہا۔ اس قوم میں اللہ تعالیٰ نے تقریباً چار ہزار نبی مبعوث فرمائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک نبوت انہی کی نسل میں رہی۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو بے شمار انعامات اور اکرامات اور احسانات سے نوازا۔ انتہائی پستی سے نکال کر بام عروج تک پہنچایا۔ دوسری اقوام و امم پر فضیلت عطا کی۔ علم و حکمت میں کوئی قوم بنی اسرائیل کی برابری کا دعویٰ نہ کر سکتی تھی۔ زیادہ تر انہیں اہل کتاب یا اہل علم کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے توریت' انجیل اور زبور جیسی الہامی کتابیں ان کی ہدایت کے لیے نازل فرمائی تھیں۔ ان کے گرد و نواح میں بسنے والے قبائل ان کی علمی برتری سے بہت مرعوب تھے' یہاں تک کہ بعض لوگوں نے دعوت اسلام قبول کرنے کے لیے یہ شرط لگا رکھی تھی کہ بنی اسرائیل یا یہود نے' جو اہل کتاب ہیں' اسلام قبول کیا تو وہ بھی قبول کریں گے' اس لیے قرآن حکیم نے یہود کو خصوصی طور پر اسلام کی طرف بلایا تاکہ ان کے اسلام لانے سے دوسرے لوگوں کے لیے اسلام قبول کرنے کی راہ ہموار ہو جائے' ورنہ یہود کی عداوت اور ہٹ دھرمی کا پرچہ چاک ہو جائے اور دنیا پر یہ روشن ہو جائے کہ یہ صرف دنیوی اقتدار اور دولت و ثروت کے باعث اسلام کی مخالفت کر رہے ہیں۔

ان سب چیزوں کے علاوہ یہود کی الہامی کتابوں اور صحیفوں میں ایک آنے والے نبی کی بشارتیں موجود تھیں اور یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اس نبی کے ظہور کے منتظر رہا کرتے تھے۔ ان اسباب کی بنا پر یہ بالکل قدرتی امر تھا کہ قرآن حکیم اس قوم سے مخاطب ہو۔ اس



ساری تفصیل کی ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ملت اسلامیہ کو درس عبرت دیا جائے کہ بنی اسرائیل کے المناک حالات اور داستان عروج و زوال تمہارے سامنے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے رہو گے تو عروج و حکومت تمہاری صرف خانہ زاد لونڈی ہوگی اور اگر سرکشی و طغیان کا رویہ اختیار کیا تو تمہاری بداعمالیاں کسی بخت نصر کا لباس پہن کر نمودار ہوں گی اور تمہیں صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیں گی۔

يَٰبَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتِيَ ٱلَّتِيٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا۟ بِعَهْدِيٓ

اے بیٹو اسرائیل کے یاد کرو نعمت میری جو میں نے نعمت کی اوپر تمہارے اور پورا کرو ساتھ وعدہ میرا

اے بنی اسرائیل میرا وہ انعام یاد کرو جو میں نے تم پر کیا اور مجھ سے وعدہ پورا کرو

أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّٰىَ فَٱرْهَبُونِ ﴿٤٠﴾ وَءَامِنُوا۟ بِمَآ أَنزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا

میں پورا کرونگا ساتھ وعدہ تمہارے اور مجھ ہی سے پس ڈرو۔ اور ایمان لاؤ ساتھ جو میں نے نازل کیا تصدیق کرنے والا

تو میں تم سے وعدہ پورا کروں گا۔ اور تم صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے اب نازل کی تصدیق کرتی ہوئی

مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوٓا۟ أَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهِۦ ۖ وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا

واسطے تمہارے اور نہ تم ہو جاؤ پہلے انکار کرنے والے ساتھ اس اور نہ تم بیچو آیتیں میری قیمت تھوڑی

اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے اور اس کے ساتھ اولین کفر کرنے والے نہ بن جاؤ اور نہ ہی میری آیتوں کو تھوڑی

وَإِيَّٰىَ فَٱتَّقُونِ ﴿٤١﴾ وَلَا تَلْبِسُوا۟ ٱلْحَقَّ بِٱلْبَٰطِلِ وَتَكْتُمُوا۟ ٱلْحَقَّ وَأَنتُمْ

اور مجھ ہی سے پس ڈرو اور نہ تم ملا دو حق ساتھ باطل اور نہ تم چھپاتے ہو حق اور تم

سی قیمت پر فروخت کر ڈالو اور صرف مجھ سے ڈرو۔ اور حق کو ناحق کے ساتھ غلط ملط مت کرو اور حق کو مت چھپاؤ درانحالیکہ

تَعْلَمُونَ ﴿٤٢﴾ وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَٱرْكَعُوا۟ مَعَ ٱلرَّٰكِعِينَ ﴿٤٣﴾

جانتے ہو اور قائم کرو نماز اور دو زکواۃ اور رکوع کرو ساتھ رکوع کرنے والے

تم جان بوجھ رہے ہو۔ اور نماز قائم کرو اور زکواۃ ادا کرو اور نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ جھکتے رہو

۞ أَتَأْمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ ٱلْكِتَٰبَ ۚ

کیا تم حکم دیتے ہو لوگوں کو ساتھ نیکی اور تم بھلا دیتے ہو جانیں تمہاری حالانکہ تم تلاوت کرتے ہو کتاب

کیا تم دوسروں لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو درانحالیکہ کتاب الٰہی پڑھتے رہتے ہو

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٤٤﴾ وَٱسْتَعِينُوا۟ بِٱلصَّبْرِ وَٱلصَّلَوٰةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى

کیا نہیں تم عقل رکھتے اور مدد مانگو ساتھ صبر اور نماز اور بے شک وہ البتہ بھاری مگر اوپر

کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے اور صبر اور نماز سے مدد چاہو اور وہ بے شک گران ہے مگر خشوع رکھنے

الْخٰشِعِیْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾

ڈرنے والے — وہ جو — گمان رکھتے ہیں کہ وہ — ملاقات کرنے والے پروردگار ان کے اور کہ وہ طرف اس کی لوٹنے والے

والوں پر نہیں — جنہیں ہر گھڑی اس کا خیال رہتا ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملنا بھی ہے اور اس کا کہ انہیں اسکی طرف واپس ہونا ہے

# الفاظ کے معانی وضروری تشریحات

**بَنِیْ** — آل اولاد ؛

**اِبْن** — کی جمع بَنُوْنَ ہے۔ اضافت کی حالت میں مثنیٰ اور جمع کا نون گر جاتا ہے۔ چونکہ یہاں بھی اسرائیل کی طرف اضافت ہے۔ اس لیے جمع کا نون گر گیا۔ زبر کی حالت میں جمع کا واؤ یٰ سے بدل جاتا ہے۔ لہٰذا بَنُوْا کا واؤ یٰ سے بدل گیا۔ اُذْکُرُوْا۔ تم یاد کرو ؛

**نِعْمَتِیَ** — میری نعمت ، میرا احسان ؛

**اَنْعَمْتُ** — میں نے انعام کیا۔ میں نے احسان کیا ؛

**اَوْفُوْا** — تم پورا کرو ، تم وفا کرو۔ فعل امر۔

| مصدر | مادہ | ماضی | مضارع | امر | نہی |
|---|---|---|---|---|---|
| اِیْفَاءٌ | (و ف ی) | اَوْفٰی | یُوْفِیْ | اَوْفِ | لَا تُوْفِ |

**اُوْفِ** — میں پورا کروں گا ؛ فعل مضارع صیغہ واحد متکلم ؛

**اِیَّایَ** — مجھ سے ، مجھ کو ، ضمیر واحد متکلم ؛

**فَارْھَبُوْنِ** — پھر تم ڈرتے رہو سب ؛

**اٰمِنُوْا** — تم ایمان لاؤ۔ فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر ؛

**بِمَا** — اُس چیز سے ؛

**اَنْزَلْتُ** — میں نے اُتارا ، میں نے نازل کیا ؛

**مُصَدِّقًا** — سچا ماننے والا ، سچا کہنے والا ، تائید کرنے والا ، تصدیق کرنے والا ؛

**مَعَکُمْ** — تمہارے ساتھ ، تمہارے پاس ؛

**تَکُوْنُوْا** — تم ہو ، تم ہو جاؤ ؛

**اَوَّلَ** — پہلے ، پہلا ؛



**تَشْتَرُوْا** — تم بیچو ، تم خریدو ؛

**ثَمَنًا** — قیمت ، مول۔ قَلِیْلًا تھوڑی۔ حقیر ؛

**اِتَّقُوْا** — تم سب ڈرو ، تم سب غضب سے ڈرو ؛

**تَلْبِسُوْا** — تم ملاؤ ، تم گڈ مڈ کرو ، تم آمیزش کرو ، تم خلط ملط کرو۔ تلبیس کے اصل معنی کسی چیز کو ڈھانپ لینا اور چھپا لینا ہے ؛ لَبَسَ ، یَلْبِسُ ، لَبْسًا سے ہے ؛

**بَاطِلٌ** — بالکل غلط ، ناحق ، جھوٹ ؛

**تَکْتُمُوْا** — تم چھپاؤ ، تم پوشیدہ کرو۔ کَتَمَ سے ہے ؛

**اَقِیْمُوْا** — تم قائم کرو ؛

**اٰتُوْا** — تم دو ، تم ادا کرو۔ مصدر اِیْتَاءٌ اور مادہ (ا ت ی) ہے ؛

| ماضی | مضارع | امر | نہی |
|---|---|---|---|
| اٰتٰی | یُؤْتِیْ | اٰتِ | لَا تُؤْتِ |

**اِرْکَعُوْا** — تم عاجزی کرو ، تم جھکو ، تم رکوع کرو۔ رَکَعَ سے فعل امر ہے ؛

**اَلرّٰکِعِیْنَ** — رکوع کرنے والے ؛

**اَتَاْمُرُوْنَ** — کیا تم حکم کرتے ہو۔ فعل مضارع ؛

**بِرٌّ** — نیکی ، نیکی کرنا ؛

**تَنْسَوْنَ** — تم بھول جاتے ہو ، تم بھلا دیتے ہیں ؛

| مصدر | مادہ | ماضی | مضارع | امر | نہی |
|---|---|---|---|---|---|
| نِسْیَانٌ | (ن-س-ی) | نَسِیَ | یَنْسٰی | اِنْسَ | لَا تَنْسَ |

**اَنْفُسَکُمْ** — تم اپنے آپ کو ، تمہاری اپنی جانیں۔ نَفْسٌ کی جمع ہے ؛

**تَتْلُوْنَ** — تم پڑھتے ہو ، تم تلاوت کرتے ہو۔ مصدر تِلَاوَۃٌ اور مادہ (ت-ل-و) ہے ؛

**اَلْکِتَابُ** — کتاب ، یہاں مراد توریت ؛

**تَعْقِلُوْنَ** — تم سمجھتے ہو ، تم عقل سے کام لیتے ہو ؛

**اِسْتَعِیْنُوْا** — تم استعانت طلب کرو ، تم مدد لو ، تم مدد چاہو ، استعانت سے ہے فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر ؛

Scanned with CamScanner

| | |
|---|---|
| صبر | صبر، تحمل :: |
| کَبِیۡرَۃٌ | سخت مشکل، دشوار، شاق، گراں۔ اس کی جمع کبائر ہے :: |
| خٰشِعِیۡنَ | عاجزی کرنے والے، فرمانبرداری کرنے والے، خشوع و خضوع کرنے والے۔ خاشع کی جمع ہے۔ مصدر خشوع اور مادہ (خ۔ ش۔ ع) ہے :: |
| یَظُنُّوۡنَ | وہ یقین کرتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں، وہ گمان کرتے ہیں :: |
| مُّلٰقُوۡا | وہ ملتے ہیں۔ وہ پہنچتے ہیں۔ وہ پانے والے ہیں۔ ملاقات کا اسم فاعل ہے اور جمع ہے۔ اصل میں ملاقون تھا۔ اضافت کی وجہ سے نون گر گیا :: |
| رٰجِعُوۡنَ | لوٹنے والے، پھر جانے والے، رجوع کرنے والے :: |

**(فاعتبروا یا اولی الابصار)**

## تشریح و تفسیر آیت 40

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ اے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد! میرے ان احسانات کو یاد کرو جن سے میں نے تمہارے آباؤ اجداد کو سرفراز کیا تھا، یعنی تمہیں پستی سے نکال کر بلندی پر پہنچایا، صدیوں سے نبوت تمہارے سلسلہ میں رہی، ہدایت و رہنمائی کے لیے توریت، زبور اور انجیل جیسی کتابیں نازل کیں، دنیوی حکمت اور سرداری سے نوازا، فرعون جیسے جابر حکمران سے نجات دلا کر ملک شام کی بادشاہت عطا کی، سہولت کے لیے آسمان سے من و سلویٰ خوراک نازل کی، ایک پتھر سے بارہ چشمے جاری کیے، غرضیکہ جو نعمتیں کسی فرقہ یا قوم کو نصیب نہیں ہوئی تھیں، ان سب سے اس اقوام کو نوازا گیا، لیکن یہ تمام انعامات و اکرامات کو فراموش کر بیٹھے۔ بنی اسرائیل کی تمام گمراہیوں کی جڑ یہی چیز تھی کہ جو فضیلتیں محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حاصل ہوئی تھیں، انہیں اپنی اہلیت و استحقاق کا کرشمہ اور اپنے نسل و نسب کا ایک حق سمجھ لیا۔ یہاں ان کی اسی ذہنیت کی اصلاح مقصود ہے۔

پھر فرمایا کہ "تم میرا عہد پورا کرو، میں تمہارا عہد پورا کروں گا"۔ عہد کا لفظ پوری شریعت پر حاوی ہے، اس لیے کہ شریعت درحقیقت بندوں اور خدا کے درمیان ایک معاہدہ کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن یہاں اس عام معاہدہ کے ساتھ ساتھ اس خاص عہد کی طرف اشارہ ہے، جو بنی اسرائیل



سے قرآن اور حامل قرآن یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا لیا گیا تھا۔ اس عہد کا ذکر توریت میں بھی ہے اور اس کی طرف قرآن مجید میں بھی ارشادات موجود ہیں۔ اگر تم نے اپنا یہ عہد و پیمان پورا کیا تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا وعدہ پورا کرے گا، یعنی تمہارے نیک اعمال کے عوض تم پر اپنی رحمت نازل کرے گا اور جنت میں داخل کرے گا۔ اس کے بعد آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ "صرف مجھ سے ڈرو" یعنی میرے سوا کسی سے خوف زدہ نہ ہو۔ تم ڈرتے ہو کہ اگر تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کرلی۔ اپنے پرانے دین کو چھوڑ کر اس نئے دین کو اختیار کرلیا تو تمہاری سیاست و ریاست کا خاتمہ ہو جائے گا۔ تمہارے عقیدت مندوں کا ہجوم منتشر ہو جائے گا۔ امیوں کو تم پر فضیلت و برتری حاصل ہو جائے گی۔ تمہارے عوام تمہارے دشمن ہو جائیں گے اور جو دنیوی فوائد تم ان سے اب تک حاصل کرتے رہے ہو، ان کے دروازے بند ہو جائیں گے اور تم فقر و فاقہ کا شکار ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں متنبہ فرماتا ہے کہ ڈرنے کی چیزیں یہ نہیں ہیں، ڈرنا تو صرف مجھ سے چاہیے، جس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے۔

# قرآن حکیم پر ایمان لانے کی دعوت

## تشریح و تفسیر آیات 41-42

ان آیات میں بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا ہے کہ "اس چیز پر ایمان لاؤ جو تصدیق کرتی ہے اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے" یعنی توریت میں نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور ان خصوصیات سے متعلق جو پیشین گوئیاں وارد ہیں، قرآن مجید ان کی تائید کر رہا ہے، لہٰذا تمہیں تو سب سے پہلے قرآن پر ایمان لانے کے لیے سبقت کرنی چاہیے کیونکہ یہ کتاب ایک طرف تو تمہاری کتاب یعنی توریت کی تصدیق کرتی ہے، تمہارے دین کی حقانیت کی علمبردار ہے، تمہارے انبیاء کی شان بلند کرتی ہے، تو دوسری طرف اس کی بنیادی اور اصولی تعلیمات سابقہ الہامی کتابوں کے موافق ہیں اور یہ جو فرمایا کہ "سب سے پہلے اس کے کفر کرنے والے نہ بنو" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ قرآن حکیم تمہاری کتاب کی تصدیق کرتا ہوا نازل ہوا ہے اور اس پر ایمان لانے کا تم سے اس کے نزول سے پیشتر ہی عہد لیا جا چکا ہے، اس لیے اس کو قبول کرنے اور اس پر ایمان لانے کی سب سے پہلے تم ہی سے توقع کی جا سکتی ہے، لیکن یہ کیفیت عجیب ہے کہ دوسرے تو اس سے ناآشنا ہوتے ہوئے اس پر ایمان لانے کے لیے سبقت کریں اور تم اس سے پہلے سے آشنا ہو کر اس کی مخالفت کی راہ میں سبقت کرو۔ یہ تمہاری بہت بڑی گمراہی ہے اور بدنصیبی ہے۔ اگر تم نے اس کتاب کے ساتھ کفر کیا تو دوسرے لوگ بھی تمہاری پیروی کر کے انکار کر دیں گے۔ اس طرح ان

Scanned with CamScanner

کا گناہ بھی تم پر آ پڑے گا اور تمہیں دوہرے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

پھر فرمایا کہ "میری آیات کو حقیر قیمت کے عوض نہ بیچو"۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر منہ مانگے دام ملیں تو بیچ دو' بلکہ مراد یہ ہے کہ اپنے دنیوی مفادات کی خاطر اللہ کے عہد کو' جو اس نے توریت میں تم سے لیا' نہ توڑو۔ یہ مفادات تمہاری نگاہوں میں کتنی ہی اہمیت رکھنے والے ہوں' لیکن خدا کے عہد و پیمان اور اس کے احکام و آیات کے بالمقابل ہیچ ہیں۔ علماء یہود چند ٹکوں کی خاطر کتاب الٰہی میں لفظی و معنوی تحریف سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ کعب بن اشرف وغیرہ علماء و رؤسائے یہود' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق نشانیاں اس لیے چھپاتے تھے کہ جاہل یہود جب آپ کو سچا نبی تسلیم کرلیں گے تو آپ' کی طرف ان کا میلان طبع ہو جائے گا اور اس جاہل فرقہ یہود کو جو منفعت دنیوی ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ اس تھوڑے سے لالچ کو بھی اللہ تعالیٰ نے توریت کا تھوڑا مول لینا فرمایا ہے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ "مجھ ہی سے بچو" یعنی میری گرفت اور میرا غضب ان پر نازل ہوتا ہے تو کوئی انہیں بچا نہیں سکتا اور یہ جو فرمایا کہ "حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو اور نہ جانتے بوجھتے حق کو چھپاؤ" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی آراء اور بدعتیں داخل کر کے اللہ تعالیٰ کے نزول کردہ حق اور اپنے داخل کیے ہوئے باطل کو ایک ساتھ گڈمڈ یا خلط ملط نہ کرو یا باطل کا رنگ چڑھا کر مشتبہ نہ بناؤ کہ جس سے دوسروں کو دھوکا ہو' کیونکہ یہ ایک ناقابل معافی اور مذموم حرکت ہے۔ درآنحالیکہ تم اس حق کو جانتے بھی ہو اور تمہیں حقیقت حال کا سارا علم ہے۔ یہود کو چونکہ یہ بات دل سے ناپسند تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات' صفات اور علامات توریت سے ظاہر ہوں' اس لیے انہوں نے تمام باتوں کو چھپانے کی کوشش کی اور حق پر پردہ ڈالنے کے لیے توریت میں ہر قسم کے تصرفات کر ڈالے۔ آیات کی ایسی تاویلیں کرتے کہ لوگ طرح طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے' یہاں تک کہ ہر سوال کرنے والے کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم' قرآن حکیم اور مومنین کے خلاف شکوک و شبہات میں ڈال دیتے' تاکہ لوگ الجھے رہیں اور ان کے ذہن حق کی بات کو سمجھنے کے لیے صاف نہ ہوں۔ آیت میں حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کرنے یا باطل کا رنگ چڑھا کر مشتبہ کرنے کا حکم صرف علماء بنی اسرائیل سے مخصوص نہیں ہے' بلکہ ملت اسلامیہ سے تعلق رکھنے والے علماء پر بھی منطبق ہوتا ہے۔

# بنی اسرائیل سے مزید مطالبات

## تشریح و تفسیر آیات 43-46

ان آیات میں یہود کی تین بیماریوں یعنی کفران نعمت' نقض عہد الٰہی اور خدا سے بے خوفی کے



علاج کے لیے تین باتوں نماز' زکوٰۃ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کا حکم دیا گیا۔ یہود کو نماز کا حکم اس لیے دیا گیا تاکہ حب جاہ کی اصلاح ہو جائے۔ نیز نماز' ذکر و شکر کا مجموعہ اور ان تمام عہدوں کا سرنامہ ہے' جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہوئے ہیں۔ یہی وہ چیز ہے کہ جو تمام نیکیوں اور بھلائیوں کا سرچشمہ' سب کی کلید' سب کی مددگار اور سب کے حصول کا وسیلہ و ذریعہ ہے۔ مختصر یہ کہ نماز ان تمام احکام کا منبع ہے' جو حقوق اللہ سے متعلق ہیں۔ زکوٰۃ کا حکم اس لیے دیا کہ اس میں حب مال کا علاج ہے' جس کی وجہ سے یہود اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان توڑنے اور خدا کی شریعت کو دنیا کی حقیر رقم کے عوض فروخت کرنے پر آمادہ ہوئے' گویا زکوٰۃ ان تمام احکام کا سرچشمہ ہے جو حقوق العباد سے متعلق ہیں۔ ابتداء سے آج تک ہر شریعت میں نماز اور زکوٰۃ کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کا حکم اس لیے دیا کہ عام نمازیوں کے ساتھ نمازوں کی حاضری ان کے کبر و غرور کو توڑے۔ اخوت' انکساری اور خاکساری و تواضع ان کے لیے اس بعثت پر ایمان لانے کی راہ کھولے' جس پر ایمان لانے میں ان کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ ان کا یہ غرور تھا کہ وہ اسرائیل کے برتر گھرانے سے ہو کر امیوں کے اندر سے اٹھنے والے ایک رسول پر کس طرح ایمان لائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہود نے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کے احکام تقریباً ختم کر دیے تھے۔ ان کے ایک فرقے کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نماز کا حکم دیا ہی نہیں تھا' حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلا حکم نماز کا ملا تھا۔ اسی طرح زکوٰۃ کے اصل حقدار فقراء' غرباء اور مساکین کی بجائے علماء اور کاہن بن کر رہ گئے تھے' لہٰذا ان آیات میں یہود کو نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور اشارہ ان کے عوام و خواص سب کی طرف ہے۔ **وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ** کی قید میں اس کبر و نخوت کا علاج ہے' جس کے بنی اسرائیل شکار ہو چکے تھے۔

یہود کے عام بگاڑ کا علاج بتانے کے بعد ان کے علماء اور اکابر کی طرف توجہ فرمائی گئی اور ان کا مرض یہ بتایا کہ وہ عوام کو تو نیکی اور دینداری کی تلقین کرتے ہیں' بلکہ بعض عزیز و اقارب سے خفیہ طور پر یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے ہیں' اس لیے تم اس مذہب پر جمے رہو' ہم تو بعض مصلحتوں کے پیش نظر مجبور ہیں' لیکن اس تلقین کے وقت وہ خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں۔ توریت کی بیان کردہ اصلاحات حضور علیہ الصلوۃ والسلام میں دیکھ لینے کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے' حالانکہ نیکی اور دینداری کی ان باتوں کے جتنے مخاطب عوام ہیں' اس سے زیادہ ان کے مخاطب یہ ہیں' اس لیے اس کتاب الٰہی کے اسرار اور رموز سمجھنے والے اور جاننے والے یہی ہیں۔ اگر یہ اپنے آپ کو بھی اسی طرح خدا ترس اور خدا کے حقوق و فرائض کا پہنچانے والا بنا لیں' جس طرح یہ عوام کو بنانا چاہتے ہیں' تو چشم زدن میں لوگوں کے لیے قبول احکام و اسلام

Scanned with CamScanner

کی راہ کی ساری رکاوٹیں دور ہو جائیں' اس لیے یہ ساری رکاوٹیں انہی کی پیدا کی ہوئی ہیں' کسی اور کی پیدا کی ہوئی نہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ ان نصیحت کرنے والوں کے اپنے کان بہرے واقع ہوئے ہیں' حالانکہ یہ توریت کی تلاوت بھی کرتے ہیں اور اس میں متعدد مقامات پر عالم بے عمل کی مذمت مذکور ہے' لیکن یہ سمجھتے نہیں' بلکہ اس مذمت کے مصداق یہ خود بن رہے ہیں۔ ایسا کر کے یہ اپنی بہتری نہیں کر رہے' بلکہ کس قدر زیاں کار و فراموش ہیں' جن کی نظروں سے اپنی بہتری اوجھل ہو چکی ہے۔

آیت میں زجر و توبیخ ہر اس شخص کے لیے ہے جو دوسرے کو نیکی کا حکم دے اور خود اس کے خلاف عمل پیرا ہو' خواہ وہ یہودی ہو یا مسلمان' قرآن حکیم نے جابجا اور خود قول و عمل کے اختلاف سے روکا ہے۔ ایک مقام پر آتا ہے "تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو خود نہیں کرتے۔ اللہ کے نزدیک یہ بات بڑی ناپسندیدہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہ کرو"۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا فرمان قرآن حکیم میں نقل ہے کہ "میں ایسا نہیں کہ تمہیں جن باتوں کو کہہ کر روکوں انہیں خود کروں"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واعظ بے عمل کے متعلق ان سے بھی واضح ارشادات فرمائے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے معراج والی رات دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں تو کہا گیا کہ یہ آپؐ کی امت کے خطیب و واعظ و عالم ہیں' جو لوگوں کو بھلائی سکھاتے مگر خود نہیں کرتے تھے۔ ایک اور متفق علیہ حدیث میں ہے:

> "ایک شخص کو دوزخ میں ڈالا جائے گا تو اس کی آنتیں نکل آئیں گی اور وہ اس کے گرد چکر لگائے گا جیسے گدھا اپنے کھونٹے کے گرد چکر لگاتا ہے۔ جہنمی اس کے گرد جمع ہو کر پوچھیں گے: یہ تیرا کیا حال ہے' تو تو ہمیں اچھی باتیں بتاتا تھا اور برائیوں سے روکتا تھا۔ وہ کہے گا: ہاں! میں تمہیں بھلائی کا حکم دیتا' لیکن خود نہ کرتا تھا اور تمہیں برائیوں سے روکتا اور خود نہ رکتا تھا"۔

ان تنبیہات و ہدایات کے بعد وہ طریقہ بتایا ہے جس کو اختیار کر کے بنی اسرائیل اس آخری بعثت پر ایمان لانے کے مشکل کام کو اپنے لیے آسان بنا سکتے تھے۔ وہ طریقہ صبر اور نماز کا طریقہ ہے۔ فرمایا کہ اگر تمہیں اپنی خواہشات و بدعات کو چھوڑ کر اپنی جمی ہوئی سیادت و امارت سے دستکش ہو کر قرآن پر ایمان لانا مشکل معلوم ہوتا ہے تو اس مشکل اور دقت کو آسان کرنے کے لیے صبر اور نماز سے دوچار ہو۔ یہ دونوں سہارے اس چڑھائی کو آسان بنائیں گے۔

صبر کے لغوی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں۔ اس سے مراد ارادے کی وہ مضبوطی' عزم کی وہ پختگی اور خواہشات نفس کا وہ انضباط ہے جس سے ایک شخص نفسانی ترغیبات اور بیرونی مشکلات



کے مقابلہ میں اپنے قلب و ضمیر کے پسند کیے ہوئے راستے پر لگاتار بڑھتا چلا جائے۔

اگر انسان اپنے اندر یہ قوت پیدا کر لے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ نماز کے ذریعہ اپنا رشتہ عبدیت اپنے حقیقی رب سے محکم کر لے تو پھر کوئی مشکل اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ دنیوی اور اخروی کامیابی و کامرانی کی ذمہ داری اور کفیل صرف یہی دو چیزیں ہیں لیکن حضور دل سے نماز ادا کرنا اور صبر کا دامن تھامے رکھنا بڑا مشکل اور گراں ہے۔ ان دونوں چیزوں کا سہارا صرف وہی افراد لے سکتے ہیں جو عاجزی کرتے ہیں' خشوع و خضوع سے کام لیتے ہیں' اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور کسی لمحہ یاد الٰہی سے غافل نہیں ہوتے' کیونکہ انہیں اس بات کا یقین ہے کہ قیامت کے دن ان کے اعمال خدا کے سامنے پیش ہوں گے اور انہیں اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ

اے بیٹو اسرائیل کے یاد کرو میری نعمت جو میں نے انعام کی اوپر تمہارے اور کہ

اے بنی اسرائیل میرا وہ انعام یاد کرو۔ جو میں نے تم پر کیا۔ اور میں نے تمہیں جہان والوں پر فضیلت

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ

میں نے فضیلت دی تمہیں اوپر تمام جہانوں کے اور ڈرو اس دن نہیں کام آئے گی کوئی جان سے جان

دی اور اس دن سے ڈرتے رہو جب نہ کوئی کسی کے

شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا

کچھ اور نہ قبول کیا جائیگا اس سے سفارش اور نہ لیا جائیگا اس سے معاوضہ اور نہ

حق میں بدلہ دے سکے گا۔ اور نہ کسی کے حق میں سفارش قبول ہوگی اور نہ کسی سے معاوضہ قبول کیا جائیگا

هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ

وہ مدد کئے جائینگے اور جب ہم نے نجات دی تمہیں سے اولاد فرعون کی ڈھاتے تھے تم پر

اور نہ انہیں مدد پہنچ سکے گی۔ اور وہ وقت یاد کرو۔ کہ جب ہم نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی تھی

سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ

برا عذاب ذبح کرتے بیٹوں تمہاروں کو اور زندہ چھوڑتے عورتوں تمہاری کو اور میں

جو تمہارے اوپر عذاب توڑ رہے تھے۔ تمہارے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ

ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ

اس آزمائش سے پروردگار تمہارے بڑی اور جب ہم نے پھاڑ دیا ساتھ تمہارے سمندر

رہنے دیتے تھے۔ اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔ اور وہ وقت

فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝۵۰ وَاِذْ

پس ہم نے نجات دی تمہیں اور ہم نے غرق کیا اولاد فرعون کی اسی حالت میں کہ تم دیکھ رہے تھے اور جب

یاد کرو جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑا تھا پھر ہم نے تمہیں نجات دے دی اور فرعون والوں کو غرق کر دیا اور انکا لیکن تم دیکھ اور وہ

وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

ہم نے وعدہ لیا موسیٰ سے چالیس رات پھر تم نے بنا لیا بچھڑا سے بعد اس

وقت بھی یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کر لیا تھا پھر تم نے اُن کے پیچھے گوسالہ کر لیا۔ اور تم سخت

وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۵۱ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ

اور تم ظالم تھے پھر ہم نے درگزر کیا سے تم بعد اس تاکہ تم

ظالم تھے پھر ہم نے تم کو اس کے بعد بھی معاف کر دیا کہ تم شکر گزار

تَشْكُرُوْنَ ۝۵۲ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ

شکر گزار بن جاؤ اور جب ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور فرقان تاکہ تم

بن جاؤ۔ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان دیئے تاکہ تم

تَهْتَدُوْنَ ۝۵۳ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ

ہدایت پا جاؤ اور جب کہا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی اے میری قوم بیشک تم نے ظلم کیا

راہ یاب ہو جاؤ اور وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ علیہ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم یقیناً تم لوگوں نے

اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

جانوں اپنی پر ساتھ پکڑنے تمہارے بچھڑا پس تم رجوع کرو طرف خالق اپنے پس تم قتل کرو جانوں اپنی کو

اپنے اوپر بڑا ظلم کیا اپنی گوسالہ گیری سے سو اب اپنے خدا سے توبہ کرو۔ پھر اپنے دشمن کو قتل کرو۔ یہی بہتر

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ

یہ بات بہتر واسطے تمہارے نزدیک خالق تمہارے پس اس نے توبہ قبول کی تمہاری بیشک وہ

ہے۔ تمہارے حق میں تمہارے نزدیک کے نزدیک پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کی ہے۔ بیشک

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۵۴ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى

توبہ قبول کرنے والا رحم کرنیوالا اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہرگز نہیں ہم ایمان لائیں گے واسطے تمہارے حتیٰ کہ

وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے۔ اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز تم پر ایمان نہیں لائیں گے

نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝۵۵ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ

ہم دیکھیں اللہ کو کھلم کھلا پس آن لیا تمہیں بجلی کی چمک نے اس حالت میں کہ تم دیکھ رہے تھے پھر ہم نے اٹھایا تمہیں

جب تک کہ ہم خدا کو علانیہ نہ دیکھ لیں سو اس پر تم کو بجلی کی کڑک نے آ لیا اور تم اُس کا آنا دیکھ رہے تھے پھر ہم نے



مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۵۶ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ

سے بعد موت تمہاری تاکہ تم شکر گزار بنو اور ہم نے سایہ کیا اوپر تمہارے بادلوں کا

تم کو زندہ کر دیا تمہارے مرنے کے بعد کہ شاید تم شکر گزار بن جاؤ۔ اور ہم نے تمہارے اوپر ابر کا سایہ کیا۔

وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

اور ہم نے اتارا اوپر تمہارے من اور سلویٰ کھاؤ سے پاکیزہ چیزوں جو ہم نے دیں تمہیں

اور ہم نے تمہارے اوپر من و سلویٰ اتارا کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۵۷ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا

اور نہیں انہوں نے ہم پر ظلم کیا اور لیکن وہ ہیں جانوں اپنی پر ظلم کرتے اور جب ہم نے کہا داخل ہو جاؤ

اور انہوں نے زیادتی ہم پر نہیں کی بلکہ اپنی ہی جانوں پر زیادتی کرتے رہے اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے

هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ

اس بستی پس کھاؤ سے اس جہاں سے تم چاہو جی بھر کر اور داخل ہو جاؤ دروازے میں

کہا تھا۔ کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور دروازہ شہر میں عاجزی

سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۵۸

سجدہ کرتے اور کہو حطۃ ہم بخش دیں گے تمہارے تمہاری خطائیں اور عنقریب ہم زیادہ دینگے احسان کرنے والوں کو

سے جھکے ہوئے داخل ہونا اور کہتے جانا کہ توبہ ہے ہماری ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور ہم نیکو کاروں کو زیادہ ہی دیتے گے

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى

پس بدل دیا انہوں نے جنہوں نے ظلم کیا بات بجائے اس کے جو کہی گئی واسطے انکے پس ہم نے نازل کیا اوپر

مگر ان زیادتی کرنے والوں جو انہیں بتایا گیا تھا اس کے خلاف ایک اور کلمہ بدل ڈالا سو ہم نے ان زیادتی کرنے

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۵۹

ان کے جنہوں نے ظلم کیا عذاب سے آسمان بوجہ جو وہ تھے نافرمانیاں کرتے

والوں پر ایک بلا آسمان سے نازل کی اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے رہے تھے۔

# الفاظ کے معانی وضروری تشریحات

فَضَّلْتُكُمْ میں نے تمہیں فضیلت و بزرگی عطا کی۔ میں نے تمہیں بڑائی عطا کی۔ فعل ماضی۔ تفضیلٌ مصدر سے ہے :۔

عَالَمِيْنَ دُنیا، جہان، دُنیا کے سب لوگ۔ عَالَمٌ کی جمع ہے :۔

Scanned with CamScanner

وَاتَّقُوْا — اور ڈرو، تقویٰ اختیار کرو ؛

تَجْزِیْ — وہ کام آئے گا۔ وہ کفالت کرے گا۔ وہ معاوضہ بن سکے گا۔ وہ جزا دے گا۔ فعل مضارع معروف صیغہ واحد مؤنث غائب۔ جَزٰی یَجْزِیْ، جَزَاءٌ سے ہے ؛

نَفْسٌ — جان، رُوح، شخص ؛

یُقْبَلُ — وہ قبول کیا جائے گا۔ فعل مضارع مجہول مصدر قبول ہے ؛

شَفَاعَةٌ — سفارش، شفاعت ؛

لَا یُؤْخَذُ — نہ لیا جائے گا۔

عَدْلٌ — معاوضہ، بدلہ، فدیہ، عوضانہ ؛

یُنْصَرُوْنَ — وہ مدد دیئے جائیں گے۔ ان کی مدد کی جائے گی۔ فعل مضارع مجہول ؛

نَجَّیْنٰکُمْ — ہم نے تمہیں نجات دی۔ تَنْجِیَةٌ مصدر ن ج و اور مادہ نَجّٰی ماضی، یُنَجِّیْ مضارع نَجِّ امر، لَا تُنَجِّ (نہی)

فِرْعَوْنَ — فرعون کسی بادشاہ کا ذاتی نام نہیں۔ بلکہ مصر کے جتنے بادشاہ عمالیق وغیرہ کفار میں سے ہوئے تھے۔ ان سب کو فرعون کہا جاتا تھا۔ جیسے روم کے بادشاہ کو قیصر، فارس کے بادشاہ کو کسریٰ، یمن کے بادشاہ کو تبع، حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی، روس کے تاجدار کو زار، ترکی کے فرمانروا کو سلطان اور ہند کے بادشاہ کو بطلیموس کہتے ہیں ؛

اٰلِ فِرْعَوْنَ — فرعون والے، قوم فرعون، فرعون کے پیرو، فرعون کے متبعین ؛

یَسُوْمُوْنَ — وہ چکھاتے تھے، وہ تکلیف دیتے تھے، ایسی تکلیف جس میں دوام ہو اور تکلیف پہنچانے والے کو لطف آتا ہو۔ سَامَ، یَسُوْمُ۔ سَوْمًا سے ہے ؛

سُوْٓءَ — بُرائی، آفت، مُصیبت ؛

یُذَبِّحُوْنَ — وہ ذبح کرتے تھے، وہ قتل کر ڈالتے تھے۔ ذَبَّحَ، یُذَبِّحُ، تَذْبِیْحًا سے ہے ؛

اَبْنَآءَکُمْ — تمہارے بیٹے۔ ابن کی جمع ہے ؛



یَسْتَحْیُوْنَ — وہ زندہ رہنے دیتے ہیں۔ اِسْتَحْیَا، یَسْتَحْیِیْ، اِسْتِحْیَاءٌ سے ہے ؛

نِسَآءَکُمْ — تمہاری عورتیں، تمہاری لڑکیاں۔ اس کا واحد مِرْأَةٌ اور اِمْرَأَةٌ ہے ؛

بَلَاءٌ — آزمائش، امتحان، مصیبت، اِبتلاء ؛

فَرَقْنَا — ہم نے پھاڑ دیا، ہم نے الگ الگ کر دیا، ہم نے دو ٹکڑے کر دیئے، ہم نے فرق ڈالا، ہم نے جُدا کر دیا ؛

بَحْرٌ — سمندر، دریا ؛

اَنْجَیْنٰکُمْ — ہم نے تمہیں نجات دی، ہم نے تمہیں سمندر پار کرایا۔ مصدر اِنْجَاءٌ اور مادہ (ن ۔ ج ۔ د) ہے ؛

اَغْرَقْنَا — ہم نے غرق کر دیا، ہم نے ڈبو دیا۔ اَغْرَقَ، یُغْرِقُ، اِغْرَاقًا سے ہے ؛

تَنْظُرُوْنَ — تم دیکھ رہے تھے، تم نظارہ کر رہے تھے ؛

وٰعَدْنَا — ہم نے وعدہ کیا۔ مصدر مُوَاعَدَةٌ اور مادہ (و ۔ ع ۔ د) ہے ؛

مُوْسٰی — موسیٰ بن عمران۔ اسرائیل کے سب سے زیادہ مشہور اور جلیل القدر پیغمبر کا نام ہے۔ آپ نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی۔ آپ کا زمانہ پندرھویں اور سولہویں صدی قبل مسیح تھا۔ ولادت غالباً سنہ ۱۵۲۰ ق م اور وفات سنہ ۱۴۰۰ ق م میں ہوئی ؛

اَرْبَعِیْنَ — چالیس۔ اصل میں اَرْبَعُوْنَ ہے۔ زبر کی حالت میں ہونے کی وجہ سے واؤ، ی سے بدل گیا ہے ؛

لَیْلَةً — رات ؛

اتَّخَذْتُمُ — تم نے معبود بنا لیا، تم نے اختیار کیا، تم نے پکڑا ؛

| نہی | امر | مضارع | ماضی | مادہ | مصدر |
|---|---|---|---|---|---|
| لَا تَتَّخِذْ | اِتَّخِذْ | یَتَّخِذُ | اِتَّخَذَ | (ا خ ذ) | اِتِّخَاذٌ |

عِجْلَ — گائے کا بچّہ، بچھڑا، گئوسالہ۔ اس کی جمع عُجُوْل ہے ؛

Scanned with CamScanner

**عَفَوْنَا** — ہم نے معاف کر دیا، ہم نے درگزر کر دیا ؛

**لَعَلَّكُمْ** — شاید کہ تم، تاکہ تم ؛

**تَشْكُرُوْنَ** — تم شکر کرتے ہو، تم احسان مانتے ہو، تم شکر گزار بن جاؤ ؛

**اٰتَيْنَا** — ہم نے دیا، ہم نے بخشا، ہم نے عطا کیا ؛

**اَلْكِتَابَ** — کتاب مراد توریت ہے ؛ اَلْفُرْقَانَ (۱) حق و باطل میں فرق کرنے والی یعنی توریت۔ (۲) حجت۔ (۳) توریت کی ایک صفت ہے۔ (۴) معجزات جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ مثلاً ید بیضا وغیرہ ؛

**تَهْتَدُوْنَ** — تم راہ پاؤ، تم ہدایت سیکھو۔ فعل مضارع، مصدر اِهْتَدَاءٌ اور مادہ (ھ۔د۔ی) ہے ؛

**قُلْتُمْ** — تم نے کہا ؛

**لَنْ نُّؤْمِنَ** — ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے، ہم ہرگز بات کا یقین نہیں کریں گے ؛

**حَتّٰى** — یہاں تک کہ۔ جب تک کہ ؛

**نَرَى** — ہم دیکھ لیں گے ہم دیکھیں۔ فعل مضارع صیغہ جمع متکلّم ؛

**جَهْرَةً** — اپنی آنکھوں سے، کھلم کھلا، رُو برو، آشکارا، سامنے۔ اعلانیہ ؛

**اَخَذَتْكُمْ** — تم کو پکڑ لیا، تم کو آ دبوچا، تمہیں اُس نے آ لیا ؛

**اَخَذَ** — پکڑا ؛

**صٰعِقَةٌ** — بجلی کی کڑک ؛

**تَنْظُرُوْنَ** — تم دیکھ رہے تھے۔ فعل مضارع ؛

**بَعَثْنٰكُمْ** — ہم نے تم کو زندہ کر اٹھایا، ہم نے تمہیں جلا اٹھایا۔ فعل ماضی ؛

**ظَلَّلْنَا** — ہم نے سایہ کیا۔ ظِلٌّ مصدر سے ہے ؛

**اَلْغَمَامَ** — ابر، بادل۔ اس کا واحد غَمَامَةٌ ہے ؛

**اَلْمَنَّ وَالسَّلْوٰى** — مَنَّ کے لفظی معنی احسان اور سَلْوٰى کے لفظی معنی تسلّی کے کے ہیں۔ بنی اسرائیل کی تاریخ میں ایک آسمانی کھانے کا نام ہے جو انہیں مصر سے نکل کر جنگل میں خُدا کی طرف سے ملتا تھا۔



انہیں یہ قدرتی غذائیں چالیس سال تک مسلسل ملتی رہی۔ مَنّ دھنیے کے بیج کی طرح ایک چیز ہے جو اوس کی طرح گرتی اور زمین یا درختوں کے پتوں پر جم جاتی تھی اور سلویٰ بٹیر کی قسم کے پرندے تھے ؛

**كُلُوْا** — تم کھاؤ ؛

**طَيِّبٰتِ** — پاک چیزیں۔ طَيِّبَةٌ کی جمع ہے ؛

**ظَلَمُوْنَا** — انہوں نے ہم پر ظلم کیا، انہوں نے ہمارا بگاڑا، انہوں نے ہمارا نقصان کیا ؛

**اُدْخُلُوْا** — تم داخل ہو جاؤ ؛

**قَرْيَةَ** — بستی، گاؤں، آبادی، شہر۔ اس کی جمع قُرٰى ہے ؛

**حَيْثُ** — ظرف مکاں۔ جہاں ؛

**شِئْتُمْ** — تم چاہو ؛

**رَغَدًا** — با فراغت، اطمینان سے۔ کھلا۔ با فراط۔ بے تکلّفی سے ؛

**بَابَ** — دروازہ ؛

**سُجَّدًا** — سجدہ کرنے والے، جھکنے والے عاجزی کے ساتھ۔ سَاجِدٌ کی جمع ہے ؛

**حِطَّةٌ** — ہم بخشش کرتے اور مانگتے ہیں۔ تو ہمارے گناہ دُور کر۔ حِطَّةٌ يُحِطُّ کے معنی ہیں گرانا، اُتارنا۔ بنی اسرائیل کو حکم تھا کہ شہر مذکور میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہوں اور زبان سے کہیں کہ اے خُدا ہمارے گناہوں کو دُور کر دے ؛

**نَغْفِرْ لَكُمْ** — ہم تمہیں معاف کر دیں گے ؛

**خَطٰيٰكُمْ** — تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے ؛

**سَنَزِيْدُ** — ہم مزید بڑھائیں گے۔ ہم زیادہ کر دیں گے۔ سَ، جلدی، عنقریب، مزید ؛

**مُحْسِنِيْنَ** — نیکو کار، احسان کرنے والے ؛

**بَدَّلَ** — بدل ڈالا، بدل دیا ؛

Scanned with CamScanner

| | |
|---|---|
| تَوُلاً | بات :: |
| رِجْزاً | عذاب ، آفتِ سماوی ، بلا۔اس کے لغوی معنی اضطراب کے ہیں ۔ اس عذاب کو رجزاً کہا جاتا ہے جو شدت کے اعتبار سے کپکپا دے۔ نسائی کی حدیث میں طاعون کے لیے بھی استعمال ہوا ہے :: |
| کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ | وہ نافرمانی کرتے تھے ۔وہ خدائی قانون کو توڑتے تھے :: |

## بنی اسرائیل سے ایک اور خطاب

### تشریح و تفسیر آیات 47-48

سابقہ رکوع میں بنی اسرائیل کو اس بات کی یاددہانی کرائی گئی ہے کہ فضیلت و بزرگی میں نہ تو تمہارے ذاتی استحقاق کو دخل ہے' نہ تمہارے خاندانی نسل و حسب کو' بلکہ یہ تو تمہیں محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حاصل ہوئی ہے' اس لیے کسی وہم و گمان یا غرور و تکبر میں مبتلا ہو کر اس دعوائے حق سے انحراف و روگردانی نہ کرو جو تمہارے سامنے پیش کی گئی ہے اور یاد رکھو کہ قیامت کے دن تمہیں اپنے اعمال کی خود ہی جواب دہی کرنی ہے۔ تمہارے فرائض ذمہ داریوں سے متعلق نہ تو دوسروں سے کوئی سوال ہو گا اور نہ دوسرے تمہاری طرف سے کوئی جواب دے سکیں گے۔

اب اس رکوع میں بنی اسرائیل کی ابتدائی تاریخ کے چند اہم اور مشہور واقعات بیان ہو رہے ہیں جن سے ان کا بچہ بچہ واقف تھا اور مقصود ان واقعات سے بنی اسرائیل کی ان بیماریوں کو دور کرنا ہے' جن کی وجہ سے دعوت قرآن ان کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش بن گئی تھی' چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: "اے بنی اسرائیل' میری اس نعمت کو یاد کرو' جو میں نے تم کو دی اور اس بات کو کہ میں نے تمہیں دنیا والوں پر فضیلت دی"۔ یہاں اس دور کی طرف اشارہ ہے جبکہ امم عالم میں ایک بنی اسرائیل کی قوم ہی ایسی تھی' جس کے پاس اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم حق تھا۔ تاریخ کے جس دور میں ساری قومیں اور ساری نسلیں کم و بیش شرک میں مبتلا تھیں یا اس کی طرف بہی جا رہی تھیں' یہ نسل اسرائیل ہی ایک ایسی قوم تھی جو من حیث القوم توحید کی علمبردار تھی۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے: "بنی اسرائیل پر خاص فرض عاید ہوا تھا کہ توحید باری کی دعوت دیتے رہیں اور آفتاب پرستی' ماہتاب پرستی اور کواکب پرستی کے خلاف جہاد کرتے رہیں"——— "اور بے شک میں نے تمہیں دنیا جہان پر فضیلت دی" سے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل ہی کو بے شک اقوام و امم کا امام و راہنما بنا دیا گیا تھا اور اس قوم میں ہزاروں انبیاء مبعوث ہوئے' یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں بنی اسرائیل کو متنبہ کیا گیا کہ جس فضیلت پر



تمہیں ناز ہے' وہ فضیلت خدا ہی کی عطا کردہ تھی۔ اگر اس کو باقی رکھنا چاہتے ہو تو خدا کے عہد پر قائم رہو اور اس کا حق ادا کرو۔ خدا کے عہد سے نکل کر تم اس فضیلت کو برقرار نہیں رکھ سکتے۔

بنی اسرائیل کو حضرت ابراہیم' حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہما السلام جیسے جلیل القدر انبیاء اور بڑے بڑے اولیاء' صلحاء اور زہاد کی اولاد میں سے ہونے کا جو غرور تھا اور جس کی بنا پر وہ خیالات خام اور باطل امیدوں میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ان کی نجات اور بخشش کے لیے ان بزرگوں کی نسبت اور سفارش کافی ہو گی' یہ دوسری آیت ان کے اس واہمہ کی جڑ کاٹ رہی ہے اور ان کو اس بات کی یاددہانی کرا رہی ہے کہ خدا کے نزدیک کام آنے والی اصل چیز عہد الٰہی کی پابندی اور ایمان و عمل صالح ہے' جس کے بل بوتے پر ہر شخص بخشا جائے گا۔ اس سے غافل ہو کر محض آرزوؤں اور تمناؤں کے ہوائی قلعہ پر اعتماد نہ کرو۔ قیامت کے دن نہ کسی کی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ ہی کسی سے معاوضہ لے کر چھوڑا جائے گا' نہ کسی گناہ کا بدلہ اور کفارہ قبول کیا جائے گا' نہ کوئی نفس کسی کے کام آئے گا۔ قرآن حکیم میں ایک مقام پر آتا ہے: "کوئی بوجھ اٹھانے والا' کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: "اے لوگو! اپنے رب کا خوف کھاؤ اور اس دن سے ڈرو جس دن باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا"۔ نہ ہی مجرموں کو کہیں سے مدد ملے گی۔ دنیا میں مجرم کی رہائی کے جتنے طریقے ہیں' قیامت کے دن ان طریقوں میں سے کوئی طریقہ کام نہیں آئے گا' گویا آیت میں نجات کے ان تمام غلط اور باطل عقیدوں کی تردید کر دی گئی ہے' جو یہودیوں میں عیسائیوں کے عقیدۂ کفار کی طرح رائج تھے۔

## بنی اسرائیل کی فرعون کے مظالم سے نجات

### تشریح و تفسیر آیات 49-50

بنی اسرائیل کی قوم غلامی کی زنجیروں میں تو پہلے ہی جکڑی ہوئی تھی' رہی سہی کمی اس سخت انتقامی کارروائی نے پوری کر دی' جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے سلسلہ میں فرعونیوں کی طرف سے ان پر برپا کی گئی تھی۔ عام مفسرین کا خیال یہ ہے کہ فرعون حاکم مصر نے بھیانک خواب دیکھا۔ نجومیوں اور کاہنوں سے تعبیر دریافت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے' جو تیری سلطنت کا تختہ الٹ دے گا۔ پیش بندی کے طور پر اس نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو لڑکا پیدا ہو' قتل کر دیا جائے اور لڑکیاں زندہ رہنے دی جائیں' تاکہ بڑی ہو کر ان کی لونڈی بنیں۔ توریت میں بھی ہے: "اگر بیٹا ہو تو اسے ہلاک کر دو اور اگر بیٹی ہو تو اسے جینے دو"۔ اس وقت کی توہم پرست' مصری ذہنیت سے کچھ بعید نہ تھا' لیکن شیخ محمد عبدہ نے ایک اور وجہ

Scanned with CamScanner

بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی نسل اس تیزی و کثرت سے بڑھنے لگی تھی کہ فرعون کو یہ اندیشہ لاحق ہوگیا کہ اگر ان کی پیدائش کی رفتار یہی رہی تو بنی اسرائیل کی اقلیت اکثریت میں تبدیل ہو جائے گی اور اپنی غالب اکثریت کی بنا پر کوئی انقلاب نہ برپا کریں۔ اس خدشہ کے پیش نظر فرعون نے بنی اسرائیل کی نسل کشی کا یہ ظالمانہ حکم دیا۔ اس کٹھن آزمائش کا اشارہ آیت میں اس لیے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو اس ابتلائے عظیم سے معجزانہ طور پر نجات پانے کا کچھ اندازہ ہوسکے کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ انہیں اس عظیم ابتلاء سے نجات نہ دیتا تو کوئی دوسری طاقت اس عذاب سے انہیں بچا نہیں سکتی تھی۔ نیز آزمائش اس امر کی کہ اس بھٹی سے تم خالص سونا بن کر نکلتے ہو یا نری کھوٹ بن کر رہ جاتے ہو اور آزمائش اس امر کی کہ اتنی بڑی مصیبت سے اس معجزانہ طور پر نجات پانے کے بعد تم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بنتے ہو یا نہیں۔

سالہا سال تک مظالم برداشت کرنے کے بعد بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر راتوں رات مصر سے روانہ ہوئے۔ صبح ہوئی تو فرعون اپنے لشکر جرار سمیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں نکلا۔ بنی اسرائیل کا قافلہ جب سمندر (بحیرۂ قلزم) کے کنارے پر پہنچ رہا تھا تو پیچھے سے فرعون کے لشکر کی گرد و غبار اڑتی نظر آئی' تو گھبرا گئے۔ سمجھے کہ اب نجات کے سارے راستے یکسر بند ہوگئے۔ حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے عصا سے سمندر پر ضرب لگائی' سمندر کا پانی سمٹ گیا۔ درمیان سے راستہ نمودار ہوگیا' جس پر چل کر بنی اسرائیل بخیر و عافیت دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر فرعون نے بھی اپنے گھوڑے سمندر میں ڈال دیے۔ جب سب سمندری راستے میں اتر چکے تو پہاڑوں کی طرح تھمی ہوئی موجوں میں جنبش ہوئی اور چشم زدن میں فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو کر رہ گیا۔ اپنی نجات کے بعد فرعون اور اس کے غرق ہونے کا سارا ماجرا تم نے ساحل پر کھڑے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اس احسان پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔ آیت میں اشارہ اسی کی جانب ہے جو جدید ترین تحقیقات کے مطابق پندرہویں صدی قبل مسیح کے وسط میں رونما ہوا۔

## بنی اسرائیل کی گئوسالہ پرستی

### تشریح و تفسیر آیات 51-52

جب حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو مصری حکومت کے پنجہ غضب اور غلامی کی لعنت سے نکال لائے تو اب حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ اس قوم کو ایک پورا نظام شریعت اور دستور زندگی کتاب کی شکل میں عطا ہو' جس پر عمل پیرا ہو کر وہ بے راہ روی سے بچی رہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ جزیرہ نما سینا



کے ایک پہاڑ کی چوٹی (کوہ طور) پر ایک چلہ کے لیے طلب کیے گئے۔ ابتداءً یہ وعدہ تیس دنوں کا تھا' لیکن حضرت موسیٰؑ وقت سے پیشتر پہنچ گئے۔ ان کی اس جلدی کے سبب سے اللہ تعالیٰ کی حکمت مقتضی ہوئی کہ یہ مدت تیس دن سے بڑھا کر چالیس دن کر دی جائے۔ ادھر حضرت موسیٰؑ کوہ طور پر تشریف لے گئے' ادھر ان کی موحد قوم نے گرد و پیش کی مشرک قوموں کی دیکھا دیکھی ایک گئوسالہ کی مورت سونے کی بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی۔ گائے اور بیل کی پرستش کا مرض بنی اسرائیل کی ہمسایہ اقوام میں ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ مصر اور کنعان میں اس کا عام رواج تھا۔ حضرت یوسفؑ کے بعد بنی اسرائیل جب انحطاط میں مبتلا ہوئے اور رفتہ رفتہ قبطیوں کے غلام بن گئے تو انہوں نے منجملہ اور امراض کے' ایک یہ مرض بھی حکمرانوں سے لے لیا تھا۔ (تفہیم القرآن)

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس قدر احسانات کے باوجود اے بنی اسرائیل تم شرک جلی کے مرتکب ہوئے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تم پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا جاتا اور شرک جیسے انتہائی جرم کی سزا ساری قوم کو ملتی۔ شرک کرنے والوں کو شرک کی اور باقی تماشہ دیکھنے والوں کو سکوت عن الحق اور اعانت جرم کی' لیکن ہم نے پھر بھی اپنا در رحمت کھلا رکھا اور سزا صرف ایک مخصوص گروہ کو ملی' باقی ساری قوم توبہ و استغفار کے بعد بچ گئی۔ یہ اس لیے ہوا' تاکہ تم عملی شکر گزاری کا اور احسان مندی کا مظاہرہ کرو' یعنی توحید و اعانت پر ثابت قدم رہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل پر بہت بڑا احسان تھا۔

## توریت کا عطا ہونا

### تشریح و تفسیر آیت 53

اس آیت میں بنی اسرائیل سے ارشاد ہوتا ہے کہ تمہیں یاد ہوگا کہ ادھر تم گئوسالہ پرستی میں مصروف تھے' ادھر ہم نے حضرت موسیٰؑ کو ایک عظیم مقدس کتاب دی' جو حق و باطل کے درمیان حد فاصل قائم کرنے والی تھی۔ یہ کتاب تمہیں اس لیے دی گئی کہ جزئیات زندگی کا ایک مستقل و مرتب دستور العمل تمہارے ہاتھ میں آ جائے اور تم صحیح راہ سے بھٹکنے نہ پاؤ۔ اس کتاب کا عطیہ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کا ایک اور بہت بڑا فضل تھا۔ یہاں کتاب سے مراد توریت ہے جو حضرت موسیٰؑ کو کوہ طور پر چالیس شب و روز کی عبادت کے بعد عطا ہوئی اور فرقان سے مراد وہ چیز ہے کہ جس کے ذریعہ سے حق و باطل کا فرق نمایاں ہو اور اردو میں اس مفہوم کے قریب تر لفظ "کسوٹی" ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ فرقان کتاب توریت کی صفت ہے' یعنی وہ کتاب جو حق و باطل میں فیصلہ کرتی ہے۔ بعض نے کہا کہ حضرت موسیٰؑ کے معجزات مراد ہیں مثلاً ید بیضا وغیرہ۔ فرقان کو غلبہ

اور فتح کے معنی میں بھی لیا جا سکتا ہے۔ فرقان سے مراد دین کا علم اور فہم بھی ہے' جس سے آدمی حق اور باطل میں تمیز کرتا ہے۔ یہودی اس سے وہ تعلیم مراد لیتے ہیں جو ان کے خیال کے مطابق توریت کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہوئی تھی۔

# گئوسالہ پرستی کی سزا

## تشریح و تفسیر آیت 54

اس آیت میں بنی اسرائیل کو جو معافی عطا ہوئی' اس کا بیان ہے کہ جس رات موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے واپس آئے' تو اپنی قوم سے کہا کہ تم نے گئوسالہ کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور توحید جیسی دولت بے بہا پا کر بھی شرک اور مخلوق پرستی کو اختیار کر لیا ہے' لہٰذا اپنے خالق و مالک کی طرف رجوع کرو اور اپنے گناہوں کے لیے معافی طلب کرو۔ وہ یقیناً تمہاری توبہ قبول کرے گا۔ بنی اسرائیل کو اپنی حماقت اور غلطی کا احساس ہوا تو لگے توبہ کرنے۔ اللہ تعالیٰ نے توبہ کی یہ شرط فرمائی کہ جنہوں نے شرک نہیں کیا' وہ بچھڑے کے پجاریوں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کریں اور ہر شخص اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو تہ تیغ کرے۔ صرف اسی طرح تمہارا گناہ معاف ہو سکتا ہے اور تمہارے خالق کے نزدیک اسی عمل میں تمہاری بہتری' نجات اور مغفرت ہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ مجرموں کی ایک کثیر تعداد قتل ہوئی' تو اللہ تعالیٰ نے من حیث الجماعت ان کی توبہ قبول کر لی اور رحمت الٰہی کی وسعت پر بار بار زور دے کر ساری گمراہیوں کی تردید بھی کر دی گئی۔

یہ امر ذہن نشین رہے' سزا صرف ان ہی افراد کو ملی جو شرک کے مجرم واقعتاً" اور عملاً تھے۔ آبادی کا بڑا حصہ جو صرف اپنی خاموشی سے شریک جرم رہا' اس کی خطا معاف ہو گئی۔ جس طرح آج کوئی حکومت' خواہ وہ اپنے نظریات اور طریقہ کار میں بڑی آزاد منش ہو' یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کی رعایا کا کوئی فرد اس کی بنیاد کو اکھاڑ پھینکے' اسی طرح بنی اسرائیل کے جرم کی نوعیت تھی اور وہ مجرم اسی سزا کے مستحق تھے' جو انہیں دی گئی۔

# اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ

## تشریح و تفسیر آیات 55-56

تاریخ اسرائیل کے اہم ترین واقعات دہرائے جا رہے ہیں اور اسرائیلیوں پر ان کی قومی تاریخ سے حجت قائم کی جا رہی ہے' چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: "پھر یاد کرو کہ تم نے اس سرکشی پر اکتفا



نہ کر کے' حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ہمارے منتخب لوگوں کو براہ راست اللہ تعالیٰ کی زیارت کراؤ' ورنہ ہم اس کتاب (توریت) پر ایمان نہیں لائیں گے"۔ چنانچہ حضرت موسیٰ ستر بزرگان قوم کو کوہ طور پر لے گئے اور مکالمہ و مخاطبہ الٰہی سے مشرف ہونے کے بعد اس کی اطلاع اور خوشخبری ان بزرگان قوم کو پہنچائی' لیکن انہوں نے اپنی مادی اور ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کا مطالبہ کیا۔ وہ پیغمبر کی بات کو جھٹلا رہے تھے' حالانکہ ظہور معجزات و دلائل کے بعد پیغمبر پر ایمان لانا فرض ہو جاتا ہے۔ اس گستاخانہ مطالبہ کی پاداش میں ستر بزرگان قوم کو اچانک کڑاکے نے آلیا' جو ان کی ہلاکت کا سبب بنا۔ توریت میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح ہے:

> "تیسرے دن صبح کو بادل گرجا اور بجلیاں چمکیں اور پہاڑ پر کالی گھٹا امڈی۔ قرنائی کی آواز بہت بلند ہوئی' چنانچہ سب لوگ ڈیروں میں کانپ کانپ گئے"۔ (خروج:99-101)

حضرت موسیٰ سخت پریشان ہوئے۔ انہیں یہ خطرہ لاحق تھا کہ ان لوگوں کی موت کے بعد قوم بغیر کسی نگران اور محافظ کے رہ جائے گی' لہٰذا حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ سورۃ اعراف میں یہ الفاظ آتے ہیں:

> "اے میرے رب! اگر آپ کو منظور ہوتا تو مجھ سمیت ان لوگوں کو پہلے سے ہی ہلاک کر ڈالتے۔ کیا آپ ہم میں سے چند احمقوں کی حرکت پر سب کو ہلاک کر دیں گے؟ یہ واقعہ تو آپ کی طرف سے امتحاناً" ہے اور اس سے آپ جسے چاہیں گمراہ کر دیں اور جسے چاہیں ہدایت بخش دیں۔ اے میرے پروردگار! آپ ہمارے سرپرست ہیں' پھر ہمیں معاف کر دیجئے اور ہم پر رحم فرمایئے۔ آپ تو بہت ہی معاف کرنے والے ہیں"۔

حضرت موسیٰؑ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے انہیں موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشی تاکہ وہ احسان مانیں اور شکرگزار ہو جائیں' لیکن افسوس انہوں نے کبھی احسان مندی اور شکرگزاری کا ثبوت نہ دیا۔

# بادل کا سایہ اور من و سلویٰ کا نزول

## تشریح و تفسیر آیت 57

فرعون کی ہلاکت' گئوسالہ پرستی اور نزول توریت کے واقعات اور ان کے اثرات کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اب اس آیت میں ان انعامات کا بیان ہے جو بنی اسرائیل پر صحرائے سینا میں اللہ تعالیٰ

Scanned with CamScanner

نے انہیں دھوپ اور فاقے سے بچانے کے لیے کیے۔ بنی اسرائیل کا اصلی وطن شام تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں یہ مصر میں آکر آباد ہوگئے تھے۔ جب فرعون غرق ہوگیا اور اسرائیلی بالکل مطمئن ہوگئے تو انہیں قوم عمالقہ سے' جو اس وقت ملک شام پر قابض تھے' جہاد کرکے اپنا وطن آزاد کرانے کا حکم ملا' جو اس وقت ملک شام پر قابض تھے۔ یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں عمالقہ کی قوت و اقتدار کو دور ہی سے دیکھ کر ہراساں ہوگئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بار بار ابھارنے اور صریح دعویٰ الٰہی کے باوجود کسی طرح جہاد کے لیے آمادہ نہ ہوئے' بلکہ صاف انکار کردیا اور کہا کہ اے موسیٰ! اس میں بڑی زبردست قوم ہے' جب تک وہ لوگ موجود ہیں' ہم وہاں ہرگز نہ داخل ہوں گے' البتہ جب وہ نکل آئیں گے تو ہم چلے جائیں گے۔ سردست آپ اور آپ کا خدا دونوں جائیں اور جنگ کریں' ہم تو اسی جگہ بیٹھے ہیں۔

اس بزدلانہ حالت کے بعد ظاہر ہے کہ غلبہ کا کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے چالیس برس تک بنی اسرائیل کے لیے بیت المقدس میں داخلہ اور فلسطین پر قبضہ موخر قرار دیا۔ اس طویل مدت میں وہ ایک مخصوص خطے (میدان تیہ) میں حیران و سرگرداں پھرتے رہے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون کا انتقال اسی وادی تیہ میں ہوا تھا۔ یہ جنگل بالکل چٹیل اور بے آب و گیاہ تھا۔ اس میں نہ سایہ کے لیے کوئی درخت تھا' نہ پینے کے لیے پانی اور نہ کھانے کے لیے کوئی چیز۔ سر چھپانے کے لیے خیمے تک نہ تھے۔ اگر خدا کی طرف سے ایک مدت تک آسمان کو ابر آلود نہ رکھا جاتا تو یہ قوم دھوپ سے ہلاک ہو جاتی۔ اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی نوازشات بنی اسرائیل پر سایہ فگن رہیں۔ اس آیت میں ان ہی انعامات کا ذکر ہے' جب انہوں نے دھوپ کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بادل پھیلا کر سایہ مہیا کردیا۔ جب بھوک کی شکایت کی تو من و سلویٰ خوراک کا انتظام کردیا' جو اس مہاجرت کے زمانے میں ان لوگوں کو چالیس برس تک مسلسل ملتی رہی اور انہیں کبھی فاقہ کشی کی مصیبت نہیں اٹھانی پڑی' حالانکہ آج کسی نہایت متمدن ملک میں بھی اگر چند لاکھ مہاجر یکایک آپڑیں تو ان کی خوراک کا انتظام کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی زیست اور راحت کے جملہ سامان اس چٹیل میدان اور بے آب و گیاہ ریگستان میں فراہم کردیے اور انہیں پھر موقع دیا کہ وہ پاکیزہ رزق کھائیں اور دل سے اللہ کے حضور میں جھک جائیں' لیکن اسرائیلیوں نے اللہ کے انعامات کی ناشکری کی۔ اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کچھ بگاڑا نہیں' بلکہ دنیا و آخرت میں اپنا ہی نقصان کیا کیونکہ ناشکری کا وبال خود انہیں پر پڑا۔ مفسرین نے یہ بھی لکھا کہ بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ وہ صرف اتنا ہی من و سلویٰ جمع کریں' جتنا کھا سکیں اور ذخیرہ اندوزی نہ کریں مگر وہ حرص و ہوا میں مبتلا توکل سے ناآشنا اور نافرمانی کے عادی اس معمولی حکم کی تعمیل بھی نہ کرسکے' لہٰذا خدا نے ان سے یہ نعمتیں سلب کرلیں۔



**من و سلویٰ:** علامہ کلبیؒ کہتے ہیں کہ اکثر مفسرین کے نزدیک من سے مراد ترنجبین ہے' جو گوند یا شہد کے مشابہ ایک میٹھی چیز تھی اور شبنم کی طرح صبح کے وقت پودوں پر گرتی تھی اور جم جاتی تھی۔ اسرائیل جب صبح کو اٹھتے تو پودوں پر انہیں ترنجبین کی بہت بڑی مقدار ملتی' جسے وہ مزے سے کھاتے۔ سلویٰ بٹیروں سے ملتے جلتے پرندہ کو کہتے ہیں' (روح المعانی) جو وادی سینا کا خاص پرندہ ہے اور بڑی کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جنوب کی طرف سے ہوا چلا دیتا' جس کے ساتھ بٹیریں اڑتے چلے آتے اور بنی اسرائیل انہیں پکڑ کر ذبح کرلیتے۔ یہ پرندہ بہت اونچا نہیں اڑتا' جلد تھک جاتا ہے اور بڑی آسانی سے شکار ہو جاتا ہے۔ یہ رزق لذیذ انہیں بلا مشقت و تعب میسر ہو جاتا تھا' اس لیے اسے من (احسان) فرمایا گیا اور بٹیر کے شکار میں ان کے مغموم اور افسردہ دلوں کی شگفتگی اور تازگی کا سامان تھا' اس لیے اسے سلویٰ کے نام سے تعبیر کیا گیا۔

# کفران نعمت اور اس کی سزا

## تشریح و تفسیر آیات 58-59

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی وفات میدان تیہ میں ہو چکی تھی۔ ان کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام ان کے جانشین ہوئے۔ ادھر بنی اسرائیل کے وہ بڑے بوڑھے سرکش بھی ختم ہوگئے تھے' جنہوں نے جہاد سے انکار کیا تھا۔ اب حضرت یوشعؑ نے نوجوانوں کی نئی پود کو جہاد عمالقہ پر آمادہ کیا اور ملک شام کو فتح کرلیا۔ اس کے بعد انہیں بیت المقدس کے شہر میں داخل ہونے کا حکم ہوا اور ساتھ ہی کہا گیا کہ اس شہر میں کھانے پینے کی چیزیں کثرت اور فراوانی سے موجود ہیں' خوب فراخی سے کھانا پینا اور شہر میں متکبرانہ اور فاتحانہ انداز میں ہرگز داخل نہ ہونا' بلکہ متواضعانہ اور منکسرانہ اور زبان سے عاجزی و نیازمندی کے الفاظ ادا کرتے ہوئے داخل ہونا اور اپنی خطاؤں کی معافی مانگتے ہوئے جانا۔ حِطَّةٌ کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ لوٹ مار اور قتل عام کی بجائے بستی کے باشندوں میں عفو و درگزر کرنا اور عام معافی کا اعلان کرتے جانا' اس طرح جب مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو گے تو میں تمہارے گناہ معاف کردوں گا اور آئندہ اخلاص کے ساتھ اعمال صالحہ کرنے والوں کو مزید انعام دوں گا۔

جب بنی اسرائیل نے مذکورہ بالا احسان کی ناشکری کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے تلقین کردہ الفاظ کو چھوڑ کر تمسخر و استہزاء کے طور پر کچھ اور ہی الفاظ الاپنے شروع کیے' روایتوں میں آتا ہے کہ انہوں نے حِطَّةٌ کے لفظ کو بدل کر ازراہ تمسخر حِنْطَةٌ کہنا شروع کردیا' (قرطبی' روح المعانی وغیرہ) تو ان پر آسمانی عذاب طاعون کی بیماری کی شکل میں مسلط کردیا گیا۔ (بیضاوی وغیرہ) دوپہر سے

Scanned with CamScanner

پہلے پہلے ستر ہزار کے قریب یہودی موت کا شکار ہو گئے۔ یہ عذاب ان کی مسلسل نافرمانی کی وجہ سے نازل کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ عذاب الٰہی کسی قوم پر بلاوجہ نہیں اترتا' بلکہ اس کی اپنی بداعمالیوں کا طبعی نتیجہ ہوتا ہے۔

یہاں **اَلْقَرْيَة** سے مراد بیت المقدس کا شہر ہے (روح المعانی و تفسیر کبیر) اور **البَاب** سے مراد بیت المقدس کا دروازہ (روح المعانی و تفسیر کبیر) ہے اور **سجود** سے مراد اصطلاحی سجدہ نہیں' بلکہ محض جھکنا مراد ہے اور بعض نے اسے تواضع اور خضوع پر محمول کیا ہے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ

اور جب پانی مانگا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی پس ہم نے کہا مار ساتھ عصا اپنے پتھر کو

اور وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعا مانگی سو ہم نے کہا (اے موسیٰ) اپنا عصا (فلاں) پتھر پر

فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ

پس بہہ نکلے سے اس بارہ چشمے جان لیا ہر لوگوں نے

مارو۔ تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا۔ کھاؤ اور پیو اللہ

مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ

پانی پینے کی جگہ اپنی کھاؤ اور پیو سے رزق اللہ کے اور نہ پھرو میں زمین

کے دیئے ہوئے رزق سے اور زمین پر فساد بن مت

مُفْسِدِيْنَ ۝ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ

فساد پیدا کرتے اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہرگز نہیں ہم صبر کریں گے اوپر کھانے ایک

پھرو۔ اور وہ وقت یاد کرو جب تم نے کہا ہم ہرگز ایک کھانے پر بس نہیں کر سکتے

فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا

پس پکار واسطے ہمارے رب اپنا نکالے واسطے ہمارے اس چیز سے جو اگاتی ہے زمین سے ترکاری اپنی

سو اپنے پروردگار سے ہمارے لئے دعا کر دیجئے۔ ان چیزوں کی جو کہیں زمین اگاتی ہے ساگ ہوا

وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ

اور ککڑی اپنی اور لہسن اپنا اور دالیں اپنی اور پیاز اپنا کہا کیا تم بدلے میں لیتے ہو اس کے جو

ککڑی ہوئی، گیہوں ہوا۔ مسور ہوئی اور پیاز ہوا (موسیٰ نے کہا تو کیا جو چیز ادنیٰ ہے تم اسے لینا

هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ

وہ کم تر ہے ساتھ اس کے جو بہتر اترو شہر پس بے شک واسطے تمہارے جو مانگا تم نے اسے

چاہتے ہو۔ اس چیز کے مقابلہ میں جو بہتر ہے (تو خیر) کسی شہر میں اتر پڑو وہیں مل جائیگا جو کچھ تم مانگتے ہو



وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ

اور طاری کر دی گئی ہے اوپر ان کے ذلت اور بیچارگی اور وہ پھرے ساتھ غضب کے سے اللہ

اور ان پر جما دی گئی۔ ذلت اور محتاجی اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے یہ (سب) کچھ اس لئے

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ

یہ بوجہ اس کے کہ وہ تھے چھپاتے ساتھ آیتیں اللہ کی اور قتل کرتے نبیوں کو بغیر

ہوا کہ وہ اللہ کی نشانیوں سے انکار کرتے رہے تھے۔ اور انبیاء کو ناحق قتل کر ڈالتے

الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝

حق یہ بوجہ اس کے جو وہ نافرمانی کرتے تھے اور تھے حد سے بڑھنے والے

تھے (یہ سب) کچھ اس لئے ہوا کہ وہ نافرمانی کرتے رہتے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔

# الفاظ کے معانی و ضروری تشریحات

**اِسْتَسْقٰى** اُس نے پانی مانگا، پانی کے لیے درخواست کی۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب۔

| نہی | امر | مضارع | ماضی | مادہ | مصدر |
|---|---|---|---|---|---|
| لَا تَسْتَسْقِ | اِسْتَسْقِ | يَسْتَسْقِىْ | اِسْتَسْقٰى | (س ق ی) | اِسْتِسْقَاءٌ |

**اَلْحَجَرُ** پتھر، چٹان ؛

**اِنْفَجَرَتْ** بہہ نکلے، جاری ہو گئے، پھوٹ نکلے ؛

| نہی | امر | مضارع | ماضی | مادہ | مصدر |
|---|---|---|---|---|---|
| لَا تَنْفَجِرْ | اِنْفَجِرْ | يَنْفَجِرُ | اِنْفَجَرَ | (ف ج ر) | اِنْفِجَارٌ |

**اِثْنَتَا عَشْرَةَ** مؤنث کے لیے آتا ہے۔ مذکر کے لیے اِثْنَا عَشَرَ استعمال ہوتا ہے ؛

**عَيْنًا** چشمہ۔ اس کی جمع اَعْيُنٌ اور اگر آنکھ کے معنوں میں ہو تو جمع عُيُوْن ہے ؛

**عَلِمَ** اس نے جان لیا، اس نے معلوم کر لیا ؛

**اُنَاسٍ** لوگ، گروہ، قبیلہ۔ اِنْسٌ کی جمع ہے ؛

**مَشْرَبٌ** پانی پینے کی جگہ، چشمہ، گھاٹ۔ اس کی جمع مَشَارِب ہے ؛

**اِشْرَبُوْا** پیو ؛

Scanned with CamScanner

| | |
|---|---|
| لَا تَعْثَوْا | تم مت پھرو۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اس کا مصدر عَثْوٌ اور مادہ (ع ث و) ہے ؛ |
| نَصْبِرَ | ہم صبر کریں گے ؛ |
| لَنْ نَصْبِرَ | ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے، ہم ہرگز قناعت نہ کریں گے ؛ |
| طَعَامٍ | کھانا، خوراک ؛ |
| اُدْعُ | تو دُعا کر، تم مانگو تو بھلا۔ فعل امر صیغہ واحد مذکر حاضر ؛ |
| يُخْرِجْ | وہ پیدا کرے، وہ نکال دے ؛ |
| تُنْبِتُ | وہ اُگاتی ہے۔ فعل مضارع صیغہ واحد مؤنث غائب اور اس کا مصدر اِنْبَاتٌ اور مادہ (ن ب ت) ہے ؛ |
| بَقْلِهَا | اس کا ساگ، اس کی ترکاری۔ بقل کے معنی ہر قسم کی ترکاری ہے اس کی جمع بُقُول ہے ؛ |
| قِثَّائِهَا | اس کی ککڑی۔ قِثَّاءٌ ہم جنس ہے۔ اس کی جمع نہیں۔ واحد اور جمع دونوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے ؛ |
| فُوْمِهَا | اس کا لہسن، اس کا گیہوں ؛ |
| عَدَسِهَا | اس کے مسور ؛ |
| بَصَلِهَا | اس کا پیاز ؛ |
| اَتَسْتَبْدِلُوْنَ | کیا تم بدل دیتے ہو۔ کیا تم بدل دو گے ؛ |
| اِسْتِبْدَالٌ | مصدر سے ہے۔ اس کا مادہ (ب۔د۔ل) ہے ؛ |
| اِهْبِطُوْا | اُتر جاؤ، چلے جاؤ ؛ |
| اَدْنٰى | بہت معمولی، بہت کم، کمتر ؛ |
| مِصْرًا | کوئی شہر ؛ |
| خَيْرًا | بہتر ؛ |
| سَاَلْتُمْ | تم نے مانگا، تم نے سوال کیا، تم نے طلب کیا ؛ |

| مصدر | مادہ | ماضی | مضارع | امر | نہی |
|---|---|---|---|---|---|
| سُؤَالٌ | (س ا ل) | سَاَلَ | يَسْاَلُ | سَلْ | لَا تَسْئَلْ |



| | |
|---|---|
| ضُرِبَتْ | ماردی گئی، ڈال دی گئی، مسلط کر دی گئی، چپکا دی گئی۔ فعل ماضی مجہول صیغہ واحد مؤنث غائب ؛ |
| ذِلَّةٌ | ذلت، خواری، رسوائی ؛ |
| مَسْكَنَةُ | محتاجی، پستی و بدحالی، بے چارگی ؛ |
| بَاءُوْا | انہوں نے کمایا، وہ گھر گئے، وہ پھر آئے، وہ مستحق ہو گئے، وہ لوٹے۔ بَوْءٌ مصدر سے ہے۔ فعل ماضی صیغہ جمع مذکر غائب۔ اس لفظ کے اصل معنی ہیں رجوع ہونا مگر محاورہ میں حاول کرنا ترجمہ ہوگا ؛ |
| يَقْتُلُوْنَ | وہ قتل کرتے تھے ؛ |
| النَّبِيّٖنَ | نبی، اللہ کے نبی، اس کا واحد نَبِيٌّ ہے ؛ |
| بِغَيْرِ الْحَقِّ | بغیر حق کے، ناحق ؛ |
| عَصَوْا | انہوں نے نافرمانی کی۔ اس کا مصدر مَعْصِيَةٌ اور مادہ (ع ص ی) ہے ؛ |
| يَعْتَدُوْنَ | وہ حد سے بڑھ جاتے تھے، وہ زیادتی کرتے تھے۔ اس کا مصدر اِعْتِدَاءٌ اور مادہ (ع د د) ہے ؛ |

## بارہ چشموں کا پھوٹ نکلنا

### تشریح و تفسیر آیت 60

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر ایک اور انعام یاد دلایا ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ واقعہ بھی میدان تیہ میں پیش آیا۔ وہاں جب صحرانوردی کے دوران اسرائیلیوں کو پیاس لگی تو انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے پانی کا مطالبہ کیا۔ (تفسیر کبیر' ج 1' ص 540) توریت کا بیان ہے' وہاں لوگوں کے پینے کو پانی نہ تھا۔ سو لوگ حضرت موسیٰؑ سے جھگڑنے لگے اور کہا کہ ہم کو پانی دے کہ پیویں۔ موسیٰؑ نے خدا سے فریاد کر کے کہا کہ میں ان لوگوں سے کیا کروں' وہ سب تو مجھے سنگسار کرنے کو تیار ہیں۔ (خروج۔17 تا 47)

حضرت موسیٰؑ نے خدا کے حکم سے ایک مخصوص اور معین چٹان پر عصا مارا جس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور پانی کی قلت دور ہوگئی۔ چونکہ اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے' جو حضرت یعقوب

Scanned with CamScanner

علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی طرف منسوب تھے اور ان میں باہم منافرت اور نااتفاقی تھی' اس لیے ہر قبیلے کے لیے علیحدہ علیحدہ چشمہ جاری کر دیا' تاکہ کہیں پانی پیتے پیتے آپس میں برسرپیکار نہ ہو جائیں۔ (روح المعانی' ج ا' ص 55) اب یہ چشمے سوکھ چکے ہیں' البتہ کچھ آثار باقی ہیں۔ چٹان جزیرہ نمائے سینا میں موجود ہے۔ سیاح اسے جا کر دیکھتے ہیں اور چشموں میں شگاف آج تک بھی پائے جاتے ہیں۔

نیز فرمایا کہ ہر قبیلہ کو اپنا گھاٹ معلوم ہو گیا اور اسے بتا دیا گیا کہ وہ صرف اپنے ہی گھاٹ سے پانی پی سکتے ہیں' اگر اس بہتات و فراوانی کے ساتھ پانی کا انتظام نہ ہوتا تو اس صحرا میں ان لوگوں میں روز پانی پینے پلانے ہی پر تلواریں کھنچی رہتیں۔ اس لحاظ سے یہ واقعہ صرف عظیم معجزہ ہی نہیں تھا' بلکہ بنی اسرائیل پر ایک عظیم احسان بھی تھا۔ انہیں یہ بھی ہدایت کی گئی کہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق کھاؤ پیو اور اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو اور اس کا دیا ہوا کھا پی کر اس کی زمین پر اس کی نافرمانی کر کے شر و فساد برپا نہ کرو۔

## بنی اسرائیل پر اللہ کا غضب

### تشریح و تفسیر آیت 61

یہ واقعہ بھی میدان تیہ کا ہے۔ جب بنی اسرائیل ایک ہی طرز کا کھانا یعنی من و سلویٰ کھا کھا کر اکتا گئے' تو انہوں نے حضرت موسیٰ سے اس کی شکایت کی اور کہا کہ چونکہ ہم مصر جیسے زرعی ملک میں رہ چکے ہیں' اس لیے زمین کی پیدا کردہ اشیاء ہماری خوراک ہیں۔ یہ ہمارے لیے سخت مشکل ہے کہ ہم زمینی اشیاء کو چھوڑ کر ترنجبین (من) اور بٹیروں (سلویٰ) پر اکتفا کریں۔ لہٰذا اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے مختلف قسم کی ترکاریاں' دالیں' پیاز' ککڑیاں اور گیہوں جیسی چیزیں عطا کرے' جو زمین سے اگتی ہیں اور ہماری طبیعت کے موافق ہیں۔

حضرت موسیٰ نے کہا تعجب ہے ایک اعلیٰ اور عمدہ غذا کے عوض ایک ادنیٰ اور گھٹیا چیز کا مطالبہ کر رہے ہو۔ من و سلویٰ غذا کو بنی اسرائیل کی طلب کردہ اشیاء پر ترجیح اور فضیلت کی وجہ یہ تھی کہ من و سلویٰ ایک نہایت قیمتی اور انتہائی لذیذ غذا تھی اور ترکاریوں کی نسبت زیادہ مفید تھی۔ نیز اس کے حاصل کرنے میں کوئی دقت اور تکلیف پیش نہیں آتی تھی۔ (روح المعانی' ج ا' ص 275) اور صحرا میں اس حالت میں مل رہی تھی جبکہ بنی اسرائیل فرعونیوں کی غلامی اور شرک و کفر کی اطاعت کی ذلت سے بالکل آزاد ہو چکے تھے۔ نیز ایک ہی قسم کی غذا ان کی سیاسیانہ تربیت کے لیے ضروری تھی تاکہ وہ مشکلات و مصائب کے لیے تیار ہو سکیں اور اگر ایک ہی غذا پر گزارہ کرنا پڑے' تو وہ اس کے لیے عادی ہوں۔



بنی اسرائیل کا یہ مطالبہ بھی منظور ہوا اور انہیں اجازت مل گئی کہ وہ قرب و جوار کے کسی شہر میں چلے جائیں۔ انہیں منہ مانگی چیزیں میسر آ جائیں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ جو قوم کسی نصب العین کے لیے اپنے اندر صبر و استقامت پیدا نہیں کر سکتی' وہ اپنے آپ کو ذلت سے نہیں بچا سکتی۔

اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی' بار بار کی سرکشی' احسان فراموشی' حکم عدولی اور ضد و عناد کی وجہ سے بنی اسرائیل پر ذلت و رسوائی اور تنگ دستی و محتاجی ہمیشہ کے لیے مسلط کر دی گئی۔ یہ قوم کفر و عصیان اور قتل انبیاء علیہم السلام کی وجہ سے عذاب الٰہی کی مستحق ٹھہری۔ خدا کی مسلسل نافرمانی اور حدود شکنی نے انہیں اس حد تک پہنچا دیا کہ وہ آیات الٰہی کی تکذیب اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے لگے۔ جس طرح چھوٹی چھوٹی نیکیاں بڑی نیکیوں کی طرف لے جاتی ہیں' اسی طرح بعض اوقات چھوٹے چھوٹے گناہ بڑے گناہوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں۔ (تفسیر کبیر' ابن کثیر' روح المعانی' تفسیر بیضاوی) نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل اپنے دشمنوں کے لیے نہایت ہی نرم چارہ بن کر رہ گئے۔ حالات و خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے ان کے اندر کوئی عزم و حوصلہ باقی نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو مواقع اس لیے فراہم کیے کہ وہ ان سے سرخروئی اور فائز المرامی حاصل کریں' اپنی پست ہمتی اور نالائقی کے سبب سے وہ وہاں سے خدا کی لعنت اور پھٹکار لے کر لوٹے۔ آیت میں انبیاء علیہم السلام کے قتل کے ذکر کے ساتھ بغیر الحق (ناحق) کی قید بھی لگی ہوئی ہے۔

اس سے مقصود بنی اسرائیل کے اس جرم کی سنگینی کو واضح کرنا ہے۔ اس لیے کہ قتل نفس بجائے خود انسانی معاشرہ کا سب سے بڑا جرم ہے۔ یہ جرم مزید سنگین ہو جاتا ہے اگر اس کا ارتکاب انبیاء و مصلحین کے خلاف کیا جائے۔ پھر اس کی سنگینی میں مزید اضافہ اس بات سے ہو جاتا ہے کہ اس جرم کا ارتکاب بغیر کسی جواز کے کیا جائے۔ یہاں فرقان حکیم نے یہود کے اس جرم میں تمام سنگینیاں جمع کر دی ہیں۔ مسند امام احمدؒ میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے' جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' قیامت کے دن سب سے بڑھ کر عذاب اس شخص پر ہوگا' جو اللہ تعالیٰ کے کسی نبی کو قتل کرے یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نبی اس کو قتل کرے۔ (تفسیر ابن کثیر) اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں مواخذہ کے علاوہ قیامت کے دن حضرت زکریا و حضرت یحییٰ علیہ السلام وغیرہ انبیاء کے قتل کے مواخذہ میں یہود پر بڑا عذاب ہوگا۔

دنیا میں یہود جہاں بھی ہیں ذلیل و خوار اور فقیر و محتاج ہیں۔ اگر ان میں دولت مند لوگ ہیں تو گنتی کے چند آدمی--- باقی رہے عوام تو ان کا شمار دنیا کی مفلس ترین اقوام میں ہے۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے۔ "گو یہود کا تمول ضرب المثل کی حد تک شہرت پا چکا ہے' لیکن اہل تحقیق کا اتفاق ہے کہ یہود یورپ کے جس جس ملک میں آباد ہیں' وہاں کی آبادی میں ان ہی کے مفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے۔ (جیوش انسائیکلوپیڈیا) عوام یہود دوسری قوموں سے کہیں زیادہ غریب ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان کے چند افراد بہت زیادہ دولت مند ہیں۔ (تفسیر ماجدی' ج ا' ص 61)

Scanned with CamScanner

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ

بیشک وہ جو ایمان لائے اور وہ جو یہودی ہوئے اور عیسائی اور صابی

بیشک جو لوگ ایمان لا چکے ہیں۔ اور جو لوگ یہودی ہوئے اور انصاری و صابی

مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ

جو ایمان لایا ساتھ اللہ اور دن آخرت اور کام کئے نیک پس واسطے ان اجر ان کا

(غرض) جو کوئی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ سو ان (سب) کے لئے

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝٦٢ وَإِذْ

پاس پروردگار ان کے اور نہ خوف اوپر ان کے اور نہ وہ غمگین ہوں اور جب

ان کے پروردگار کے پاس ان کا اجر ہے اور نہ کوئی اندیشہ ان کے لئے ہے۔ اور نہ وہ کوئی غم کریں گے۔ اور (وہ وقت)

أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ

ہم نے لیا وعدہ تمہارا اور بلند کیا اوپر تمہارے کوہ طور پکڑو جو ہم نے دیا تمہیں ساتھ طاقت

یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا اور ہم نے تم پر کوہ طور کو بلند کیا مضبوطی کیساتھ اس (کتاب) کو

وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝٦٣ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ

اور یاد کرو جو بیچ اس تاکہ تم بچ جاؤ پھر تم نے منہ موڑا سے بعد اس

پکڑ رکھو جو ہم نے تم کو دی ہے اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو تاکہ تم متقی بن جاؤ پھر تم اس (عہد) سے اس کے بعد بھی پھر گئے سو اگر تم پر اللہ کا فضل

فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝٦٤

پس اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا اوپر تمہارے اور رحمت اس کی البتہ تم ہوتے سے خسارہ کھانے والوں

اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور تباہ ہونے والوں میں ہوتے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ

اور بیشک تم نے جان لیا ان کو جو حد سے بڑھے سے تم بارے میں ہفتہ کے دن پس ہم نے کہا واسطے ان کے

اور تم خوب جان چکے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے سبت کے بارہ میں تجاوز کیا تو ہم نے ان سے کہا

كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۝٦٥ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا

ہو جاؤ بندر ذلیل پس ہم نے کیا اسے عبرت واسطے جو درمیان ہاتھوں اس کے

ذلیل و خوار بندر بن جاؤ پھر ہم نے اسے (موجب) عبرت بنا دیا اس زمانہ کے اور اس کے

وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ ۝٦٦ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ

اور جو پیچھے اس کے اور نصیحت واسطے تقویٰ والوں کے اور جب کہا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی

بعد کے لوگوں کے لئے اور ایک نصیحت بنا دیا خوف خدا رکھنے والوں کے لئے۔ اور وہ وقت یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم کو کہا کہ تمہیں



إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ

بیشک اللہ حکم دیتا ہے تمہیں کہ ذبح کرو ایک گائے انہوں نے کہا کیا تم بناتے ہو ہمارا مذاق کہا

اللہ حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو وہ بولے آپ ہم سے ہنسی کر رہے ہیں۔ موسیٰ نے کہا خدا مجھے اس سے پناہ میں رکھے کہ میں جاہلوں

أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝٦٧ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

میں پناہ مانگتا ہوں ساتھ اللہ کے میں ہو جاؤں سے جاہلوں انہوں نے کہا پکار واسطے ہمارے رب اپنا

میں ہو جاؤں وہ بولے ہماری طرف سے اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ

يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ

کھول کر بتائے واسطے ہمارے کیا وہ کہا بیشک وہ کہتا ہے بیشک وہ گائے نہ بوڑھی

ہمیں بتائے کہ وہ کیسی ہے کہا وہ فرماتا ہے وہ گائے نہ بوڑھی ہو نہ جوان بلکہ دونوں عمروں کے درمیان ہو

وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ۝٦٨ قَالُوا ادْعُ

نہ بن بیاہی ادھیڑ درمیان اس پس تم کرو جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے انہوں نے پکار

سو اب کر ڈالو جو کچھ تمہیں حکم ملا وہ بولے ہماری طرف سے اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے

لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ

واسطے رب اپنا کھول کر بتائے واسطے ہمارے کیا رنگ ہے اسکا کہا بیشک وہ کہتا ہے بیشک وہ گائے

کہ وہ ہمیں بتائے اس کا رنگ کیا ہے۔ کہا وہ فرماتا ہے کہ گائے خوب گہرے زرد رنگ کی ہو

صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ۝٦٩ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

زرد گہرا رنگ اسکا خوش کرتی ہے دیکھنے والوں کو انہوں نے کہا پکار واسطے رب اپنا

دیکھنے والوں کو اچھی معلوم ہوتی ہو وہ بولے اپنے پروردگار سے ہماری طرف سے درخواست کیجئے

يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِنْ شَاءَ

ہمیں کھول کر بتلائے کیسی ہے وہ بیشک گائے متشابہ ہو گئی اوپر ہمارے اور بیشک ہم اگر چاہا

کہ ہمیں بتلائے کہ وہ اور کیسی ہو وہ اس لئے کہ گائے میں ہمیں اشتباہ پڑ گیا ہے اور اللہ نے چاہا تو ہم

اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ۝٧٠ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ

اللہ نے البتہ ہدایت پانے والے کہا بیشک وہ کہتا ہے بیشک وہ گائے نہیں گھٹیا

ضرور راہ پا جائیں گے۔ کہا کہ فرماتا ہے کہ وہ گائے محنت کرنے والی نہ ہو جو زمین کو جوتتی

تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا قَالُوا

جوتتی ہے زمین اور نہ پانی پلاتی ہے کھیتی کو صحیح سالم نہیں کوئی عیب میں اس انہوں نے کہا

ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو۔ اس میں کوئی داغ (دھبہ) نہ ہو وہ بولے

الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| اب | تو لایا | حق | پس انہوں نے ذبح کیا اسے اور نہیں | معلوم ہوتے تھے وہ کرنے والے |

اب آپ ٹھیک پتہ پر لائے پھر انہوں نے اسے ذبح کیا اور وہ ایسا کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے۔

# الفاظ کے معانی وضروری تشریحات

**اَخَذْنَا** ہم نے لیا ::

**مِیْثَاقَکُمْ** تمہارا عہد ::

**رَفَعْنَا** ہم نے بلند کیا، ہم نے اٹھایا۔ فعل ماضی ::

**فَوْقَکُمُ** تمہارے اوپر ::

**طُوْرَ** کوہِ طور، سر ابھرا پہاڑ، جزیرہ نمائے سینا میں ایک مخصوص پہاڑ کا نام ہے ::

**خُذُوْا** تم پکڑو، تم تھامے رکھو، لے لو ::

**بِقُوَّۃٍ** قوت کے ساتھ، مضبوطی کے ساتھ ::

**مَآ اٰتَیْنٰکُمْ** جو ہم نے تمہیں دیا ہے ::

**تَوَلَّیْتُمْ** تم پھر گئے، تم نے منہ موڑ لیا۔ فعل ماضی اس کا مصدر تَوَلّی اور مادہ (و ل ی) ہے ::

**لَوْ** اگر ::

**فَضْلُ اللّٰہِ** اللہ کی مہربانی، فضل کے معنی ہیں برتری، مال، قوت، مرتبہ، عزت وغیرہ میں زیادتی ::

**خٰسِرِیْنَ** نقصان اٹھانے والے، خسارہ اٹھانے والے، تباہ ہونے والے، خراب ہونے والے، خَاسِرٌ کی جمع ہے۔ اس کا مادہ (خ س ر) ہے ::

**لَقَدْ** (ل + قد) سے مرکب ہے۔ زور دینے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ماضی کو قریب بنانے کے لیے بھی قَدْ ماضی سے پہلے استعمال ہوتا ہے ::

**عَلِمْتُمُ** تم نے جانا، تم جان چکے ::



**اِعْتَدَوْا** انہوں نے زیادتی کی، وہ حد سے گزر گئے، وہ حد سے بڑھ گئے، انہوں نے قانون کو توڑا۔ فعل ماضی ::

**سَبْتِ** یوم شنبہ، ہفتے کا دن، سنیچر کا دن ::

**قِرَدَۃً** بندر، لنگور۔ اس کا واحد قِرْدٌ ہے ::

**خٰسِئِیْنَ** ذلیل وخوار، دھتکارے ہوئے، مردود کیے ہوئے۔ خَاسِئٌ کی جمع ہے ::

**فَجَعَلْنٰھَا** پھر ہم نے اسے بنایا ::

**نَکَالًا** عبرت۔ سزا بھی ترجمہ کرتے ہیں۔ اس کا مادہ (ن ک ل) ہے ::

**بَیْنَ** درمیان ::

**یَدَیْھَا** اس کے سامنے، اس کے زمانے میں، موجودہ زمانہ ::

**خَلْفَھَا** اس کے پیچھے، بعد کی نسلیں، وہ لوگ جو اس زمانہ کے بعد ہوں گے ::

**مَوْعِظَۃً** نصیحت۔ مادہ (و ع ظ) ہے ::

**لِلْمُتَّقِیْنَ** پرہیزگاروں کے لیے، تقویٰ رکھنے والوں کے لیے ::

**یَاْمُرُکُمْ** وہ تمہیں حکم دیتا ہے ::

**تَذْبَحُوْا** تم ذبح کرو۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر ::

**بَقَرَۃً** گائے، بیل ::

**اَتَتَّخِذُنَا** کیا تو ہم کو بناتا ہے، کیا تو ہمیں پکڑتا ہے ::

**ھُزُوًا** مسخرا۔ وہ جس کا مذاق اڑایا جائے۔ مضحکہ۔ مذاق۔ تمسخر۔ استہزاء۔ ٹھٹھا۔ دل لگی ::

**اَعُوْذُ** میں پناہ مانگتا ہوں ::

**اَکُوْنَ** میں ہو جاؤں۔ میں بنوں۔ کَوْنٌ مصدر سے ہے۔ جس کے معنی ہونے کے ہیں۔ فعل مضارع صیغہ واحد متکلم ::

**جٰھِلِیْنَ** جاہل، نادان، بے عقل۔ جَاھِلٌ کی جمع ہے ::

Scanned with CamScanner

| | |
|---|---|
| اُدْعُ | تو بلا، تو درخواست کر، تو دُعا کر، تو التجا کر :: |
| یُبَیِّنْ | وہ تفصیل سے بیان کر دے، وہ کھول کر بیان کرے۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب :: |
| مَاھِیَ | وہ کیا ہے۔ وہ کیسی ہے۔ اس کی صفات کیا ہیں :: |
| فَارِضٌ | بوڑھی۔ فَارِضٌ وہ ہے جس کا بچہ جننے کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہو :: |
| بِکْرٌ | بچھیا۔ جس نے بچہ نہ دیا ہو۔ کنواری :: |
| عَوَانٌ | اوسط عمر۔ میانہ عمر کی۔ درمیانی۔ متوسط۔ اس کی جمع عُوْنٌ ہے :: |
| اِفْعَلُوْا | تم کرو۔ تم تعمیل کرو۔ |
| تُؤْمَرُوْنَ | تم کو حکم دیا جاتا ہے۔ اَمْرٌ سے فعل مضارع مجہول صیغہ جمع مذکر غائب :: |
| لَوْنُھَا | اس کا رنگ۔ اس کی جمع اَلْوَانٌ ہے :: |
| صَفْرَآءُ | زرد رنگ :: |
| فَاقِعٌ | گہرا زرد، شوخ زرد :: |
| تَسُرُّ | وہ بھاتی ہے۔ وہ جی خوش کرتی ہے۔ سُرُوْرٌ مصدر سے ہے۔ اس کا مادہ ( س ر ر ) ہے۔ فعل مضارع صیغہ واحد مؤنث غائب :: |
| اَلنّٰظِرِیْنَ | دیکھنے والے۔ اس کا واحد نَاظِرٌ ہے :: |
| تَشٰبَہَ | وہ مشتبہ ہوا۔ وہ مشابہ ہوا :: |
| اِنْ شَآءَ اللّٰہُ | اگر اللہ نے چاہا :: |
| مُھْتَدُوْنَ | ہدایت پانے والے۔ اسم فاعل جمع مذکر :: |
| ذَلُوْلٌ | سدھایا ہوا۔ مطیع۔ خدمت کرنے والی۔ مشقتی۔ محنتی۔ کام لگی :: |
| تُثِیْرُ | وہ جوتتی ہے۔ وہ ہل چلاتی ہے۔ وہ زمین پھاڑتی ہے۔ اس کا مصدر اِثَارَۃٌ ہے اور مادہ ( ث و ر ) ہے :: |
| تَسْقِیْ | وہ پلاتی ہے۔ وہ سیراب کرتی ہے۔ وہ سینچتی ہے۔ مصدر سَقْیٌ اور مادہ ( س ق ی ) ہے۔ فعل مضارع ہے :: |
| حَرْثَ | کھیتی۔ زراعت۔ کھیت :: |



| | |
|---|---|
| مُسَلَّمَۃٌ | صحیح و سالم۔ بے داغ۔ آزاد۔ چھوڑی ہوئی :: |
| شِیَۃٌ | داغ، دھبہ وغیرہ۔ اس کی جمع شِیَاتٌ ہے :: |
| اَلْئٰنَ | اب۔ ظرفِ زمان ہے :: |
| جِئْتَ | تو لایا۔ تو آیا :: |
| ذَبَحُوْھَا | انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا :: |
| کَادُوْا | وہ قریب تھے۔ کَوْدٌ مصدر سے ہے :: |
| یَفْعَلُوْنَ | وہ کرتے تھے۔ وہ ایسا کرتے :: |

# نجات ایمان و عمل سے ہے

## تشریح و تفسیر آیت 62

ذکر بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانی اور پشت ہا پشت کی سرکشی کا چلا آ رہا تھا۔ مخاطبین پر یہ اثر پڑنا بالکل طبعی تھا کہ ایسے مجرموں کے لیے اب نجات کی کوئی گنجائش ہو ہی نہیں سکتی ہے۔ معاً درمیان میں یہ آیت لا کر اس مایوسی کو رفع کر دیا گیا کہ جو کوئی بھی اپنا عقیدہ اور عمل درست رکھے گا۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی یا نصرانی یا صابی غرض کوئی بھی ہو' رحمت و مغفرت کی راہیں سب کے لیے کھلی ہوئی ہیں۔ کام کی چیزیں صرف ایمان صحیح اور عمل صحیح ہے' حسب و نسب اور قومیت نہیں۔ یہود اس زعم باطل میں بھی مبتلا تھے کہ ان کے عقائد و اعمال خواہ کتنے ہی بگڑے ہوئے کیوں نہ ہوں' نجات اخروی ان کے لیے مختص ہے۔ اس کے علاوہ جتنی قومیں ہیں وہ کتنی پاکباز کیوں نہ ہوں' سب دوزخ کا ایندھن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال باطل کی نہایت صریح الفاظ میں تردید کی اور یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نام اور لقب کوئی چیز نہیں ہے اور نہ اس کے ہاں کسی مخصوص نسل یا قوم کی خاندانی غیرت اور امتیاز قابل اعتبار ہے۔ لوگ خواہ کسی نسل یا قوم سے تعلق رکھتے ہوں اور خواہ ان کا لقب کچھ بھی ہو' ان کی نجات دو باتوں کے بغیر ممکن نہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ اور آخرت کو دل سے مانیں اور دوسرے یہ کہ نیک کام کریں۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اس کی تمام صفات الٰہی میں وحدہ لا شریک' یکتا اور بے مثل مانا جائے اور اس کے تمام احکام کی تعمیل کی جائے۔ لہٰذا یہ جملہ ایمان بالرسل' ایمان بالکتب' ایمان بالملائکۃ وغیرہ سب کو شامل ہے۔ یوم آخرت اور اس دن جو کچھ ہونے والا ہے' اس پر ایمان لائے۔ نیز اللہ کے اوامر کی تعمیل اور اس کے نواہی سے اجتناب کرے۔ ایسے لوگوں کا اجر ضائع نہیں ہو گا بلکہ اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ رہے گا۔ قیامت کے دن انہیں نہ تو اپنے

Scanned with CamScanner

ماضی پر حسرت ہوگی اور نہ اپنے مستقبل کی طرف سے تشویش ہوگی۔

**نصاریٰ :** نصاریٰ جمع ہے نصرانی کی۔ ملک شام (حال فلسطین) میں ایک قصبہ ناصرہ (HAZARETH) ہے۔ علاقہ گلیلی میں بیت المقدس سے ستر میل شمال اور بحیرہ روم سے مشرق میں بیس میل کے فاصلے پر موجودہ آبادی آٹھ نو ہزار کے درمیاں ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا آبائی وطن یہی قصبہ ہے اور آپ یسوع ناصری اسی مناسبت سے کہلاتے ہیں۔ ناصرہ ہی کو عربی تلفظ میں نصران بھی کہتے ہیں۔ قرآن حکیم کا انتساب اسی قصبہ کی جانب ہے۔

قرآن مجید یہاں مسیحیوں کا ذکر نہیں بلکہ نصاریٰ کا کر رہا ہے۔ مسیحی وہ ہیں' جو چارا نجیلوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ مسیح کو خدا کا نبی نہیں خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ آخرت میں نجات دینے والا خدا کو نہیں' مسیح "ابن اللہ" کو یقین کرتے ہیں۔ نصرانی یا نصاریٰ حضرت مسیح کے سچے پیرو نبی کو نبی ماننے والے' یہ توحید کے قائل تھے اور بجائے چارا نجیلوں کے صرف انجیل متی کو مانتے تھے۔ آگے چل کر یہی لوگ (EBONITES) بھی کہلائے لیکن جب مشرکانہ عقائد کا زور بندھا اور اصل مسیحیت تثلیث ہی قرار پا گئی' تو نصرانیت کا ستارہ گردش میں آگیا۔ (تفسیر ماجدی)

**صائبین :** صابی کے لفظی معنی ہیں جو کوئی بھی اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں آ جائے یا اس کی طرف مائل ہو جائے۔ اسی لیے جب کوئی شخص اسلام لاتا تو کفار عرب کہتے تھے۔ **قد صباء** (وہ شخص دین سے پھر گیا) صابون (SABIAW) نام کا ایک مذہبی فرقہ تھا' جو عرب کے شمال و مشرق میں شام و عراق کی سرحد پر آباد تھا۔ یہ لوگ توحید اور عقیدۂ رسالت کے قائل تھے۔ اصلا "اہل کتاب تھے۔ اپنے کو "نصاریٰ یحیٰی" کہتے۔ گویا حضرت یحیٰیؑ کی امت تھے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ جیسے محقق صحابیوں نے بھی ان کا شمار اہل کتاب میں کیا ہے اور ان کا ذبیحہ حلال مانا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ جو خود بھی عراقی تھے اور صابیوں سے براہ راست واقفیت بھی رکھتے تھے ان کا فتویٰ ہے کہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ بھی حلال ہے اور ان کے ہاں کی عورتوں سے نکاح بھی جائز ہے۔ (تفسیر ماجدی)

مجاہد اور حسن کے نزدیک یہ لوگ کسی خاص دین کے پیرو نہ تھے جبکہ یہودیت اور مجوسیت کے بین بین تھے۔ ان لوگوں کے نزدیک ان کا ذبیحہ حرام ہے۔ ابن زید کا قول یہ ہے کہ یہ ایک مخصوص دین کے پیرو تھے اور جزیرہ موصل میں آباد تھے۔ ان کا عقیدہ توحید تھا لیکن نہ تو یہ کسی نبی اور کسی کتاب کے پیرو تھے اور نہ ان کے ہاں شرعی اعمال کا کوئی مخصوص نظام تھا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ ملائکہ کی پرستش کرتے قبلہ کی طرف نماز پڑھتے اور زبور کی تلاوت کرتے تھے۔ ابو العالیہ اور سفیان کے نزدیک یہ لوگ اہل کتاب میں سے ایک فرقہ تھے۔



مولانا فراہیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اقوال بظاہر متضاد نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں ان میں تضاد نہیں ہے۔ اس میں شبہ ہے کہ اول اول یہ لوگ دین حق پر تھے۔ لیکن بعد میں یہ لوگ دین حق سے منحرف ہو کر ملائکہ اور ستاروں کی پرستش میں مبتلا ہو گئے۔ یہ بالکل اسی طرح کا معاملہ ہے' جس طرح حضرت اسماعیلؑ کی اولاد پہلے حضرت ابراہیمؑ کی ملت پر تھی۔ لیکن بعد میں شرک و بت پرستی میں مبتلا ہو گئی۔ قرآن مجید کی زیر بحث آیت سے مولاناؒ کے اس خیال کی تائید بھی ہوتی ہے کیونکہ قرآن نے اس گروہ کا جس انداز سے ذکر فرمایا ہے اس سے یہ امر تو بالکل واضح ہے کہ یہ لوگ ابتدا دین حق پر تھے' بعد میں یہ بدعتوں اور گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے۔

چونکہ اس مذہب کے پیرووں کا وجود اب کہیں باقی نہیں رہا ہے اور نہ ان کی کوئی مستند تاریخ موجود ہے۔ اس وجہ سے ان کے متعلق اعتماد سے کوئی بات کہنا مشکل ہے۔ لیکن قرآن مجید کے زمانہ نزول میں معلوم ہوتا ہے کہ ایک فرقہ کی حیثیت سے ان لوگوں کا وجود بالکل معروف تھا۔

# واقعہ رفع طور

## تشریح و تفسیر آیات 63-64

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر چالیس شب و روز کی چلہ کشی کے بعد توریت لے کر آئے تو بنی اسرائیل سے کہا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے' اس پر عمل کرو۔ تو انہوں نے کہا کہ جب تک اللہ خود ہم سے ہم کلام نہ ہو اور اسے ہم اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں' اس کتاب پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے صاعقہ بھیج کر انہیں ہلاک کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر انہیں دوبارہ زندگی بخشی گئی' لیکن پھر بھی وہ توریت کو ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے طور پہاڑ کو ان کے سروں پر معلق کر دیا اور ان سے کہا کہ توریت کی صورت میں جو احکام ہم نے تمہیں دیے ہیں' ان کی سختی سے پابندی کرو' اس کتاب کی محافظت کرو' اس کے احکام پر قائم رہو' اس میں غور و فکر کرو اور اس کے امر و نہی پر عمل کرو۔ تاکہ تم دنیا کی تباہی اور آخرت کے عذاب سے بچ سکو۔ سورۂ اعراف میں یہ الفاظ آتے ہیں۔

> "اور جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر ان پر چھتری کی طرح تان دیا اور وہ سمجھ رہے تھے کہ وہ ان پر آن پڑے گا اور ہم نے کہا کہ جو کتاب ہم نے تمہیں دی ہے اسے مضبوطی سے تھام لو اور جو کچھ اس میں نصائح ہیں انہیں یاد رکھو"۔ (اعراف:171)

اس پختہ عہد و پیمان اور قول و اقرار کے بعد پھر تم نے حسب عادت قدیم اس کتاب ہدایت

Scanned with CamScanner

سے اعراض کیا اور اسے پس پشت ڈال دیا لیکن اس عہد شکنی کے باوجود ہم نے اپنی خاص مہربانی اور نوازش سے تمہیں موقع پر فی الفور ہلاک نہ کیا بلکہ تمہاری خطاؤں اور جرائم سے مزید چشم پوشی کی اور سنبھلنے کے لیے تمہیں مزید مہلت دی۔ اگر ہم ایسا نہ کرتے تو دنیا سے کب کا تمہارا نشان مٹ چکا ہوتا' جس طرح کہ قدیم متعدد قومیں صفحہ ہستی سے مٹ گئی ہیں۔

اس زمانے کے یہود' توریت کی آیتوں پر عمل کرنے میں طرح طرح کے حیلے اور فریب کر رہے تھے۔ انہیں اس قصہ کے انجام سے ڈرایا گیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے صحیح روایت ہے' جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! تم اس طرح کے حیلوں میں نہ پڑو جس طرح یہود نے بعض حیلوں سے حرام کو حلال کر دیا۔ نیز عہد و پیمان کی اس کیفیت سے یہود کو احساس دلایا گیا کہ یہ اقرار و عہد ایک ایسی ہستی سے ہو رہا ہے جو ہر شے پر حاوی و محیط ہے اور جس کے ساتھ اگر بد عہدی کی گئی تو اندازہ کر لو کہ اس کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔

یہاں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ دین میں تو جبر و اکراہ نہیں تو پھر اسرائیلیوں کے سروں پر پہاڑ لٹکا کر انہیں توریت پر عمل کرنے پر کیوں مجبور کیا گیا' تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابتدا قبول اسلام پر کسی کو مجبور کرنے کی اسلام میں قطعاً اجازت نہیں۔ البتہ قبول اسلام کے بعد اگر کوئی شخص اسلام کے دستور حیات سے بغاوت کرے گا' تو اسے ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا۔ چونکہ اسلام صرف چند مذہبی رسوم و احکام کا نام نہیں بلکہ وہ احکم الحاکمین کی حکومت و سلطنت کا کامل دستور اور مکمل آئین ہے' اس لیے اسے قبول کرنے کے بعد اس سے بغاوت کو بشرط ضرورت جبر و اکراہ اور قوت و طاقت کے ذریعے روکا جائے گا۔ بشرطیکہ حکومت اسلامی ہو' جیسا کہ دنیا کی تمام حکومتوں کا اصول ہے کہ وہ اپنے دستور و آئین سے بغاوت و سرکشی کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتیں۔ اسرائیلی چونکہ اسلام قبول کر چکے تھے اور اب اس کے دستور (یعنی توریت جو اس وقت اسلام کا دستور تھا) سے بغاوت کر رہے تھے۔ اس لیے اسے برداشت نہیں کیا گیا اور بجبر و اکراہ ان سے توریت پر عمل کرنے کا عہد لیا گیا۔

# واقعہ سبت

## تشریح و تفسیر آیات 65-66

ان دو آیات میں ایک ایسے واقعہ کی یاددہانی کرائی جا رہی ہے جو بنی اسرائیل کی تاریخ کا مشہور و معروف واقعہ تھا۔ اور حضرت داؤدؑ کے زمانے میں ایک ساحلی بستی عقبہ یا ایلہ میں پیش آیا' جو بحیرہ قلزم کی مشرقی خلیج پر ایک بندرگاہ ہے۔ سبت یعنی ہفتہ کا دن یہود میں متبرک اور مقدس



تھا اور صرف یاد خدا اور عبادت کے لیے مخصوص تھا' جیسا کہ مسلمانوں کے لیے جمعہ اور عیسائیوں کے لیے اتوار ہے۔ اس دن یاد الٰہی کے علاوہ ہر بات ممنوع تھی اور یہ حکم اتنا سخت تھا کہ اس کی نافرمانی کرنے والوں کے لیے قتل کی سزا مقرر تھی۔ توریت میں حکم تھا:

"سبت کو مانو اس لیے کہ تمہارے لیے مقدس ہے جو اس کو پاک نہ جانے وہ ضرور مار ڈالا جائے گا"۔ (خروج 14:31)

مگر بنی اسرائیل نے خدا کے اس حکم کی پرواہ نہ کی اور ہفتہ کے دن بھی شکار سے باز نہ آئے۔ کچھ عرصہ تو اس دن کا احترام کرتے رہے لیکن انجام کار علانیہ سبت کی بے حرمتی شروع کر دی۔ مچھلی کا شکار خاص چالاکی اور اسے ظاہری صورت دے کر سبت کے دن کیا کرتے۔ بعض لوگ جمعہ کی شام کو جال ڈال دیتے لیکن مچھلی باہر نہ نکالتے اور دوسرے دن وہ مچھلیاں باہر نکال لیتے۔ بعض افراد نے ساحل سمندر کے ساتھ کئی حوض اور گڑھے بنائے اور انہیں سمندر سے ملا دیا تاکہ مچھلیاں بہہ کر حوضوں اور گڑھوں میں آ جائیں' جنہیں یہود روک لیتے اور دوسرے دن آسانی سے انہیں پکڑ لیتے۔ نیز ان کی آزمائش کے لیے ہفتہ کے دن مچھلیاں خوب فراوانی سے اوپر اوپر پھرا کرتی تھیں۔

یہ بنی اسرائیل کی مذہبی حیلہ سازی تھی' جو خدا کے ساتھ دھوکے کے مترادف تھی۔ چنانچہ قانون شریعت کی مسلسل نافرمانی کی وجہ سے ان پر عذاب نازل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی شکلیں مسخ کر دیں اور انہیں ذلیل بندر بنا دیا۔ یہ مسخ حقیقی اور حسی تھا' مجازی و معنوی نہیں تھا۔ ابن کثیر نے روایت نقل کی ہے کہ وہ پہچانے جاتے تھے کہ فلاں مسخ ہوا ہے اور یہ فلاں ہے۔ مسخ کے تین دن کے اندر اندر سب بنی اسرائیل ہلاک ہو گئے۔ اکثر مفسرین یعنی ابن کثیر' صاحب روح المعانی' ابن جریر اور قرطبی کا خیال ہے کہ وہ لوگ فی الحقیقت بندر بنا کر تباہ کر دیے گئے۔ صرف وہ لوگ عذاب الٰہی سے محفوظ رہے جنہوں نے پند و نصائح کے ذریعے حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرنے والوں کو باز رکھنے کی سعی و جدوجہد کی تھی۔

چنانچہ ان آیات میں بنی اسرائیل کو یاددہانی کرائی جا رہی ہے کہ اپنے اسلاف کے عصیان و عدوان کا یہ واقعہ تو تم اچھی طرح جانتے ہو' یہ تمہاری آبائی تاریخ کا ایک مسلم و متعارف واقعہ ہے اور ان کا جو حشر ہوا وہ بھی تمہیں بخوبی معلوم ہے تو اب اس واقعہ سے اندازہ کر لو کہ اگر تم اسی طرح عصیان و عدوان اور تمرد و سرکشی میں منہمک رہے تو تم پر بھی قہر خداوندی نازل ہو کر رہے گا۔ (تفسیر کبیر' ج ا' ص 553)

پھر فرمایا کہ اس سزا کو ہم نے موجودہ لوگوں اور آئندہ نسلوں کے لیے عبرت بنا دیا کہ مدتوں نسل بعد نسل اس کا چرچا رہے اور لوگ اس کا تذکرہ سن کر ڈرتے اور لرزتے رہیں اور خدا کی نافرمانی کرنے کی جرات نہ کر سکیں۔ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی حدود کی پابندی کرنے

Scanned with CamScanner

کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دیتا ہے اور ان لوگوں کے لیے بھی نصیحت آموز ہے جو اسرائیلیوں کو سبت کے دن شکار کرنے سے روکتے تھے۔ یہ دو آیات مسلمانوں کے لیے بھی عبرت پذیری کا سامان مہیا کرتی ہیں کہ وہ شرعی احکام میں کسی قسم کی تحریف اور حیلہ سازی سے کام نہ لیں۔

# واقعہ ذبح بقرہ

## تشریح و تفسیر آیات 67-71

ان آیات میں یہود کی تاریخ کا ایک اور اہم واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ اسی واقعہ کی مناسبت سے اس سورۂ مبارکہ کو سورۃ البقرۃ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ مگر وہ خبث باطن کی وجہ سے اس حکم کو مذاق سمجھنے لگے اور اس معاملہ کو چالیس سال تک ٹالتے رہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ گائے ذبح کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک بوڑھا دولت مند تھا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ صرف ایک بھتیجا تھا، جس نے دولت حاصل کرنے کے لیے رات کی تاریکی میں اپنے چچا کو قتل کر دیا۔ صبح ہوئی تو اس نے خود ہی شور و غل بپا کر دیا۔ جب معاملہ حضرت موسیٰ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے ہدایات حاصل کر کے بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے اور اس کا کوئی حصہ مقتول کے جسم سے مارنے کا حکم دیا، تاکہ وہ زندہ ہو کر مقتول کا پتہ دے۔ اس واقعہ کا پہلا حصہ آئندہ رکوع میں بیان ہوگا اور آخری حصہ اس رکوع میں مذکور ہے۔ واقع کی ترتیب کو اس لیے بدلا گیا تاکہ ایک ہی واقعہ کے متعلق بنی اسرائیل کی دو خباثتوں کی واضح طور پر نشاندہی کی جا سکے۔ اول گائے ذبح کرنے کے سلسلے میں پس و پیش اور ٹال مٹول، دوم بے گناہ پر قتل کا الزام۔ اگر واقعہ کو اصل ترتیب سے ذکر کیا جاتا تو اس سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہی اہم نتائج و ثمرات کی طرف ذہن منتقل ہو سکتا تھا۔ اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ یہ دو مستقل واقعات ہوں۔ نیز بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گائے ذبح کرنے کا حکم اور گائے حاصل کر کے ذبح کرنے کے درمیان چالیس سال کا طویل وقفہ تھا۔ مقتول کی نعش کا اتنا عرصہ بے گور و کفن پڑا رہنا اور پھر متعفن نہ ہونا، یہ امور بھی عقل و قیاس سے بعید ہیں۔ اس بات سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ یہ ایک واقعہ نہیں، بلکہ دو مستقل واقعات ہیں۔ ہاں! یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ طویل پس و پیش اور جستجو کے بعد جب وہ مطلوبہ گائے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو قتل کا واقعہ پیش آ گیا ہو اور انہیں اس گائے کا گوشت مقتول کے بدن سے لگانے کا حکم دیا گیا ہو، تاکہ وہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کی نشاندہی کرے۔



مصریوں کے ساتھ صدیوں رہنے کی وجہ سے توحید کے علم بردار اسرائیلی بھی گئو سالہ پرستی کے شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔ وہ گائے کی پرستش کرتے اور اس کی تعظیم بجا لاتے۔ گویا گائے کی عظمت اور تقدس ان کے دلوں میں رچ چکی تھی۔ حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے کے باوجود انہیں گئو سالہ پرستی سے قدرے انس باقی تھا۔ اگرچہ عملی طور پر وہ گائے کی پوجا نہیں کرتے تھے لیکن گئو سالہ پرستی سے وہ مکمل طور پر متنفر بھی نہیں تھے۔ جب ہی تو سامری کے گئو سالہ کو دیکھتے ہی اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ اس لیے ان کے سابق معبود کو ان کی نظروں میں ذلیل کرنے اور انہیں اس کی عبادت، احترام و تعظیم کے کلی طور پر متنفر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا، تاکہ توحید کی جڑیں ان کے دلوں کی گہرائیوں میں خوب پھیل کر مضبوط ہو سکیں۔

لہٰذا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا نے تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے تو اسرائیل سمجھے کہ گائے تو ایک مقدس اور معظم جانور ہے، بھلا اللہ تعالیٰ اسے ذبح کرنے کا حکم کس طرح دے سکتا ہے۔ انہوں نے ذبح بقرہ کے ذریعے قاتل کے سراغ لگانے کو بعید از عقل سمجھا۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ قوم کی بے ہمتی اور بے غیرتی ملاحظہ ہو کہ نبی پر استہزاء و تمسخر کا گمان کرتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت متانت و سنجیدگی سے جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ احکام خداوندی کے بیان میں خلاف واقعہ کوئی بات کہوں، کیونکہ احکام خداوندی کے بیان میں تمسخر کرنا جاہلوں اور بیوقوفوں کا کام ہے اور انبیاء علیہم السلام کو یہ چیز زیب نہیں دیتی۔

نبی کی طرف سے یہ اعلان ہو جانے کے بعد بنی اسرائیل کے لیے لازم تھا کہ وہ فوراً حکم کی تعمیل میں گائے کو ذبح کرتے۔ لیکن انہوں نے لیت و لعل شروع کر دی اور کہنے لگے کہ اللہ سے پوچھ کر بتلائیے کہ وہ گائے کیسی ہے؟ گائے کی قربانی کے حکم کے بعد یہ سوال جو بنی اسرائیل نے کیا یہ محض ان کے فساد مزاج کا پیدا کردہ تھا۔ اگر ان کے مزاج میں سلامت روی ہوتی تو وہ متوسط درجہ کی کوئی سی گائے ذبح کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ اس ذہنیت سے واقف تھا جو اس کے پس پردہ چھپی ہوئی تھی۔ اس وجہ سے سوال کا وہ جواب تو دے دیا جو ان کے اشتباہ دور کرنے کے لیے کافی تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ جو حکم دیا جا رہا ہے، اس کی بے چوں و چرا تعمیل کرو۔ اس قسم کے سوال کر کے نہ شریعت سے گریز کی راہیں تلاش کرو اور نہ اپنے لیے دین کی وسعتوں کو تنگ کرو۔

جب عمر کے متعلق اطمینان ہو گیا تو اب رنگ کے متعلق سوال کر دیا تو جواب ملا کہ اس گائے کا تیز اور گہرا زرد رنگ بدنما نہ ہو، بلکہ ایسا خوشنما ہو کہ دیکھنے والے اسے دیکھ کر راحت اور سرور محسوس کریں۔ گویا وہ گائے خوش نما، خوش منظر اور خوش رنگ ہو۔ بدنما، بدرنگ، بدمنظر نہ ہو۔

Scanned with CamScanner

اگرچہ پہلا سوال بھی غیر ضروری تھا لیکن عمر کی ایک حد معین ہو جانے کے بعد تو گائے سے متعلق کسی سوال کی کوئی گنجائش سرے سے باقی ہی نہیں رہ گئی تھی۔ لیکن اسرائیلیوں نے رنگ سے متعلق سوال کر دیا' جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس رنگ کی گائے متعین فرمائی جس رنگ کی گائے سب سے زیادہ خوش رنگ اور پسندیدہ سمجھی جاتی تھی۔

یہ اسرائیلیوں کی سرکشی اور ان کے خبث باطن کی انتہا ہے کہ حکم خداوندی کی تعمیل میں کیسی چالاکی سے پس و پیش کرتے رہے۔ رنگ کی وضاحت کے بعد سوال کرنے والوں کی تشفی نہ ہوئی۔ انہوں نے مزید وضاحت چاہی تو ہدایت ہوئی کہ گائے کمیری نہ ہو۔ اس سے کھیتوں میں ہل چلانے اور پانی دینے کی خدمت نہ لی گئی ہو' محنت کا کوئی کام نہ لیا جاتا ہو۔ مزید یہ ہدایت ہوئی کہ وہ بے عیب ہو۔ بالکل ایک رنگ ہو اور اس میں کسی دوسرے رنگ کی آمیزش' داغ اور دھبہ نہ ہو۔ اس طرح اپنے لیے گوناگوں قیدیں اور پابندیاں عائد کروانے کے بعد بنی اسرائیل بولے کہ ہاں اب بات اچھی طرح واضح ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے خوش رنگ' خوش نما اور خوش منظر گائے ذبح کی جو اس زمانے میں پرستش کے لیے مختص تھی۔ اس آخری سوال کے ساتھ ان کی زبان سے وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ (اور اب ہم انشاء اللہ پتہ لگائیں گے) کے الفاظ نکلے۔ یہ الفاظ ان کے باطن پر عکس ڈالتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پے در پے سوالات کے بعد خود ان پر بھی اپنے سوالات کی نامعقولیت واضح ہو چکی تھی۔ چنانچہ ان کے اسی احساس کی شاید یہ برکت تھی کہ ان کی زبان سے یہ کلمہ نکلا اور اس کلمہ کی برکت سے انہیں اس حکم کی تعمیل کی توفیق نصیب ہوئی ورنہ جس ذہنیت کا ان کی طرف سے اظہار ہو رہا تھا۔ اس سے تو یہ توقع نہ تھی کہ وہ کبھی اس حکم کی تعمیل کریں گے۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر وہ انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی کامیاب نہ ہو سکتے تھے اور بات ان پر کبھی واضح نہ ہوتی۔

حقیقت یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے دلوں میں ایمان مکمل طور پر اترا نہیں تھا' اس لیے انہوں نے ذبح بقرہ کے حکم کو ٹالنے کی بہت کوشش کی اور طرح طرح کی حیلہ سازیوں اور بہانوں سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہا لیکن جوں جوں اس بارے میں موشگافیوں کا سہارا لیتے رہے' خدا کی طرف سے گائے ذبح کرنے پر پابندیاں سخت سے سخت تر ہوتی چلی گئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذکورہ بالا اوصاف کی گائے کے لیے' ایک طرف تو انہیں بہت زیادہ قیمت ادا کرنی پڑی اور دوسری طرف چالیس سال تک اس کی تلاش میں سرگرداں پھرتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اگر وہ کوئی سی گائے ذبح کر ڈالتے تو ان کا کام بن جاتا۔

بنی اسرائیل کے اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ شرعی احکام میں موشگافیاں نہیں کرنی چاہئیں اور جو حکم ملے انسان اس کی فوراً تعمیل کرے۔ بار بار سوالات کرنے سے ایک آسان اور



سہل حکم کا دائرہ تنگ ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی مزید قیود اور پابندیوں کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت سوال سے منع فرمایا ہے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ
اور جب تم نے قتل کیا ایک جان پس تم باہمی الزام لگانے لگے بارے اس اور اللہ نکالنے والا جو تم تھے
اور وہ وقت یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا۔ پھر تم اس بات میں جھگڑنے لگے اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جسے

تَكْتُمُوْنَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ
چھپاتے پس ہم نے کہا مارو اسے ساتھ بعض اسکے مانند اسی زندہ کرتا ہے اللہ مردوں کو
تم چھپا رہے تھے تو ہم نے کہا اس میت پر گائے کا کوئی ٹکڑا مارو یوں ہی اللہ مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ
اور دکھاتا ہے تمہیں نشانیاں اپنی تاکہ تم عقل پکڑو پھر سخت ہو گئے دل تمہارے سے
تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ اس پر بھی تمہارے دل اس کے بعد بھی سخت ہی

بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ
بعد اس پس وہ مانند پتھر یا زیادہ سختی میں اور بیشک سے
رہے چنانچہ وہ مثل پتھر کے ہیں۔ بلکہ سختی میں ان سے بھی بڑھ کر اور پتھر تو کوئی

الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ
پتھروں البتہ جو پھوٹتی ہیں سے ان نہریں اور بیشک سے ان البتہ جو پھٹ جاتے ہیں
ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ اس سے دریا پھوٹ نکلتے ہیں اور کوئی ان میں سے ایسا بھی ہوتا ہے

فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ
پس نکلتا ہے سے ان پانی اور بیشک سے ان البتہ جو گر پڑتے ہیں سے ڈر اللہ
کہ پھٹ جاتا ہے۔ اور اس میں سے پانی نکلتا ہے اور کوئی ان میں سے ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ کی ہیبت سے نیچے

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٤﴾ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا
اور نہیں اللہ بے خبر سے اس جو تم کرتے ہو کیا تم طمع رکھتے ہو کہ وہ ایمان لائیں
بھی گر آتا ہے اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں۔ مسلمانو کیا تم اس کی توقع رکھتے ہو کہ وہ لوگ تمہارے

لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ
واسطے تمہارے حالانکہ ہے ایک گروہ سے ان سنتے رہیں کلام اللہ کا پھر
کہنے سے ایمان لے آئیں گے۔ درآنحالیکہ ان میں سے ایسے لوگ بھی ہیں۔ کہ اللہ کا کلام سنتے ہیں پھر اسے کچھ کا

يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ

بدل ڈالتے ہیں اسے سے بعد جو انہوں نے سمجھ لیا اسے اور وہ علم رکھتے ہیں اور جب ملاقات کرتے ہیں ان سے جو

سمجھ کر دیتے ہیں بعد اس کے کہ اسے سمجھ چکے ہیں۔ اور وہ اسے خوب جانتے بھی ہیں۔ اور جب وہ ان سے ملتے ہیں

اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا

ایمان لائے کہا ہم ایمان لائے اور جب تنہائی میں ہوا بعض ان میں سے طرف بعض انہوں نے کہا

جو ایمان لا چکے تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں اور جب آپس میں تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اسے کیا تم

اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ط

کیا تم بتا دیتے ہو انہیں جو ظاہر کیا اللہ نے اوپر تمہارے تاکہ وہ حجت بازی کریں تمہارے خلاف ذریعہ اسکے پاس پروردگار

انہیں وہ کچھ بتا دیتے ہو جو خدا نے تم پر کھول رکھا ہے جس سے وہ تمہیں تمہارے پروردگار کے حضور میں قائل کر دیں گے۔ سو کیا

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا

کیا نہیں تم عقل رکھتے کیا نہیں وہ جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپا کر کرتے اور جو

تم نہیں سمجھتے کیا یہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کو اس کی بھی خبر ہے جسے یہ چھپاتے ہیں اور اس کی بھی جسے

يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ

وہ اعلانیہ کرتے ہیں اور سے ان جاہل نہیں علم رکھتے کتاب کا مگر آرزوئیں

جتلاتے ہیں۔ اور ان میں ان پڑھ بھی ہیں جو کتاب الٰہی کا علم نہیں رکھتے جھوٹی آرزوؤں کے اور

وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ

اور نہیں وہ مگر گمان کرتے پس ہلاکت واسطے ان کے جو لکھتے ہیں کتاب

اور یہ محض تخیلات میں پڑے رہتے ہیں۔ سو بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جو کتاب الٰہی کو اپنے

بِاَيْدِيْهِمْ ق ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ

ساتھ ہاتھوں اپنے پھر کہتے ہیں یہ ہے سے پاس اللہ تاکہ وہ خریدیں بدلے اسکے

ہاتھوں سے لکھتے ہیں پھر کہہ دیتے ہیں۔ کہ یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ اس سے قدرے قلیل

ثَمَنًا قَلِيْلًا ط فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ

قیمت تھوڑی پس ہلاکت واسطے ان کے جو کمایا ہاتھوں ان کے اور ہلاکت واسطے ان کے

معاوضہ حاصل کریں سو خرابی ہے ان کے لئے ان کی بدولت جو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور خرابی ہے ان کی

مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ط

جو وہ کماتے ہیں اور کہا نہیں چھوئے گی ہمیں آگ مگر دن گنے چنے

وہ جو حاصل کرتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم کو دوزخ کی آگ چھوئے گی بھی نہیں۔ بجز چند گنے چنے دنوں کے



قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ

کہہ کیا تم نے لیا نزدیک اللہ کے وعدہ پس ہرگز نہیں خلاف کریگا اللہ وعدہ اپنا

آپ کہہ دیجئے کہ تم اللہ کے ہاں سے کوئی وعدہ پا چکے ہیں۔ اللہ اب اپنے وعدے کے خلاف نہیں کریگا یا یوں ہی

اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً

یا تم کہتے ہو بارے میں اللہ کے جو نہیں تم جانتے کیوں نہیں جس نے کمائی بدی

اللہ پر وہ جوڑ رہے ہو جس کا علم تم نہیں رکھتے۔ (نہیں) بلکہ اصل یہ ہے کہ جو کوئی بھی بدی

وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓــــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا

اور گھیر لیا ساتھ اسکے خطاؤں اسکی پس وہ سب ساتھی آگ کے وہ میں اس

اختیار کرے گا اور اس کا گناہ اس کو گھیر لیگا سو یہی لوگ اہل دوزخ ہیں۔ اور اس میں ہمیشہ پڑے

خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

ہمیشہ رہنے والے اور وہ جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک وہ سب ساتھی

رہنے والے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کریں تو یہی لوگ اہل

الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

جنت کے وہ میں اس ہمیشہ رہنے والے

جنت ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

## الفاظ کے معانی و ضروری تشریحات

**قَتَلْتُمْ** تم نے قتل کر ڈالا۔ فعل ماضی معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔

**اِدّٰرَءْتُمْ** تم ایک دوسرے پر ڈالنے لگے۔ تم آپس میں ایک دوسرے پر الزام لگانے لگے۔ تم آپس میں جھگڑنے لگے۔ تم آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ دَرْءٌ کے معنی دفع کرنے اور پھینکنے کے ہیں فعل ماضی صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اس کی اصل تَدَارَءْتُمْ ہے۔ تَفَاعُلٌ کے وزن پر جیسے تَظَاهُرٌ ت کو دال سے بدل دیا گیا اور الف بڑھا دیا گیا۔ اِدّٰرَءْتُمْ ہو گیا۔

**مُخْرِجٌ** ظاہر کرنے والا۔ چھپی بات کو باہر نکالنے والا۔ اسم فاعل۔

**تَكْتُمُوْنَ** تم چھپاتے تھے۔

| | |
|---|---|
| اِضْرِبُوْهُ | اس پر مارو۔ اس پر ضرب لگاؤ۔ اس کو چھوا دو۔ |
| بِبَعْضِهَا | اس لگائے / کا بعض (حصہ یا ٹکڑا) :: |
| كَذٰلِكَ | ایسے ہی۔ اسی طرح سے :: |
| يُحْيِي | وہ زندگی بخشتا ہے۔ وہ جان ڈالتا ہے۔ وہ زندہ کرتا ہے :: |
| اَلْمَوْتٰى | مُردے۔ اس کا واحد اَلْمَيِّتُ ہے :: |
| يُرِيْكُمْ | وہ تمہیں دکھاتا ہے۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب :: |

| مصدر | مادہ | ماضی | مضارع | امر | نہی |
|---|---|---|---|---|---|
| اِرَاءَةٌ | (ر ا ی) | اَرٰى | يُرِىْ | اَرِ | لَا تُرِ |

| | |
|---|---|
| تَعْقِلُوْنَ | تم عقل سے کام لو۔ تم غور کرو :: |
| قَسَتْ | وہ سخت ہوگئی۔ مراد دل سخت ہوگئے۔ فعل ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب۔ اس کا مصدر قَسَاوَةٌ اور مادہ (ق س و) ہے :: |
| كَالْحِجَارَةِ | پتھر کی مانند :: |
| اَشَدُّ | نہایت سخت :: |
| قَسْوَةً | سخت۔ سختی۔ سخت ہونا۔ اسم مصدر و مصدر :: |
| يَتَفَجَّرُ | پھوٹ کر نکلتی ہے۔ بہہ نکلتی ہے۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب۔ مصدر تَفَجُّرٌ اور مادہ (ف ج ر) ہے :: |
| يَشَّقَّقُ | وہ چاک ہوتا ہے۔ وہ شق ہوجاتا ہے۔ وہ ٹکڑے ہوجاتا ہے۔ وہ پھٹ جاتا ہے۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب۔ اس کا مصدر تَشَقُّقٌ اور مادہ (ش ق ق) ہے :: |
| يَخْرُجُ | وہ نکلتا ہے۔ وہ نکل آتا ہے :: |
| يَهْبِطُ | وہ اوپر سے نیچے کو گر جاتا ہے۔ وہ لرز کر گر پڑتا ہے :: |
| خَشْيَةِ | خوف۔ ڈر۔ ہیبت۔ خشیت۔ اس خوف کو کہتے ہیں جس میں تعظیم شامل ہو :: |
| بِغَافِلٍ | بے خبر۔ غافل۔ لاعلم :: |
| عَمَّا | جس چیز سے :: |



| | |
|---|---|
| تَعْمَلُوْنَ | تم عمل کرتے ہو :: |
| تَطْمَعُوْنَ | تم توقع کرتے ہو۔ تم طمع رکھتے ہو۔ تم خواہش کرتے ہو۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر :: |
| فَرِيْقٌ | گروہ۔ جماعت :: |
| يَسْمَعُوْنَ | وہ سنتے ہیں :: |
| كَلَامَ اللّٰهِ | اللہ کا کلام۔ مراد توریت، زبور وغیرہ :: |
| يُحَرِّفُوْنَهٗ | اس کو بدل ڈالتے ہیں۔ اس میں تحریف کرتے ہیں۔ اس کا مصدر تَحْرِيْفٌ اور مادہ (ح ر ف) ہے :: |
| عَقَلُوْهُ | انہوں نے اس کو سمجھ لیا۔ عَقَلُوْا فعل ماضی صیغہ جمع مذکر غائب۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب :: |
| يَعْلَمُوْنَ | وہ علم رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں :: |
| لَقُوْا | وہ ملتے ہیں۔ وہ ملاقات کرتے ہیں۔ وہ ملاقی ہوتے ہیں :: |
| خَلَا | وہ تنہا ہوا۔ وہ خلوت میں ہوا :: |
| تُحَدِّثُوْنَهُمْ | تم ان سے کہہ دیتے ہو۔ تم ان سے بیان کر دیتے ہو۔ اس کا مصدر تَحْدِيْثٌ اور مادہ (ح د ث) ہے۔ فعل مضارع ہے :: |
| فَتَحَ | اس نے کھول کر بیان کر دیا۔ اس نے علم دیا :: |
| لِيُحَاجُّوْكُمْ | تاکہ وہ تمہیں قائل کر دیں۔ تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔ تاکہ وہ تمہارے سامنے حجت پیش کر سکیں۔ مضارع سے پہلے لام زبر کے ساتھ آیا ہے تو "تاکہ" ترجمہ میں اضافہ ہوجاتا ہے اور يَفْعَلْنَ اور تَفْعَلْنَ کے علاوہ تمام نون تثنیہ و جمع گر جاتے ہیں اور جن صیغوں کے آخر میں نون نہیں ہوتا ہے۔ آخری حرف کو زبر ہوجاتا ہے۔ اسی قاعدہ کے مطابق لام کی وجہ سے يُحَاجُّوْنَ کا نون گر گیا اور لِيُحَاجُّوْا رہ گیا۔ اسم فاعل اسم مفعول مُحَاجٌّ اور مصدر مُحَاجَّةٌ آتا ہے :: |
| يُسِرُّوْنَ | وہ چھپاتے ہیں۔ مصدر اِسْرَارٌ ہے :: |
| يُعْلِنُوْنَ | وہ اعلان کرتے ہیں۔ وہ ظاہر کرتے ہیں۔ مصدر اِعْلَانٌ ہے :: |

Scanned with CamScanner

| | |
|---|---|
| اُمِّیُّوْنَ | ان پڑھ ۔ بے پڑھے لکھے ۔ اُمّیٌّ کی جمع ہے ؞ |
| اَمَانِیَّ | بے بُنیاد امیدیں ۔ جھوٹی خواہشات ۔ خوش خیالیاں ۔ اس کا واحد اُمْنِیَّۃٌ ہے ۔ اس کا مادہ (م ن ی) ہے ؞ |
| یَظُنُّوْنَ | وہ ظن رکھتے ہیں ۔ وہ وہم و گمان رکھتے ہیں ۔ ظن سے ہے ۔ |
| | ہلاکت ۔ تباہی ۔ افسوس خرابی ۔ بربادی ۔ دوزخ کے ایک گڑھے کا نام بھی ویل ہے جس میں اگر پہاڑ بھی ڈالا جائے تو گھل جائے ۔ (ابن کثیر) |
| یَکْتُبُوْنَ | وہ لکھتے ہیں ؞ |
| اَیْدِیْهِمْ | ان کے ہاتھ ۔ یَدٌ کی جمع اَیْدِیْ ہے ؞ |
| یَشْتَرُوْا | وہ حاصل کرتے ہیں ؞ |
| ثَمَنًا | معاوضہ ۔ قیمت ؞ |
| کَتَبَتْ | لکھا ۔ فعل ماضی معروف صیغہ واحد مؤنث غائب ؞ |
| یَکْسِبُوْنَ | وہ کمائی کرتے ہیں ؞ |
| تَمَسَّنَا | وہ ہم کو چھوتی ہے ؞ |
| لَنْ تَمَسَّنَا | وہ ہمیں ہرگز نہیں چھوئے گی ۔ وہ ہمیں ہرگز مَس نہیں کرے گی ؞ |

| مصدر | ماضی | مضارع | امر | نہی |
|---|---|---|---|---|
| مَسٌّ | مَسَّ | یَمَسُّ | مَسَّ | لَا تَمَسَّ |

| | |
|---|---|
| مَعْدُوْدَۃً | گنتی کے چند (دن) گنے ہوئے ۔ چند ؞ |
| اَتَّخَذْتُمْ | کیا تم نے لے لیا ہے ۔ کیا تم نے پکڑ لیا ہے ؞ |
| لَنْ یُّخْلِفَ | وہ خلاف ورزی نہیں کرے گا ؞ |
| تَقُوْلُوْنَ | تم کہتے ہو ؞ |
| بَلٰی | ہاں ؞ |
| کَسَبَ | اس نے کمایا ؞ |
| سَیِّئَۃً | گناہ ، بدی ۔ سُوْءٌ سے بنا ہے ؞ |
| اَحَاطَتْ | اس نے گھیر لیا ۔ اس پر پڑ گئی ۔ وہ چکر میں پڑا رہا ۔ فعل ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب ؞ |



| | |
|---|---|
| خَطِیْئَتُهٗ | اس کا گناہ ۔ اس کی خطا ؞ |
| الصّٰلِحٰتِ | نیکیاں ؞ |

# بنی اسرائیل کا قتل نفس میں بے باک ہو جانا

## تشریح و تفسیر آیات 72-73

جو ذکر بدستور بنی اسرائیل کا چل رہا ہے۔ پہلی تفسیر کے مطابق سابقہ رکوع میں جو ذبح کا واقعہ بیان ہوا ہے‘ اس کا یہ پہلا حصہ ہے جسے ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے اور دوسری تفسیر کے مطابق یہ مستقل واقعہ ہے جو پہلے واقعہ کے بعد پیش آیا۔ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ وقت یاد کرو جب تم میں سے کسی نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا اور تم آپس میں ایک دوسرے پر الزام لگا رہے تھے۔ یعنی اصل قاتل کا سراغ نہیں لگتا تھا‘ کوئی کہتا کہ قاتل فلاں اور کوئی کہتا کہ فلاں۔ اور جس چیز کو تم چھپانے کی کوشش کر رہے تھے‘ اللہ تعالیٰ اسے ظاہر کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اسی گائے کے گوشت کا ایک ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارنے کا حکم دیا‘ جس گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا‘ جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ مقتول زندہ ہو گیا۔ اس کے زخموں کا لہو بہنے لگا۔ اس نے اپنے قاتل کا نام بتایا اور پھر مر گیا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے ہاں نامعلوم قتل کے سراغ کا یہ طریق رائج تھا کہ ایک جوان گائے کو ذبح کیا جاتا اور اس کے لاشہ پر قوم کے بزرگ و اکابر خاص انداز سے دعا کرتے۔ توریت میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ (کتاب استثناء باب 21‘ آیات 1 تا 9)

اس طرح تمام شکوک و شبہات دور ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تو بنی اسرائیل کو اپنی قدرت کا ایک نشان دکھایا‘ دوسرے یہ کہ گائے کی عظمت و تقدیس اور اس کی معبودیت پر بھی ایک کاری ضرب لگی ہے یعنی اس نام نہاد معبود کے پاس اگر کچھ بھی طاقت و قوت ہوتی‘ تو اسے ذبح کرنے سے ایک آفت بپا ہو جانی چاہیے تھی نہ کہ اس کا ذبح ہونا الٹا اس طرح مفید ہوتا۔ اس واقعہ میں منکرین حشر و نشر کے لیے بھی عبرت ہے جو ذات ایک مردہ کو زندہ کر سکتی ہے‘ وہ سب کو دوبارہ قیامت کے دن خلعت حیات عطا کر سکتی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے نشانات اس لیے ظاہر کرتا ہے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور تاکہ تم عقل سے کام لے کر اس کی قدرت کاملہ پر استدلال کر سکو اور صحیح تدبر و تفکر کے ذریعے تم کسی ٹھوس نتیجے پر پہنچ سکو۔

# بنی اسرائیل کی قلبی و اخلاقی حالت

## تشریح و تفسیر آیت 74

یہاں اس آیت میں تمام گزشتہ واقعات' انعامات' آیات اور معجزات کی طرف اشارہ (روح المعانی' ج 1' ص 295) ہے۔ یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ ان تمام آیات و معجزات اور تخویفات و تبشیرات کے بعد اے بنی اسرائیل تمہارے دل نرم ہو جاتے' ان میں خوف پیدا ہو جاتا اور تم پورے اخلاص کے ساتھ احکام الٰہی کی پیروی کرتے اور اس کے پیغمبروں کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے۔ مگر اس کے باوجود تمہارے دل سخت ہو گئے اور تم نے پہلے سے بڑھ چڑھ کر حدود اللہ کو توڑا اور اس کے پیغمبروں کی مخالفت کی۔ قبول حق کی طرف تمہارے دل ذرا مائل نہ ہوئے۔ گویا وہ پتھر کی طرح سخت ہیں بلکہ پتھر سے بھی زیادہ سخت۔ کیونکہ پتھر تو کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں' جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور کچھ پتھر ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے تھوڑا بہت پانی نکل آتا ہے۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں جو خوف خدا کی وجہ سے چوٹیوں اور بلندیوں سے گر پڑتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ پتھر پھر بھی کسی درجہ اثر قبول کرتے ہیں' لیکن تمہارے دل اتنے سخت ہیں کہ وہ کوئی اثر قبول نہیں کرتے۔

مفسرین نے نہریں جاری کرنے والے پتھروں کی مثال انبیاء و رسل سے دی ہے جو نوع انسانی کے لیے رشد و ہدایت اور نجات کا چشمہ و فیض بن کر آتے ہیں اور ان کی روحانی تشنگی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ چشمہ بہانے والے پتھروں کو اولیاء صلحا سے تشبیہ دی ہے جو تقویٰ و پرہیز گاری کا چراغ اور نبوت کا نشان ہوتے ہیں۔ اور ان سے بھی انسانوں کا ایک بڑا طبقہ فیض یاب ہوتا ہے۔ خشیت الٰہی سے گر پڑنے والے پتھروں کو نیک لوگوں سے مشابہ قرار دیا ہے جو دوسروں کی اصلاح تو نہیں کرتے لیکن خود خوف خدا سے لرزہ براندام رہتے ہیں اور نیکی و پاکیزگی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس کے برعکس یہود کی حالت ان تین قسم کے پتھروں سے مختلف ہے اور ان میں نیکی کا ادنیٰ درجہ بھی نہیں پایا جاتا۔ اس قساوت قلبی اور سنگدلی کے تحت جو اعمال ان سے سرزد ہو رہے ہیں' اللہ تعالیٰ ان سے غافل نہیں ہے' بلکہ بہت جلد انہیں بدلہ مل کر رہے گا۔

# کتاب الٰہی میں تحریف کرنا

## تشریح و تفسیر آیت 75

اس آیت میں خطاب اسرائیلیوں سے نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عام



مسلمانوں سے ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ' ان یہود سے یہ توقع نہ رکھیں کہ یہ ایمان لے آئیں گے کیونکہ ان کی خباثت اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ان سے ایمان کی توقع بیکار ہے۔ وہ علماء یہود جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں موجود تھے' اچھی طرح جانتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے آخری رسول ہیں اور توریت میں جس آخری پیغمبر کا ذکر ہے وہ آپ ہی ہیں' مگر وہ دیدہ دانستہ آیات میں تحریف کرتے' جن میں آپ کے اوصاف مذکور تھے۔ ان کی یہ تحریف کسی غلط فہمی پر مبنی نہ تھی' بلکہ دیدہ دانستہ (تفسیر ابن کثیر' ج 1' ص 115) تھی۔ حالانکہ ان کے اپنے محققین آج چودہ سو سال بعد قرآن اور حامل قرآن (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی تصدیق کر رہے ہیں۔

یہودی علماء دونوں طرح کی تحریف کیا کرتے تھے۔ کبھی توریت کی آیتوں کے الفاظ ہی تبدیل کر دیتے۔ ان کے مضمون کو اس طرح مسخ کر کے بیان کرتے کہ اصل مطلب سے انہیں کوئی تعلق باقی نہ رہ جاتا۔ یہ لفظاً" تحریف تھی اور معناً" اس طرح کہ علما نے عبارات کو جان بوجھ کر اپنے مطلب کے مطابق غلط معانی پہنائے۔ ان حالات میں قرآن مجید کہتا ہے کہ ان سے اسلام و ایمان کی توقع رکھنا بے سود ہے۔

# یہودی منافقوں کی دو عملی

## تشریح و تفسیر آیات 76-77

اب ذکر منافقین یہود کا شروع ہو رہا ہے۔ یہود کی ایک تعداد مدینہ میں ایسی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے پر فوراً ایمان لے آئی تھی۔ لیکن کچھ ان کے علاوہ اس قماش کے بھی تھے جو مسلمانوں کے سامنے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کرتے' انہیں اپنے ایمان کا یقین دلاتے اور ان کی خوشنودی کے لیے کہہ دیتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات و نعوت تورات میں مذکور ہیں اور وہ تمام صفات آپ' پر منطبق ہوتی ہیں۔ لیکن یہ منافق جب اپنے لیڈروں کے پاس جاتے تو وہ انہیں ڈانٹ پلاتے کہ تم وہ اسرار مسلمان کو کیوں بتاتے ہو جو اللہ نے تمہیں توریت میں بتلائے (روح المعانی' ص 18) ہیں۔ یہود جب آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو قائل کرتے کہ تم اپنے ہاں کی پیش گوئیاں اور خاص تعلیمات مسلمانوں پر ظاہر کر کے ان کے ہاتھ میں اپنے خلاف مواد کیوں مہیا کر رہے ہو۔ یہی معلومات اور دلائل وہ ہمارے تمہارے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ نیز وہ اللہ کے سامنے قیامت کے دن تمہارے ان اقرار پر تم پر حجت قائم کریں گے' اس لیے تم عقل سے کام لو اور اس معاملہ میں احتیاط برتو۔ تفسیر ابن کثیر میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

Scanned with CamScanner

نے فرمایا' مدینہ میں ہمارے پاس سوائے اہل ایمان کے اور کوئی نہ آئے۔ تو ان کافروں اور یہودیوں نے کہا جاؤ کہہ دو کہ ہم بھی ایمان لاتے ہیں۔ پس یہ لوگ صبح آتے تو ایمان کا دعویٰ کرتے اور شام کو جا کر کفار میں شامل ہو جاتے تھے۔ سورۂ آل عمران میں آتا ہے: "اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ اس نبی پر جو کچھ نازل ہوا ہے' اس پر صبح ایمان لاؤ اور شام کو اس سے انکار کرو۔ شاید اس طریق سے یہ لوگ اپنے ایمان سے پھر جائیں"۔ (آل عمران)

اللہ تعالیٰ منافقین یہود کو ان کے اس طرز عمل پر متنبہ کرتا ہے کہ وہ ہر پوشیدہ اور ظاہریات کو جانتا ہے۔ اگر منافقین یہود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اوصاف اور پیش گوئیاں مسلمانوں کو نہیں بتائیں گے تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی جب چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اطلاع دے سکتا ہے۔ غزوہ بنی قریظہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو قلعے کے نیچے کھڑے ہو کر فرمایا: اے بندر اور خنزیر اور شیطان کی عبادت کرنے والوں کے بھائیو! تو آپس میں کہنے لگے یہ باتیں انہیں کس نے بتائیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

# بنی اسرائیل کے عوام اور علماء کی حالت

## تشریح و تفسیر آیات 78-79

یہود کا ایک گروہ ایسے افراد کا تھا جو اپنے علماء اور فقراء سے غلط باتیں سن لیتے اور انہیں کو دین سمجھتے۔ یہ خود توریت پڑھ نہیں سکتے تھے' اس لیے سنی سنائی باتوں پر ایمان رکھتے تھے اور اسی کو سرمایہ آخرت تصور کرتے تھے۔ چند جھوٹی آرزوؤں اور تمناؤں کے علاوہ جو انہوں نے اپنے غلط کار اور تحریف کرنے والے علماء سے سن رکھی تھیں اور وہ کچھ نہیں جانتے تھے۔ وہ آرزوئیں اور تمنائیں کیا تھیں' وہ بھی سن لیجئے۔ علماء نے عوام کو بتا رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان سے گناہوں کا مواخذہ نہیں کرے گا اور ہمارے آباؤ اجداد یعنی انبیاء علیہم السلام انہیں بخشوالیں گے۔ جنت ہمارے اور ہمارے ہی مریدین کے لیے مختص ہے۔ اگر ہم میں سے کوئی دوزخ میں گیا تو صرف چند دنوں کے لیے جائے گا۔ قرآن حکیم کہتا ہے کہ یہ سب اوہام باطلہ اور ظنون فاسدہ تھے جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ گویا وہ ایسے تخیلات کا شکار تھے جو بے بنیاد تھے اور جن کی کوئی دلیل ان کے پاس موجود نہیں تھی۔ محض اپنی خواہشات اور تمناؤں کے مطابق گھڑی ہوئی باتوں کو وہ دین کا لبادہ پہنائے ہوئے تھے۔

دوسری آیت میں ذکر یہود کے ان خواص اور علماء کا ہے جو حق فروش تھے۔ کتاب اللہ کے احکام پر اپنی رائے اور خواہشوں کو ترجیح دیتے اور پھر اپنے گھڑے ہوئے حکموں اور مسئلوں کو



کتاب اللہ کی طرف واجب العمل بتلاتے۔ ان علماء نے اپنے من گھڑت عقائد و خیالات کو کلام الٰہی سے اس طرح گڈمڈ کر دیا کہ آہستہ آہستہ دونوں میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا۔ اپنی طرف سے توریت کے چند نسخے تیار کیے اور توریت میں جہاں کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و خصوصیات کا ذکر تھا' اسے اس طرح تبدیل کیا کہ اصل سے اسے کوئی نسبت ہی نہ رہی۔ پھر اصل توریت کے نسخے چھپا ڈالے اور اپنے ہاتھوں سے تیار کیے ہوئے محرف نسخے اپنے عوام اور مشرکین عرب میں تقسیم کر دیے اور کہتے یہ تھے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے' اس میں تو اس نبی کا کہیں ذکر ہی نہیں۔ (روح المعانی۔ ج ا' ص 202) اس جرم کی سنگینی اور ان بدکردار علماء کی تحقیر و تذلیل کے پیش نظر ان کا ذکر آیت میں ویل و ہلاکت اور ذلت و رسوائی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس تحریف و تبدیلی سے ان کا مقصد کوئی دین کی خدمت نہیں بلکہ محض دولت دنیا کی خاطر انہوں نے ایسا کیا۔ یہ دولت دنیا خواہ انبار کی شکل میں ہو' لیکن آخرت اور دین کے مقابلے میں وہ بالکل حقیر اور بے حقیقت ہے۔ اسی حقارت کے پیش نظر اسے قلیل فرمایا۔ پس افسوس اس پر جو ان کے ہاتھ لکھتے ہیں اور افسوس اس پر جو کچھ وہ اس ذریعے سے کماتے ہیں۔

# نجات یافتہ ہونے کی خوش فہمی

## تشریح و تفسیر آیات 80-82

ان آیات میں یہود کے ان صاحب زادگان کا ذکر ہے جو اپنے آباؤ اجداد پر نازاں تھے اور جنہوں نے مکر و فریب سے عوام کو یقین دلا رکھا تھا کہ وہ اللہ کے پیغمبروں کی اولاد ہیں اور ان کی نسل پاک پشتوں سے چلی آ رہی ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ ان سے کوئی مواخذہ نہیں کرے گا۔ خواہ ان کے عمل کیسے ہی ہوں' اس ضمن میں ان کے ہاں مختلف روایات تھیں۔ بعض کہتے تھے کہ چالیس دن کے لیے جہنم میں جانا ہو گا یعنی جتنے دن انہوں نے گئوسالہ کی پرستش کی تھی۔ بعض کا خیال تھا کہ صرف سات دن کے لیے دوزخ کے دروازے پر تشریف فرما ہوں گے اور بنی اسرائیل کو اس میں نہ جانے دیں گے۔ (تالمود) ان کا یہ بھی خیال تھا کہ دنیا کی کل مدت سات ہزار سال ہے اور ہر ہزار سال کے بدلہ ہمیں ایک دن عذاب ہو گا۔ گویا ہمیں صرف سات دن جہنم میں قیام کرنا ہو گا۔

قرآن حکیم یہودیوں کی مذکورہ باتوں کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے تم نے جہنم سے محفوظ رہنے کے لیے اللہ سے کوئی عہد لیا ہوا ہے' جس کی بنا پر وہ تمہیں اس سے محفوظ رکھے گا۔ اگر اس نے کوئی ایسا عہد کیا ہوا ہے تو پھر تو وہ یقیناً اسے پورا کرے گا۔ یہاں عہد سے مراد عہد توحید ہے۔ یعنی

Scanned with CamScanner

کیا تم نے کلمہ توحید **لا الٰہ الا اللہ** کا اقرار کر کے اللہ سے توحید کا عہد کیا ہوا ہے؟ کیونکہ جس نے اللہ سے توحید کا عہد کر لیا ہے۔ اللہ نے بھی اسے جہنم سے بچانے کا عہد کیا ہوا ہے یا محض یوں ہی اللہ پر افترا کر رہے ہو اور اللہ کے ذمے ایسی بات کر رہے ہو' جس کا تمہیں کوئی علم نہیں۔ اگر تم نے جنت ہی میں جانا ہے تو دنیوی زندگی کے مصائب و تکالیف کیوں برداشت کر رہے ہو؟ مرنے کی تمنا کرو۔ لیکن یہود کی حالت یہ ہے کہ ان سے زیادہ زندگی کا حریص اور کوئی نہیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے سزا اور جزا کے دو واضح اور صریح اصول بیان فرمائے جو شخص بدکرداری کرے گا اور اس کی بداعمالی نے اسے گھیر لیا ہو۔ یہاں تک کہ اس شخص نے نیکی کی تمام راہیں بند کر دی ہوں اور اس پر گناہوں کا اس قدر غلبہ ہو کہ اس کے پلے کوئی نیکی نہ ہو۔ حتیٰ کہ ایمان بھی مفقود ہو تو ایسے افراد جہنمی ہیں اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس کے برعکس جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیے ان کے لیے جنت کی لازوال نعمتیں ہیں اور وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ

اور جب ہم نے لیا وعدہ بنی اسرائیل سے نہیں تم بندگی کرو گے مگر اللہ کی

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے یہ عہد لیا کہ عبادت نہ کرنا (کسی کی) بجز اللہ کی

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

اور ساتھ والدین نیکی اور والوں قرابت اور یتیموں اور مسکینوں

اور حسن وسلوک سے پیش آنا اپنے ماں باپ سے اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے بھی)

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ

اور تم کہو واسطے لوگوں کے اچھی بات اور قائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ پھر تم نے منہ موڑا

اور لوگوں سے بالعموم بھلی بات کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا پھر تم سب ان احکام سے

اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۸۳ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ

مگر تھوڑے سے تم اور تم روگردانی کرنے والے اور جب ہم نے لیا وعدہ تمہارا

پھر گئے بجز تم میں سے (معدودے) چند کے اور تم ہی ہو گردن کش اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا

لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ

نہیں تم بہاؤ گے خون اپنے اور نہ تم نکالو گے جانیں اپنی سے شہروں اپنے پھر

کہ اپنوں کا خون نہ بہانا اور اپنے لوگوں کو اپنے وطن سے نہ نکالنا پھر تم نے اس کا اقرار کر لیا اور تم



اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۸۴ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ

تم نے اقرار کیا اور تم گواہی دینے والے ہو پھر تم وہ سب قتل کرتے ہو جانیں اپنی

(اس کے) گواہ ہو۔ پھر تم ہی وہ ہو کہ اپنوں کو بھی قتل کرتے ہو

وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ

اور تم نکالتے ایک گروہ سے تم سے گھروں ان کے تم چڑھائی کرتے ہو اوپر ان ساتھ گناہ

اور اپنے ہی ایک گروہ کو ان کے وطن سے نکال دیتے ہو۔ اور ان کے مقابلہ میں وہ گناہ اور ظلم کے ساتھ ایکے

وَالْعُدْوَانِ وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ

اور دشمنی اور اگر وہ آئیں تمہارے پاس قیدی بن کر تم فدیہ دیکر چھڑا لیتے ہو انہیں حالانکہ وہ حرام اوپر تمہارے

مخالفین کی مدد کرتے ہو اور اگر وہ تم تک اسیر ہو کر پہنچ جاتے ہیں۔ تو تم انہیں فدیہ دیکر چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کا وطن سے

اِخْرَاجُهُمْ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ

نکالنا ان کا کیا تم ایمان لاتے ہو ساتھ بعض کتاب اور تم انکار کرتے ہو ساتھ بعض پس کیا بدلہ

نکالنا ہی تم پر حرام تھا۔ تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ کو مانتے ہو اور ایک حصہ سے انکار کرتے ہو پس تم میں سے جو ایسا کرے اس

مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ

جو کرتا ہے یہ سے تم مگر رسوائی بیچ زندگی دنیا کی اور دن قیامت

کی سزا کیا ہے۔ بجز دنیوی زندگی میں رسوائی کے اور قیامت کے دن یہ

يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۸۵ اُولٰٓئِكَ

وہ لوٹائے جائینگے طرف زیادہ سخت عذاب اور نہیں اللہ بے خبر اس سے جو تم کرتے ہو وہ سب

سخت ترین عذاب میں ڈالے جائیں گے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں۔ یہی لوگ

الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ

جنہوں نے خریدا زندگی دنیا کی ساتھ آخرت پس نہیں ہلکا کیا جائیگا سے ان عذاب

ہیں جنہوں نے دنیوی زندگی خرید کی ہے آخرت کے معاوضہ میں سو ان پر سے نہ عذاب ہلکا کیا جائے

وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۸۶

اور نہ وہ مدد کیے جائینگے

گا اور انہیں مدد ہی پہنچے گی۔

# الفاظ کے معانی وضروری تشریحات

اَخَذْنَا — ہم نے لیا ::

مِیْثَاقَ — پکا وعدہ ۔عہد و پیمان ::

تَعْبُدُوْنَ — تم پوجتے ہو، تم عبادت کرتے ہو۔فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر ::

اَلْوَالِدَیْنَ — ماں باپ ، والدین ::

اِحْسَانًا — احسان کرنا ، نیکی کرنا ::

ذِی الْقُرْبٰی — ذی ، والا ، صاحب ۔ اَلْقُرْبٰی ۔رشتہ داری ، قرابت مراد رشتہ دار، قرابت دار ::

اَلْیَتٰمٰی — یتیم بچے جن کے والدین مرگئے ہوں ۔اس کا واحد اَلْیَتِیْمُ ہے ::

اَلْمَسٰکِیْنُ — مُفلس، نادار لوگ ۔اس کا واحد اَلْمِسْکِیْنُ ہے ::

حُسْنًا — اچھا ہونا ، بھلا ہونا۔ مصدر ہے ::

مُعْرِضُوْنَ — مُنہ موڑنے والے ، اعراض کرنے والے، پھر جانے والے ::

تَسْفِکُوْنَ — تم بہاتے ہو ، تم بہاؤ گے ۔فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب ::

دِمَآءَکُمْ — اپنے خون ::

تُخْرِجُوْنَ — تم نکالتے ہو، تم نکال دیتے ہو ، تم نکالو گے ۔فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر ::

دِیَارِکُمْ — تمہارے گھر، تمہارے شہر یا وطن ۔ دَارٌ کی جمع دِیَارٌ ہے ::

اَقْرَرْتُمْ — تم نے اقرار کیا ۔ فعل ماضی صیغہ جمع مذکر حاضر ::

تَشْهَدُوْنَ — تم گواہ ہو ، تم شاہد ہو ۔فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر ::

هٰٓؤُلَآءِ — وہی سب ::

تَقْتُلُوْنَ — تم قتل کرتے ہو ، تم قتل کرو گے ۔فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب ::

دِیَار — گھر دار کی جمع ہے ۔ دور بھی جمع ہوتی ہے ::

تَظٰهَرُوْنَ — تم چڑھائی کرتے ہو ، تم پشت پناہی کرتے ہو ، تم مدد کرتے ہو۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر ::

| مصدر | مادہ | ماضی | مضارع | امر | نہی |
|---|---|---|---|---|---|
| تَظَاهُرٌ | (ظ ہ ر) | تَظَاهَرَ | یَتَظَاهَرُ | تَظَاهَرْ | لَا تَظَاهَرْ |



اِثْمٌ — گناہ ۔ اس کی جمع اٰثَامٌ ہے ::

عُدْوَانِ — ظلم وستم ، زیادتی ::

یَاْتُوْکُمْ — وہ تمہارے پاس آتے ہیں ۔فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب ::

اُسٰرٰی — قیدی ۔ اس کا واحد اَسِیْرٌ ہے ::

تُفٰدُوْهُمْ — تم ان کو فدیہ دے کر قید سے چھڑاتے ہو ۔فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر ۔ مصدر مُفَادَاۃٌ اور مادہ (ف د ی) ہے ::

مُحَرَّمٌ — حرام کیا گیا ، اللہ کی طرف سے منع کیا ہوا ۔ اسم مفعول مصدر تحریم ہے ::

اِخْرَاجُهُمْ — ان کا نکالنا ::

اَفَتُؤْمِنُوْنَ — کیا پھر تم ایمان لاتے ہو، کیا پھر تم مانتے ہو۔ اَ : کیا ۔ ف : پھر ::

تُؤْمِنُوْنَ — تم ایمان لاتے ہو ::

جَزَآءُ — سزا ، بدلہ ::

یَفْعَلُ — وہ کرتا ہے ۔فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب ::

خِزْیٌ — ذلت ، رسوائی ، خواری ::

حَیٰوۃ — زندگی ::

دُنْیَا — دُنیا ، عالم ، جہان ::

یُرَدُّوْنَ — وہ پھیر دیئے جائیں گے ، وہ لوٹا دیئے جائیں گے ۔فعل مضارع مجہول صیغہ جمع مذکر غائب ::

لَا یُخَفَّفُ — ہلکا نہیں کیا جائے گا ، کمی نہیں کی جائے گی ، تخفیف نہیں کی جائے گی ۔فعل مضارع مجہول ::

لَا یُنْصَرُوْنَ — وہ مدد نہیں کیے جاتے ::

# میثاق بنی اسرائیل

## تشریح و تفسیر آیات 83-84

اب تک بنی اسرائیل کی بداعمالیاں بیان ہوئی ہیں ۔ نیز ان کے علماء و اکابرین جن اخلاقی و

Scanned with CamScanner

روحانی بیماریوں کا شکار تھے' انہیں بھی زیر بحث لایا گیا۔ ان آیات میں بنی اسرائیل کے عہد واثق کا ذکر ہے' جو انہوں نے اپنے انبیاء کے ذریعے اپنے پروردگار سے کیا تھا اور اس کی تمام تر شرائط کو پورا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس عہد واثق کو میثاق کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ سے کیا ہوا پختہ اور مضبوط قول و اقرار۔

**میثاق کی شرطیں:** میثاق بنی اسرائیل مندرجہ ذیل دس احکام پر مشتمل تھا۔ ان احکام کے علاوہ اور بھی کئی احکام تھے لیکن آیات زیر نظر میں ان کا ذکر اس لیے خصوصی طور پر ہوا کہ ان کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ توریت کا بیان ہے' "اس نے تمہیں اپنے عہد و پیمان کے احکام عشرہ (دس حکم) بتا کر ان کے ماننے کا حکم دیا اور انہیں پتھر کی تختیوں پر لکھ دیا"۔ (کتاب استثنا 13:4)

**1-توحید:** اللہ تعالیٰ کے حقوق سب پر فائق ہیں' اس لیے سب سے پہلا عہد جو بنی اسرائیل سے لیا گیا وہ یہ تھا کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں گے۔ اسی کو کارساز اور مالک و مختار سمجھیں گے۔ اسے ہی حاجات میں پکاریں گے۔ اس کی ذات و صفات میں کسی اور کو شریک اور ہمسر نہ بنائیں گے۔ توحید چونکہ اللہ کا حکم ہے اور تمام اعمال کی روح اور دین کا سنگ بنیاد ہے' اس لیے سب سے پہلے اس کا ذکر کیا گیا۔ توریت میں اس حکم سے متعلق متعدد احکام ہیں۔ "اے اسرائیل! سن لے خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے"۔ (کتاب استثنا 4:2)

ایک دوسرے مقام پر توریت میں ہے' "میرے حضور تیرے لیے دوسرا خدا نہ ہو تو اپنے لیے تراشی ہوئی صورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے' مت بنا۔ تو انہیں سجدہ نہ کر نہ ان کی بندگی کر"۔ (استثنا 7:5)

یہ حکم بنی اسرائیل کے علاوہ تمام نوع انسانی کو بھی انبیاء کے ذریعے دیا گیا تھا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (انبیاء 25:) آپ سے پہلے ہم نے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے وحی نہ بھیجی ہو کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کیا کرو۔

**2-والدین سے احسان:** حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد (بندوں کے حقوق) کا درجہ ہے اور ان میں پھر ماں باپ کے حقوق سب پر مقدم ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حقوق کے بعد والدین سے حسن سلوک کا حکم دیا۔ یعنی یہود سے وعدہ لیا گیا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے اور ان کے تمام تر حقوق کی ادائیگی اور بجا آوری میں کسی طرح کی کوتاہی اور



غفلت سے کام نہ لیں گے۔ توریت میں ہے' "اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا جیسا کہ خداوند تیرے خدا نے حکم دیا ہے۔ اس میں تیرا بھلا ہو"۔ (استثنا 16:5)

قرآن مجید میں بھی توحید کے ساتھ ساتھ والدین کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ والدین کے حقوق بہت سے ہیں مثلاً ان کا اکرم و احترام کرنا' ان کے جائز احکام کی تعمیل کرنا' ادب اور نرمی سے گفتگو کرنا' ان کی مالی اعانت کرنا وغیرہ۔ والدین کے یہ حقوق لازم ہیں۔ خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ اگر والدین مشرک ہوں اور شرک کرنے پر مجبور کریں تو اس معاملہ میں ان کی اطاعت جائز نہیں۔ البتہ ان سے حسن سلوک فرض ہے۔

**3-قرابتداروں سے حسن سلوک:** والدین کے بعد رشتہ داروں سے حسن سلوک کا عہد لیا گیا یعنی ان کی مالی اعانت کریں گے' ان سے حسن سلوک سے پیش آئیں گے اور قطع رحمی نہیں کریں گے۔ توریت میں آتا ہے: "اور اپنے مفلس بھائی کی طرف سے اپنے ہاتھ بند نہ کیجو بلکہ اس پر اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو اور کسی کام میں جو وہ چاہے بقدر اس کی احتیاج کے ضرور اس کو قرض دیجو"۔ (استثنا 9:8:1)

**4-یتیموں سے سلوک:** وہ بچے جن کے والدین وفات پا چکے ہوویں اور ان کا کوئی یار و مددگار نہیں' ان کی نگرانی کریں گے اور ان کی ضروریات کی کفالت کر کے ان کا سہارا بنیں گے۔ توریت میں ہے: "اور مسافرت اور یتیم اور بیوہ جو تیرے پھاٹکوں کے اندر ہیں' آویں اور کھاویں اور سیر ہوویں"۔ (استثنا 19:14)

قرآن حکیم میں آتا ہے: "اور اللہ کی حب و رضا کے لیے مسکین' یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے"۔ آپ نے دو انگلیاں کھڑی کر کے فرمایا۔

**5-محتاجوں کی غم گساری:** بے کس' محتاج اور تنگ دست افراد کی مدد کریں گے اور مصائب و مشکلات میں ان کا ساتھ دیں گے۔ توریت میں ذوالقربیٰ یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ سلوک کی بار بار تاکید آئی ہے۔ "کہہ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو اپنے بھائی کے واسطے اپنے مسکین کے لیے اور اپنے محتاجوں کے لیے ہاتھ کشادہ رکھے"۔ (استثنا 11:5)

قرآن حکیم میں ایک جگہ آتا ہے۔

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ (ذاریات: 19)

"اور ان کے مال میں مانگنے والے اور محروم کا حق ہے"۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے۔

Scanned with CamScanner

وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (الضحیٰ:10)
"اور سائل کو کبھی نہ جھڑکنا"۔

**6- بھلی بات کہنا:** تمام لوگوں سے بھلے طریقے سے گفتگو کریں گے، بھلی بات کے مفہوم میں نیکی بھلائی اور نصیحت و تبلیغ کی ہر بات آجاتی ہے۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ والدین' اعزا' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک اور ادائیگی حقوق کے وقت عفو و درگزر کے پہلو کو نظرانداز نہ کیا جائے۔ جیسا کہ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے: "ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر ذرا سی چشم پوشی اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد دکھ اور دل آزاری ہو"۔ (بقرہ:263)

**7- قیام صلوٰۃ:** نماز قائم کریں گے اور اسے پابندی سے ادا کریں گے۔

**8- ایتائے زکوٰۃ:** اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے خدا کی راہ میں خرچ کریں گے اور بندگان خدا کی حاجت روائی کریں گے۔ نماز اور زکوٰۃ ہر شریعت کا اہم رکن رہے ہیں۔ ان کی ادائیگی سے مذکورہ بالا احکام کی شیرازہ بندی ہوتی ہے اور جملہ خطرات و تکالیف کا سدباب ہوتا ہے۔ یہاں نماز اور زکوٰۃ سے وہی نماز اور زکوٰۃ مراد ہے' جو بنی اسرائیل پر فرض تھی۔

**9- خون نہ بہانا:** یہ عہد بھی لیا گیا تھا کہ وہ آپس میں اتفاق و اتحاد سے رہیں گے۔ خونریزی اور خانہ جنگیوں سے اجتناب کریں گے اور امن و امان سے بھائیوں کی طرح زندگی بسر کریں گے۔ باہم خونریزی نہ کرنے کا حکم آج بھی توریت میں موجود ہے۔

**10- جلاوطن نہ کرنا:** اپنے بھائیوں' رشتہ داروں اور قوم کے افراد کو جلاوطن اور ملک بدر نہیں کریں گے۔

لیکن پختہ عہد و پیمان کرنے کے بعد بنی اسرائیل نے ان احکام سے روگردانی کی' توحید کو ترک کر دیا اور شرک کو اختیار کر لیا۔ حضرت عزیر اور اپنے دیگر اکابر کو خدا کا نائب اور کارساز تسلیم کیا۔ انسانی حقوق پامال کیے۔ نماز اور زکوٰۃ سے لاپرواہی کی۔ اس نافرمانی پر ان کی توریت شاہد ہے۔ وہ اس راہ سے جو میں نے انہیں فرمائی جلد پھر گئے۔ (خروج 8:32)

قرآن حکیم کہتا ہے کہ ان میں سے بہت تھوڑے اس عہد و پیمان پر قائم رہے۔ یہ اعراض اور عہد شکنی ان سے کوئی نئی بات نہیں بلکہ ہمیشہ سے ان کی عادت قدیمہ ہی یہی تھی۔ ان کے آباؤ اجداد کا بھی یہی وتیرہ اور شیوہ تھا۔ عہد کے بعد بدعہدی' اقرار کے بعد انکار اور حسن سلوک کے بجائے بدسلوکی یہود کی سرشت بن گئی تھی۔ دینی روح ختم ہو چکی تھی اور اس کے بجائے صرف



ظاہرداری اور رسم پرستی کا زور تھا۔

# عہد شکنی اور اس کا انجام

## تشریح و تفسیر آیات 85-86

یہاں سے اسرائیلیوں کی عہد شکنی کا بیان ہے۔ انہیں خانہ جنگی سے منع کیا گیا تھا مگر وہ اقرار کے باوجود باز نہ رہے اور اپنے بھائیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مدینہ کے دو مشہور قبیلے اوس اور خزرج صدیوں سے ایک دوسرے کے دشمن چلے آ رہے تھے۔ مدینہ اور اس کے گرد و نواح کی بستیوں میں یہودی بھی ایک اقلیت کی حیثیت سے آباد تھے۔ ان کے تین قبیلے بنو قینقاع' بنو قریظہ اور بنو نضیر مشہور تھے۔ اقلیت کو ہمیشہ دوسروں کے سہارے جینا پڑتا ہے' اس لیے بنو قریظہ نے قبیلہ اوس سے معاہدہ کر لیا اور بنو قینقاع اور بنو نضیر' قبیلہ خزرج کے حلیف (دوست) بن گئے۔ اوس اور خزرج کے درمیان آئے دن خونریز لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں' اس لیے ان کے معاہد یہودیوں کو بھی اپنے حلیف قبیلہ سے مل کر ان لڑائیوں میں حصہ لینا پڑتا تھا۔ اس طرح ایک طرف کے یہودیوں کے ہاتھوں دوسری طرف کے کئی یہودی قتل ہو جاتے تھے' آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔

مذکورہ جنگ و جدال اور قتل و غارت کے دوران فریقین میں سے کئی خاندانوں کو اپنے گھر چھوڑ کر بے خانماں ہونا پڑتا۔ ہر فریق کی اپنے گھروں سے بے دخلی کا سبب دوسرے فریق کے یہودی بنتے' کیونکہ یہودیوں کا ایک فریق اپنے حلیف کافروں سے مل کر فریق ثانی کے حلیف یہودیوں کو ان کے گھروں سے نکال دیتا تھا۔ اس لیے فرمایا **وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ**

اس طرح یہودی اپنے بھائیوں کے خلاف غیراقوام کی امداد کرتے اور یہ مدد بھی کسی نیک اور تعمیری کام کے لیے نہیں ہوتی' اس میں ایک طرف تو وہ خدا کی نافرمانی کرتے کیونکہ خدا نے انہیں اپنے بھائیوں کو قتل و اخراج سے منع کیا تھا۔ ان کا باہم خونریزی کرنا صریحاً" ان کی کتاب (توریت) کے خلاف تھا۔ دوسری طرف قتل و اخراج کے ذریعے اپنے بھائیوں پر ظلم کرتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ یہودیوں کے ایک فریق کے آدمی دوسرے فریق کے ہاتھوں قید ہو جاتے تو یہ لوگ فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو چھڑا لیتے اور کہتے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ حالانکہ وہ اپنے بھائیوں کو ان کے گھروں سے نکالتے وقت یہ خیال نہیں کرتے تھے کہ ایسا کرنا ان پر حرام ہے۔

اس لیے قرآن حکیم تہدید اور دھمکی کے طور پر بنی اسرائیل سے خطاب کرتا ہے کہ تم کتاب

Scanned with CamScanner

(توریت) کے ایک حصے پر ایمان رکھتے ہو اور ایک حصہ سے کفر کرتے ہو۔ یعنی تم نے فدیہ دینے کے حکم پر عمل کر لیا لیکن اس کے برعکس قتل و اخراج سے نہی کی پروا نہ کی۔ خدا کے بعض احکام کو ماننا اور بعض کو رد کر دینا بہت بڑا جرم ہے اور خدائی احکام کے ساتھ ایک قسم کا تمسخر اور استہزا ہے۔ اس لیے اس آیت میں اس جرم کی سزا بھی بیان فرمائی گئی کہ تم میں سے جو شخص ایسا کرے گا' وہ دنیا و آخرت میں مغضوب و مقہور ہو گا۔ اس منافقانہ روش پر رسوائی کے سوا اسے کچھ نہیں ملے گا کیونکہ اس صورت میں قانون الٰہی کے بجائے خواہشات معیار عمل بن جاتی ہیں جو حکم ماضی کے موافق ہوتا ہے اس پر عمل کیا جاتا ہے اور جو ناپسند ہوتا ہے' ترک کر دیا جاتا ہے۔ چونکہ مزاج میں اختلاف طبیعتوں میں تفاوت اور اغراض میں بہت فرق ہوتا ہے' اس لیے جب قانون الٰہی کے بجائے خواہشات معیار عمل بن جائیں تو وحدت قومی کا پارہ پارہ ہو جانا لازمی ہے اور اس کا انجام ذلت و رسوائی یقینی ہے۔

چنانچہ یہودیوں کا یہی حشر ہوا کہ چند ہی سال بعد بنو نضیر کو ذلت و خواری سے جلاوطن کیا گیا' بنو قریظہ کے مردوں کو قتل کیا گیا' ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنایا گیا اور قیامت کے دن انہیں بہت ہی سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا' جو کبھی ختم نہیں ہو گا اور دنیوی عذاب کی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں ہو گی۔ نیز اللہ تعالیٰ گھات میں ہے اور ان کے اعمال سے بے خبر نہیں۔ یہ آیات امت مسلمہ کے لیے بھی عبرت و نصیحت کا سامان مہیا کرتی ہیں کہ دنیوی مقاصد اور خواہشات کے پیش نظر اپنے بھائیوں کو تہ تیغ کرنے سے پیشتر اس سزا کا خیال کریں' جو اس جرم کی پاداش میں مجرموں کو ملا کرتی ہے۔ آیت نمبر 86 میں یہ فرمایا کہ یہ اعمال یہودیوں سے اس لیے سرزد ہو رہے ہیں کہ یہ لوگ دنیا کی زندگی کو اخروی زندگی پر ترجیح دیتے ہیں اور جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے' تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں سزا دیتے وقت کوئی رعایت یا تخفیف نہیں کی جائے گی اور نہ ہی انہیں کسی قسم کی مدد پہنچ سکے گی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَ اٰتَيْنَا

اور بیشک ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور ہم نے پیچھے لگا دیئے سے بعد اس رسول اور ہم نے دیئے

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور ان کے پیچھے ہم نے پے در پے پیغمبر بھیجے اور عیسیٰ

عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ

عیسیٰ بیٹے مریم معجزات اور ہم نے تائید کی اس کی ساتھ روح پاکیزہ کیا جب کبھی آیا تمہارے پاس

بیٹے مریم کو ہم نے روشن نشانات عطا کئے اور ہم نے روح القدس کے ذریعہ سے ان کی تائید کی



رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيْقًا

رسول ساتھ جو نہیں پسند کرتے دل تمہارے تم نے تکبر کیا پس ایک گروہ کو تم نے جھٹلایا اور ایک گروہ

تو کیا جب پیغمبر تمہارے پاس ان احکام کے ساتھ آیا جو تمہارے نفس کو نہ بھاتے تو تم اکڑنے لگے پھر بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض

تَقْتُلُوْنَ ۝ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا

تم قتل کرتے ہو اور انہوں نے کہا دل ہمارے غلاف شدہ بلکہ لعنت کی ان پر اللہ نے بوجہ انکار ان کے پس تھوڑے جو

کو تم ہی قتل کرنے لگے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل محفوظ ہیں۔ بلکہ اللہ نے ان پر لعنت کر رکھی ہے ان کے کفر کے باعث اور وہ ایمان

يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا

ایمان لانیوالے اور جب آئی ان کے پاس کتاب سے پاس اللہ تصدیق کرنیوالی واسطے جو

بہت ہی تھوڑا رکھتے ہیں۔ اور جب ان کے پاس ایک کتاب اللہ کے پاس سے پہنچی جو تصدیق کرنیوالی اس کی جو ان کے پاس پہلے سے موجود

مَعَهُمْ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَمَّا

پاس انکے اور وہ تھے سے پہلے فتح مانگا کرتے خلاف ان کے جو کافر ہوئے پس جب

ہے اور اس سے قبل یہ خود ہی کافروں پر فتح مانگتے ہیں پھر جب ان کے پاس پیغمبر آ گیا جس کو خوب پہچانتے تھے

جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا

آ گیا ان کے پاس جو انہوں نے پہچان لیا انہوں نے انکار کیا ساتھ اس پس لعنت اللہ کی اوپر انکار کرنیوالوں بُرا ہے جو بیچا انہوں نے

تو اس سے کفر کر بیٹھے سو کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔ بُری ہے وہ جس کے

بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ

بدلے اس جانوں کو اپنی کہ وہ انکار کرتے ہیں جو اتارا اللہ نے سرکشی ہے کہ نازل کرتا ہے اللہ سے

عوض میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا ہے۔ کہ انکار کرتے ہیں اس کلام کا جو اللہ نے نازل کیا ہے محض اس ضد پر

فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ

فضل اپنا اوپر جسکے چاہتا سے بندوں اپنے پس وہ پھرے ساتھ غضب اوپر غضب

کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا اپنا فضل (خاص) نازل کیا سو وہ مستحق ہو گئے۔ غضب بالائے غضب

وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور واسطے انکار کرنیوالوں کے عذاب ہے ذلیل کرنیوالا اور جب کہا گیا واسطے ان ایمان لے آؤ ساتھ جو اتارا اللہ نے

اور کافروں کے لئے ذلت و رسوائی اور عذاب ہے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ اس کلام پر جو اللہ نے نازل کیا ہے

قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ

انہوں نے کہا ہم ایمان لائے ساتھ جو نازل کیا گیا اوپر ہمارے اور وہ انکار کرتے ہیں ساتھ جو علاوہ اسکے حالانکہ وہ حق ہے

تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر تو ایمان رکھتے ہیں۔ جو ہم پر نازل ہوا ہے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے اس سے یہ کفر کرتے ہیں حالانکہ

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ

تصدیق کرنیوالا واسطے پاس انکے کہہ دو پس کیوں تم قتل کرتے ہو انبیاء اللہ کے سے پہلے اگر

وہ حق ہے اور اس کی بھی تصدیق کرنے والا ہے جو آپ کے پاس ہے آپ کہیے کہ اچھا تم اس سے قبل انبیاء کو کیوں قتل رہے ہو اگر

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ

تم ہو ایمان لانے والے اور بیشک آیا تمہارے پاس موسیٰ ساتھ معجزات پھر تم نے بنالیا بچھڑا

تم واقعی ایمان والے ہو۔ اور موسیٰ تمہارے پاس کھلے ہوئے نشان لے کر آئے اس پر بھی تم نے ان کے پیچھے گوسالہ

مِنْ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ

سے بعد اس کے اور تم سب ظلم کرنیوالے اور جب ہم نے لیا وعدہ تمہارا اور ہم نے بلند کیا اوپر تمہارے

کو اپنا بنا لیا۔ اور تم تو ہو ہی ظالم۔ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے تم سے قول واقرار لیا تھا

الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ق

کوہ طور پکڑو جو ہم نے دیا تمہیں ساتھ مضبوطی اور سنو انہوں نے کہا ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی

اور تمہارے اوپر کوہ طور کو بلند کیا تھا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا اسے مضبوطی کیساتھ پکڑے رکھو اور سنو یہ اس وقت بولے تھے کہ ہاں اس نے سن تو لیا ہے

وَ اُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ

اور ڈال دیا گیا میں دلوں انکے بچھڑا بوجہ کفر انکے کہہ دو برا ہے جو حکم دیتا ہے تمہیں ساتھ

مگر ہم نے مانا نہیں اور ان کے دلوں میں گئوسالہ ان کے کفر وسابق کے سبب پیوست ہو گیا تھا۔ آپ کہہ دیجئے کیسی بری ہے

اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩٣﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ

جسکے ایمان تمہارا اگر تم ہو ایمان لانیوالے کہہ دو اگر ہے واسطے تمہارے گھر

وہ بات جس کا حکم تمہارا ایمان تمہیں دے رہا ہے اگر تم واقعی ایمان والے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر عالم آخرت خالص تمہارے ہی لئے ہے

الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ

آخرت کا پاس اللہ کے محض سے بغیر لوگوں پس تم تمنا کرو موت کی اگر

دوسروں کو چھوڑ کر تو موت کی آرزو کر دیکھو اگر تم سچے ہو

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ

تم ہو سچے اور ہرگز نہیں وہ تمنا کرینگے اسکی کبھی بھی بوجہ جو پیش کیا ہاتھوں نے ان کے

لیکن وہ اس کی آرزو ہرگز کبھی نہیں کریں گے بسبب ان (اعمال بد) کے جو وہ اپنے ہاتھوں

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٥﴾ وَ لَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ

اور اللہ علم رکھنے والا ساتھ ظالموں کے اور البتہ تو پائیگا انہیں زیادہ حریص لوگوں میں سے بارے میں زندگی کے

سمیٹ چکے ہیں۔ اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔ آپ انہیں زندگی پر سب لوگوں سے زیادہ حریص پائیں گے (یہاں تک



وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا

اور سے ان لوگوں کے جنہوں نے شرک کیا اور خواہش کرتا ہے ایک انہیں سے کاش عمر کر دیجائے ہزار سال حالانکہ

کہ مشرکوں سے بھی زیادہ) ان میں سے ایک ایک یہ چاہتا ہے کہ ہزار (ہزار) برس کی عمر پائے حالانکہ اگر اتنی عمر وہ پا بھی جائے

هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ ع

نہیں وہ چھڑانے والا دینے والا اسے سے عذاب کہ اسکی عمر بڑھا دیجائے اور اللہ دیکھنے والا ساتھ جو وہ کرتے ہیں

تو بھی اسے عذاب سے تو بچا نہیں سکتا اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔

## الفاظ کے معانی وضروری تشریحات

**قَفَّيْنَا** ہم نے اس کے پیچھے بھیجے، ہم نے پے در پے بھیجے، ہم نے متواتر بھیجے۔ فعل ماضی صیغہ جمع متکلم۔ مصدر تَقْفِيَةٌ اور مادہ (ق۔ف۔ی) ہے ؛

**بَيِّنَات** معجزات۔ روشن نشانیاں۔ دلائل۔ بَيِّنَةٌ کی جمع ہے ؛

**اَيَّدْنٰهُ** ہم نے اس کی تائید کی، ہم نے اس کی معاونت کی، ہم نے اس کی مدد کی، ہم نے اسے قوت دی۔ مصدر تَاْئِيْدٌ اور مادہ (ا ی د) ہے ؛

**بِرُوْحِ الْقُدُسِ** رُوح القدس کے ساتھ۔ رُوح پاک کے ساتھ۔ رُوح القدس سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام فرشتہ کے ہیں۔ یہ ان کا لقب ہے۔ ان کا کام خدائی احکامات، پیغامات اور ہدایات انبیاء تک پہنچانا تھا۔ قرآن حکیم نے انہیں رُوح الامین بھی کہا ہے ؛

**لَا تَهْوٰى** جو تمہیں اچھا نہ لگے، جو تمہیں نہ چاہے، جو تمہیں نہ بھائے۔ مصدر هَوٰى اور مادہ (ہ و ی) ہے ؛

**اِسْتَكْبَرْتُمْ** تم نے غرور کیا، تم نے سرکشی کی، تم نے تکبر کیا۔ فعل ماضی صیغہ جمع مذکر حاضر ؛

**كَذَّبْتُمْ** تم نے جھٹلایا۔ فعل ماضی صیغہ جمع مذکر حاضر ؛

**غُلْفٌ** زیرِ حجاب، غلاف، پردہ، محفوظ، مخزن، مستور۔ غلاف کی جمع ہے ؛

**بَلْ** بلکہ لَعَنَهُمُ ان پر لعنت کی۔ ان پر پھٹکار پڑی ؛

**لَمَّا** جب۔ مُصَدِّقٌ۔ تصدیق کرنے والی۔ سچا کرنے والی ؛

Scanned with CamScanner

**يَسْتَفْتِحُوْنَ** وہ فتح و نصرت کی دُعائیں مانگتے تھے۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب۔ اس کا مصدر اِسْتِفْتَاحٌ اور مادہ (ف ت ح) ہے ::

**عَرَفُوْا** انہوں نے پہچان لیا، انہوں نے جان لیا۔ مصدر مَعرِفَۃ اور مادہ (ع ر ف) ہے ::

**بِئْسَمَا** کیا ہی بُرا، بُری ہے وہ چیز ::

**اِشْتَرَوْا** شریٰ مصدر سے خریدنے اور بیچنے دونوں کے معنی آتے ہیں ::

**يَكْفُرُوْا** وہ کُفر کرتے ہیں، وہ انکار کرتے ہیں ::

**بَغْيًا** سرکشی کرتے ہوئے، زیادتی کرتے ہوئے، ضد کے ساتھ بغاوت ::

**يُنَزِّلُ** اس نے نازل کیا، اس نے اُتارا ::

**مِنْ فَضْلِهٖ** اپنے فضل سے، اپنی رحمت سے ::

**عِبَادِهٖ** اس کے بندے۔ عَبْدٌ کی جمع ہے ::

**مُهِيْنٌ** رُسوا کرنے والا، ذلت آمیز، اہانت آمیز، ذلت والا، رُسواکن ::

**وَرَاءَهٗ** اس کے علاوہ، اس کے سوا، اس کے بعد، اس کے پیچھے ::

**فَلِمَ** پھر کیوں، پھر کس لیے، پھر کس وجہ سے ::

**اِتَّخَذْتُمُ** تم نے بنالیا، تم نے پکڑ لیا ::

**اَلْعِجْلَ** بچھڑا، گئوسالہ، گائے کا بچہ ::

**مِيْثَاقَكُمْ** تمہارا عہد و پیمان، تمہارا اقرار ::

**اِسْمَعُوْا** تم سُنو۔ سَمِعْنَا۔ ہم نے سُنا ::

**عَصَيْنَا** ہم نے نافرمانی کی، ہم نے نہ مانا ::

**اُشْرِبُوْا** ان کو پلایا گیا۔ فعل ماضی مجہول صیغہ جمع مذکر غائب۔ اِشْرَابٌ مصدر سے ہے اور مادہ (ش ر ب) ہے ::

**اَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ** دارالآخرت، آخری گھر، عالمِ آخرت، آئندہ گھر ::

**خَالِصَةً** خالص، مخصوص، فقط، صرف ::

**مِنْ دُوْنِ النَّاسِ** لوگوں کے سوا دوسروں کو چھوڑ کر ::

**فَتَمَنَّوُا** پھر تم تمنا کرو، پھر تم آرزو کرو۔ فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر ::

**لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ** وہ ہرگز اس کی تمنا نہ کریں گے ::



**اَبَدًا** ہرگز، ہمیشہ، کبھی بھی ::

**بِمَا قَدَّمَتْ** اس چیز کی جو وہ پہلے بھیج چکے۔ تَقْدِيْمٌ مصدر ہے ::

**لَتَجِدَنَّهُمْ** تو انہیں ضرور پائے گا۔ وجد سے ہے ::

**اَحْرَصَ** بہت زیادہ حریص، بڑا لالچی ::

**يَوَدُّ** وہ آرزو کرتا ہے، وہ چاہتا ہے، وہ محبت کرتا ہے، وہ پسند کرتا ہے۔ اس کا مصدر وَدٌّ اور مادہ (و د د) ہے ::

**لَوْ** کاش، کیا اچھا ہوتا، اگر۔ حرفِ شرط ہے ::

**يُعَمَّرُ** وہ معمر بنایا جائے، اس کی عُمر بڑھا دی جائے، اسے لمبی عُمر دی جائے۔ فعل مضارع مجہول صیغہ واحد مذکر غائب۔ اس کا مصدر تعمیر اور مادہ (ع م ر) ہے ::

**اَلْفَ** ہزار۔ سَنَۃٍ۔ سال۔ برس ::

**بِمُزَحْزِحِهٖ** اسے ہٹانے والا، اسے دُور کرنے والا، اسے بچانے والا۔ اسے روکنے والا۔ اس کا مصدر زَحْزَحَۃٌ ہے ::

| ماضی | مضارع | امر | نہی |
|---|---|---|---|
| زَحْزَحَ | يُزَحْزِحُ | زَحْزِحْ | لَا تُزَحْزِحْ |

**بَصِيْرٌ** دیکھنے والا، جاننے والا، صاحبِ بصیرت

**يَعْمَلُوْنَ** وہ کرتے ہیں۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب ::

# بنی اسرائیل کے تکذیب رسل اور قتل انبیاء سے استشہاد

## تشریح و تفسیر آیت 87-88

ان آیات میں بنی اسرائیل کے عناد و تکبر اور ان کی خواہش پرستی کا بیان ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو توریت کے ذریعے ایک مستقل دستور شریعت سے مشرف و ممتاز کیا اور پے در پے اور یکے بعد دیگرے بکثرت انبیاء مبعوث کیے۔ (مثلاً یوشع بن نون' حضرت شموئیل' حضرت داؤد' حضرت سلیمان' حضرت ارمیا' حضرت حزقیل' حضرت یونس' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ وغیرہ) یہاں تک کہ یہ سلسلہ حضرت عیسیٰؑ پر ختم ہوا۔ حضرت عیسیٰ کو روشن اور نئے نئے معجزات دیے گئے۔ مثلاً مادر زاد اندھے کو بینا کرنا' کوڑھی کو شفا دینا' مردہ کو زندہ کرنا' غیب کی خبریں بتانا وغیرہ۔ ان کھلی

Scanned with CamScanner

کھلی نشانیوں کو دیکھ کر ہر طالب حق یہ جان سکتا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بندے ہیں۔ پھر آپ کی تائید پر روح القدس یعنی حضرت جرائیل کو لگا دیا۔ روح القدس سے مراد عالم وحی بھی ہے اور جرائیل بھی جو وحی کا علم لاتے تھے اور خود حضرت عیسیٰ کی اپنی پاکیزہ روح جس کو اللہ تعالیٰ نے قدسی صفات بنایا تھا۔ بعض مفسرین نے روح القدس سے اللہ تعالیٰ کا وہ اسم اعظم مراد لیا ہے جس کی برکت سے حضرت عیسیٰ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ لیکن بنی اسرائیل نے ان تمام باتوں کے باوجود توریت میں تحریف و تبدیلی کی۔ حضرت موسیٰ کے بعد ان ہی کی شریعت پر جو انبیاء آئے ان کی بھی مخالفت کی۔ اپنی تکذیب' سرکشی اور تکبر میں اس حد تک بڑھ گئے کہ تمام انبیاء کرام سے برے سلوک سے پیش آئے اور ہر طرح کی ایذا رسانی کے درپے رہے۔ بعض انبیاء کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کیا۔ جیسے حضرت زکریا' حضرت یحییٰ وغیرہ۔ یہ سب کچھ انہوں نے اس لیے کیا کہ انبیاء کی تعلیمات کو اپنی خواہشات' قیاسات اور بنائے ہوئے اصول و احکام کے منافی سمجھا اور انبیاء کی اتباع و پیروی کو اپنے لیے عار خیال کیا۔

جب قرآن حکیم کی اس سرزنش نے یہودیوں کو لاجواب کر دیا تو کہنے لگے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں۔ یعنی اسلام کی بات ہمارے دلوں میں داخل نہیں ہو سکتی۔ کسی کا سحر بیان' کسی کی قوت استدلال' کسی کی چاپلوسی' کسی کے معجزات ہمیں اپنے عقائد سے متزلزل نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ یہود کے فخریہ جواب میں کہتا ہے کہ یہ بات کوئی فخر و ناز کے قابل نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمہاری مسلسل نافرمانیوں اور کفر کے باعث تمہیں رحمت الٰہی سے محروم کر دیا گیا۔ اب تم اس قابل نہیں رہے کہ نور ایمان سے تمہارے دلوں کے ظلمت کدے روشن ہوں۔ یہ ملعونیت اور مغضوبیت جو یہود پر طاری ہوئی ان کے کفر اختیاری کے باعث ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے انبیاء سے مخالفت و دشمنی پر اصرار رکھنے کے باعث ہوئی۔ پھر فرمایا وہ بہت ہی تھوڑا ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ ان میں سے بہت کم لوگ ایماندار ہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ ان کا ایمان بہت کم ہے۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ وہ ایمان کی دولت سے محروم ہیں۔

**حضرت عیسیٰ علیہ السلام:** حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے متعلق محقق یہ ہے کہ آپ 4 ق م میں پیدا ہوئے۔ سن عیسوی کا حساب آپ کی ولادت سے شروع ہوتا ہے۔ آپ بنی اسرائیل میں آخری نبی ہیں۔ متی اور لوقا کی انجیلوں کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بیت اللحم میں پیدا ہوئے' جو یروشلم کے جنوب میں واقع ہے۔ آپ کا آبائی وطن علاقہ شام میں قصبہ ناصرہ (Nazereth) میں تھا۔ اسی نسبت سے آپ مسیح ناصری کہلائے۔ آپ کا تعلق یوسف بن یعقوب بن ماشان نامی ایک حکیم خاندان سے تھا۔ ناصرہ میں یوسف نجار (لکڑی کی صنعت) کا کام کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ نے اس قصبہ میں زندگی کے کم و بیش بیس تیس سال بسر کیے۔



آپ حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے بن باپ پیدا ہوئے۔ یہ آپ کی بڑی نرالی شان ہے۔ اسی وجہ سے قرآن حکیم نے آپ کو حضرت آدم کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ چونکہ بن باپ کے پیدا ہونا بڑے اچنبھے اور حیرت کی بات تھی اس لیے لوگ حضرتؑ مریم صدیقہ پر بہتان باندھنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کی عفت اور پاکدامنی کی شہادت خود حضرت عیسیٰ سے دلوائی۔ آپ پنگھوڑے میں ہی تھے کہ آپ نے لوگوں کو خطاب کیا اور ان کے شکوک و شبہات کو ختم کر دیا۔ ارشاد ہوتا ہے

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا (مریم:30)

میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو کلمتہ اللہ اور روح اللہ کے پاکیزہ القاب سے یاد کیا ہے۔ آپ بڑے بردبار' حلیم الطبع' پاکباز اور خوش خلق تھے۔ آپ ابھی بارہ تیرہ برس کے ہی تھے کہ آپ نے لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنا' برائیوں سے روکنا اور نیکیوں کی طرف دعوت دینا شروع کیا۔ آپ بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے مامور ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھوں مادر زاد اندھوں' اپاہجوں اور لاعلاج بیماروں کو شفا دینے کے معجزات صادر کیے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اسرائیلی قوم نے آپ کی تعلیمات پر توجہ نہ دی۔ آپ پر تہمتیں تراشیں' طرح طرح کی تکالیف دیں۔ آپ کے جانی دشمن ہوئے اور انجام کار آپ کے قتل کے درپے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہودیوں کے ظلم سے نجات دی اور سولی پر چڑھنے سے بچا کر آسمان پر اٹھا لیا۔ قرآنی تشریحات کے مطابق آپ نہ قتل ہوئے نہ سولی چڑھے' بلکہ آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ (نساء:157-158)

حضرت مسیح نے تورات کی تصدیق کرنے کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت بھی دی۔ (سورۃ الصف)

آپ پر انجیل نازل ہوئی۔ لیکن عیسائیوں نے اس میں تحریف لفظی و معنوی کی اور حضرت عیسیٰ کی ذات کے بارے میں غلو سے کام لیا۔ یہاں تک کہ آپ کو خدا کا بیٹا کہا اور آپ کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا۔

## قبول حق سے انکار کا سبب نسلی اور جماعتی حسد تھا

## تشریح و تفسیر آیات نمبر 89-90

ان آیات میں یہود کی ہٹ دھرمی اور دانستہ کفر کی ایک اور مثال بیان ہو رہی ہے۔ قرآن اور حامل قرآن یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پیش تر یہود کا یہ شعار تھا کہ

Scanned with CamScanner

جب کبھی وہ کفار اور مشرکین سے برسرپیکار ہوتے اور ان کی فتح کے ظاہری امکانات ختم ہوچکتے تو توریت کو سامنے کھول کر ان الفاظ سے دعا کرتے: اے اللہ! ہم تجھے تیرے اس نبی اور جو کتاب ان پر نازل ہوگی' کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں کہ آج ہمیں اپنے دشمنوں پر فتح دے تو اللہ تعالیٰ آپ کے صدقے انہیں فتح دیتا۔ نیز اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیا کرتے تھے کہ خدایا تو اس نبی کو جلدی بھیج جس کی بعثت کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور جس کی صفات ہم توریت میں پاتے ہیں تاکہ ہم ان پر ایمان لا کر ان کے ساتھ ہو کر اپنا ہاتھ مضبوط کر کے تیرے دشمن سے انتقام لیں۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے آپؐ میں ساری نشانیاں دیکھ لیں' آپ کو پہچان گئے' دل سے قائل ہوگئے تو یہودیوں نے ایمان لانے سے انکار کر دیا اور آپ کی نصرت و امداد کی بجائے مخالفت اور دشمنی پر اتر آئے۔ وہ اپنی تمام تر دعائیں بھول گئے جو کافروں پر فتح حاصل کرنے کے لیے مانگا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اللہ کی زبردست لعنت کا شکار ہوئے اور رحمت سے دور ہوگئے۔ ان کی یہ سرکشی اور انکار کسی دلیل پر مبنی نہیں تھا۔ انہیں صرف یہ حسد جلا رہا تھا کہ یہ نبی حضرت اسماعیل کی اولاد سے کیوں بھیجا گیا۔ بنی اسرائیل میں سے کیوں نہیں منتخب ہوا۔ یہ بدترین چیز تھی جو انہوں نے بہترین چیز کے بدلے لی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ رسالت کے حق دار کو خوب جانتا ہے۔ وہ اپنا فضل و کرم جس بندے کو چاہے عطا فرماتا ہے۔ نبوت کوئی موروثی حق نہیں ہے بلکہ وھبی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور بخشش سے جس کو چاہے اس سے نوازتا ہے۔

اس حسد و بغض اور تکبر و عناد کے باعث یہود غضب بالائے غضب کے مستحق ہوئے۔ ایک غضب تو یہ ہے کہ قرآن حکیم بلکہ اس کے ساتھ اپنی کتاب کے بھی منکر ہوگئے۔ دوسرے محض ضد اور حسد سے پیغمبر وقت سے انحراف کیا۔ نسلی اور قومی عصبیت نے انہیں دنیا اور آخرت میں ذلیل و خوار کیا۔ ان کافروں کے لیے بڑا رسوا کن اور اہانت آمیز عذاب ہے۔

# دعوت قرآنی سے انکار

## تشریح و تفسیر آیت نمبر91

جب یہود کو قرآن حکیم پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تو وہ بڑے فخر و غرور سے کہتے کہ ہم تو صرف اس وحی پر ایمان رکھتے ہیں جو ہمارے انبیاء پر اتری۔ اس کے علاوہ کسی دوسری وحی پر ایمان لانے کی ہمیں ضرورت و حاجت نہیں۔ یعنی وہ توریت کے علاوہ باقی الہامی کتابوں کا انکار کرتے ہیں اور قرآن کو نہیں مانتے۔ حالانکہ یہ کتاب الٰہی توریت کی تصدیق کرنے والی ہے۔ نیز یہ قرآن ان پیشین گوئیوں کے مطابق نازل ہوا ہے جو ان کے صحیفوں میں موجود ہیں اور یہ اس کے خطر بھی



رہے ہیں۔

# یہودیوں کے دعویٰ ایمانی کی تردید

## تشریح و تفسیر آیات نمبر92-93

بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی طویل فہرست سے چند واقعات کی طرف اجمالاً اشارہ کرنے کے بعد آیات زیر نظر میں ان کے اس دعویٰ کی مزید تردید کی جارہی ہے کہ وہ اپنے انبیاء پر صدق دل سے ایمان لا چکے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے روشن اور کھلے کھلے معجزات دیئے تھے۔ مثلاً لکڑی کا سانپ بن جانا' ہاتھ کا روشن چاند بن جانا' دریا کو چیر دینا' پانی کو پتھر کی طرح بنا دینا' پتھر سے نہریں جاری کرنا وغیرہ۔ یہ معجزات نبوت اور خدائی توحید کی واضح اور روشن دلیلیں تھیں۔ بنی اسرائیل نے یہ تمام معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے لیکن ادھر حضرت موسیٰ چالیس دن کی چلہ کشی کے لیے کوہ طور پر تشریف لے گئے اور بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ اس طرح انہوں نے اپنی جانوں پر اس گوسالہ پرستی سے صریح ظلم کیا۔ حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت اپنے درجہ نبوت پر قائم اور زندہ تھے۔ یہ حال یہود کا حضرت عیسیٰ موسیٰ کے ساتھ تھا گویا انہوں نے نہ تو خدائی احکامات کی پروا کی' نہ ہی رسول کی کسی بات کو تسلیم کیا۔ بلکہ وہ دعویٰ ایمانی کے باوجود کافرانہ اعمال کے مرتکب ہوئے۔ **وَاَنْتُمْ ظَالِمُوْنَ** یہاں **وَاَنْتُمْ مُشْرِكُوْنَ** کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن حکیم میں شرک کو متعدد مقامات پر ظلم کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ظلم کا اصل مفہوم حق تلفی ہے۔ خدا کے حقوق اور خود اپنے نفس کی جو حق تلفی آدمی شرک کا ارتکاب کر کے کرتا ہے وہ کسی اور دوسرے طریقے سے نہیں کرتا۔ اس بات کی وضاحت قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر کی ہے۔

آیت نمبر93 کی تشریح و تفسیر آیت نمبر63 کے تحت بیان ہو چکی ہے۔ یہاں اس کا مختصراً اعادہ کیا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل سے احکام توریت کو مضبوطی سے پکڑنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کا عہد و پیمان لیا گیا تھا۔ چونکہ کوہ طور ان کے سروں پر معلق تھا لہٰذا جان کے اندیشے سے اس وقت تو **سَمِعْنَا** کہہ دیا یعنی ہم نے احکام توریت سن لیے لیکن دل سے بعد میں **عَصَيْنَا** کہا یعنی ہم نے قبول نہیں کیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم نے حق کی بات کو سن تو لیا ہے لیکن ہم اسے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ گویا انہوں نے آغاز ہی سے نافرمانی کا عہد کیا تھا۔ منافقین اور یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جب کبھی آتے تو **سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا** کی جگہ **سَمِعْنَا عَصَيْنَا** ہی کہتے لیکن اس طرح کہتے کہ سننے والا **عَصَيْنَا** کو **اَطَعْنَا** سمجھے۔ اس کی

Scanned with CamScanner

وجہ یہ تھی کہ صورت پرستی اور بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں پیوست' راسخ اور پختہ ہو چکی تھی۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کسی چیز کی محبت انسان کو اندھا بہرا بنا دیتی ہے لہٰذا قرآن حکیم کہتا ہے کہ یہود دعویٰ ایمانی کس طرح کرتے ہیں کیا وہ بار بار کی عہد شکنیوں اور نافرمانیوں کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ حضرت موسیٰ اور بعد کے انبیاء کے ساتھ انہوں نے سرکشی اختیار کی۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بھی منکر ہوئے۔ گویا ان کے ایمان میں توحید رسالت اور اطاعت کا کوئی جزو موجود نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان کا ایمان کفر و شرک اور نافرمانیوں کا مجموعہ ہے۔

# بنی اسرائیل موت سے خائف اور حیات دنیوی کے پجاری تھے

## تشریح و تفسیر آیت نمبر 94-96

بنی اسرائیل کو جس چیز نے انکار حق پر محکم کر دیا تھا وہ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ان کی نجات یقینی ہے۔ آخرت کی تمام سرفرازیاں اور سعادتیں ان ہی کے لیے مختص ہیں۔ جنت میں ان کے سوا کوئی نہیں جائے گا۔ اس لیے کہ وہ خدا کے محبوب کے چہیتے اور لاڈلے ہیں۔ قرآن حکیم ان کے اس دعویٰ کی بھی تردید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر وہ اس زعم اور دعویٰ میں سچے ہیں تو اپنے مرنے کی تمنا کیوں نہیں کرتے۔ زندگی کے اتنے حریص کیوں بنے بیٹھے ہیں۔ انہیں تو زندگی کی بجائے موت کا حریص ہونا چاہیے تاکہ اس دار المحن سے نکل کر جنت کی ابدی و سرمدی نعمتوں سے شاد کام ہوں۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ وہ ہرگز ہرگز ایسا نہیں کریں گے اور واقعی وہ ایسا نہ کر سکے۔ کوئی بھی جانباز اور منچلا ایسا نہ نکلا جو اپنے دین اور دعویٰ کی صداقت ثابت کرنے کے لیے موت کی تمنا کر دکھاتا۔ وہ دل کی گہرائیوں میں خوب جانتے تھے کہ یہ آسان کام نہیں۔ اگر انہوں نے موت کی تمنا کی تو ان کی زندگی کا چراغ اسی لحہ گل کر دیا جائے گا۔ کیونکہ زندگی میں جو اعمال بد وہ اپنے ہاتھوں سے سمیٹ چکے تھے ان کی وجہ سے وہ موت سے خوف زدہ تھے۔ انہوں نے اپنی آخرت کو اس درجہ ویران کر رکھا تھا کہ آخرت کے تصور سے بھی ان کی روح گھبراتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اگر یہود اس وقت مرنے کی تمنا کرتے تو سب کے سب مر جاتے اور اپنی جگہ جہنم میں دیکھ لیتے۔

پھر آیت نمبر 96 میں فرمایا کہ یہ تو مشرکین سے بھی زیادہ درازی عمر کے متمنی ہیں۔ مشرکین اگر لمبی عمر کے خواہشمند ہوں تو تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ ان کے لیے ساری بہار دنیا میں ہی ہے۔ لیکن یہود تو آخرت پر یقین رکھتے ہیں اگر وہ فی الحقیقت یہ یقین رکھتے ہیں کہ جنت میں جائیں گے تو



موت سے اتنے خائف کیوں ہیں۔ یہ یہودی تو ایک ایک ہزار سال کی عمریں چاہتے ہیں۔ تاکہ دنیا کے عیش و طرب میں منہمک و مصروف رہیں۔ لیکن لمبی عمر بھی انہیں عذابِ الٰہی سے نہیں بچا سکتی۔ انجام کار وہ اس میں گرفتار ہوں گے۔ درازی عمر میں سے نہ عذاب میں کمی ہو سکتی ہے نہ اس سے نجات مل سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ وہ تمام نوع انسانی کے اچھے اور برے اعمال کو بخوبی جانتا ہے اور آخرت میں اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔

ان آیات میں مسلمانوں کے لیے بھی سامان عبرت ہے کہ وہ دنیا کی طمع کاری پر اس قدر شیفتہ و فریفتہ نہ ہو جائیں کہ لقاء الٰہی کا ذوق و شوق ان کے دلوں سے مفقود ہو جائے۔ مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ موت سے خائف نہ ہو بلکہ اس کا ہر وقت مردانہ وار مقابلہ کرنے کے لیے کمربستہ رہے۔ بقول علامہ اقبال ۔

نشان مرد مومن باتو گویم — چوں مرگ آید تبسم بر لب او

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ

کہو جو ہے دشمن واسطے جبریلؑ کے پس بیشک اسنے اتارا ہے اوپر دل تیرے ساتھ حکم

آپ کہہ دیجئے کہ جو کوئی جبرائیل کا مخالف ہے تو انہوں نے اس قرآن کو آپ کے قلب پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے

اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾

اللہ کے تصدیق کرنیوالا واسطے جو درمیان دونوں ہاتھ اسکے اور ہدایت اور بشارت واسطے ایمان لانیوالوں کے

وہ تصدیق کرنے والا ہے۔ اس کلام کا جو اس کے قبل سے ہے اور ہدایت ہے اور ایمان والوں کے لئے خوشخبری ہے

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ

جو ہے دشمن واسطے اللہ کے اور فرشتوں اسکے اور رسولوں اسکے اور جبریلؑ اور میکائیلؑ

جو کوئی مخالف ہو اللہ کا یا اس کے فرشتوں کا یا رسولوں کا یا جبرائیل کا یا میکائیل کا تو اللہ

فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا

پس بیشک اللہ دشمن ہے واسطے انکار کرنیوالوں کے اور بیشک ہم نے نازل کیا طرف تیری نشانیاں واضح اور نہیں

بھی یقیناً ایسے کافروں کا مخالف ہے۔ اور یقیناً ہم نے آپ پر روشن نشان اُتارے ہیں۔ اور ان کا

يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿٩٩﴾ اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ

انکار کرتے ساتھ انکے مگر نافرمان کیا جب کبھی انہوں نے باندھا وعدہ پھینک دیا اسے

کوئی بھی انکار نہیں کرتا بجز نافرمانوں کے۔ کیا یہ کہ انہوں نے جب کبھی بھی کوئی عہد کیا عہد تو انہی میں

فَرِيقٌ مِّنْهُمْ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٠﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمْ

ایک جماعت نے اسے ان بلکہ اکثر ان میں سے نہیں ایمان لاتے اور جب آیا ان کے پاس

سے کسی نہ کسی جماعت نے توڑ ہی پھینکا اصل یہ کہ ان میں سے زیادہ تر تو اعتقاد ہی نہیں رکھتے اور جب ان کے پاس

رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ

رسول سے پاس اللہ تصدیق کرنیوالا واسطے جو پاس انکے پھینک دیا ایک جماعت نے انہیں سے جنکو

پیغمبر اللہ کی طرف سے آئے تصدیق کرتے ہوئے اس کتاب کی جو آپ کے پاس موجود تھی تو ان

أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٠١﴾

دی گئی کتاب کتاب اللہ کی پیچھے پشتوں اپنی جیسے بیشک وہ نہیں علم رکھتے

اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے کتاب اللہ کو اپنی پشت کے پیچھے پھینک دیا گویا وہ جانتے بوجھتے ہی نہیں۔

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ

اور انہوں نے پیروی کی اسکی جو تلاوت کرتے ہیں شیطان اوپر ملک سلیمان کے اور نہیں کفر کیا سلیمان نے

اور یہ لوگ پیچھے لگ گئے اس علم کے جو سلمان کی بادشاہت میں شیطان پڑھا کرتے تھے اور سلمان نے تو کبھی کفر نہیں کیا

وَلَٰكِنَّ الشَّيَاطِينَ كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا أُنزِلَ

اور لیکن شیطانوں نے کفر کیا وہ تعلیم دیتے لوگوں کو جادو کی اور جو اتارا گیا

البتہ شیطان ہی کفر کیا کرتے تھے۔ لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے اور وہ پیچھے لگ گئے اس

عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمَانِ مِنْ أَحَدٍ

اوپر دو فرشتوں بمقام بابل ہاروت اور ماروت اور نہیں وہ دونوں تعلیم دیتے کسی ایک کو

علم کے بھی جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اتارا گیا۔ اور وہ دونوں کسی کو بھی اس فن کی

حَتَّىٰ يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۖ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا

جبتک وہ دونوں کہہ دیتے بیشک ہم آزمائش پس نہیں تم کفر کرو بس وہ سیکھتے ان دونوں سے

باتیں نہیں بتاتے تھے جبتک یہ نہ کہہ دیتے ہم تو صرف ایک ذریعہ امتحان ہیں سو تم کہیں کفر اختیار نہ کر لینا

مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا هُم بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ

جو وہ تفریق ڈالتے ساتھ اس درمیان مرد اور بیوی اسکی اور نہیں وہ ضرر پہنچانیوالے ساتھ اسکے کسی

مگر لوگ ان دونوں سے وہ سحر سیکھ لیتے جس سے وہ جدائی ڈال دیتے مرد اور اس کی عورت کے بالا نکہ وہ فی الواقع کیکو

أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ

ایک کو مگر ساتھ حکم اللہ کے اور وہ سیکھتے جو ضرر پہنچاتا انہیں اور نہ نفع دیتا انہیں اور بیشک

بھی اس کے ذریعہ نقصان نہ پہنچا سکتے ہاں مگر ارادہ الٰہی سے اور وہ چیز سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچاتی ہے اور انہیں نفع نہیں پہنچاتا



عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ

انہوں نے معلوم کر لیا البتہ جس نے خریدا اسے نہیں واسطے اسکیں آخرت کوئی حصہ اور البتہ برا ہے

سکتی اور یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ جس نے اختیار کیا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور بہت ہی بری چیز

مَا شَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا

جو بیچا انہوں نے بدلے جسکے جانیں اپنی کاش وہ جانتے اور اگر بیشک وہ ایمان لاتے

وہ ہے جس کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا کاش وہ اتنا ہی جانتے اور وہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے

وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ خَيْرٌ ۖ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿١٠٣﴾

اور تقویٰ اختیار کرتے البتہ صلہ سے پاس اللہ کے بہتر کاش وہ جانتے

تو اس کا بدلہ اللہ کے ہاں کہیں بہتر ہوتا۔ کاش وہ اتنا جانتے۔

## الفاظ کے معانی و ضروری تشریحات

نَزَّلَہٗ — اس نے اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب ہٗ ضمیر مفعول ؛

اِذْنِ — ارادہ۔ حکم۔ اجازت۔ مشیئت ؛

بَیْنَ یَدَیْہِ — جو اس کے سامنے ہے۔ جو کچھ ان کے پاس ہے ؛

ھُدًی — ہدایت ؛

بُشْرٰی — خوشخبری، بشارت ؛

مَلٰٓئِکَتِہٖ — اس کے فرشتے ؛

رُسُلِہٖ — اس کے رسول، اس کے پیغمبر۔ رسول کی جمع ہے ؛

جِبْرِیْل — جبر کے معنی ہیں بندہ اور ایل اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ لہٰذا جبریل کے معنی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ایک مقرب اور برگزیدہ فرشتے کا نام ہے۔ جو فرشتوں کے سرخیل ہیں اور تمام انبیاء کے پاس اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور احکامات پہنچاتے تھے۔ اسی لیے یہ تمام فرشتوں سے برتر ہیں۔ جبریل کو روح القدس اور روح الامین بھی کہتے ہیں۔ آپ معراج کے سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ تھے ؛

مِیْکٰئِل — اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر فرشتہ کا نام ہے۔ جن کے ذمہ مخلوق کو

رزق پہنچانا اور بارش ہے ؛؛

**مَا يَكْفُرُ** — وہ انکار نہیں کرتے ؛؛

**فٰسِقُوْنَ** — وعدہ شکن لوگ، بدکردار، راستی سے نکل جانے والے، قانون شکن لوگ۔ فاسق کی جمع ہے ؛؛

**اَوَ** — یا۔ خواہ۔ دراصل اَوْ ہے ؛؛

**كُلَّمَا** — جس دفعہ، جب بھی، جس مرتبہ ؛؛

**عٰهَدُوْا** — انہوں نے عہد کیا۔ معاہدہ سے ہے ؛؛

**نَّبَذَهٗ** — اس نے اسے پھینک دیا۔ اس نے اسے توڑ دیا۔ مصدر نَبْذٌ اور مادہ (ن ب ذ) ہے ؛؛

**اَكْثَرُهُمْ** — ان میں اکثر۔ ان کے اکثر لوگ ؛؛

**جَآءَهُمْ** — وہ ان کے پاس آیا ؛؛

**وَرَآءَ** — پیچھے ؛؛

**ظُهُوْرِهِمْ** — ان کی پیٹھیں۔ ظَهْر کی جمع ہے ؛؛

**كَاَنَّهُمْ** — گویا وہ سب۔ گویا کہ وہ۔ جیسا کہ وہ ؛؛

**لَا يَعْلَمُوْنَ** — وہ نہیں جانتے ؛؛

**اِتَّبَعُوْا** — انہوں نے اتّباع کی۔ انہوں نے پیروی کی۔ مصدر اِتِّبَاعٌ اور مادہ (ت ب ع) ہے۔ وہ (جماعت شیاطین) پڑھتی ہے فعل مضارع صیغہ واحد مؤنث غائب تلاوت سے ہے ؛؛

**شَيٰطِيْنُ** — شیطان کی جمع ہے۔ جس کے معنی سرکش اور شریر کے ہیں عربی زبان میں ہر وہ چیز جو انسان کو اللہ تعالےٰ سے دور ہٹا دے۔ شیطان ہے۔ خواہ وہ جن ہو یا انسان ہو ؛؛

**مُلْكِ** — عہدِ سلطنت۔ عہدِ حکومت۔ بادشاہی ؛؛

**سُلَيْمٰنَ** — سلیمان بن داؤد (۹۹۰ ق م تا ۹۳۰ ق م اندازاً) سلسلہ اسرائیل کے ایک مشہور اور جلیل القدر پیغمبر گزرے ہیں۔ آپ پیغمبر بھی تھے اور ایک بہت بڑے حکمران بھی۔ اپنے باپ کے بعد جانشین ہوئے۔ آپ کی حکومت شام و فلسطین کے علاوہ عراق



اور مصر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے جن ہوا اور پرندوں کو بھی مطیع و مسخر کر دیا تھا ؛؛

**كَفَرَ** — اس نے کفر کیا۔ فعل ماضی معروف صیغہ واحد مذکر غائب ؛؛

**يُعَلِّمُوْنَ** — وہ سکھاتے تھے ؛؛

**سِحْرَ** — سحر، جادو ؛؛

**مَلَكَيْنِ** — دو فرشتے۔ مَلَک کا تثنیہ ہے ؛؛

**بِبَابِلَ** — بابل شہر میں۔ ان الفاظ میں سے ہے جن پر دو زبر دو پیش کبھی نہیں آتے اور زیر کی جگہ زبر آتا ہے۔ قواعد کی اصطلاح میں ایسے الفاظ غیر منصرف کہلاتے ہیں۔ بابل مُلک کا نام بھی تھا اور دارالحکومت کے شہر کا بھی بحیثیت مُلک یہ آج کل عراق عرب کہلاتا ہے اور بحیثیت شہر آج کل اس مقام پر حلّہ کے نام کا قصبہ آباد ہے۔ یہ جگہ موجودہ بغداد سے ۶۰ میل جنوب میں واقع ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ شہر دریائے فرات کے کنارے آباد تھا۔ اپنی وسعت، آبادی اور تہذیب و تمدّن کے اعتبار سے بہت اہم تھا ۵۳۸ ق م کے بعد ایسی تباہی کا شکار رہا کہ اس کا خاتمہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگیا۔ یہود و نصاریٰ کے صحیفوں میں اس مُلک کی عظمت اور تباہ کاریوں کا ذکر بکثرت ملتا ہے۔ دریائے فرات کے دونوں طرف اس کے کھنڈرات آج بھی اس کی عظمتِ رفتہ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ جادوگری اور شراب خوری کے لحاظ سے یہ شہر بہت شہرت رکھتا تھا ؛؛

**هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ**: دو فرشتوں کے نام ہیں جو شہر بابل میں سحر و کہانت اور ٹونے ٹوٹکے اور تعویذ و گنڈے وغیرہ علوم کا زور حد سے تجاوز کر گیا اور عوام نے انبیاء کرام اور خدا رسیدہ بندوں سے انحراف کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی اصلاح و آزمائش کے لیے ان فرشتوں کو بھیجا۔ ظاہر ہے ان کا جسم اور رنگ و روپ انسانوں جیسا ہوگا ؛؛

**يُعَلِّمٰنِ** — وہ دونوں تعلیم دیتے تھے ؛؛

Scanned with CamScanner

| | |
|---|---|
| مَا يُعَلِّمَانِ | وہ دونوں تعلیم نہیں دیتے تھے، وہ نہیں سکھلاتے تھے :: |
| يَقُولَا | وہ دونوں کہہ دیتے تھے۔ فعل مضارع صیغہ تثنیہ مذکر غائب :: |
| فِتْنَةٌ | فتنہ۔ آزمائش۔ امتحان۔ ابتلاء :: |
| فَلَا تَكْفُرْ | پھر تم کفر نہ کرو :: |
| يَتَعَلَّمُوْنَ | وہ سیکھتے تھے۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب :: |
| يُفَرِّقُوْنَ | وہ جدائی پیدا کرتے تھے۔ وہ تفریق ڈالتے تھے :: |
| اَلْمَرْءِ | مرد۔ آدمی :: |
| زَوْجِهٖ | اس کی بیوی۔ اس کی عورت :: |
| ضَآرِّيْنَ | ضَرَّ کا اسم فاعل ہے۔ نقصان پہنچانے والے۔ نقصان دینے والے 'ب' کی وجہ سے ضَآرُّوْنَ۔ ضَآرِّيْنَ ہوگیا ہے :: |
| مَا يَضُرُّ | وہ نہیں نقصان پہنچائے گا۔ وہ نقصان نہیں پہنچاتے۔ وہ نفع بخش نہ ہوگا۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب :: |
| لَا يَنْفَعُهُمْ | وہ انہیں نفع نہیں پہنچاتے :: |
| عَلِمُوْا | انہوں نے جان لیا۔ انہوں نے سمجھ لیا :: |
| شَرَوْا | انہوں نے بیچا۔ مصدر شِرَاءٌ اور مادہ (ش ر ی) ہے :: |
| خَلَاقٍ | حصہ۔ بہرہ۔ نصیب :: |
| مَثُوْبَةٌ | بدلہ۔ اجر۔ ثواب :: |

# یہود کی جبرائیل سے عداوت

## تشریح و تفسیر آیات نمبر 97-99

ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہود کو پیغام رشد و ہدایت دیا تو انہوں نے اپنے چند علماء کو جن کا سرغنہ عبداللہ بن صوریا تھا آپ کے پاس بھیجا۔ ان لوگوں نے آپ سے دریافت فرمایا کہ چند باتیں وہ ہیں جنہیں انبیاء کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ اگر آپ نے صحیح جواب دیا تو آپ قطعی وہ نبی ہیں جن کی خبر حضرت موسیٰ نے دی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے سوالات کے صحیح جوابات دیے۔ جنہیں انہوں نے تسلیم کیا۔ پھر آپ نے پوچھا اب تم مجھ پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ یہودیوں نے جواب



دیا آپ پر فرشتہ (جبرائیل) وحی لاتا ہے۔ وہ ہمارا پرانا اور سخت دشمن ہے۔ وہ ہمیشہ ہم پر عذاب الٰہی لے کر اترتا رہا۔ اگر جبرائیل کی بجائے کوئی اور فرشتہ وحی لائے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ ان آیات میں یہودیوں کے اس شبہ کا جواب دیتا ہے کہ جبرائیل اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتے۔ وہ تو صرف حکم الٰہی کی تعمیل میں مقرر ہیں۔ جبرائیل نے جو کلام الٰہی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا ہے اپنی مرضی سے نازل نہیں کیا بلکہ حکم الٰہی کے تحت اتارا ہے۔ جبرائیل جو کام بھی کرتے ہیں وہ منشائے الٰہی اور اس کے حکم کے تحت سرانجام دیتے ہیں۔ اگر تم محض اس وجہ سے جبرائیل کی مخالفت کے درپے ہو کہ انہوں نے یہ قرآن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر کیوں نازل کیا ہے اور تمہارے کسی فرد پر کیوں نہیں اتارا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اللہ تعالیٰ کو بھی اپنا دشمن اور مخالف سمجھتے ہو۔ حالانکہ جبرائیل تمہارے اپنے عقیدہ کے مطابق بھی خدا کے فرشتے ہیں۔ اس لیے تم تنہا جبرائیل کے ہی نہیں بلکہ خدا کے بھی دشمن ہو اور اس لیے خدا بھی تمہارا دشمن ہے۔ یہود قرآن و حامل قرآن یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسد اور ضد میں جبرائیل علیہ السلام کو بھی اپنا دشمن ظاہر کرنے لگے تھے یہاں تک کہ جبرائیل کو گالیاں بھی دیتے تھے۔

پھر فرمایا کہ یہ قرآن اس کلام کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے قبل ہے اور ایمان لانے والوں کو ہدایت اور خوشخبری دیتا ہے۔ یہاں قرآن حکیم کی تین مزید صفات بیان ہوئی ہیں۔ اول یہ کہ وہ سابقہ صحیفوں کا مصدق ہے۔ دوم یہ کہ راہ حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ سوئم یہ کہ جو اس کی ہدایت اور رہنمائی قبول کریں ان کے لیے آخرت کی کامیابی و کامرانی کی بشارت و خوشخبری سناتا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ یہود دوڑ کر اس کتاب الٰہی پر ایمان لاتے لیکن یہ اپنے دوست اور دشمن کو بھی نہیں پہچانتے۔ ان کی یہ مخالفت صرف قرآن کی مخالفت نہیں ہے بلکہ خود ان کی اپنی کتاب کی بھی مخالفت ہے۔ وہ اس ہدایت ربانی کے بھی دشمن ہیں جو پہلے نازل ہوئی اور اس ہدایت یعنی قرآن کے بھی دشمن ہیں جو اب تمام بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے۔

آیت نمبر 98 میں وہ تفصیل پیش کی جارہی ہے جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کی مخالفت کے نتیجہ میں لازم آتی ہے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شرارت کی سزا بھی بیان ہوئی ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی دشمنی کے نتیجہ میں سب سے پہلے خود اللہ تعالیٰ کی مخالفت لازم آتی ہے۔ کیونکہ جبرائیل نے وحی الٰہی کا کام خدا کے حکم کے تحت سرانجام دیا۔ اب جب یہود اس وجہ سے جبرائیل کے دشمن ہیں تو خود خدا کے بھی مخالف ہیں۔ پھر اس سے تمام فرشتوں، تمام رسولوں، جبرائیل اور میکائیل سب کی مخالفت لازم آتی ہے۔ کیونکہ تمام فرشتے اور انبیاء اللہ تعالیٰ کے منشاء اور مرضی کے مطابق تمام احکام سرانجام دیتے ہیں اور ان کے درمیان کوئی تمیز اور فرق نہیں ہے۔ جو شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی مخالف ہوا وہ سب کا دشمن ہوا اور جس نے کسی ایک کو بھی جھٹلایا، اس نے سب کو جھٹلایا۔ آیت میں تمام فرشتوں کا ذکر کرنے کے بعد جبرائیل اور

Scanned with CamScanner

میکائیل فرشتوں کا خصوصی ذکر ان کی اہمیت کی بناء پر ہے۔ یہ سبب بھی ہو سکتا ہے کہ یہود جرائیل کے مقابلے پر میکائیل فرشتے کو اپنا مونس اور ہمدرد خیال کرتے ہوں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے وضاحت کی ہے کہ جو جرائیل کا دشمن ہے وہ میکائیل کا بھی دشمن ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ایسے کافروں اور منکروں کا دشمن ہے۔

آیت نمبر 99 میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا ہے کہ ہم نے آپ پر روشن آیات نازل کیں۔ جو آپ کی نبوت و رسالت پر دال ہیں۔ خواہ وہ روشن آیات' قرآن حکیم کے مدلل بیان کی شکل میں ہوں یا آپ کے کارناموں 'نشانیوں' شواہد اور معجزات کی شکل میں ہوں۔ یہ نشانیاں اس قدر واضح ہیں کہ ان سے انکار کرنا عقل سے بعید ہے۔ صرف وہی افراد ان کے منکر ہو سکتے ہیں جو نافرمان اور عہد شکن ہیں۔

# یہود میں عہد شکنی کی عادت ہمیشہ سے رہی ہے

## تشریح و تفسیر آیات نمبر 100-101

ان آیات میں بھی یہود کی عہد شکنیوں اور نافرمانیوں کو بیان کیا جا رہا ہے۔ یعنی یہود کی یہ روش ہمیشہ سے رہی ہے کہ جب کبھی انہوں نے خدا یا رسول سے کوئی عہد و پیمان باندھا تو وقت آنے پر ان میں سے ایک فریق نے اسے توڑ دیا اور ہلکا سمجھ کر پھینک دیا یا اسے پس پشت ڈال دیا۔ یہ عہد شکنی ایک فریق پر منحصر نہیں تھی۔ بلکہ یہود کی اکثریت ایسے لوگوں پر مشتمل تھی جو سرے سے ایمان ہی سے عاری تھے۔ یہ توریت پر ایمان کا دعویٰ تو کرتے لیکن حقیقت میں ایمان کسی چیز پر بھی نہیں رکھتے تھے۔ چونکہ یہودیوں نے اس بات سے انکار کر دیا تھا کہ ہم سے پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی عہد لیا گیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تو ان کی عادت قدیمہ ہے کہ عہد و پیمان کیا اور اسے توڑ دیا۔ بلکہ ان کے اکثر افراد تو ایمان کی دولت سے بالکل خالی ہیں۔ امت مسلمہ کو بھی اوفوا بالعقود پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ وہ یہودیوں کی طرح احکام الٰہی کے تارک نہ بنیں۔

دوسری آیت میں یہود کی مذکورہ بالا روش کی واقعاتی شہادت پیش کی گئی۔ یعنی جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول آیا جو ان کی پیش گوئیوں کے عین مطابق ہے اور ان کی کتاب (تورات) کی تصدیق کرنے والا ہے تو ان کے ایک فریق نے کتاب الٰہی سے غفلت اور لاپرواہی کر کے اسے اس طرح پس پشت ڈال دیا گویا اس سے کبھی آشنا ہی نہیں ہیں کہ یہ کیا کتاب ہے اور اس میں کیا کیا حکم ہیں۔ پس جب یہود کا اپنی ہی کتاب پر ایمان نہیں تو ان سے قرآن اور حامل قرآن



(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانے کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔ جس قوم کی ہٹ دھرمی اور ضد کا یہ حال ہو تو اس سے ہدایت کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ بھی قرآن حکیم کو ریشمی غلافوں میں بند کر کے طاق نسواں میں نہ رکھ دیں بلکہ اس کے احکام پر عمل پیرا ہوں۔

# یہود کی سحر نوازی

## تشریح و تفسیر آیات نمبر 102-103

ان آیات میں یہود کی گمراہی اور بے راہ روی کا ذکر ہے کہ انہوں نے کتاب الٰہی کی اطاعت و فرمانبرداری کو تو پس پشت ڈال دیا اور اس کی بجائے سحر و کہانت اور تعویذ گنڈے وغیرہ علوم کی پیروی شروع کر دی اور بعد کے زمانوں میں جب یہود ذلت و ادبار اور نکبت و افلاس کا شکار ہوئے تو انہوں نے ان علوم میں اپنے آپ کو کلی طور پر ماہر بنا لیا اور اپنی تمام تر توجہ ان علوم کی طرف مبذول کر لی۔

یہود ان علم سفلیہ کو تقدس کا رنگ دینے اور لوگوں کو ان کا گرویدہ بنانے کے لیے حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام خدا کے برگزیدہ نبی تھے اور ان علوم کی آلودگیوں سے ان کا دامن بالکل پاک صاف تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کی برات کا صاف صاف اعلان کیا اور کہا کہ حضرت سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے کفر کیا جو لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔

اس جگہ مفسرین نے شیطان کے دو معنی بیان کیے ہیں۔ اول شیاطین الجن (وہ جن وہ کافر اور بد راہ تھے) دوسرے معنی شیاطین الانس (وہ شریر انسان جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں باغی ہو گئے تھے اور جنہوں نے حق و صداقت کی مخالفت کی) یعنی ان گمراہانہ افعال کی ساری ذمہ داری شیطان جن و انس پر ہے جنہوں نے ان علوم کو اختیار کیا اور پھر لوگوں کو ان کی تعلیم دی۔ بعض اصحاب نے فاعل یہود کو قرار دیا۔ کیونکہ ان کا ایک گروہ ایسا تھا جو سحر و کہانت میں مہارت رکھتا تھا۔ جادو کا رواج حضرت سلیمان سے پیشتر بھی تھا۔ کیونکہ قرآن حکیم میں ایک مقام پر آتا ہے کہ فرعونی دربار میں حضرت موسیٰ کا جادوگروں سے مقابلہ ہوا۔ البتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں اس پر پابندی رہی۔ حضرت سلیمان کے زمانے میں بعض شریر انسانوں نے اس علم کو دوبارہ رواج دیا۔ یہاں تک کہ جب بخت نصر نے دمشق کے علاقہ پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا اور یہودیوں کو قیدی اور غلام بنا کر اپنے پایہ تخت بابل لے گیا تو وہاں ساحری زوروں پر تھی۔ لہٰذا

Scanned with CamScanner

یہودیوں نے بھی اس میں مہارت تامہ حاصل کرلی۔

پھر فرمایا **وَمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَی الۡمَلَکَیۡنِ بِبَابِلَ هَارُوۡتَ وَمَارُوۡتَ** کا عطف **وَاتَّبَعُوۡا مَا تَتۡلُوا الشَّیٰطِیۡنُ** پر ہے۔ یعنی انہوں نے اس کی پیروی کی جو شیاطین حضرت سلیمان کے عہد میں پڑھتے تھے اور اس کی پیروی کی جو بابل میں ہاروت و ماروت پر نازل کیا گیا۔ ہاروت و ماروت کون تھے اس بارہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت منقول نہیں ہے۔ مفسرین کی ایک جماعت نے یہ ظاہر کیا ہے کہ ایک زمانہ میں بابل جادو کا مرکز تھا۔ لوگ ساحرانہ مشاغل میں اتنے منہمک و مصروف تھے کہ معجزات کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہاروت و ماروت دو فرشتوں کو علم سحر سے واقف کر کے بھیجا تاکہ وہ اس کی حقیقت واضح کر دیں۔ ظاہر ہے کہ ان فرشتوں کا جسم اور رنگ و روپ انسانوں جیسا ہو گا۔ لیکن ان کی فہمائش اور ہدایت کے باوجود لوگ ان سے جادو سیکھتے اور اس سے نقصان رسانی کے کام کرتے۔ جب یہ فرشتے اپنے علم کا کسی پر انکشاف کرتے تو ساتھ اس کو یہ تنبیہہ بھی ضرور کر دیتے کہ ہمارا یہ علم ایک فتنہ اور آزمائش ہے۔ تم اس کو برے مقاصد میں استعمال کر کے کفر میں نہ پڑنا۔ فرشتوں کا ایسی چیز سکھانا جو بجائے خود بری تھی یوں سمجھئے کہ جیسے پولیس کے بے وردی سپاہی کسی رشوت خور حاکم کو نشان زدہ سکے اور نوٹ لے جا کر رشوت کے طور پر دیتے ہیں تاکہ اسے عین حالات ارتکاب جرم میں پکڑیں اور اس کے لیے بے گناہی کی گنجائش باقی نہ رہنے دیں۔ اگرچہ سحر حرام ہے لیکن ان فرشتوں کو اس لیے بتایا گیا تھا تاکہ سرکش اور بدعہد یہودیوں کی بداعمالی واضح ہو جائے۔

مذکورہ بالا انتباہ کے باوجود یہود خصوصاً فرشتوں سے ان عملیات کی تعلیم حاصل کرتے تھے جن کی وساطت سے وہ میاں اور بیوی کے درمیان جدائی ڈال سکیں اور لوگوں میں فساد پیدا کر سکیں۔ یہ حرکت یہود کی اخلاقی پستی پر روشنی ڈالتی ہے۔ گویا ان کا سب سے زیادہ میلان اس عمل سے وابستہ ہے کہ زوجین (میاں بیوی) کے درمیان مودت اور الفت کے اس رشتہ کو ختم کر دیں۔ جس پر معاشرہ کے استحکام کی بنیاد ہے۔ وہ اس حقیقت سے نا آشنا تھے کہ اعمال شیطانیہ یا اعمال روحانیہ سے کسی کو نفع یا نقصان صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اذن ہی سے پہنچایا جا سکتا ہے اور یہ علوم بذات خود اثر انداز نہیں ہو سکتے۔ آیت کا یہ ٹکڑا نہ صرف خدا کی توحید کو اجاگر اور روشن کرتا ہے جو تمام تعلیمات قرآنی کی بنیاد ہے بلکہ تمام معاملات میں خدا کی طرف رجوع کرنے کی بھی دعوت دیتا ہے۔ پھر فرمایا یہود جانتے تھے کہ جس نے اس چیز کو اختیار کیا آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ لیکن وہ گھٹیا اغراض کے لیے ان علوم سفلیہ سے چمٹے رہے۔ حالانکہ توریت میں انہیں واضح اور صریح الفاظ میں ان عملیات سے باز رہنے کی تنبیہ کی گئی ہے، لیکن انہوں نے حضرت موسیٰ کی تنبیہات کے باوجود ان چیزوں کو بڑی شد و مد کے ساتھ اپنایا۔ حتی کہ طالوت کو اپنے عہد میں پوری قوم کی اصلاح کرنی پڑی۔ لہٰذا قرآن حکیم کہتا ہے کہ کیا ہی بری ہے وہ چیز جس کے بدلہ میں انہوں



نے اپنی جانوں کو بیچا۔ یعنی یہودیوں نے اپنی روح کو ذلیل چیزوں کے لیے تباہ و برباد کر دیا اور ہلاکت کو خریدا۔ کاش وہ اس انجام کو سمجھتے۔

آیت کے اختتام پر ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہود ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کا ثواب ان کے لیے کہیں بہتر تھا۔ کاش وہ سمجھتے یعنی اگر وہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر اور کتاب الٰہی پر ایمان لاتے اور ان فتنوں سے گریز کرتے جن میں وہ مبتلا تھے تو خدا کی طرف سے بہت بڑے اجر کے مستحق ہوتے۔ کاش وہ سمجھتے کہ حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقُوۡلُوۡا رَاعِنَا وَقُوۡلُوا انۡظُرۡنَا وَاسۡمَعُوۡا ؕ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے نہ تم کہو رَاعِنَا اور کہو اُنْظُرْنَا اور توجہ سے سنو

اے ایمان والو رَاعِنَا مت کہا کرو اور اُنْظُرْنَا کہا کرو اور سنتے رہا کرو

وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ

اور واسطے کافروں کے عذاب دردناک نہیں چاہتے وہ جو کافر ہوئے سے اہل

اور کافروں کے لئے عذاب دردناک ہے جو لوگ کافر ہیں خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا

الۡكِتٰبِ وَلَا الۡمُشۡرِكِيۡنَ اَنۡ يُّنَزَّلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ؕ

کتاب اور نہ مشرکین کہ اتارا جائے اوپر تمہارے کوئی بھلائی سے پروردگار تمہارے

مشرکین میں سے وہ اسے ذرا بھی پسند نہیں کرتے کہ تمہارے اوپر کوئی بھی بھلائی تمہارے پروردگار کی طرف

وَاللّٰهُ يَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا

اور اللہ مخصوص کرتا ہے ساتھ رحمت اپنی جسے وہ چاہتا ہے اور اللہ والا فضل بڑے نہیں

سے نازل ہو حالانکہ اللہ اپنی رحمت سے جسے چاہے مخصوص کرے اور وہ بڑے ہی فضل والا ہے۔ ہم جس

نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ اَلَمۡ

ہم منسوخ کرتے کوئی آیت یا بھلا دیتے اسے ہم لے آتے ہیں بہتر اس سے یا جیسی اس کیا نہیں

آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں۔ تو کوئی اس سے بہتر یا مثل اس کے لئے آتے ہیں کیا تجھے

تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ

تو جانتا کہ اللہ اوپر ہر چیز قدرت رکھنے والا کیا نہیں تو جانتا کہ اللہ واسطے اسکے

خبر نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کے لئے

مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَا لَـكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ

بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور نہیں واسطے تمہارے سوائے اللہ کے کوئی دوست

سلطنت آسمانوں اور زمین کی ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا مددگار

وَلَا نَصِيْرٍ ﴿١٠٧﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ

اور نہ مددگار کیا تم چاہتے ہو کہ سوال کرو رسول سے اپنے جیسا سوال کیے گئے

نہیں۔ تم شاید یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کرو۔ جیسا کہ اس سے

مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ

موسیٰ سے پہلے اور جو بدلے میں لے کفر بعوض ایمان پس بیشک

قبل موسیٰ سے سوال کیے جا چکے ہیں۔ اور جو ایمان کے بدلے میں کفر اختیار کرے گا۔ سو وہ یقیناً

ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿١٠٨﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ

بھٹک گیا سیدھے راستے سے چاہا اکثروں نے سے اہل کتاب کاش وہ لوٹا لیں تمہیں

سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔ بہت سے اہل کتاب تو دل ہی سے چاہتے ہیں۔ کہ کہیں ایمان لانے کے بعد

مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ

سے بعد ایمان تمہارے کفر کی حالت میں حسد رکھتے ہوئے پاس دلوں اپنے سے

پھر سے کافر نالیں۔ حسد کی راہ سے جو کہ ان کے نفسوں میں ہے اور یہ بھی

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ

بعد جو واضح ہو گیا واسطے انکے حق پس درگزر کرو اور معاف کردو حتیٰ کہ لے آئے اللہ

بعد اس کے کہ ان پر حق واضح ہو چکا ہے۔ سو معاف کرتے رہو۔ تا آنکہ اللہ اپنا حکم بھیج دے۔

بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٠٩﴾ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا

حکم اپنا بے شک اللہ اوپر ہر چیز کے قدرت رکھتا ہے اور قائم کرو نماز اور دو

یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے

الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ

زکوٰۃ اور جو تم آگے بھیجو گے واسطے جانوں اپنی کوئی بھلائی تم پاؤ گے پاس

رہو۔ اور جو کچھ بھلائی تم اپنے واسطے آگے بھیج دوگے۔ اسے اللہ کے پاس پالو گے یقیناً اگر تم

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١٠﴾ وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ

اللہ کے بیشک اللہ ساتھ جو تم کرتے ہو دیکھنے والا اور انہوں نے کہا ہرگز نہیں داخل ہوگا جنت میں

جو کچھ کر رہے ہو اللہ اس کا خوب دیکھنے والا ہے۔ اور یہ کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی ہرگز داخل نہ

اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ

سوائے اسکے جو ہو یہودی یا عیسائی یہ امنگیں ہیں انکی کہہ دو لے آؤ دلیل اپنی

ہوگا بجز ان کے جو یہودی یا نصرانی ہوں۔ یہ ان کی نری آرزوئیں ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اپنی



اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١١١﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ

اگر تم ہو سچے کیوں نہیں جس نے سونپا چہرہ اپنا واسطے اللہ اور وہ

سند لاؤ اگر تم سچے ہو۔ ہاں البتہ کوئی بھی اپنی ذات کو اللہ کے آگے جھکا دے اور وہ مخلص

مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿١١٢﴾

نیکی کرنیوالا پس واسطے اسکے اجر اسکا پاس رب اسکے اور نہیں خوف اوپر ان اور نہ وہ غمگین ہوں گے

بھی ہو ایسے کے لئے اس کے پروردگار کے پاس اجر ہے اور ایسوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے

## الفاظ کے معانی و ضروری تشریحات

**لَا تَقُوْلُوْا** — تم نہ کہو۔ فعل نہی صیغہ جمع مذکر حاضر ؛

**رَاعِنَا** — ہماری رعایت کیجئے۔ ہماری طرف دیکھئے۔ ہمارا خیال رکھیئے۔ ہماری بات سُن لیجئے۔ فعل امر صیغہ واحد مذکر حاضر۔ نا ضمیر واحد متکلم مصدر مُرَاعَاةٌ اور مادہ (م ع ی) ہے۔ یہ لفظ رَاعِ (رعایت کرنا) نَا (ہماری) سے مرکب ہے ؛

**اُنْظُرْنَا** — ہماری طرف دیکھئے۔ ہم پر نظر کیجئے۔ ہماری طرف توجہ کیجئے۔ ذرا مُہلت دیجئے۔ ذرا ٹھہریئے۔ فعل امر ہے۔ نَظْرٌ مصدر سے ہے ؛

**يَوَدُّ** — پسند کرتا ہے۔ چاہتا ہے۔ محبت کرتا ہے۔ دوست رکھتا ہے۔ فعل مضارع ہے ؛

**يُنَزَّلُ** — اُتارا جائے۔ نازل کیا جائے۔ فعل مضارع مجہول صیغہ واحد مذکر غائب ؛

**يَخْتَصُّ** — ممتاز کرتا ہے۔ مخصوص کر لیتا ہے۔ خاص کر لیتا ہے۔ مصدر اِخْتِصَاصٌ اور مادہ (خ ص ص) ہے ؛

**ذُوْ** — والا صاحب۔ اَلْفَضْلُ : خیر و برکت۔ فضل ؛

**نَنْسَخْ** — ہم منسوخ کر دیتے ہیں۔ ہم موقوف کر دیتے ہیں۔ فعل مضارع صیغہ جمع متکلم مصدر نَسْخٌ اور مادہ (ن س خ) ہے ؛

**نُنْسِهَا** — اسے ہم فراموش کر دیتے ہیں۔ اسے ہم بھلا دیتے ہیں۔ ہم اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ فعل مضارع صیغہ جمع متکلم مصدر اِنْسَاءٌ

اور مادہ (ن س ی) ہے ::

نَأْتِ — ہم لاتے ہیں۔ اَتی یاتی سے جمع متکلم کا صیغہ ہے ::

مُلْكُ — بادشاہی۔ سلطنت ::

مِثْلِهَا — اس جیسی۔ اس کی مثل۔ اس کی طرح ::

أَلَمْ تَعْلَمْ — کیا تم نہیں جانتے ::

وَلِيّ — سرپرست۔ دوست۔ نگہبان۔ حمایتی۔ کارساز۔ جمع أَوْلِيَاء ::

نَصِيرٍ — مددگار، حمایتی ::

تُرِيدُونَ — تم چاہتے ہو، تم ارادہ رکھتے ہو۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر :: تم سوال کرتے ہو یا کروگے کَمَا سُئِلَ : جیسا کہ سوال کیا گیا۔ پوچھا گیا ::

وَمَنْ يَتَبَدَّلِ — اور جو بدل ڈالے۔ جو عوض میں لے گا۔ اس کا مصدر تَبَدُّلٌ اور مادہ (ب د ل) ہے ::

ضَلَّ — گمراہ ہوگیا، بھٹک گیا، گم کردہ راہ ہوگیا۔ ضَلَالَةٌ مصدر سے ہے ::

وَدَّ — اس نے پسند کیا، اس نے چاہا۔ وَدَّ يَوَدُّ۔ وُدًّا سے ہے ::

كَثِيرٌ — اکثر، بہت ::

لَوْ يَرُدُّونَكُمْ — کاش وہ تم کو لوٹا دیں، کاش وہ تمہیں پھیر دیں ::

حَسَدًا — حسد کے باعث، جلن کی وجہ سے ::

تَبَيَّنَ — وہ کھل چکا، وہ ظاہر ہوگیا، وہ واضح ہوگیا۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب۔ تَبَيُّنٌ مصدر سے ہے۔ مادہ (ب ی ن) ہے ::

فَاعْفُوا — پس معاف کردو۔ فعل امر ہے ::

وَاصْفَحُوا — اور کشادہ پیشانی سے برداشت کرو، اور درگزر کرو۔ مصدر صَفْحٌ اور مادہ (ص ف ح) ہے۔ فعل امر ہے۔ مصافحہ (ہاتھ ملانا) اسی سے ہے ::

يَأْتِيَ — آجائے، لے آئے، نافذ کردے ::

أَمْرِهٖ — اس کا حکم، اس کا فیصلہ ::

أَمْرٌ — حکمِ خدا، تدبیر الٰہی، کارفرمائی۔ یا قطعی فیصلہ ::

وَمَا تُقَدِّمُوا — اور جو تم آگے بھیجو۔ مصدر تَقْدِيمٌ اور مادہ (ق د م) ہے ::



تَجِدُوهُ — تم اسے پاؤگے ::

عِنْدَ اللّٰهِ — اللہ کے نزدیک ::

لَنْ يَدْخُلَ — وہ ہرگز داخل نہیں ہوگا :: هُودًا : یہودی ::

تِلْكَ — یہ اسم اشارہ ہے ::

أَمَانِيُّهُمْ — ان کی خوش فہمیاں، ان کی آرزوئیں، ان کے غلط خیالات۔ أُمْنِيَّةٌ کی جمع ہے ::

هَاتُوا — تم لاؤ۔ فعل امر ::

بُرْهَانَكُمْ — تمہاری دلیل، اپنی دلیل ::

أَسْلَمَ — اس نے سپرد کردیا، اس نے سونپ دیا، وہ اسلام لایا، وہ تابعدار ہوا، اس نے گردن جھکائی۔ مصدر اسلام اور مادہ (س ل م) ہے ::

وَجْهَهٗ — اپنا رخ، اپنا چہرہ ::

## اہانت آمیز الفاظ کے استعمال سے ممانعت

### تشریح و تفسیر آیات نمبر 104-105

ان آیات میں مسلمانوں کو یہود کی ان شرارتوں سے متنبہ اور خبردار کیا جارہا ہے جو وہ قرآن اور حامل قرآن (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف اس لیے کرتے تھے تاکہ وہ اپنے دل کا غبار نکال سکیں اور اگر ممکن ہوسکے تو اس طرز عمل سے مسلمانوں کو اسلام کی نعمت عظمیٰ سے محروم کردیں۔ یہودیوں میں سے بعض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس میں شریک ہوتے۔ نبوت کی صداقت کے دلائل اور دیگر مسائل دریافت کرتے اور حاضرین مجلس پر اپنے ذوق و شوق علم کی طلب اور قدردانی کا اثر ڈالنے کے لیے راعنا کا لفظ کثرت سے دہراتے۔ (یعنی ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں سنا۔ مکرر ارشاد فرمائیں یا ہم سمجھ نہیں سکے ہماری رعایت کی جائے) حالانکہ ان کا منشاء یہ تھا کہ راعنا کے لفظ کو توڑ مروڑ کر استعمال کرکے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت اور بے ادبی کا پہلو نکالا جائے راعنا کو ذرا نیچے کی طرف دبانے سے با آسانی راعنا بن جاتا ہے۔ جس کے معنی ہمارے چرواہے کے ہیں۔ دوسرے معنی اس لفظ کے احمق کے بھی ہیں۔ یہود کی اس قسم کی شرارت کا ذکر قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بھی آیا ہے۔

چونکہ یہود کا یہ طرز عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف طنزاً گستاخانہ اور توہین آمیز

Scanned with CamScanner

تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس ذو معنی لفظ کی جگہ دوسرا معروف لفظ **انظرنا** (ہم پر توجہ کیجیے یا ہم پر نظر کیجیے) استعمال کرنے کی ہدایت کی۔ جو طنز اور ذم کے شائبہ سے پاک تھا۔ اس طرح ایک طرف تو سادہ لوح مسلمانوں کو اس لفظ کے غیر شعوری استعمال سے بچایا گیا اور دوسری طرف لفظ انظرنا کے استعمال سے مخلصین اور منافقین کے درمیان تمیز پیدا کر دی۔

اس واضح و صریح ممانعت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں لفظ راعنا کو استعمال کرنے کی جرات صرف وہی افراد کر سکتے تھے جن کے قلوب حسد و بغض اور عداوت و کینہ سے لبریز ہوں اور وہ کسی طرح اس عمل پر غلبہ کی قدرت نہ رکھتے ہوں۔ **اَسْمَعُوْا** یعنی پیغمبر کی باتیں غور اور ہمہ تن گوش ہو کر سنو تاکہ تمہیں بار بار پیغمبر سے دریافت کرنے کی حاجت نہ رہے۔ کیونکہ یہ بھی نشان نبوت کے مناسب نہیں کہ تم ایک بات بار بار پوچھتے رہو۔ بقول علامہ قرطبی اس آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ہر ایسے لفظ کا استعمال بارگاہ رسالت میں ممنوع ہے جس میں تنقیص اور بے ادبی کا احتمال تک ہو۔

دوسری آیت دشمنان اسلام کی باطنی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے۔ یہاں بھی خطاب مسلمانوں سے ہے۔ اہل کتاب اور مشرکین دونوں مسلمانوں سے شدید قسم کا حسد و کینہ رکھتے تھے اور انہیں ہرگز یہ گوارا نہ تھا کہ مسلمانوں پر کسی قسم کی بھلائی اور خیر خواہی نازل ہو۔ یہود کو بڑا صدمہ یہ تھا کہ نبوت و رسالت ہمارے گھر آنے کی بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں عطا ہوئی۔ یہی حالت مشرکین کی تھی۔ وہ نبی کا انتخاب مکہ و طائف کے رئیسوں میں سے چاہتے تھے۔ لہٰذا یہ دونوں گروہ اپنے آپ کو سارے خیر و شر کا وارث و موروث گردانتے تھے۔ اب جب کہ خیر و بھلائی کی وراثت مسلمانوں کو منتقل ہوئی تو یہود نے مذموم قسم کی حرکتیں اور شرارتیں شروع کر دیں۔ تاکہ مسلمانوں کو اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے برگشتہ کر دیں۔ اس لیے مسلمانوں کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ یہود کی فریب کاریوں اور چال بازیوں سے ہوشیار رہو اور ان کے فریب و دھوکے میں آ کر ان کی خواہشیں پوری ہونے کا سامان مہیا نہ کرو۔

پھر فرمایا کہ اللہ کے فضل و رحمت کے اجارہ دار نہ تو یہود ہیں اور نہ سرداران قریش۔ بلکہ وہ اپنے فضل و رحمت کا خود مالک و مختار ہے۔ تمام فیوض و برکات کا مبداء وہ خود ہے۔ کسی کو اس پر تنقید کا حق حاصل نہیں۔ نبوت و رسالت وہبی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی صواب دید اور اپنی حیثیت و حکمت کے تقاضوں کے مطابق جس کو چاہتا ہے اس سے نوازتا ہے۔ نیز آسمان و زمین کی ساری بادشاہی خدا کی ہے۔ وہ جسے چاہے بخش سکتا ہے اور جس سے چاہے چھین سکتا ہے۔ اے یہود! اگر اب تم اس منصب جلیلہ کے نااہل قرار دیے گئے ہو جس پر کہ تم فائز تھے تو باوجود تمہارے غیظ و غضب اور حسد و کینہ یہ بات ہر حال میں وقوع پذیر ہو کر رہے گی اور تمہارا کوئی حامی و ناصر خدا کے



اس فیصلے سے تمہیں بچا نہیں سکتا۔

# یہود کا بغض و عناد اور تنسیخ آیات

## تشریح و تفسیر آیات نمبر 106-107

ان آیات میں یہودیوں کے اعتراض کا جواب ہے۔ یہود یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تورات کے احکام قیامت تک بھی منسوخ نہیں ہوں گے۔ جب قرآن مجید سے اس کے بعض احکام منسوخ ہوئے تو انہیں ناگوار گزرا۔ لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات ڈالے کہ جب قرآن حضرت موسیٰ کو خدا کا پیغمبر اور توریت کو کتاب الٰہی تسلیم کرتا ہے تو پھر توریت کے احکام میں رد و بدل کے کیا معنی۔ جب کہ توریت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتاب ہے۔ کیا خدا خود ساختہ احکام اپنے ہی ہاتھوں بدلتا ہے؟ کیا اب مشاہدہ و تجربہ کے بعد خدا پر اپنی غلطیاں واضح ہو رہی ہیں؟ اور وہ ان کی اصلاح و درستی کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب علم الغیب اور دانا بینا ہے تو پھر ایک شریعت کے بعد دوسری شریعت یا ایک حکم کے بعد دوسرا حکم کیوں بھیجتا ہے۔

اس قسم کے اعتراضات کی آڑ لے کر یہود مسلمانوں میں قرآن اور حامل قرآن (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف بدگمانی پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ قرآن حکیم نے یہ جواب دیا کہ اصل دین تو ہمیشہ سے ایک ہی ہے اور ایک ہی رہے گا۔ لیکن ہر زمانے کے حالات کے اعتبار سے کچھ احکام ہوتے ہیں جو حالات کی تبدیلی سے بدل جاتے ہیں۔ مثلاً کسی قوم کے حالات کے مطابق انبیاء احکام لے کر آئے۔ جب حالات تبدیل ہوئے تو شریعت بھی بدل گئی یا لوگوں کے ذہن سے سابقہ احکام خداوندی فراموش ہو جاتے ہیں یا وہ اس طرح مسخ کر دیے گئے کہ اصل احکام مجہول ہو کر رہ گئے۔ اب اگر اس قسم کے احکام نزول قرآن کے بعد منسوخ ہو گئے تو اس میں ناراضگی کی کیا بات ہے۔ آخر تورات نے بھی تو اپنے سے پہلے شریعتوں کے بہت سے احکام منسوخ کیے۔ اس لیے قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد اگر تورات کے بعض احکام منسوخ ہو رہے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ ان کی بجائے ان ہی جیسے یا ان سے بہتر احکام دیے جا رہے ہیں۔ جو ہر قسم کی ارتقائی منازل میں مومنین کے لیے ضابطہ حیات بن سکتے ہیں۔ پھر فرمایا "کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔ یعنی تمام اختیارات اس کے قبضہ قدرت میں ہیں اور وہ اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق ان کو استعمال کرتا ہے۔ وہ احکام میں ہمارے مصالح کا لحاظ رکھتا ہے کہ کوئی آیت کیوں منسوخ ہوتی ہے۔ اس میں بہتری پوشیدہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ پر روشن ہے۔ وہ یہود کو شریعت دے کر اپنی قدرت اور اختیار سے دست بردار نہیں ہو گیا کہ اب وہ نہ تو دنیا میں کسی کو شریعت سے نواز سکتا ہے اور نہ

Scanned with CamScanner

اس میں کسی قسم کی تبدیلی کر سکتا ہے۔ خدا کو اختیار حاصل ہے کہ وہ جو احکام چاہے نافذ کرے البتہ اگر ہم نے احکام خداوندی کی سرتابی کی تو اس کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ پس ہمیں نکتہ چینی کرنے کی بجائے اس کی کامل فرمانبرداری کرنی چاہیے"۔

## غیر ضروری سوالات سے ممانعت اور یہود سے چشم پوشی کا حکم

### تشریح و تفسیر آیات نمبر 108-109

سادہ لوح مسلمان، یہود کے ورغلانے میں آجاتے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر ضروری سوالات کرتے۔ لہٰذا ان آیات میں مسلمانوں کو تنبیہہ کی جا رہی ہے کہ یہود کی طرح قیل و قال اور موشگافیوں میں نہ پڑ جانا۔ ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ یہودیوں کے سوالات اپنی نوعیت کے اعتبار سے بعینہ وہی سوالات ہیں جو وہ حضرت موسیٰ سے کرتے رہے ہیں۔ مثلاً ہمیں اللہ دکھاؤ، قربانی کے بچھڑے کا رنگ کیا ہو، سابقہ کتابیں کیوں منسوخ ہوئیں، آپ آسمان سے مکمل ہوئی کتاب کیوں نہیں لائے وغیرہ۔ اس طرح وہ دین کے معاملے میں شدید الجھ کر رہ گئے اور اس کا نجام تباہی کے سوا کچھ نہ نکلا۔ یہود نے حضرت موسیٰ سے بے ہودہ، گستاخانہ اور لایعنی سوالات کیے۔ فضول قسم کی فرمائشیں اور بے جا مطالبات کیے۔ قرآن حکیم نے کہا ان کا یہ طرز عمل ایمان و ہدایت کے منافی ہے۔ بلکہ ایمان کو کفر سے بدلنے کے مترادف ہے اور اللہ تعالیٰ ان کی شرارتوں سے بے خبر نہیں ہے۔ جو قوم یا جماعت بھی اس رویہ کو اپنائے گی وہ یہود کی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے راہ راست سے بھٹک جائے گی اور اس کے لیے کوئی ذریعہ نجات نہ ہوگا۔ لہٰذا اے مسلمانو! جن امور کو کرنے کا حکم دیا جائے انہیں سرانجام دو اور جن سے منع کیا جائے ان سے باز رہو اور جن امور کے متعلق اللہ اور اس کے رسول نے سکوت اختیار فرمایا ہے انہیں مت چھیڑو، اسی میں تمہاری سلامتی و بھلائی ہے۔

دوسری آیت میں بھی مسلمانوں کو عموماً اور کمزور مسلمانوں کو خصوصاً تنبیہہ کی گئی ہے کہ یہود کی تمام تر شرارتیں، وسوسے اور سرگرمیاں محض اس لیے ہیں تاکہ وہ تمہیں اسلام سے برگشتہ کر دیں۔ دولت ایمان سے محروم کر دیں اور پھر کفر کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ڈال دیں۔ یہ ہرگز خیال نہ کرو کہ ان کی یہ تمام جدوجہد تمہاری خیر خواہی اور بھلائی میں صرف ہو رہی ہے یا وہ اسلام کے ضمن میں کسی غلط فہمی کا شکار ہیں، وہ تمام حرکات محض اپنے حسد کی بنا پر کر رہے ہیں۔ حالانکہ اسلام کی صداقت و حقانیت ان پر اچھی طرح واضح ہو چکی ہے۔ ان کا بغض و عناد اور کینہ و عداوت



محض اس بنا پر ہے کہ نبوت و رسالت بنو اسحاق کی بجائے بنو اسماعیل کو کیسے مل گئی۔ یہ تنبیہہ مسلمانوں کو اس لیے کی گئی تاکہ وہ یہود کی ظاہراً خیر خواہی یا دینی خدمت کے فریب میں آکر کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ نیز فرمایا کہ یہود کی فتنہ انگیزیوں اور شرارتوں سے چشم پوشی کرو اور نہ ان سے عفو و درگزر کا رویہ اختیار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر فرمائے یعنی جہاد فی سبیل اللہ کے احکام نافذ کر دے اور تمہیں غلبہ و نصرت عطا فرمائے اس لیے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ چنانچہ یہ حکم بعض یہودیوں کے قتل اور بعض کے شام کی طرف جلاوطن کیے جانے کی صورت میں پورا ہوا۔

## نماز اور زکوٰۃ کا حکم

### تشریح و تفسیر آیت نمبر 110

اس آیت میں دشمنان اسلام کی شرارتوں، مخالفتوں اور فتنوں پر غلبہ و نصرت کا علاج بتایا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک طرف تو تمہاری روحانی اور اخلاقی تربیت ہو جائے گی اور دوسری طرف دشمنوں کے فتنوں سے تم کلی طور پر محفوظ ہو جاؤ گے اور تمہاری حالت سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہوگی۔ نیز دنیا کی کوئی طاقت تم سے نبرد آزما نہ ہو سکے گی۔ پھر فرمایا کہ جو نیکی بھی ہو سکے خدا کے حضور میں اپنے لیے بھیجو تاکہ آخرت کے دن اس کے اجر کے مستحق ہو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ان اعمال سے بخوبی واقف ہے جو تم کرتے ہو اور تمہاری کوئی نیکی یا بھلائی ضائع نہیں جائے گی۔ بلکہ اس کا پورا پورا اجر و ثواب دیا جائے گا۔

**نماز کا مفہوم:** نماز اسلام کا بہت اہم رکن ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث نبوی میں نماز کے لیے صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ صلوٰۃ کا مادہ صَلّی ہے۔ جس کے معنی ہیں جلانا۔ گویا نماز وہ فریضہ اور عمل ہے جو گناہوں کو جلا دیتا ہے اور مصلی یعنی نمازی کو کھوٹ نکال کر اسے کندن بنا دیتا ہے۔ صلوٰۃ کے معنی دعا و برکت اور رحمت کے بھی ہیں۔ اصطلاح شریعت میں ایک خاص طریقہ کے مطابق عبادت کرنا صلوٰۃ کہلاتا ہے۔ نماز پنجگانہ معراج کی رات 11 نبوت میں فرض ہوئی تھی۔

**نماز کی اہمیت:** قرآن حکیم میں اتنی تاکید کسی اور چیز کی نہیں جتنی نماز پنجگانہ کی ادائیگی کی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں نماز سے متعلقہ احکام و ترغیبات کا کم و بیش سات سو مرتبہ ذکر آتا ہے۔ یہ ایک فریضہ ہے جس سے کسی امت کو مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا۔ امتیوں کے علاوہ قرآن:

Scanned with CamScanner

پاک میں اکثر انبیاء کے ذکر کے سلسلے میں یہ بیان ہوا ہے کہ انہیں بھی نماز کا حکم ملا تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے جب اپنی بیوی حاجرہ اور اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو اس ویرانہ میں چھوڑا جہاں اب مکہ معظمہ ہے تو لوٹتے وقت یہ فرمایا "اے پروردگار! میں نے انہیں اس لیے یہاں بسایا ہے کہ وہ نماز قائم کریں"۔ (البقرۃ:125)

حضرت اسماعیل کے متعلق خود قرآن کریم نے گواہی دی ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم دیتے تھے۔ (مریم:55)

حضرت زکریا کے متعلق قرآن پاک میں یوں آتا ہے کہ وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ (آل عمران:37)

حضرت موسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ "اے موسیٰ میری یاد کے لیے نماز قائم کرو"۔ (طٰہٰ:15)

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو نماز کے قائم کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت فرمائی

"اے میرے بیٹے نماز قائم کر"۔ (لقمان:18)

حضرت شعیب کو جوان کی قوم نے طعنہ دیا وہ یہ تھا "کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد جسے پوجتے چلے آئے ہیں ہم اسے چھوڑ دیں۔ (ہود:98)

حضرت لوط، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ میں سے ہر ایک کو نماز کا حکم دیا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توحید کے بعد سب سے پہلا حکم نماز کا ملا تھا۔ قرآن حکیم میں آتا ہے اے پیغمبر! اپنے گھر والوں کو نماز کی تاکید کرو اور خود بھی اس پر جمے رہو۔ (سورہ طٰہٰ)

نماز کی اہمیت یہ بھی ہے کہ نماز یاد الٰہی کا موجب ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ:14)

"میری یاد کے لیے نماز قائم کرو"

دوسری جگہ فرمایا

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد:28)

"اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو فتح و نصرت اور دشمنان اسلام کی شکست کو نماز کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے"۔

سورۂ کوثر میں بھی بیان ہوا ہے:

"ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا کیا۔ پس آپ اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں



اور قربانی دیں یقیناً آپ کا دشمن ناکام و نامراد ہوگا"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار احادیث نماز کی تاکید میں موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا مومن اور کافر کے درمیان صرف نماز ہی کا امتیاز ہے۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے "نماز دین کا ستون ہے"۔

نیز آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے جان بوجھ کر نماز ترک کر دی وہ کافر ہوگیا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اذان کہلوا کر اقامت کے بعد میں اپنی جگہ کسی اور امام کو کھڑا کر دوں اور جو لوگ نماز میں شریک نہ ہوں ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ (مسلم و بخاری)

اسلامی نظام حیات میں نماز کی اہمیت اس بات سے بھی عیاں ہے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف فرما رہے آپ اپنی عظمت و جلالت کے باوجود خود امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ آپ کے بعد خلفاء راشدین اپنی مصروفیات و ذمہ داریوں کے باوجود نماز خود پڑھاتے تھے۔ حضرت عمرؓ امامت کے فرائض ادا کرتے ہوئے شہید کر دیئے گئے۔ حضرت علیؓ نے نماز کے لیے مسجد میں لوگوں کو جگاتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ حضرت امیر معاویہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت عمر بن العاص بھی خود امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔

نماز امیر، غریب، بوڑھے، جوان، مرد، عورت، بیمار، تندرست ہر ایک پر یکساں فرض ہے اور کسی حالت میں نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ صلح و جنگ کسی حالت میں بھی نماز چھوڑی نہیں جا سکتی۔ حتیٰ کہ بیماری کی حالت میں بھی نماز کا ادا کرنا فرض ہے۔ البتہ اگر کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے اور اگر بیٹھ کر نہ پڑھ سکے تو لیٹ کر اشاروں سے ادا کرے۔

## نماز کے فوائد:

1- نماز کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ نماز دل اور روح کو پاکیزہ کر کے اسے نیک کاموں کی طرف مائل کرتی ہے اور برائیوں سے روکتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (النحل)

بے شک نماز فحش اور برائیوں سے روکتی ہے۔

2- نماز لطافت اور صفائی کا درس دیتی ہے۔

3- جسم میں چستی، ہمت اور دل میں عزم پیدا کرتی ہے

4- یہ تنظیم و اتحاد کا بہترین ذریعہ ہے

5- نماز سے پابندی ایفائے عہد اور اطاعت امیر کی عادت پڑتی ہے

6- نماز سے دل میں خشوع و خضوع اور عاجزی و انکساری پیدا ہوتی ہے

7- نماز انسانی مساوات اور اخوت کا سبق دیتی ہے۔ بندہ و آقا کی تمیز نماز میں ختم ہو جاتی

Scanned with CamScanner

ہے۔ نماز کی حالت میں حاکم و محکوم، غلام و آقا، خادم و مخدوم، غریب و امیر، ادنیٰ و اعلیٰ سب دوش بدوش کھڑے ہو جاتے ہیں

8- نماز کے ذریعہ بندہ اور خدا میں تعلقات استوار ہوتے ہیں۔ گویا یہ خالق اور مخلوق کے درمیان وابستگی کا ذریعہ ہے

10- دل میں خوف خدا اور غریبوں کی محبت و ہمدردی پیدا کرتی ہے

11- نماز میں مسلمان، دن میں کئی بار قرآن کریم کے مختلف حصے پڑھ کر اور سن کر قانون الٰہی سے واقفیت اور احکام الٰہی سے خبردار ہوتا ہے

12- نماز بے قرار روح کی تسکین اور مایوس دل کی دوا ہے

13- نماز میں جماعت کا اہتمام کر کے خدا کے فرمانبرداروں کو مشق دلائی جاتی ہے کہ وہ اجتماعی طاقت کے ساتھ کفر و سرکشی کا مقابلہ کریں اور دنیا میں ایک خدا کی اطاعت اور عبادت کا ڈنکا بجا کر اس کا قانون نافذ کریں

**زکوٰۃ کا مفہوم:** ارکان اسلام میں نماز کے بعد اہم رکن زکوٰۃ ہے، جو 8 ہجری میں فتح مکہ کے بعد ہر ذی استطاعت مسلمان پر فرض ہوئی۔ زکوٰۃ کے معنی پاک صاف کرنا اور پودوں کو کانٹ چھانٹ کرنا ہے۔ جس طرح کسی درخت کی فالتو شاخوں کا کاٹ دینے سے اس میں خوبصورتی، نفاست اور صفائی آ جاتی ہے اسی طرح کچھ فالتو مال ادا کرنے سے آدمی کا مال پاک ہو جاتا ہے اور اس کا نفس بخل اور احسان فراموشی کے میل سے پاک ہو کر صفائی حاصل کر لیتا ہے۔

**زکوٰۃ کی اہمیت:** زکوٰۃ قدیم زمانہ سے ہر پیغمبر کی شریعت میں فرض رہی ہے۔ قرآن حکیم نے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت موسیٰ اور دیگر پیغمبروں کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ان انبیاء کو پابندی نماز اور ادائیگی زکوٰۃ کے احکام دیئے گئے تھے اور وہ ان احکام کے پابند تھے۔ شریعت محمدی میں زکوٰۃ ادا کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے سورہ بقرۃ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی ہدایت و رہنمائی ان پرہیزگاروں اور خدا ترسی کرنے والوں کے لیے مفید ہے جو نماز کی پابندی کرتے ہیں اور راہ خدا میں مال صرف کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ متعدد مقامات پر جہاں نماز ادا کرنے کا ذکر آیا ہے وہاں اس کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم بھی موجود ہے۔ گویا ان دونوں میں کوئی فرق نہیں اور دونوں کی ادائیگی یکساں ضروری ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ (سورۂ بقرہ)

نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔



يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ (سورۂ توبہ)

وہ نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ (سورۂ حم)

ان مشرکوں پر افسوس ہے کہ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے۔

مسلمانوں کے غلبہ حاصل کرنے کا مقصد امر المعروف و نہی عن المنکر کے ساتھ نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کا ادا کرنا قرار دیا گیا ہے۔ ایک آیت میں بتایا گیا ہے کہ جو لوگ مال و دولت اور سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں انہیں دوزخ کی سزا ملے گی۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ○ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ (توبہ 34:35)

وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری سناؤ جس دن اس سونے اور چاندی کو دوزخ کی آگ میں تپا کر ان کے ہاتھوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ ہے جو تم نے اپنے لیے دنیا میں جمع کیا تھا اب اپنے کیے کا مزہ چکھو۔

مندرجہ بالا قرآنی آیات کے علاوہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے شمار احادیث موجود ہیں جن میں زکوٰۃ کی اہمیت اور ادائیگی پر مختلف طریقوں سے زور دیا گیا ہے۔

1- آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ مال دے اور اس میں سے زکوٰۃ ادا نہ کرے قیامت کے دن اس کا مال اژدہا بن کر طوق کی طرح اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔ وہ اس کے دونوں جبڑوں پر ڈسے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں۔

2- ایک عورت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی۔ جس نے اپنے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ وہ بولی نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم یہ چاہتی ہو کہ قیامت کے دن یہ کڑے آگ کے ہوں۔

3- حضرت ابو مسعود سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی گردن میں ایک سانپ

Scanned with CamScanner

لٹکا دے گا اور پھر آپ نے سورۃ آل عمران کی مذکورہ بالا آیات پڑھیں۔

4- آپ نے فرمایا جو شخص زکوٰۃ نہیں دیتا اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

5- ایک حدیث میں زکوٰۃ نہ دینے والا سب سے پہلے جہنم میں جائے گا۔

اسلام میں زکوٰۃ کی اہمیت اس واقعہ سے واضح ہوگئی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں قبائل عرب نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تو آپ نے ان کے خلاف باقاعدہ جہاد کیا۔

**نصاب زکوٰۃ:** ہر بالغ اور صاحب عقل مسلمان پر زکوٰۃ فرض ہے بشرطیکہ اس کے پاس نصاب کے مطابق مال ہو اور سال بھر اس کے پاس مال رہا ہو اور اس کی ضرورتوں اور حاجتوں سے بچ رہا ہو۔ ادائیگی زکوٰۃ اڑھائی فی صد کے حساب سے مال پر ہر سال میں فرض ہوتی ہے۔ احناف کے نزدیک گھر میں استعمال کے زیورات پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔ مگر بعض علماء کے نزدیک پہننے کے زیورات پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ اگر سونے اور چاندی کا الگ الگ نصاب نہ بنتا ہو لیکن دونوں کو یکجا کرنے سے کسی کا نصاب بن سکتا ہو تو اس کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔ جو آدمی مقروض ہے اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے بشرطیکہ وہ ادائیگی قرض میں دیدہ دانستہ لیت و لعل سے کام نہ لے رہا ہو۔ بلکہ فی الحقیقت وہ قرض کی ادائیگی کے قابل نہ ہو۔ مختلف اشیاء کا نصاب درج ذیل ہے۔

1- سونا ساڑھے سات تولے، چاندی ساڑھے باون تولے، اونٹ پانچ عدد، گائے بیل تیس عدد، بھیڑ بکریاں چالیس عدد۔

2- اگر زمین میں سے کوئی دفینہ یا خزانہ نکل آئے تو اس کا پانچواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر دیا جاتا ہے۔

3- اگر زمین بارانی ہو اور اس میں آب پاشی کی حاجت نہ ہو تو پیداوار کا دسواں حصہ زکوٰۃ دی جائے۔

4- رہٹ سے یا نہر سے سیراب ہونے والی زمین جس کی سیرابی پر خرچ آتا ہوں تو پیداوار کا بیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیا جاتا ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ نصاب والے سب مال کی قیمت لگا کر اس کا اڑھائی فیصد یعنی چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دے دیا جائے۔ البتہ زمین سے پیدا شدہ پیداوار کا علیحدہ حساب لگانا پڑے گا۔

**مصارف زکوٰۃ:** قرآن مجید کے مطابق آٹھ قسم کے لوگ مال زکوٰۃ کے مستحق ہیں

1- **فقراء** ـــ فقیر اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس گزارے کے لیے کافی مال نہ ہو اور تنگ دستی میں زندگی بسر کر رہا ہو۔



2- **مساکین** ـــ مسکین اس شخص کو کہتے ہیں ـــ جو تباہ حال اور تہی دست ہو۔

3- **فی سبیل اللہ** ـــ ایسے لوگ جو اپنی مفلسی اور غریبی کی بناء پر جہاد میں شرکت نہ کر سکتے ہوں ان کے لیے زکوٰۃ کے مال سے اسلحہ، سواری یا دوسری ضروریات کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حج کے ارادہ سے گھر سے نکلا اور راہ میں کسی حادثہ یا چوری کی وجہ سے غریب ہوگیا یا تعلیم دین کے لیے گھر سے نکلنے والا مفلس ہوگیا تو ایسے تمام لوگوں کی امداد زکوٰۃ کے مال سے کی جا سکتی ہے۔

4- **قرض دار** ـــ جو محدود وسائل کی وجہ سے قرض اتار نہ سکیں

5- مسافر سفر کے دوران اگر تہی دست ہو جائے تو اسے زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے

6- **مولفۃ القلوب** ـــ جن لوگوں کو اسلام کی حمایت کرنے پر آمادہ کرنے یا اسلام کی مخالفت سے روکنے کے لیے مالی امداد دینے کی ضرورت پیش آئے یا جن نو مسلموں کو اسلام کی آغوش میں آنے کے بعد روزگار کے قابل بنانے کے لیے مدد دینے کی ضرورت ہو انہیں بھی زکوٰۃ کی رقم سے مدد دی جا سکتی ہے۔ ایسے لوگوں کو مولفۃ القلوب کہتے ہیں۔

7- **زکوٰۃ کے محکمہ کے ملازم** ـــ زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے اسلامی حکومت کی طرف سے جو عملہ مقرر ہو ان کی تنخواہ بھی مال زکوٰۃ سے ادا کی جائے گی۔

8- **غلام** ـــ جو معاوضہ دے کر اپنے آپ کو غلامی کی قید سے چھڑا سکتا ہو۔ بنو ہاشم اور اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مال کمانے کی صلاحیت رکھنے والوں کے لیے زکوٰۃ لینا ممنوع ہے۔ بہتر صورت یہ ہے کہ اسلامی حکومت یا امیر کے ذریعہ زکوٰۃ کا مال ایک جگہ جمع کیا جائے لیکن جب ایسا کوئی انتظام نہ ہو تو ہر مسلمان علیحدہ علیحدہ مسلمان مستحق افراد کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

## زکوٰۃ کے فوائد:

1- زکوٰۃ کے ذریعہ انسان کے ایثار اور مالی قربانی کے جذبہ کو پرکھا جاتا ہے۔ کیونکہ اسلام کی خدمت تبلیغ کا صحیح حق وہی فراخ حوصلہ، عالی ظرف اور پاک طینت افراد ادا کر سکتے ہیں جو کسی شکریہ اور معاوضہ کی توقع کے بغیر اپنی پسند کا بہترین مال راہ خدا میں دیتے ہیں۔

2- زکوٰۃ کے ذریعہ غریبوں اور حاجت مندوں کی مدد ہوتی ہے اور ان کی ضروریات کا احساس ابھرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زکوٰۃ دولت مندوں سے لے کر غریبوں اور حاجت مندوں کو دی جائے۔

3- زکوٰۃ مسلمانوں کے امیر و غریب طبقہ میں باہم الفت و محبت پیدا کرتی ہے اور اس طرح اسلامی سوسائٹی کو تقویت ملتی ہے۔ نیز انسان میں عالمگیر اخوت اور ہمدردی کا جذبہ پرورش

Scanned with CamScanner

پاتا ہے۔

4- زکوٰۃ جہاں مال کو پاک و صاف کرتی ہے وہاں دلوں کو بھی پاکیزگی بخشتی ہے۔

5- ادائیگی زکوٰۃ مسلمان کو نہ صرف بلند نگاہ اور دلیر بناتی ہے بلکہ اس کا جذبہ بخل و کنجوسی ختم ہو جاتا ہے۔ مال کی الفت و محبت' لالچ و طمع اور تنگ ظرفی اور تنگ دلی دور ہو جاتی ہے۔

6- زکوٰۃ کی ادائیگی سے قومی اور اجتماعی ضروریات کو پورا کرنے کا شوق اور جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

7- راہ خدا میں مال صرف کرنے سے رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے اور مسلمان اللہ تعالیٰ کا مخلص و فرمانبردار بندہ بن جاتا ہے۔

# نجات کا انحصار ایمان اور اعمال صالح پر ہے

## تشریح و تفسیر آیات نمبر 111-112

یہود اور نصاریٰ دونوں کا یہ دعویٰ رہا ہے کہ نجات تو صرف ان لوگوں کی ہوگی اور ان کے سوا جنت میں کوئی داخل نہ ہوگا۔ ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ آخرت کی نجات صرف اس کے لیے مختص ہے۔ قرآن حکیم نے یہ جواب دیا کہ یہ ان کی باطل اور غلط آرزوئیں اور تمنائیں ہیں۔ یعنی یہ صرف ان کی من گھڑت باتیں ہیں جو انہوں نے بغیر کسی سند اور دلیل کے اپنے دل سے گھڑ رکھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیت اور نصرانیت کسی کے حق میں بھی یہ پروانہ جاری نہیں کیا کہ جو یہودی یا نصرانی مذہب قبول کرے اس کے لیے جنت ہے۔ اگر یہود اور نصاریٰ سچے ہیں تو اپنے پاس اس دعویٰ کی صداقت میں اپنی کتاب سے کوئی ثبوت یا دلیل فراہم کریں۔ اس طرح ان کی بہت سی تمنائیں اور خواہشیں تھیں جو انہوں نے دین اور عقیدہ بنا کر بغیر کسی سند کے دلوں میں پال رکھی تھیں۔ اس وجہ سے قرآن حکیم میں اگرچہ اس وقت آیت میں ذکر ایک کا کیا ہے لیکن جمع کا لفظ استعمال کر کے اشارہ ان سب کی طرف کر دیا ہے۔

نجات کے لیے قرآن حکیم نے جو نظریہ پیش کیا ہے اس کی اولین شرط یہ ہے کہ آدمی مسلم بنے اور دوسرے یہ کہ محسن بنے۔ اسلام کے معنی یہ ہیں کہ آدمی اپنے آپ کو مکمل طور پر خدا کے حوالے کر دے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا پورا پورا ثبوت دے۔ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے انبیاء و رسل کے درمیان کوئی فرق روا نہ رکھے اور اپنی ساری زندگی شریعت الٰہی کے تابع کر دے۔ احسان کا مفہوم یہ ہے کہ احکام شریعت کی تعمیل انتہائی خلوص' دیانتداری اور راست بازی کے ساتھ کرے۔ جو لوگ اس طرح خدا کی بندگی اور اس کی اطاعت کا حق ادا کریں گے ان کے



لیے پروردگار کے پاس اجر ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا نہ کوئی غم' یہی تمام انبیاء و صحف آسمانی کی تعلیم رہی ہے اور یہی عقل و فطرت کا تقاضا ہے۔ یہود و نصاریٰ اس معیار کی روشنی میں اپنا جائزہ لیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ وہ جنت کے کسی صورت میں مستحق نہیں۔ کیونکہ وہ ایمان اور عمل صالح سے عاری ہیں۔ ان کا محض اولاد انبیاء میں سے ہونا جنت میں داخلے کے لیے کافی نہیں ہے۔ بلکہ نجات کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے ایمان اور عمل صالح۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ

اور کہا یہودیوں نے نہیں ہیں عیسائی اوپر کسی چیز کے اور کہا عیسائیوں نے نہیں ہیں

اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی بنیاد پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں

الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا

یہودی اوپر کسی چیز کے اور وہ تلاوت کرتے ہیں کتاب کی اسی طرح کہا انہوں نے جو نہیں

درانحالیکہ وہ سب ایک ہی آسمانی کتاب پڑھتے ہیں۔ اس طرح وہ لوگ بھی کہنے لگے انہی کا سا قول

يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا

علم رکھتے مانند قول ان کے پس اللہ فیصلہ کریگا درمیان انکے دن قیامت بارے میں جو وہ تھے

جو کچھ بھی علم نہیں رکھتے سو اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن اس بات میں فیصلہ کر دے گا جس میں وہ

فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ

میں اس اختلاف رکھتے اور کون زیادہ ظالم ہے اس جس نے روکا مسجدوں اللہ کی کہ

جھگڑتے رہتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا۔ جو اللہ کی مسجدوں کو اس سے روک

يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ

دیکھا جائے میں اس نام اسکا اور کوشش کی بارے بیں اجاڑنے اسکے وہ سب نہیں تھا واسطے ان کے

دے کہ ان میں اس کا نام لیا جائے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے یہ لوگ اس لائق نہیں کہ ان میں

يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ

وہ داخل ہوں اسمیں مگر ڈرتے ہوئے واسطے ان کے بیچ دنیا رسوائی اور واسطے انکے میں آخرت

داخل ہوں سوا اس لائق نہیں کہ ان میں داخل ہوئے۔ ان کے لئے دنیا میں بھی بڑی رسوائی ہے اور آخرت

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ

عذاب بڑا اور واسطے اللہ کے مشرق اور مغرب پس جدھر تم منہ پھیرو پس وہیں ہے چہرہ

میں بھی عذاب ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے مشرق بھی مغرب بھی سو تم جدھر کو بھی منہ پھیرو اللہ

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (115) وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ

اللہ کا بیشک اللہ وسعت والا علم والا اور انہوں نے کہا بنایا اللہ نے بیٹا پاک ہے وہ

ہی کی ذات ہے اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بیٹا بنا لیا ہے پاک۔ وہ اصل

بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ (116) بَدِیْعُ

بلکہ واسطے اس کے جو ہیں آسمانوں اور زمین ہر کوئی واسطے اسکے فرمانبردار بنانیوالا

یہی ہے کہ اس کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمان اور زمین میں ہے سب اسی کے حکم بردار ہیں وہ موجد ہے آسمانوں

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ

آسمانوں اور زمین اور جب ارادہ کرتا ہے کسی معاملہ کا پس بیشک وہ کہتا ہے واسطے اسکے ہو جا

اور زمینوں کا اور جب وہ کسی کام کا کرنا ٹھہرا لیتا ہے تو بس اتنا ہی اس سے کہتا ہے کہ ہو

فَیَكُوْنُ (117) وَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَاۤ

پس وہ ہو جاتا ہے اور کہا انہوں نے جو نہیں علم رکھتے کیوں نہیں کلام کرتا ہم سے اللہ یا آتی ہمارے پاس

جا، بس وہ ہو جاتا ہے۔ اور جنہیں علم سے بہرہ نہیں وہ کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشان

اٰیَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ

کوئی نشانی اسی طرح کہا انہوں نے جو سے پہلے ان سے جیسی بات ان کی متشابہ ہو گئے

کیوں نہیں آ جاتا۔ اسی طرح وہ لوگ کہہ چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں انہی کا کہنا انکے خوب متشابہ ہو گئے

قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ (118) اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ

دل ان کے بیشک بیان کر دیں ہم نے آیات واسطے لوگ یقین رکھنے والے بیشک ہم نے بھیجا تجھ ساتھ حق کے

ہم نے اپنے نشان تو کھول دیے ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔ ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری

بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ وَّ لَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ (119) وَ لَنْ تَرْضٰی

خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور نہ تو پوچھا جائیگا سے والوں دوزخ اور ہرگز نہیں راضی ہونگے

سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر اور آپ سے اہل دوزخ کی بابت کچھ بھی پوچھ گچھ نہ ہوگی۔ اور آپ سے یہود و نصاریٰ

عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَی

سے تجھ۔ یہودی اور نہ عیسائی جب تک نہ تو پیروی کرے دین ان کے کی کہہ دو بیشک ہدایت

ہرگز خوش نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے پیروکار نہ ہو جائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی بتلائی

اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی ؕ وَ لَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ

اللہ ہی کی وہ ہدایت ہے اور البتہ اگر تو پیروی کرے خواہشات ان کی بعد اس کے جو آیا تیرے پاس

ہوئی راہ تو بس وہی ہے۔ اگر آپ بعد اس علم کے جو آپ کو پہنچ چکا ہے ان کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگے تو آپ



مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ (120) اَلَّذِیْنَ

کچھ علم نہیں واسطے سے اللہ کوئی سرپرست اور نہ مددگار وہ لوگ جنہیں

کے لئے اللہ کی گرفت کے مقابلے میں کوئی یار ہو گا نہ مددگار۔ جن لوگوں کو

اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓىِٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ

ہم نے دی کتاب وہ تلاوت کرتے ہیں جس طرح ہے تلاوت اس کی وہ سب لوگ ایمان رکھتے ہیں ساتھ اس کے اور جو

ہم نے کتاب دی ہے اور وہ اسی طرح پڑھتے ہیں جس طرح اس کے پڑھنے کا حق ہے وہ لوگ ان پر ایمان لاتے ہیں اور

یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (121)

انکار کرے ساتھ اسکے پس وہی لوگ وہ خسارے میں رہنے والے

جو کفر کرتے ہیں۔ تو وہی لوگ پورا نقصان اٹھانے والے ہیں۔

# الفاظ کے معانی و ضروری تشریحات

| | |
|---|---|
| قَالَتْ | اس نے کہا۔ فعل ماضی معروف صیغہ واحد مؤنث غائب :: |
| لَیْسَتْ | وہ نہیں ہے۔ فعل ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب :: |
| یَتْلُوْنَ | وہ پڑھتے ہیں، وہ تلاوت کرتے ہیں۔ یعنی یہود و نصاریٰ تلاوت کرتے ہیں۔ یَتْلُوْ تِلَاوَۃ سے ہے :: |
| مِثْلَ | مانند، طرح :: |
| قَوْلِهِمْ | ان کا کہنا :: |
| یَحْكُمُ | فیصلہ کرے گا، حکم دے گا۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب :: |
| یَخْتَلِفُوْنَ | وہ اختلاف کرتے ہیں، وہ جھگڑتے ہیں :: |
| اَظْلَمُ | (زیادہ ظالم) بڑا ظالم۔ اسم تفضیل ہے :: |
| مَنَعَ | اس نے روکا، اس نے منع کیا :: |
| مَسٰجِدَ اللّٰهِ | اللہ کی مسجدیں :: |
| یُذْكَرَ | یاد کیا جائے، ذکر کیا جائے۔ فعل مضارع مجہول۔ صیغہ واحد مذکر غائب :: |
| اِسْمُهٗ | اس (خدا) کا نام :: |

**سَعٰی** — اس نے کوشش کی۔ سَعْیٌ مصدر سے ہے ؛

**خَرَابِهَا** — اس کی ویرانی، اس کی بربادی ؛

**يَدْخُلُوْا** — وہ داخل ہوں ؛

**خَائِفِيْنَ** — ڈرنے والے، ڈرتے ہوئے، خوف کھانے والے۔ خائف کی جمع ہے ؛

**خِزْيٌ** — ذلّت، رسوائی، خواری ؛

**اَيْنَمَا** — جس طرح، جہاں کہیں ؛

**تُوَلُّوْا** — تم رُخ کرو، تم پھر جاؤ، تم منہ پھیرو۔ فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر تَوْلِيَة مصدر سے ہے ؛

**ثَمَّ** — وہاں، وہیں، اسی جگہ، اسی سمت۔ اسم اشارہ بعید ہے ؛

**وَجْهُ** — چہرہ، رُخ۔ مراد ذات ہے۔ اس کی جمع وُجُوْهٌ ہے ؛

**وَاسِعٌ** — بڑی وسعت والا، فضل والا۔ کشادہ بخشش والا جو کسی احاطہ میں نہ آسکے ؛

**اِتَّخَذَ** — اس نے اختیار کیا، اس نے پسند کیا، اس نے بنا لیا ؛

**وَلَدًا** — کوئی بچہ۔ بیٹا یا بیٹی ؛

**سُبْحٰنَهٗ** — وہ پاک ہے، پاکیزگی اسی کے لیے ہے ؛

**قَانِتُوْنَ** — مطیع و فرمانبردار۔ اطاعت کرنے والا۔ اطاعت شعار۔ اس کا واحد قَانِتٌ ہے ؛

**بَدِيْعُ** — موجد، پیدا کرنے والا، بے نمونہ، بنانے والا، ایجاد کرنے والا، صانع ؛

**قَضٰی** — اس نے فیصلہ کیا، اس نے طے کیا ؛

**اَمْرًا** — کام، معاملہ، حکم ؛

**كُنْ** — ہوجا۔ کَوْنٌ مصدر سے فعل امر صیغہ واحد مذکر حاضر ہے ؛

**لَوْلَا** — کیوں نہیں ؛

**يُكَلِّمُنَا** — وہ ہم سے بات کرتا ہے۔ اس کا مصدر تکلّم اور مادہ (ک۔ل۔م) ہے ؛



**تَاْتِيْنَا** — وہ ہمارے پاس آئے۔ وہ ہمارے پاس لے آئے ؛

**اٰيَةٌ** — نشانی، علامت ؛

**تَشَابَهَتْ** — وہ مشابہ ہوگئی۔ مل جل گئے۔ متشابہ ہوگئے۔ فعل مضارع صیغہ واحد مؤنث غائب ؛

**بَيَّنَّا** — ہم نے بیان کردیا۔ ہم نے واضح کردیا۔ ہم نے صاف کھول دیا۔ فعل ماضی صیغہ جمع متکلم ؛

**يُوْقِنُوْنَ** — وہ یقین رکھتے ہیں ؛

**اَرْسَلْنٰكَ** — ہم نے تجھے بھیجا۔ مصدر اِرْسَالٌ اور مادہ (ر۔س۔ل) ہے ؛

**بَشِيْرًا** — خوشخبری دینے والا، بشارت سُنانے والا ؛

**نَذِيْرًا** — ڈرانے والا ؛

**تُسْئَلُ** — تو پوچھا جائے گا، تجھ سے سوال کیا جائے گا۔ فعل مضارع مجہول ؛

**اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ** — جہنم کے ساتھی۔ دوزخ والے ؛
اَصْحٰب : ساتھی، رفیق۔ صاحب کی جمع ہے ؛
اَلْجَحِيْم : دوزخ، دہکتی ہوئی آگ ؛

**تَرْضٰی** — تو راضی ہوجائے۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر حاضر۔ رضی اور رضوان مصدر سے ہے۔ اس کا مادہ (ر ض ی) ہے ؛

**تَتَّبِعَ** — تو اتباع کرے، تو پیروی کرے۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر حاضر ؛

**مِلَّتَهُمْ** — ان کا مذہب، ان کا طریقہ، ان کی ملّت ؛

**لَئِنْ** — اگر "ل" حرف تاکید ہے ؛

**اتَّبَعْتَ** — تونے پیروی کی۔ تو پیچھے چلا ؛

**اَهْوَآءَ** — خواہشات۔ ہَوٰی کی جمع ہے ؛

**جَآءَكَ** — تیرے پاس آیا ؛

**يَتْلُوْنَهٗ** — اسے پڑھتے ہیں یا تلاوت کرتے ہیں ؛

**وَمَنْ يَّكْفُرْ** — اور جو انکار کرتا ہے، اور جو کفر کرتا ہے ؛

**اَلْخٰسِرُوْنَ** — نقصان اٹھانے والے، خسارہ اٹھانے والے۔ خاسر کی جمع ہے ؛

Scanned with CamScanner

# یہود و نصاریٰ کا ایک دوسرے کی تکذیب کرنا

## تشریح و تفسیر آیت نمبر 113

"مسیحیت" اور "یہودیت" اپنے اپنے زمانوں میں دونوں ہی مذہب حق تھے۔ دونوں کے پاس اللہ کے مقدس پیغمبر اس کے احکام لے کر آئے تھے۔ دونوں ہی کو خدا پرستی اور نیک عملی کی راہیں بتائی گئی تھیں مگر نزول قرآن کریم کے وقت دونوں آسمانی مذاہب کے ماننے والوں کی حالت عجیب تھی۔ دونوں نے مذہب کی بنیادی تعلیمات کو چھوڑ دیا تھا۔ جزوی اور فروعی اختلافات میں مصروف ہوگئے تھے اور ہدایت و نجات کو ہر ایک نے اپنے گروہ اور اپنے طبقہ کے ساتھ مخصوص کر لیا تھا۔ مسلمانوں کے مقابلہ کے علاوہ وہ آپس میں اتنا شدید اختلاف رکھتے تھے کہ ایک دوسرے کے ساتھ رواداری کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ حتیٰ کہ ضد میں آکر ان چیزوں سے بھی انکار کر دیتے تھے جو ان کے نزدیک صحیح اور قابل تسلیم تھیں۔

قرآن نے ان دونوں گروہوں کے طرز عمل کو غلط قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ یہودی کہتے ہیں کہ نصرانیوں کا مذہب لاشئی اور بے حقیقت ہے اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہودیوں کا مذہب ناقابل اعتبار اور بے بنیاد ہے۔ لاشئی کہنے سے ان کا مطلب یہ تھا کہ فریق مخالف کا مذہب و مسلک محض اوہام باطلہ اور اختراعات خیالیہ پر مبنی ہے۔ ان کی کوئی اصل و بنیاد نہیں ہے۔ اس قسم کا ایک واقعہ پیش آیا کہ نجران کا نصرانی وفد' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں مدینہ منورہ آیا۔ اس موقع پر احبار و علماء یہود ان کے پاس آئے۔ آپس میں گفتگو ہوئی اور مناظرہ چھڑ گیا۔ یہودیوں نے جوش میں آکر کہا کہ تمہیں ذرا بھی حقانیت حاصل نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے حضرت عیسیٰ اور انجیل سے بھی قطعی انکار کر دیا۔ اس کے جواب میں نصاریٰ نے یہودیوں سے کہا کہ تمہیں دین کا ایک ذرہ بھی نصیب نہیں۔ اس کے ساتھ انہوں نے حضرت موسیٰ اور تورات کا بھی انکار کر دیا۔

پھر فرمایا گیا **وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ** حالانکہ یہ دونوں گروہ اہل کتاب ہیں اور اپنی اپنی آسمانی کتابوں کو پڑھتے ہیں۔ دونوں کی کتابوں کی بنیادی تعلیمات مشترک ہیں۔ دونوں توحید' رسالت' عقیدہ آخرت' جزا و سزا وغیرہ اصولی باتوں میں متفق ہیں۔ دونوں میں انکار حق' کتمان حقیقت' ناانصافی' حق پوشی اور جدال بالباطل کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ ان حالات میں ضروری تھا کہ یہودی اپنی کتاب کی بشارت کے مطابق حضرت عزیر کو پیغمبر برحق تسلیم کرتے اور عیسائیوں کے لیے لازم تھا کہ وہ تورات کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے اور اسے اپنے مذہب کی اصل اور بنیاد سمجھتے لیکن وہ ضد میں جانی بوجھی بات کا صاف انکار کر گئے۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے مذہب کی حقانیت



کا منکر بن گیا۔ ہر ایک نے دوسرے کو باطل پسند اور اوہام پرست قرار دیا۔

ارشاد فرمایا گیا **كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ** ان دونوں گروہوں کے تعصب کی یہ روش اور دوسروں کی سچی باتوں کو جھٹلانے کا یہ ڈھنگ تو بالکل جاہلوں جیسا ہے کہ جاہل لوگ ہمیشہ اپنی کسی بات کو غلط تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ چنانچہ مشرکین عرب کا بھی یہی حال تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے باوجود اسلام قبول نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ آپ کے متعلق ان کا مشہور فقرہ ہے کہ ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے لیکن جو پیغام آپ لائے ہیں اسے تسلیم نہیں کر سکتے۔

آگے فرمایا **وَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ**
قیامت کے دن جب حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آجائے گی' دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا جائے گا۔ قوت آزمائی' چرب زبانی اور دھاندلی کام نہ آسکے گی تو اللہ تعالیٰ ان گروہوں کے اختلافات کا فیصلہ فرمائے گا اور ان کو ان کے حق پوشی اور باطل کوشی کی سزا دے گا۔

# مساجد سے روکنا اور ان کو ویران کرنا سب سے بڑا ظلم ہے

## تشریح و تفسیر آیت نمبر 114

یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے تعصب سے اللہ کی عبادت گاہیں تک محفوظ نہ تھیں۔ یہودی' عیسائیوں کی عبادت گاہوں کی ویرانی میں کوشاں تھے۔ عیسائیوں کے تعصب کا یہ حال تھا کہ بیت المقدس کے یہودی مرکز کو انہوں نے غلاظت گاہ بنا دیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے جب بیت المقدس فتح کیا تو سخرہ نجاستوں سے اٹا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے صاف کیا۔ یہود و نصاریٰ کے درمیان بیت المقدس میں ایک دوسرے کو عبادت کرنے کے سلسلہ میں انتہائی خون ریز جنگیں بھی ہوئیں۔ روم کے عیسائیوں نے اپنے بادشاہ ٹیٹس (Titus) کے ساتھ یہودیوں سے انتقام لینے کے لیے فلسطین پر لشکر کشی کی اور بیت المقدس کو ویران و برباد کر دیا۔ نصاریٰ نے لوگوں کو حج بیت اللہ سے روکنے کی کوشش کی لیکن جب اس کوشش میں انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو ابرہہ نے جو عیسائی تھا مکہ پر چڑھائی کر کے خانہ خدا کو منہدم و مسمار کر دینے کا ارادہ کیا۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اس کی فوجوں پر نازل ہوا۔

ان واقعات کی طرف اشارہ کرنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ عبادت گاہوں کے معاملے میں یہود و نصاریٰ کے اعمال کتنے سیاہ تھے۔ لہٰذا ان لوگوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان مقدس

Scanned with CamScanner

عبادت گاہوں کے متولی رہیں۔ اس طرح یہ خبردی کو عنقریب یہ لوگ تولیت سے محروم کیے جائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا اور کچھ ہی دنوں بعد مکہ معظمہ فتح ہوگیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد بیت المقدس بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ ساتھ ہی اس آیت میں مساجد الٰہی کا مرتبہ ومقام بھی متعین کیا گیا کہ دنیا میں سب سے زیادہ ظالم وہ لوگ ہیں جو اللہ کی مسجدوں سے ذکر الٰہی کرنے والوں کو باز رکھیں اور مساجد کی آبادی اور رونق کی بجائے تخریب و ویرانی کے درپے ہوں۔ حالانکہ مساجد ایسی جگہیں ہیں کہ جہاں آتے وقت انسان کے دل کو خدا کے خوف سے لبریز ہونا چاہیے۔ نیز کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ خانہ خدا میں اس تخریب کی جسارت کے ساتھ داخل ہو اور اس میں لوگوں کو آنے' ذکر الٰہی کرنے اور مسجد کو بارونق بنانے میں حارج ہو جو لوگ اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ ان کے لیے دنیا میں ذلت و رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم ہے۔

اس آیت کا اطلاق متشدد مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے جو محض گروہی تعصبات کی بنا پر دوسرا مسلک رکھنے والوں کے لیے اپنی مساجد کا دروازہ بند کردیتے ہیں اور مسجدوں کو کسی خاص فرقہ اور مسلک سے مخصوص کردیتے ہیں اور بعض اوقات دوسرے مسلک رکھنے والوں کی مساجد کی بے حرمتی کرنے کی جسارت بھی کر گزرتے ہیں۔ اس آیت کے پیش نظر کسی فرقہ کو دوسروں کی عبادت گاہوں کو اجاڑنے اور مسمار کرنے یا ان کی توہین کرنے کی قطعی اجازت نہیں ہے۔ نیز افراد کے طریقہ عبادت میں اختلاف ہو تب بھی کسی فرد کو حق حاصل نہیں کہ دوسرے کو عبادت کرنے سے روکے جو ایسا کرے وہ سب سے زیادہ ظالم ہے۔

# عبادت کے لیے سمت کی تخصیص نہیں

## تشریح و تفسیر آیت نمبر115

یہود و نصاریٰ دونوں کا قبلہ بیت المقدس تھا لیکن نصاریٰ نے خاص طور پر اس کی مشرقی سمت کو اپنے قبلہ کے لیے انتخاب کیا اور یہود نے مغرب کو۔ پھر اس مشرق و مغرب کے اختلاف کی وجہ سے دونوں کے درمیان بیت المقدس میں اور اس سے باہر خون ریز لڑائیاں ہوئیں اور دونوں ایک دوسرے کی عبادت گاہوں کو مکمل طور پر مسمار' ویران اور بے حرمتی کرنے کے درپے ہوگئے۔

قرآن مجید نے یہاں ان کے اختلاف و نزاع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ سمتوں میں کوئی عظمت یا تقدیس نہیں پائی جاتی کہ جس سے ان کی تعظیم یا پرستش کی جائے' بلکہ تمام سمتیں چاہے مشرق ہو یا مغرب' شمال ہو یا جنوب سب اللہ ہی کی پیدا کردہ ہیں اور اس کے زیر نگیں ہیں۔



ان میں ہے جس سمت بھی انسان رخ کرے گا اگر وہ خدا کی طرف متوجہ ہے تو اس کا رخ خدا ہی کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی خاص سمت یا جہت مقام جگہ یا عبادت خانہ میں محدود نہیں ہے۔ اس کی رحمت سب جگہ عام ہے۔ یہود و نصاریٰ بیت المقدس کو قبلہ قرار دے کر جدھر بھی رخ کرتے خدا ہی کی طرف رخ کرتے کیونکہ خدا کی قدرت اور اس کے علم کی وسعت ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اطراف و جہات اس کے احاطے میں ہیں۔ ہر طرف اس کی جلوہ ریزی ہے۔ صرف مخصوص جہت و مساجد میں عبادت کی قید نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی نیکیوں اور ان کے اعمال کو بھی خوب جانتا ہے۔ اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ بندوں کے حق میں کون سی شے مفید اور کون سی مضر ہے۔ تعین قبلہ میں بھی مخلوق ہی کی مصلحت مقصود ہے۔ تاکہ یکسوئی قلب اور اتحادیت پیدا ہو اور طریقہ عبادت کا اختلاف مٹ جائے۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس آیت سے تحویل قبلہ کی تمہید شروع ہو جاتی ہے۔ جس کا ذکر دوسرے پارہ کے شروع میں تفصیل سے ہے۔ امام رازی کا رجحان یہ ہے کہ پہلے بیت المقدس قبلہ تھا۔ اس آیت کے ذریعہ اختیار دیا گیا کہ جس طرح جی چاہے رخ کیا جائے۔ اس کے بعد خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا۔ شاید اس درمیانی اختیار سے اس حقیقت کا اعلان ہوا کہ خدا کسی سمت میں محدود نہیں ہے۔ بعض اصحاب کی رائے میں یہ آیت سفر کی حالت میں سواری پر نماز پڑھنے کے متعلق ہے یا اس حالت کے متعلق ہے کہ جب اندھیرے یا کسی اور سبب سے سمت قبلہ معلوم نہ ہو سکے تو اندازہ سے تعین کر لے۔ بہرحال ان تمام صورتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مختلف اصحاب نے مختلف حالات کے اعتبار سے آیت کا مفہوم بیان کیا ہے۔

# یہود و نصاریٰ کے مشرکانہ عقائد

## تشریح و تفسیر آیت نمبر116-117

سابقہ آیت میں مذکور تھا کہ اللہ جہت و مکانیت سے منزہ ہے۔ یہاں اس آیت میں یہود و نصاریٰ کے مشرکانہ عقائد کی تردید کی گئی ہے۔ یہود حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ نصاریٰ اس بات کے قائل تھے کہ اللہ نے حضرت عیسیٰ کو متبنیٰ بنا رکھا ہے اور روح القدس یعنی جبرائیل کے ذریعہ سے اسے اپنی خدائی میں شریک بنالیا ہے۔ اس لیے آپ حضرت عیسیٰ خدا کا ایک حصہ ہیں۔ مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ قرآن حکیم نے ان عقائد فاسدہ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا خدا کا اس قسم کی نسبتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ ان تمام نقائص' عیوب' آلائشوں اور آلودگیوں سے منزہ ہے۔ کوئی اس کا مثیل نہیں۔ کوئی چیز کسی پہلو سے بھی اس کی ذات یا صفات یا اس کے حقوق میں شریک و سہیم نہیں ہے۔ خدا کی ذات کو اس بات کی حاجت نہیں کہ

Scanned with CamScanner

وہ کسی کو بیٹا بنائے بلکہ زمین و آسمان کی ساری چیزیں اس کی پیدا کردہ ہیں۔ کوئی بھی چیز اس کی بندگی اور اطاعت سے آزاد نہیں ہے۔ کائنات کی ہر چیز اس کے حکم کے سامنے سرافگندہ ہے۔ سب اس کے حلقہ بگوش ہیں۔ اس دنیا میں البتہ لوگوں کو اپنے معاملات کے انتظام میں مددگاروں اور شریکوں کی ضرورت ہوتی ہے لیکن خدا اس قسم کے شریکوں اور مددگاروں سے بالکل بے نیاز ہے۔
اس نے زمین و آسمان کی تمام چیزوں کو بغیر کسی مادے، نمونے، آلے اور ساز و سامان کے اپنی قدرت و حکمت سے پیدا کیا اور پھر سلسلہ حیات قائم کیا۔ وہ جس کام کو کرنا چاہتا ہے اسے کوئی دقت پیش نہیں آتی بلکہ صرف اتنا کہتا ہے کہ "کن" (ہو جا) تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ ایسی بے نیاز اور قادر مطلق ہستی کو آل و اولاد کی کیا حاجت ہو سکتی ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ کی انوکھی پیدائش کی وجہ انہیں ابن اللہ سمجھتے ہو تو حضرت آدمؑ کا پیدا ہونا اور بھی انوکھا تھا۔ یہ کائنات کے عجائبات اسی کی اختراع ہیں۔

## مشرکین کے جاہلانہ مطالبات

## تشریح و تفسیر آیات نمبر 118-119

اب اس آیت میں مشرکین کے بعض مطالبات کا ذکر کر کے ان کا جواب دیا گیا ہے۔ ان کا پہلا مطالبہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا سے ہم کلامی کے لیے کیوں منتخب کیا گیا۔ ہم جو سرداران قریش ہیں اور اثر و اقتدار میں محمدؐ سے کہیں بلند مقام کے مالک ہیں۔ آخر خدا ہم سے ہم کلام کیوں نہیں ہوتا۔ تاکہ ہمیں پورا یقین ہو جائے اور ہم کسی شک و شبہ کے بغیر ایمان لے آئیں اس مطالبہ کا جواب قرآن نے ایک جگہ یہ دیا ہے کہ کسی انسان کی یہ شان نہیں ہے کہ اللہ اس سے براہ راست کلام کرے۔ وہ صرف وحی کے ذریعہ سے یا پردہ کی آڑ سے بات کرتا ہے۔ پھر وحی اور رسالت سے متعلق یہ وضاحت فرما دی کہ ہر شخص اس منصب کا اہل نہیں ہوا کرتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون اس منصب عظیم کا اہل ہے لیکن یہاں اس آیت میں مشرکین کے اس مطالبہ کا جواب نہیں دیا گیا ہے۔ جو اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ مطالبہ اس قدر گستاخانہ اور جاہلانہ ہے کہ اس کا جواب نہ دینا ہی اس کا جواب ہے۔
دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں بھیجتا۔ جس کو ہم دیکھ کر رسالت کی تصدیق کریں اور اس کا اقرار کر لیں۔ مثلاً یہ کہ اس رسول کے ساتھ کوئی فرشتہ اس کی رسالت کی منادی کرتا پھرے یا اس کے حکم سے مردے جی اٹھیں۔ قرآن مجید نے اس مطالبہ کا یہ جواب دیا کہ حق واضح ہو جانے کے بعد اس طرح کی نشانی کا مطالبہ سابقہ قوموں نے بھی اپنے رسول سے کیا اور جس طرح بغض و عناد قیادت و سرکشی اور حق دشمنی ان کے دلوں میں گھر کر گئی تھی۔ اسی طرح ان مشرکین کا حال ہے۔ اس طرز عمل کے نتیجہ میں جس طرح سابقہ اقوام عذاب الٰہی سے دوچار ہوئیں۔ اسی طرح ان پر بھی خدا کا عذاب نازل ہوگا۔
پھر فرمایا کہ جہاں تک آپ کی رسالت اور آپ کی دعوت کے حق ہونے کا تعلق ہے تو اس کے دلائل ہم نے قرآن حکیم میں واضح طور پر بیان کر دیئے ہیں۔ ان دلائل کے بعد کسی نشانی اور معجزہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لیکن یہ دلائل و نشانیاں ان لوگوں کے لیے مفید ہو سکتی ہیں جو یقین کے متمنی اور خواہش مند ہوں۔ جن کے دل جہالت و حماقت اور بغض و عناد کی آلودگیوں اور آلائشوں سے پاک ہوں۔ آپ کا فرض تو پیغام پہنچانا ہے اور اہل دوزخ کے بارے میں آپ سے ہرگز باز پرس نہ ہوگی۔

## یہودی نصاریٰ کا مذہبی تعصب

## تشریح و تفسیر آیت نمبر 120

یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین کے عناد و تعصب اور ضد و ہٹ دھرمی کی تفصیل بیان کر کے آخر میں فرمایا۔ اس کے بعد اس بات کا کوئی سوال ہی باقی نہیں رہتا کہ یہود و نصرانی کبھی بھی آپ کو پسند کر سکتے ہیں، پھر اس کے بعد کہ آپ اپنا دین چھوڑ دیں اور ان کی ملت میں شامل ہو جائیں کیونکہ ان کے سامنے سوال صرف حق کی وضاحت اور دلائل کے ظہور کا نہیں ہے۔ بلکہ اپنے اپنے طریقہ پر جمود کا ہے۔ وہ حق و صداقت سے زیادہ اپنی نفسانی خواہشات کے پرستار ہیں جو صریح گمراہی ہے۔ لہٰذا آپ کے لیے خدا کی جانب سے علم وحی اور پیغام خداوندی کے آ جانے کے بعد ان کے خواہشات و بدعات کی پیروی کا کوئی سوال باقی نہیں رہتا۔ سو آپ ان کا خیال ہی دل سے نکال دیں۔ اگر آپ نے ان مشرکین کی خواہشات کا اتباع کیا تو آپ کا بھی کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رسول کوئی ایسی بات کر سکتا ہے جو رضائے الٰہی کے خلاف ہو بلکہ مقصد عام مسلمانوں کو بتانا ہے کہ بفرض محال یہ ناممکن بھی ممکن ہو جائے تو عام مسلمان تو درکنار اللہ تعالیٰ رسول سے بھی باز پرس کرے گا اور اس ضمن میں کسی طرح کی رعایت نہیں کی جائے گی۔

## یہودیوں کا انصاف پسند طبقہ

## تشریح و تفسیر آیت نمبر 121

اس آیت میں ان اہل کتاب کا ذکر ہے، جو فی الحقیقت اپنی کتاب پر ایمان رکھتے تھے۔ فرمایا گیا

Scanned with CamScanner

کہ یہود میں بعض ایسے بھی ہیں' جو انصاف پسند نہیں اور خود اپنی کتاب کو بڑے فکر و تامل سے پڑھتے ہیں۔ تاکہ اس کے ذریعے حق بات معلوم کر سکیں' یہاں تک کہ وہ کتاب کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ انجام کار وہ قرآن مجید پر بھی ایمان لے آتے ہیں۔ پھر اس کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔ بس یہی لوگ سچے مومن ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ اسلام کی نعمت سے مالا مال کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلام پہلے یہودی تھے۔ انہوں نے توریت کو ہی پڑھ کر اسلام قبول کیا تھا۔ لیکن جو لوگ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے اور انہوں نے اسلام کے مقابلہ پر اپنی دنیوی مفادات و خواہشات کو ترجیح دی وہ یقیناً نقصان اٹھانے والے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ

اے بنو اسرائیل کے یاد کرو نعمت میری جو میں نے انعام کی اوپر تمہارے اور کہ میں نے

اے بنی اسرائیل میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم کو بخشیں اور یہ کہ میں نے تمہیں دنیا جہان والوں پر فضیلت

فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (۱۲۲) وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ

فضیلت دی تمہیں اوپر تمام جہانوں کے اور ڈرو (اس) دن سے نہیں کام آئے گی کوئی جان سے

دی۔ اور اس روز سے ڈرو جب نہ کسی کے کوئی کام آئیگا اور نہ

نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ

جان کچھ بھی اور نہ قبول کیا جائے گا اس سے معاوضہ اور نہ فائدہ دیگی اسے سفارش

اس کی پسند سے معاوضہ قبول کیا جائے گا۔ اور نہ اسے سفارش نفع پہنچا سکے گی۔ اور نہ انہیں مدد

وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (۱۲۳) وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ

اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے اور جب آزمایا ابراہیم کو پروردگار اس کے ساتھ کلمات پس اس نے پورا کر دیا انہیں

پہنچ سکے گی۔ اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے پروردگار نے چند امور میں آزمایا

قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۭ قَالَ

کہا بے شک میں کرنے والا ہوں تجھے واسطے لوگوں کے پیشوا کہا اور سے میری اولاد کہا

اور انہوں نے وہ انجام دیدیئے ارشاد ہوا کہ میں یقیناً تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں بولے اور میری نسل سے بھی

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ (۱۲۴) وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ

نہیں پہنچتا وعدہ میرا ظالموں کو اور جب بنایا ہم نے گھر جائے پناہ واسطے لوگوں کے

ارشاد ہوا کہ میرا وعدہ نافرمانوں کو نہیں پہنچتا۔ اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے ایک مقام



وَ اَمْنًا ۭ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ وَ عَهِدْنَآ اِلٰٓى

اور امن اور پکڑ لو سے کھڑا ہونیکی جگہ ابراہیم کی نماز پڑھنے کی جگہ اور وعدہ لیا ہم نے طرف

رجوع اور مقام امن قرار دیا۔ اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کو حکم بھیجا

اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ

ابراہیم اور اسمٰعیل کہ وہ دونوں پاک کریں گھر میرا لئے طواف کرنیوالوں اور اعتکاف بیٹھنے والوں

کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک صاف رکھو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع

وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (۱۲۵) وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا

اور رکوع کرنیوالوں سجدہ کرنیوالوں اور جب کہا ابراہیم نے اے رب! کر دے اس شہر کو امن والا

کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے۔ اور وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جب ابراہیم نے عرض کی اے میرے پروردگار اس شہر کو امن

وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

اور دے رہنے والے اسکے سے پھل جو ایمان لائے سے ان ساتھ اللہ اور دن پر

والا بنادے اور اس میں رہنے والوں کو روزی دے پھلوں سے یعنی اُن کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان

الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى

آخرت کے کہا (اللہ نے) اور جس نے انکار کیا پس میں متاع دونگا اسے تھوڑا پھر میں دھکیلوں گا اسے طرف

لائیں اللہ نے ارشاد فرمایا جو کفر کرے گا میں اسے بھی کچھ دن مزہ اٹھانے دوں گا۔ کشاں کشاں عذاب جہنم

عَذَابِ النَّارِ ۭ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ (۱۲۶) وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ

عذاب آگ کے اور بُرا ٹھکانا اور جب بلند کرتا تھا ابراہیم بنیادیں

تک پہنچا دوں گا۔ اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے۔ اور وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے جب ابراہیم

مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ

سے گھر (اللہ کے) اور اسماعیل بھی اے ہمارے رب قبول کر سے ہم بیشک تو تو سننے والا

علیہ السلام اور اسماعیلؑ خانہ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے۔ اے ہمارے پروردگار ہم سے یہ قبول کر یقیناً تو ہی سب کچھ سننے والا

الْعَلِيْمُ (۱۲۷) رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً

جاننے والا اے ہمارے رب اور کر ہمیں مسلمان واسطے تیرے اور سے اولاد ہمارے جماعت

ہے جاننے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا دے اور ہماری نسل میں سے ایک فرمانبردار امت پیدا کر اور ہم کو

مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ

مسلمان واسطے تیرے اور دکھا ہمیں دینی قاعدے ہمارے اور توجہ کر اوپر ہمارے بیشک تو تو

ہمارے دینی قاعدے بتلا دے اور ہمارے حال پر توجہ کر یقیناً تو بڑا توجہ رکھنے والا بڑا

Scanned with CamScanner

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٢٨﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

تو بہ قبول کرنے والا رحم کرنیوالا ۔ اے ہمارے رب اور بھیج ۔ میں ان ۔ رسول ۔ سے ان ۔ تلاوت کرے ۔ اوپر انکے

مہربان ہے ۔ اے ہمارے پروردگار ان میں ایک پیغمبر ان ہی میں سے بھیج جو انہیں تیری آیتیں پڑھ

اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ

آیات تیری ۔ اور تعلیم دے انہیں ۔ کتاب کی ۔ اور حکمت کی ۔ اور پاک کرے انہیں ۔ بیشک تو ۔ تو

کر سنائے اور انہیں کتاب اور دانائی کی تعلیم دے اور انہیں پاک و صاف کرے یقیناً تو بڑا زبردست

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٢٩﴾ ع

غالب ۔ حکمت والا

بڑا حکمت والا ہے ۔

## الفاظ کے معانی و ضروری تشریحات

لَا تَجْزِيْ ۔ کفایت نہیں کرے گا ؛

شَفَاعَةٌ ۔ سفارش ؛

يُنْصَرُوْنَ ۔ نہ مدد کیے جائیں گے ؛

اِبْتَلٰى ۔ اس نے آزمایا ۔ اس نے ابتلاء میں ڈالا ۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب ۔ مصدر اِبْتِلَاءٌ اور مادہ (ب ل و) ہے ؛

كَلِمٰتٍ ۔ چند باتیں ؛

اَتَمَّهُنَّ ۔ ان کو پورا کیا ۔ مصدر اِتْمَامٌ اور مادہ (ت م م) ہے ؛

اِمَامًا ۔ پیشوا ۔ مقتداء ۔ رہنما ۔ جس کی پیروی کی جائے ؛

ذُرِّيَّتِيْ ۔ میری اولاد ۔ میری نسل ؛

يَنَالُ ۔ پہنچے گا ۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب ۔ نَيْلٌ مصدر سے ہے ؛

عَهْدِيْ ۔ میرا عہد ۔ مراد منصب امامت و نبوت ؛

جَعَلْنَا ۔ ہم نے کہا ۔ ہم نے بنایا ۔ ہم نے ٹھہرایا ؛

الْبَيْتَ ۔ گھر ۔ مراد خانہ کعبہ ۔ بیت اللہ ؛

مَثَابَةً ۔ مرجع لوگوں کے لیے لوٹنے کی جگہ ۔ مرکز اتحاد و تنظیم ۔ جمع ہونے



کی جگہ ۔ مصدر ؛

اَمْنًا ۔ امن والا ۔ پُرامن ۔ جائے امن ؛

اِتَّخِذُوْا ۔ تم بنالو ؛

مَقَامِ ۔ کھڑا ہونے کی جگہ ۔ ظرف مکان ؛

مُصَلًّى ۔ نماز پڑھنے کی جگہ ۔ جائے نماز ؛

طَهِّرَا ۔ تم دونوں پاک رکھو ؛

طَآئِفِيْنَ ۔ طواف کرنے والے ۔ گرد پھرنے والے ؛

عٰكِفِيْنَ ۔ اعتکاف کرنے والے ؛

رُكَّعِ ۔ رکوع کرنے والے ۔ رَاكِعٌ کی جمع ہے ؛

سُجُوْدِ ۔ سجدہ کرنے والے ۔ سَاجِدٌ کی جمع ہے ؛

اِجْعَلْ ۔ تو کردے ۔ تو بنا دے ؛

بَلَدًا ۔ شہر + اُرْزُقْ ۔ تو روزی دے ۔ تو رزق دے ؛

اَهْلَهٗ ۔ اس کے باشندے ۔ اس کے رہنے والوں کو ؛

اُمَتِّعُهٗ ۔ میں اس کو کچھ نفع پہنچاؤں گا ۔ میں اسے فائدہ دوں گا ۔ مصدر تَمْتِيْعٌ اور مادہ (م ت ع) ہے ۔ فعل مضارع ہیں ؛

اَضْطَرُّهٗ ۔ میں اس کو مجبور کروں گا ۔ مصدر اِضْطِرَارٌ اور مادہ (ض ر ر) ہے ۔ فعل مضارع متکلم ؛ بِئْسَ : کیا ہی برا ہے ؛

اَلْمَصِيْرُ ۔ لوٹنے کی جگہ ۔ قرارگاہ ۔ ٹھکانہ ۔ جائے بازگشت ؛

يَرْفَعُ ۔ وہ اونچا کرتا تھا ۔ وہ بلند اٹھاتا تھا ؛

اَلْقَوَاعِدَ ۔ بنیادیں ۔ قَاعِدَةٌ کی جمع ہے ؛

تَقَبَّلْ ۔ تو قبول کر ۔ مصدر تَقَبُّلٌ اور مادہ (ق ب ل) ہے ؛

مُسْلِمَيْنِ ۔ دونوں فرماں بردار ۔ مسلمان ؛

اُمَّةً ۔ جماعت ۔ اُمّت + مُسْلِمَةً ۔ فرماں بردار ؛

اَرِنَا ۔ تو ہمیں دکھا ۔ تو ہمیں بتلا ۔ تو ہمیں سکھا ؛

مَنَاسِكَنَا ۔ ہمارے حج اور عبادت کے طریقے ۔ مَنْسَكٌ کی جمع ہے ۔

نسک کے اصلی معنی دھونے اور پاک کرنے کے ہیں۔ اسی سے ہے جس کے معنی قربانی کے ہیں اور پھر اسی سے منسک ہے جس کے معنی قربانی کے طریقے کے بھی ہیں اور قربان گاہ کے بھی۔ اس کے جمع مناسک ہے جو حج کے تمام سلسلۂ عبادات و مراسم پر حاوی ہے ؛

| | |
|---|---|
| تُبْ | تُو معاف کر۔ تُو توبہ قبول کر۔ تُو توجہ فرما ؛ |
| اَلتَّوَّابُ | بہت ہی توبہ کرنے والا۔ بہت ہی توجّہ دینے والا ؛ |
| اِبْعَثْ | تُو بھیج۔ تُو اٹھا۔ تُو مبعوث کر ؛ |
| يَتْلُوْا | وہ تلاوت کرے۔ وہ پڑھے۔ فعل مضارع واحد مذکر غائب۔ تِلَاوَةٌ مصدر سے ہے ؛ |
| يُعَلِّمُ | وہ تعلیم دیتا ہے۔ وہ سکھاتا ہے۔ وہ سکھائے ؛ |
| حِكْمَةٌ | حکمت۔ دانش۔ سمجھ۔ اسرارِ شریعت ؛ |
| يُزَكِّيْ | وہ پاک کرتا ہے۔ تَزْكِيَةٌ مصدر سے ہے اور مادہ (ز ک ی) ہے۔ فعل مضارع ؛ |
| عَزِيْزٌ | غالب۔ زبردست۔ قوی۔ طاقتور ؛ |

# بنی اسرائیل سے ایک اور خطاب

## تشریح و تفسیر آیت نمبر 122-123

اس سے پیشتر آیات نمبر 40' 47 اور 48 میں انہی الفاظ کے ساتھ بنی اسرائیل کو خطاب کیا جا چکا ہے۔ یہاں ایک مرتبہ پھر ان کے تمام حالات ذکر کرنے کے بعد ان احسانات' اکرامات اور انعامات کی یاددہانی کرائی جا رہی ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نوازا تھا۔ تاکہ انہیں انعامات خداوندی اور ساتھ ہی اپنی ناشکری اور احسان فراموشی کا احساس ہو سکے اور وہ راہ ہدایت قبول کر لیں۔ چنانچہ فرمایا گیا۔ اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت و مہربانی کو یاد کرو۔ جو میں نے تم پر کی اور یہ کہ تمہیں تمام جہانوں پر امام و سلطنت کے لحاظ سے فضیلت و بزرگی بخشی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جو احسانات اور مہربانیاں کیں۔ ان سے پہلے کسی قوم کو یہ عزت و شرف نصیب نہ ہو سکا۔ لیکن اس کے باوجود اس قوم نے انتہائی ناقدری اور نافرمانی کو اپنا شعار بنائے



رکھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے نہ صرف منصب امامت و پیشوائی کا حق ادا کرنا چھوڑ دیا۔ بلکہ خود بھی حق اور راستی سے پھر گئے اور بجز گنتی کے پوری امت میں کوئی صلاحیت باقی نہیں رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل افضل ترین قوم ہونے کے فخر و شرف سے محروم کر دیئے گئے۔

دوسری آیت میں فرمایا گیا کہ اس دن سے ڈرو جس دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا اور نہ ہی کسی کی طرف سے خدا کے دربار میں کوئی معاوضہ' ہدیہ یا سفارش قبول ہوگی اور نہ ہی مجرموں کو کہیں سے مدد مل سکے گی۔ بلکہ ہر شخص کو برابر کا بدلہ دیا جائے گا۔

اس آیت میں یہود و نصاریٰ کے اس عقیدے کو رد کیا گیا ہے کہ بزرگوں کی سفارش یا کسی کے فدیہ سے انہیں نجات مل جائے گی۔ یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ جنت ہماری میراث ہے اور ہمارے اکابر سفارش سے ہمیں بخشوا لیں گے عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت مسیح سب کی طرف سے فدیہ بن چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک مرتبہ پھر ان تمام عقائد باطلہ کی تردید کر دی ہے۔ اس سے قبل ان دو آیات کی تفسیر آیت نمبر 40' 47 اور 48 کے تحت تفصیل سے بیان ہو چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

# حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش اور منصب امامت کا عطیہ

## تشریح و تفسیر آیت نمبر 124

اس آیت میں قرآن حکیم نے حضرت ابراہیم کے فضائل مختصرا بیان کئے ہیں اور صرف ان امور کا ذکر کیا ہے۔ جن کے ذریعہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے دلوں سے حضرت ابراہیم کے متعلق شکوک و شبہات دور ہو جائیں۔ ان تینوں گروہوں نے جس عقیدے اور رسم و رواج کو اپنا لیا تھا۔ اس کی تعلیم حضرت ابراہیم نے ہرگز نہیں دی تھی۔ خصوصا یہود نسلی فخر و غرور کا شکار تھے حالانکہ وہ اس حقیقت کو نظرانداز کئے ہوئے تھے کہ اس نسلی فضیلت و بزرگی میں بنی اسماعیل بھی برابر کے شریک ہیں وہ اس شرف و مجد سے ناجائز فائدہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جسے حضرت ابراہیمؑ نے اطاعت خداوندی کے تحت مختلف آزمائشوں اور امتحانوں میں کامیابی کے بعد حاصل کیا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے پروردگار نے چند امور میں آزمایا"۔

ان امور کو قرآن مجید نے دوسرے مقامات پر بیان کیا ہے۔ جن میں حضرت ابراہیمؑ کا امتحان لیا گیا تھا۔ مثلاً:

1- آپ کا خاندان نہ صرف کفر و شرک کا حامل تھا۔ بلکہ اس کا داعی اور منادی بھی تھا۔ آپ کا

Scanned with CamScanner

باپ آزر نہ صرف بت پرست تھا بلکہ بت ساز بھی تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے انہی باطل خداؤں کی آغوش میں آنکھ کھولی اور ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ آپ نے اعلان فرمایا:

إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ۔ (الممتحنۃ:4)

ہم تم سے اور ان چیزوں سے جن کو تم پوجتے ہو بالکل الگ ہیں ہم نے ان سے انکار کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت و دشمنی ظاہر ہو گئی جب تک کہ تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

2- آپ کو اس جرم میں مصیبت کے طوفان کے جھکولے کھانے پڑے اپنے باپ، اعزاو اقرباء سے رشتہ توڑنا پڑا۔ اہل وطن نے جلاوطنی کا حربہ استعمال کیا آپ نے وطن کو خیرباد کہہ دیا لیکن اپنے آقا کے دامن کو آپ نے نہ چھوڑا۔ آپ نے فرمایا:

إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ (39:35)

میں اپنے رب کی طرف جاتا ہوں۔ وہ مجھے راہ دکھائے گا۔

3- آپ کو عراق کے بت پرست بادشاہ نمرود نے آگ میں زندہ جلا ڈالنے کی سزا دینی چاہی تو آپ آگ میں کود پڑے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگ گلزار بن گئی۔ ارشاد ربانی ہے۔

قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا" وَسَلَامًا" عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ (99:31)

ہم نے کہا اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیمؑ کے لیے راحت و سلامتی بن جا۔

4- اپنے چہیتے بیٹے حضرت اسماعیل اور پاکباز بیوی حاجرہ کو عرب کے بے آب و گیاہ ریگستان میں تنہا چھوڑنے اور خدائے واحد کی عبادت و بندگی کے لیے مسجد تعمیر کرنے کا حکم ہوا تو آپ نے تعمیل کی۔

5- اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے لخت جگر حضرت اسماعیلؑ کو راہ حق میں قربان کرنے کا اشارہ ہوا تو آپ نے حکم خداوندی کی تعمیل میں کسر نہ چھوڑی اور اس امتحان وفا میں پورے اترے۔

6- ان کے علاوہ آپ ان تمام احکام شریعت پر کاربند رہے۔ جن میں ناخنوں کے تراشنے دانتوں کو مسواک سے صاف کرنے سے لے کر حج و زکوٰۃ کے جملہ مناسک شامل ہیں۔

مندرجہ بالا آزمائشوں کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو دنیا کا امام و پیشوا بنایا جسے دنیا آج تک تسلیم کرتی ہے۔ تورات میں بھی آتا ہے اور میں تجھ کو ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھ کو



مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا اور تو ایک برکت والا ہوگا۔ اور دنیا کے سارے گھران سے برکت پائیں گے۔ (پیدائش 201:12)

تمام انبیاء اور امتوں نے آپ کی پیروی کی یہاں تک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم ملا۔

اِتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا"۔

اس نعمت عظمیٰ کے حصول کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے درخواست کی کہ یہ پیشوائی و امامت کا منصب ان کی اولاد میں بھی رہے۔ آپ کا یہ دعا کرنا ایک طبعی امر تھا جواب میں ارشاد ہوتا ہے "ظالموں کو میرے وعدے سے فائدہ نہیں پہنچے گا یعنی ظالم اور بدکار اس نعمت کے مستحق نہیں ہیں۔ دوسرے الفاظ میں حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا نیک اور صالح لوگوں کے حق میں قبول ہو گئی اور مدتوں نبوت بنی اسرائیل میں رہی۔ اشاروں میں یہود، نصاریٰ اور مشرکین کو یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی سعادتوں میں حصہ دار بننے کے لیے صرف اولاد ہونا کافی نہیں بلکہ ایمان و عمل صالح شرط ہے۔ نیز جس شخصیت سے تم اپنے تعلق کا اظہار کر رہے ہو اس کے عقائد و اعمال سے تمہارا دور کا واسطہ نہیں رہا اس لیے تم میں سے کوئی بھی اب منصب امامت کا مستحق نہیں ہے۔

**حضرت ابرہیم علیہ السلام:** حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت یہود و نصاریٰ اور اہل عرب تینوں کے لیے قابل عزت و احترام اور جانی پہچانی تھی۔ کیونکہ آپ کے دونوں بیٹوں حضرت اسحاقؑ و حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں تمام تر نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ہی کی نسل سے تمام قومیں پیدا کیں جن میں جلیل القدر بادشاہ پیدا ہوئے۔ پھر آپ ہی کی شاخ سے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ جن کے ذریعہ سے تمام نوع انسانی کو ایمان و ہدایت کی دولت نصیب ہوئی۔ اس لحاظ سے حضرت ابراہیمؑ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں اسی وجہ سے مذکورہ بالا آیت نمبر 124 میں قرآن حکیم نے پہلی مرتبہ بغیر کسی تمہید و تعارف کے آپ کا ذکر فرمایا ہے۔

تورات میں آپ کے نام کا تلفظ ابرام۔ ابراہم آیا ہے جدید ترین تحقیقات کے مطابق آپ کا سال پیدائش 2120 ق م ہے۔ تورات میں عمر 75 سال درج ہے۔ آپ نے فلسطین کے علاقہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ کے باپ کا نام آزر تھا۔ وطن بابل کے علاقہ میں کلدانیہ تھا جسے آج کل عراق کی سرزمین کہتے ہیں۔ آپ خلیل اللہ اور جدالانبیاء کے نام سے مشہور ہیں۔ قرآن حکیم میں آپ کی زندگی کو اسوۂ حسنہ کہا گیا ہے۔ آپ کے اخلاق کی تعریف و ستائش میں ارشاد ہوتا ہے:

Scanned with CamScanner

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ

بے شک ابراہیمؑ بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔

جیسا کہ اس سے پیشتر آیت نمبر 124 کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ آپ کی ساری زندگی حق کے لیے مسلسل آزمائشوں میں گزری۔ آپ کی پوری زندگی ہی یہ تھی کہ آپ نے دنیا کے تمام رشتوں کو توڑ کر صرف اللہ تعالیٰ سے رشتہ جوڑا۔ اللہ کی محبت کے سوا ہر محبت کو اپنے دل سے نکال پھینکا اور خداوند قدوس کی اطاعت کے سوا ہر اطاعت سے آپ نے انکار کر دیا۔ آپ نے اعلان فرما دیا تھا۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ (الانعام:79)

میں نے ہر طرف سے کٹ کر اپنا رخ اس ذات کی طرف پھیر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور میں مشرکوں سے بے تعلق ہوں۔

آپ کی وفادارانہ زندگی کے یہی نقوش ہیں جن کی پیروی کا سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم دیا گیا اور انہیں "صراط مستقیم" اور "دین قیم" کے نام سے تعبیر کیا گیا۔ فرمایا گیا۔

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ (الانعام:161)

آپ کہہ دیجئے کہ مجھے میرے رب نے رہنمائی کی ہے۔ سیدھے راستے کی سچے دین کی جو اس ابراہیمؑ کا مذہب ہے جو صرف اللہ کا ہو رہا تھا اور مشرکوں سے بے تعلق تھا۔

# فضیلت کعبہ کا بیان

## تشریح و تفسیر آیت نمبر 125

اس آیت میں خانہ کعبہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لیے مقام رجوع اور اتحاد و تنظیم کا مرکز بنا دیا ہے۔ صدہا سال بعد آج بھی بیت اللہ کی زیارت کے لیے لاکھوں انسان مشرق و مغرب۔ شمال و جنوب ہر سمت سے جوق در جوق آتے ہیں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ زائرین اس کا طواف نہ کر رہے ہوں۔ ایام حج کے علاوہ یہاں عمرہ کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ یہ سلسلہ چار ہزار سال پیشتر حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ سے قائم ہے۔ دوست دشمن سب اس کا مشاہدہ کرتے چلے آتے ہیں۔ اس مقدس گھر کی دوسری فضیلت یہ



ہے کہ اسے ہر طرح مصئون و مامون کر دیا۔ چنانچہ نہ صرف اس گھر میں بلکہ دور دور اس کے ارد گرد کے علاقہ میں جو حرم کہلاتا ہے۔ وہاں انسان کی خونریزی تو درکنار' جانور کو ستانا اور شکار کرنا بھی ممنوع ہے اس گھر کو یہ حیثیت اسلام سے پیشتر دور جاہلیت میں بھی حاصل تھی اور مشرکین مصیبت کے وقت یہاں پناہ لیتے تھے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب حضرت ابراہیمؑ کی ہر بات پسند آئی۔ اس لیے آپ کی اتباع و پیروی کے لیے آئندہ نسلوں کو حکم دیا کہ مقام ابراہیمؑ کو نماز گاہ بنا لو۔ وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی قرآن حکیم نے اسے مقام ابراہیمؑ سے تعبیر کیا اور اسے مستقل جائے نماز قرار دیا۔ یہ پتھر خانہ کعبہ سے چند قدم کے فاصلہ پر نصب ہے۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کے نشان ہیں اور آپ نے اسی پتھر پر کھڑے ہو کر حج کی دعوت دی تھی۔ اس کے قریب ہر طواف کے بعد دو رکعت نماز ادا کرنا' حج اور عمرہ کے مراسم میں شامل ہے۔

پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کو نصیحت کی کہ وہ اس گھر کو طواف و اعتکاف' رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے ہر آلائش و ہر آلودگی سے پاک و صاف رکھیں نہ صرف اس کا فرش اجلا' اس کی دیواریں آئینہ دار اور چھتیں پاک و صاف ہوں تاکہ عبادت کرنے والوں کو دلجمعی نصیب ہو اور وہ اطمینان سے اپنے رب کی یاد کرتے رہیں بلکہ اس گھر میں خدا کے سوا کسی دوسری ہستی کو مالک' معبود حاجت روا اور فریاد رس کی حیثیت سے بھی نہ پکارا جائے کیونکہ جس کسی نے اس مقدس گھر میں غیر اللہ کو پکارا اور اس سے فریاد کی تو اس نے حقیقت میں اس گھر کو گندا کر دیا۔ یہ آیت مشرکین مکہ کے جرم کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ جو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کے دعوے دار ہونے کے ساتھ ساتھ شرک میں مبتلا تھے۔ چنانچہ انہیں جتایا گیا کہ جس طرح بنی اسرائیل منصب امامت و پیشوائی سے محروم کر دیئے گئے۔ اسی طرح تمہیں بھی خانہ کعبہ کی حفاظت اور تولیت سے دستبردار کر دیا گیا ہے۔ ہر مسجد کو پاک و صاف رکھنے کا حکم بھی اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔

# مکہ اور اہل مکہ کے لیے ابراہیمؑ کی دعا

## تشریح و تفسیر آیت نمبر 126

تعمیر کعبہ کے ساتھ ہی حضرت ابراہیمؑ کے پیش نظر اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ اور ان کی اولاد کو اس بے آب و گیاہ ریگستان میں آباد کرنا تھا۔ اس لیے انہوں نے بارگاہ ایزدی میں حد درجہ اخلاص اور آرزو مندی کے ساتھ دعا کی کہ وہ اس شہر (مکہ) کو امن کا گہوارہ بنا دے اور یہ کہ اس

کے مومن باشندوں کو تازہ پھل کھانے کے لیے عطا فرمائے حضرت ابراہیمؑ کی یہ دونوں دعائیں بارگاہ ایزدی میں قبول ہوئیں۔ کعبہ دارالامن بنا۔ پورا شہر اور اس کے اردگرد کئی میل تک کا رقبہ حرم قرار دیا گیا۔ اس سرزمین میں جنگ وجدل، کسی پر حملہ کرنا، قتل وغارت حتیٰ کہ جانوروں کا شکار بھی حرام ہوگیا۔ اس میں جو شخص بھی داخل ہوگیا وہ خدا کی امان میں داخل ہوگیا۔ نیز اس گھر کو بیرونی دشمنوں کے حملوں اور خطرات سے بھی محفوظ کردیا گیا۔

دوسری دعا کا یہ اثر ہوا کہ دنیا کا کوئی پھل ایسا نہیں جو آج مکہ میں موجود نہ ہو۔ تازہ پھل ترکاری اور غلہ بکثرت ملتا ہے۔ گویا اہل مکہ کے لیے معاشی فراغت کے دروازے بھی کھول دیئے گئے اور تمام عرب پر حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کو سیاسی و مذہبی برتری حاصل ہوگئی۔

آیت نمبر124 میں جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کے لیے امامت کی دعا مانگی تھی تو اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کرتے وقت ایک اہم شرط لگادی تھی کہ ظالم اس عہد سے متمتع اور فیض یاب نہ ہوں گے۔ پھر جب حضرت ابراہیمؑ نے منصب امامت پر قیاس کرکے صرف مومنین کے لیے پھلوں کے رزق کی دعا کی تو چونکہ رزق سے کافر کو محروم رکھنا شان ربوبیت کے منافی تھا اس لیے ساتھ ہی فرمایا کہ ہمارا عدل اس امر کا متقاضی ہے کہ رزق کے معاملہ میں مومن اور کافر، نیکوکار اور بدکار میں امتیاز اور فرق نہ کیا جائے۔ جو لوگ خدا کے نافرمان ہیں وہ امامت کے حقدار تو ہرگز نہیں البتہ ان کی نافرمانی کے سبب انہیں روزی سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا کافروں کو بھی چند دن کا نفع ہوگا۔ اس کے بعد وہ اپنے کفر و سرکشی کی سزا بھگتنے کے لیے دوزخ کی آگ میں کشاں کشاں ڈال دیئے جائیں گے۔ جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

اس آیت سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ اگر کسی شخص کو اس دنیا میں رزق کثرت کے ساتھ مل رہا ہے۔ تو وہ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو کہ اسے رضائے الٰہی بھی حاصل ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کا اثر ہے کہ آج مکہ اور اہل مکہ پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم ہے۔ وہ سب سے زیادہ خوشحال ہیں اور انہیں ہر قسم کے پھل دستیاب ہیں۔ حج کو جانے والے اور خانہ کعبہ کے زائرین اس بات کی تصدیق کریں گے۔

## تعمیر کعبہ کی قبولیت اور امت مسلمہ کے ظہور کی دعا

### تشریح و تفسیر آیت نمبر127-128

ان آیات میں حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کی ان دعاؤں کا ذکر ہے جو وہ بصد عجز و اخلاص، خدا پرستی کے مرکز خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت بارگاہ الٰہی میں کر رہے تھے۔ انہوں نے عرض



کیا کہ اے ہمارے پالنہار! ہم تیرا نام بلند کرنے اور اسے دنیا کے گوشے گوشے اور چپے چپے میں پہنچانے کے لیے یہ گھر (مکہ) تعمیر کر رہے ہیں۔ تو اس گھر کو شرف قبولیت بخش اور ہمارے اس اخلاص، اطاعت، رضاجوئی، حسن نیت، عمل اور خدمت دین کو قبول فرما۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم تیرے گھر کی بنیادیں اٹھاتے وقت کچھ التجائیں پیش کرتے ہیں تو ہماری یہ التجائیں قبول فرما۔ بے شک تو بہت سننے والا اور جاننے والا ہے یعنی ہماری یہ دعا بھی سنتا ہے اور ہماری نیت عمل کو بھی خوب جانتا ہے۔ دعا کے اس حصہ سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ نیکی پر فخر نہیں کرنا چاہیے بلکہ بارگاہ الٰہی میں اس کی نیکی کی قبولیت کے لیے دعا کرنی چاہیے۔

پھر باپ بیٹے نے عرض کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں خالص توحید کو ماننے والا اور احکام اسلامی کا پابند بنادے اور اپنے ہر ارشاد کی تعمیل کی توفیق بخش۔ نیز ہماری نسل سے ایک فرماں بردار اور اطاعت شعار امت پیدا کر جو تیرے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کردے اور تیرے دین کی اشاعت کرے۔ پھر فرمایا ہمیں جن طریقوں سے تیری عبادت کا فرض انجام دینا چاہیے ہمیں وہ طریقہ سکھادے تاکہ ہم تیرے حضور میں بندگی کا حق ادا کرسکیں نیز ہمیں اپنی توجہ کے قابل بنادے۔ بے شک تو بہت زیادہ توجہ فرمانے والا اور انسانوں کے حال پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

## نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی

### تشریح و تفسیر آیت نمبر129

اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کی اس دعا کا ذکر ہے۔ جو انہوں نے اپنی نسل کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ان ہی میں سے ایک جلیل القدر رسول کی بعثت کی التجا کی تھی۔ یہاں اس رسول کے تین فرائض گنوائے جا رہے ہیں۔

ایک یہ کہ وہ لوگوں کو آیات الٰہی پڑھ کر سنائے اور احکامات و ارشادات سے انہیں باخبر کرے۔ یہ واضح رہے کہ رسول محض ایک قاری کی طرح لوگوں کو قرآن سنانے نہیں آتا بلکہ وہ خدا کے سفیر کی حیثیت سے لوگوں کو احکام خداوندی اور اس کے لیے دلائل و براہین سے متنبہ کرتا ہے۔

دوسرے یہ کہ وہ کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔ تعلیم کتاب سے مراد یہ ہے کہ نہایت شفقت و التفات کے ساتھ ہر استعداد کے لوگوں کے لیے اس کی مشکلات کی تصریح کرے اور اس کی وضاحت و تصریح کے بعد اگر لوگوں کے ذہن میں سوالات ابھریں تو ان کے جواب دے تاکہ لوگوں

Scanned with CamScanner

میں فکر و تامل اور تفکر و تدبر کی صلاحیت اور کتاب الٰہی پر غور و خوض کرنے کی استعداد مکمل طور پر پیدا ہو جائے نیز لوگوں میں حکمت کی صفت و صلاحیت پیدا کرے اور احکام الٰہی کے اسرار مخفیہ و رموز لطیفہ بتائے۔

رسول کا تیسرا مقصد تزکیہ بتایا گیا ہے یعنی وہ اپنے تصرف روحانی سے دلوں کے آئینوں کو جلا بخشے تاکہ حقائق و معارف لوگوں میں جلوہ نما ہو سکیں۔ گویا معیشت، معاشرت، تمدن، سیاست غرض ہر چیز کو ہر قسم کی نجاست سے پاک و منزہ کر دے۔

پھر باپ بیٹے نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ ہم تجھ سے یہ دعا اس لیے کرتے ہیں کہ تیرے سوا کسی اور ہستی میں ان تمام باتوں کو سننے اور شرف قبولیت بخشنے کی طاقت نہیں اور بے شک تو سب پر غالب ہے۔ تیری ذات پورے اقتدار و اختیار کے ساتھ اس کائنات پر فرماں روائی کر رہی ہے نیز تو بڑا دانا اور حکمت والا ہے۔ تیرا کوئی کام بھی حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ ایسا رسول سوائے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں آیا جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں ہو۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ علیہ السلام کی دعا کا ظہور ہوں۔

اس آیت نے یہود کے گزشتہ اعتراض کا پورا رد کر دیا۔

وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ ۚ وَلَقَدِ

اور کون منہ پھیرے گا سے دین ابراہیمؑ کے سوائے جس نے بیوقوف بنایا نفس اپنا اور بیشک

اور ابراہیم کے مذہب سے کون منہ پھیرے گا۔ بجز وہی جس نے اپنے آپ کو احمق بنا لیا اور ہم نے تو انہیں دنیا میں

اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٣٠﴾ إِذْ قَالَ

ہم نے چن لیا اسے میں دنیا اور بیشک وہ بیچ آخرت البتہ سے نیکوں میں جب کہا

بھی برگزیدہ کر لیا تھا۔ اور آخرت میں بھی وہ زمرۂ صالحین میں ہوں گے اور وہ وقت بھی یاد

لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۖ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٣١﴾ وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ

واسطے اس کے رب اس کے سونپ دے اس نے کہا میں نے سونپا واسطے رب تمام جہانوں کے اور وصیت کی ساتھ اس ابراہیم نے

کرنے کے قابل ہے جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ حکم بردار ہو جاؤ تو بولے کہ میں حکم بردار ہو گیا سارے جہان کے پروردگار کا۔ اور ابراہیم علیہ السلام

بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ

بیٹوں اپنے اور یعقوب نے اے بیٹے بیشک اللہ نے چن لیا واسطے تمہارے دین پس نہ تم مرنا

اس کی ہدایت کر گیا اپنے بیٹوں اور اسی طرح یعقوبؑ بھی اپنے بیٹوں کو کہ اے میرے بیٹو بیشک اللہ نے تمہارے لئے فرما لیا ہے سو ایسا ہرگز نہ ہو کہ



إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٢﴾ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ

مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو یا تم تھے حاضر جب آئی یعقوب کو

پاؤ کہ تم مرتے دم تک بجز مسلم کے کچھ اور ہو بھلا اس وقت تم کیا موجود تھے جب یعقوبؑ کو موت آ پہنچی

الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي ۖ قَالُوا نَعْبُدُ

موت جب اس نے کہا واسطے بیٹوں اپنے کس چیز کی تم عبادت کرو گے سے بعد میرے انہوں نے کہا ہم عبادت کریں گے

اور اس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے وہ بولے ہم آپ کے اور

إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا

معبود تیرے کی اور معبود باپ دادا تیرے کی ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق معبود ایک ہی

آپ کے باپ دادوں ابراہیمؑ و اسماعیلؑ اور اسحٰق کے معبود کی اور اسی معبود واحد کی

وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٣﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ

اور ہم سب واسطے اس کے مسلمان ہیں یہ جماعت بیشک گزر چکی واسطے اس کے جو اس نے کمایا

اور ہم تو اس کے حکم بردار ہیں۔ یہ ایک جماعت ہے جو گزر چکی ہے ان کے آگے ان کا کیا ہوا آ گیا

وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٤﴾ وَقَالُوا كُونُوا

اور واسطے تمہارے جو تم نے کمایا اور نہیں تم پوچھے جاؤ گے اس بارے میں جو وہ تھے عمل کرتے اور انہوں نے کہا ہو جاؤ

اور تمہارے آگے تمہارا کیا ہوا۔ اور جو کچھ وہ کرتے رہے اس کی پوچھ گچھ تم سے نہیں ہوگی۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ

هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا

یہودی یا عیسائی تم ہدایت پا جاؤ گے کہہ دو بلکہ دین ابراہیم سیدھا اور نہیں

یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ تو راہ یاب ہو جاؤ گے آپ کہہ دیجئے کہ نہیں بلکہ ہم نے تو ابراہیمؑ سیدھے راہ والے

كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٥﴾ قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا

تھا سے مشرکوں کہو ہم ایمان لائے ساتھ اللہ اور جو کچھ نازل کیا گیا طرف ہماری اور جو

کا مذہب پا لیا ہے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔ کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور جو

أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا

نازل کیا گیا طرف ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد اور جو

ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر اتارا گیا۔ اور جو

أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا

دیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو دیا گیا نبیوں کو سے رب ان کے نہیں

موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا گیا اور اس پر جو دوسرے نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا ہم ان

نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۘ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿١٣٦﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا

ہم فرق کرتے درمیان کسی ایک کے ان میں اور ہم واسطے اسی کے مسلمان بس اگر ایمان لائیں

ان میں سے کسی کی طرف بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ ہی کے حکم بردار ہیں۔ تو اگر یہ لوگ ایمان

بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ

جس طرح کہ تم ایمان لائے ساتھ اس کے بس بیشک وہ ہدایت پاگئے اور اگر وہ منہ موڑیں تو بیشک وہ

لے آئیں جس طرح تم ایمان رکھتے ہو۔ تو بیشک وہ بھی راہ پاگئے۔ اور اگر منہ موڑے رہیں تو بس

فِیْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣٧﴾ؕ

میں مخالفت بس عنقریب کافی ہو جائے تجھے ان کے اللہ اور وہ سننے والا جاننے والا

بڑی مخالفت میں پڑے ہیں، سو اب اللہ آپ کی طرف سے ان کے مقابلہ میں کافی ہے۔ اور وہ بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ

رنگ اللہ کا اور کون زیادہ حسین سے اللہ رنگ میں اور ہم واسطے اسی کے

ہمارے اوپر اللہ کا رنگ ہے اور اللہ سے بہتر کون رنگ (دینے والا) ہے ہم اسی کی عبادت کرنے

عٰبِدُوْنَ ﴿١٣٨﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ

بندگی کرنے والا کہہ دو کیا تم جھگڑتے ہو ہم سے بارے میں اللہ کے حالانکہ وہ رب ہمارے اور رب تمہارا اور واسطے ہمارے

والے ہیں۔ آپ کہئے کیا تم ہم سے اللہ کے باب میں حجت کرتے ہو۔ درآنحالیکہ وہ ہمارا پروردگار ہے اور

اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿١٣٩﴾ۙ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ

اعمال ہمارے اور واسطے تمہارے اعمال تمہارے اور ہم واسطے اسی کے خالص ہیں کیا تم کہتے ہو کہ

تمہارا بھی اور ہمارے لئے اور تمہارے لئے اور تمہارے عمل تمہارے لئے ہیں اور ہم تو اسی کے لئے خالص ہیں۔ کیا تم یہ کہتے ہو کہ

اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا

ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد تھے یہودی

ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب یہودی یا

اَوْ نَصٰرٰی ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ

یا عیسائی کہہ دو کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے چھپائی

نصرانی تھے آپ کہہ دیجئے تم واقف تر ہو یا اللہ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اس

شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٠﴾

گواہی پاس اپنے سے اللہ اور نہیں اللہ بے خبر سے اس جو تم کرتے ہو

شہادت کو چھپاتے جو اس کے پاس اللہ کے ہاں سے پہنچ چکی ہے اور نہ اللہ تمہارے عملوں سے بے خبر نہیں



تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ

یہ جماعت گزر چکی واسطے اسکے جو اسنے کمایا اور واسطے تمہارے جو تم نے کمایا

یہ ایک جماعت تھی۔ جو گزر چکی ان کا کیا ہوا ان کے آگے آئے گا۔ اور تمہارا کیا تمہارے آگے۔ اور

وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤١﴾ ع

اور نہیں تم پوچھے جاؤ گے سے جو وہ تھے عمل کرتے

جو کچھ وہ کرتے رہے اس کی پوچھ گچھ تم سے نہ ہوگی۔

## الفاظ کے معانی وضروری تشریحات

**یَرْغَبُ عَنْ** اعراض کرے گا۔ منہ پھیرے گا۔ روگردانی کرے گا۔ نفرت کرے گا۔ بے رغبتی ظاہر کرے گا۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب۔ اس کا مادہ (ر غ ب) ہے۔ یَرْغَبُ کے بعد جب لفظ عَنْ آتا ہے تو اس کے معنی اعراض کرنا ہوتا ہے ::

**مِلَّتٌ** دین۔ طریقہ۔ مِلّت۔ مذہب ::

**سَفِهَ** وہ نادان بنا۔ وہ احمق ہوا۔ اس نے بے وقوف بنایا۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب۔ سفیہ سے ہے ::

**اِصْطَفَيْنٰهُ** ہم نے اُسے چُن لیا۔ ہم نے اسے پسند کر لیا۔ ہم نے اسے برگزیدہ بنایا۔ ہم نے اسے منتخب کر لیا۔ ہم نے اسے پسند کر لیا۔ فعل ماضی صیغہ جمع متکلّم مصدر اِصْطِفَاءٌ اور مادہ (ص ف و) ہے۔ مصطفیٰ (برگزیدہ) اسی سے ہے ::

**اَسْلِمْ** تو مُسلم ہو جا۔ تو فرمانبردار ہو جا۔ تو حکم بردار ہو جا۔ تو اطاعت کر۔ فعل امر ہے۔ مصدر اِسْلَامٌ اور مادہ (س ل م) ہے ::

**وَصّٰی** اس نے ہدایت کی۔ اس نے حکم دیا۔ وصیّت کی۔ نصیحت کی ::

**بِهَا** اسی کے ساتھ۔ اسی کی ::

**یٰبَنِیَّ** اے میرے بیٹو + اِصْطَفٰی لَکُمُ تمہارے لیے پسند کیا ہے ::

**تَمُوْتُنَّ** تم مرو۔ مصدر مَوْتٌ اور مادہ (م و ت) ہے۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر۔ زور دینے کے لیے آخر میں نون مشدد لے

آئے ہیں اور زیادہ زور دینا ہوتا ہے تو شروع میں لام زبر کے ساتھ کبھی لے آتے ہیں۔ جیسے لَتَقُوْلُنَّ (تو ضرور کہے گا)

شُهَدَآءَ — گواہ۔ شاہد۔ حاضر۔ موجود۔ شَہِیْدٌ کی جمع ہے ::

حَضَرَ — وہ آیا۔ وہ حاضر ہوا۔ وہ آپہنچا ::

بَعْدِیْ — میرے بعد ::

نَعْبُدُ — ہم پرستش کرتے ہیں۔ ہم عبادت کریں گے ::

اِلٰـهٌ — معبود۔ جس کی عبادت کی جائے۔ قابلِ عبادت ::

آبَآءٌ — باپ دادا۔ آباؤ اجداد۔ اَبٌ کی جمع ہے ::

خَلَتْ — وہ گزر گئی۔ ہو گزری۔ مصدر خُلُوٌّ اور مادہ (خ ل و) ہے۔ فعل ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب ::

كَسَبَتْ — اس نے کمایا۔ فعل ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب ::

تُسْئَلُوْنَ — تم سے پوچھا جائے گا۔ تم سے سوال کیا جائے گا۔ سُؤَالٌ مصدر سے ہے۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر ::

كُوْنُوْا — تم ہو جاؤ ::

تَهْتَدُوْا — تم ہدایت پاؤ گے۔ تم ہدایت یاب ہو گے ::

مِلَّةَ — ملت۔ دین۔ مِلَّۃَ کی ت کو زبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے نَتَّبِعُ محذوف ہے۔ اس لیے مِلَّۃَ مفعول ہے اور مفعول کو زبر ہوتا ہے ::

حَنِيْفًا — سب سے کٹ کر ایک کا ہونے والا۔ باطل راستوں کو چھوڑ کر راہِ حق اختیار کرنے لگا۔ یہ حال ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حالت بیان کی گئی ہے۔ اسی لیے زبر ہے ::

اَسْبَاطَ — اولاد۔ قبیلے۔ خاندان۔ پوتے۔ نواسے۔ واحد سبط ہے ::

اُوْتِیَ — اسے دیا گیا۔ وہ دیا گیا۔ اس کو ملا۔ اِیْتَاءٌ مصدر سے ہے۔ فعل ماضی مجہول صیغہ واحد مذکر غائب ::

نُفَرِّقُ — ہم تفریق کرتے ہیں۔ ہم فرق کرتے ہیں۔ فرق سے ہے۔ فعل مضارع صیغہ جمع متکلم ::



اٰمَنْتُمْ — تم ایمان لائے۔ تم نے تسلیم کیا۔ تم نے مانا۔ فعل ماضی صیغہ جمع مذکر حاضر ::

اِهْتَدَوْا — انہوں نے ہدایت پائی ::

تَوَلَّوْا — تم پھر جاؤ۔ تم منہ پھیر لو۔ تم رُخ پھیر لو ::

شِقَاقٍ — ہٹ دھرمی۔ اختلاف۔ مخالفت۔ ضد۔ مقابلہ۔ شق سے ہے۔ جس کے اصل معنی پھٹنے کے ہیں۔ اختلاف میں بھی چونکہ دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کو شقاق کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے شقاق کے معنی گمراہی کئے گئے ہیں۔ وہ بھی حق سے علیحدگی ہوتی ہے ::

يَكْفِيْكَهُمْ — تمہاری حمایت کے لیے ان کے مقابلے میں کافی ہو گی۔ مصدر کِفَایَۃٌ اور مادہ (ک ف ی) فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب ::

صِبْغَةَ — رنگ مراد اللہ کا دین۔ اس کا مادہ (ص ب غ) ہے۔ اس لفظ سے پہلے صَبَغَنَا محذوف ہے۔ یہ اس کا مفعول مطلق ہے اس لیے صِبْغَۃَ کی "ت" کو زبر ہے۔ نصاریٰ اپنے بچوں کو زرد پانی میں غوطے دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اس طرح وہ پاک ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اسے سچا نصرانی سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ان سے کہیں کہ ہمیں تمہارے رنگ کی ضرورت نہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس نے ہمیں اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔ اس رسم کو بپتسمہ یا اصطباغ کہا جاتا تھا ::

اَحْسَنُ — بہت اچھا۔ زیادہ بہتر۔ یہ لفظ اسم تفضیل کہلاتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ دوسرے کے مقابلے میں زیادتی دکھلائی جائے۔ مثلاً زَیْدٌ اَفْضَلُ مِنْ نَاصِرٍ (زید) ناصر سے افضل ہے اَحْسَنُ کا مؤنث حُسْنٰی آتا ہے ::

عَابِدُوْنَ — عبادت کرنے والا، بندگی کرنے والا ::

اَتُحَاجُّوْنَنَا — کیا تم ہم سے جھگڑتے ہو۔ کیا تم ہم سے حجت کرتے ہو؟ مُحَاجَّۃٌ

Scanned with CamScanner

مصدر سے ہے۔ الف استفہامی ہے ::

مُخْلِصُوْنَ — صرف ایک خدا کی عبادت کرنے والے۔ خالص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے اسم فاعل جمع مذکر۔ اس کا واحد مُخلِص ہے ::

كَتَمَ — اس نے چھپایا ::

كَتَمَ شَهَادَةً — اس کا سادہ مطلب تو یہ ذہن میں آتا ہے کہ جو گواہی اس کے پاس ہے ::

عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ — اس نے اللہ سے چھپایا لیکن زیادہ صحیح مطلب اس کا یہ ہے کہ اس نے وہ گواہی چھپائی جو اس کے پاس اللہ کی جانب سے ہے ::

# ملت ابراہیمی سے روگردانی محض حماقت ہے

## تشریح و تفسیر آیت نمبر 130-131

دعائے ابراہیمی ختم ہوئی۔ اب ملت ابراہیمی کا بیان شروع ہو رہا ہے اور خطاب یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب تینوں سے ہے کیونکہ یہ تینوں قومیں مسلمانوں ہی کی طرح حضرت ابراہیمؑ کو امام و پیشوا تسلیم کرتی تھیں۔ چنانچہ کہا جا رہا ہے کہ اصل دین ملت ابراہیم ہی ہے۔ قرآن مجید تمہیں کسی نئے دین کی طرف دعوت نہیں دیتا بلکہ تمہارے ہی بزرگ و محترم پیشوا اور رہنما حضرت ابراہیمؑ کے دین کی جانب تمہیں بلا رہا ہے۔ یہ دین عین فطرت ہے جسے ہر سلیم الطبع اور سلیم الفطرت انسان قبول کرنے کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔ اس دین سے صرف وہ شخص روگردانی کر سکتا ہے۔ جو اپنے آپ کو خود احمق بنائے یا جس کی طبیعت مسخ ہو چکی ہو اور سمجھ بگڑ چکی ہو۔ جو یہ سمجھے کہ حضرت ابراہیمؑ کی عظمت و سعادت میں حصہ دار بننے کے لیے صرف ان کی نسل سے ہونا کافی ہے یا جو یہ گمان کرے کہ اوہام کا یہ دفتر جسے آج یہودیت یا عیسائیت کے نام سے پکارا جا رہا ہے' حضرت ابراہیمؑ کی وفادارانہ زندگی کی بنیادیں اس پر استوار ہوئی تھیں۔ آیت کے اس حصہ میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین تینوں کا رد ہے۔

عام طور پر مفسرین نے سَفِهَ نَفْسَهٗ کی تفسیر "اپنے آپ کو احمق بنایا" لکھی ہے۔ لیکن علامہ جلال الدین نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے "جو اس بات سے ناواقف رہا کہ اس کا نفس اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے"۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ملت ابراہیمی جو خدا کی کامل وفاداری یا اسلام کا نام ہے اس سے وہی شخص منہ موڑ سکتا ہے جو اس بات کو نہ جانتا ہو یا جان کر انجان بنتا ہو کہ اس کا نفس اللہ کی مخلوق ہے جب ایک غلام اپنے آقا کا تابع فرمان محض اس لیے ہوتا ہے کہ وہ



اس کا مالک ہے تو جو مخلوق کے درجہ میں ہو وہ تو بدرجہ اولیٰ اس کے حکم کا غلام ہوگا۔

پھر فرمایا' ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو دنیا میں بھی برگزیدگی عطا کی اور آخرت میں بھی اور وہ صالحین میں سے ہیں۔ برگزیدگی اور اصطفاء کا یہ درجہ بلند حضرت ابراہیمؑ کو اس لیے حاصل ہوا کہ انہوں نے اپنی وفاداریوں کے جملہ حقوق اللہ کے لیے محفوظ کر دیئے تھے انہوں نے ہر طرف منہ موڑ کر اپنا سر اللہ تعالیٰ کے آستانہ پر جھکا دیا تھا۔ ان کی جان' ان کی اولاد اور ان کا مال کچھ ان کا نہ تھا۔ سب کچھ اللہ کے لیے نامزد کر دیا تھا۔ جب کبھی راہ حق میں کسی چیز کی قربانی کا ان سے مطالبہ ہوا تو انہوں نے بے جھجک اسے قربان کر دیا اور نہ صرف دل اور زبان سے بلکہ اپنے عمل سے اس کا اعلان کیا کہ وہ اپنے آقا کے وفادار اور سچے پرستار ہیں۔ اسی توحید پرستی اور ایمان باللہ کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر قسم کی نعمتوں سے نوازا۔ یہاں تک کہ دنیا کی امامت و پیشوائی عطا کی اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہوں گے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جب ان کے رب نے ان سے کہا فرمانبرداری کرو تو انہوں نے فوراً جواب دیا میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں۔ آپ نہ صرف خود اللہ کے مطیع و فرماں بردار بنے تھے بلکہ یہی تلقین اپنی اولاد کو بھی کی۔ آپ کی ہی وفادارانہ زندگی کا ایک ناقابل فراموش واقعہ راہ حق میں اپنے لخت جگر حضرت اسماعیلؑ کی قربانی ہے۔ یہ واقعہ رہتی دنیا تک دنیا کو خدا کے لیے فداکاری اور وفاداری کا سبق دیتا رہے گا۔

# حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وصیت

## تشریح و تفسیر آیت 132

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اس وصیت اور نصیحت کا ذکر ہے' جو انہوں نے اپنی موت سے قبل اپنی اولاد کو کی تھی۔ ارشاد ہوتا ہے: اے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے دین اسلام یعنی خدا کے حضور سر تسلیم خم کر دینے اور اس کی اطاعت کرنے کو تمہارے لیے منتخب کر لیا ہے۔ یہ دین تمہارے لیے ہے اور تم اس کے لیے ہو' لہٰذا تمہیں چاہیے کہ زندگی کے ہر پہلو میں اس دین کو اپناؤ اور اس کے مطابق عمل کرو۔ اس کا دامن ہر وقت مضبوطی سے تھامے رکھو اور ایک آن کے لیے بھی یہ گرفت ڈھیلی نہ ہو۔ مسلم ہمہ وقت بنے رہو اور ایمان کو ہر لحظہ دل میں جگہ دیئے رہو۔ یہاں تک کہ مرتے دم تک تم اسی پر قائم رہو تاکہ تم کامیاب و کامران اپنے مالک کے حضور حاضر ہو سکو۔ یہ ہماری وصیت ہے' تم اس سے ہرگز پہلوتہی نہ کرنا اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنا۔ حضرت ابراہیمؑ و حضرت یعقوبؑ نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں' ان سے زیادہ مختصر اور زوردار الفاظ نہیں مل سکتے۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم نے متعدد

Scanned with CamScanner

مقامات پر مختلف انداز میں پیش کیا ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران:19)

یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ (آل عمران:85)

پس جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا' سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ:3)

اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین کے پسند کر لیا ہے۔

**حضرت یعقوب علیہ السلام:** آپ حضرت اسحاقؑ کے بیٹے اور حضرت ابراہیمؑ کے پوتے تھے۔ آپ نبی زادہ ہونے کے علاوہ خود بھی نبی تھے۔ آپ اسرائیل (خدا کا بندہ) کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ کا زمانہ تقریباً 2000 ق م یا 1853 قبل مسیح متعین کیا گیا تھا۔ کنعان (فلسطین) آپ کا وطن تھا۔ توریت میں عمر 147 سال درج ہے۔ عمر کے آخری ایام میں اپنے بیٹے حضرت یوسفؑ کے پاس مصر چلے گئے اور اسی جگہ انتقال ہوا۔

## حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنی اولاد کو نصیحت

### تشریح و تفسیر آیات 133-134

یہود کا یہ دعویٰ تھا کہ یہودیت ہی اصل دین ہے' جس پر حضرت یعقوبؑ نے اپنے خاندان کو قائم رہنے کی وصیت کی تھی' چنانچہ اس آیت میں یہود سے استفہامیہ انداز میں خطاب کیا جا رہا ہے کہ کیا تم اس وقت موجود تھے' یعنی تم اس وقت موجود نہ تھے جب حضرت یعقوبؑ کو موت کے علامات و آثار محسوس ہونے لگے اور انہوں نے اپنے تمام کنبے کو جمع کر کے دریافت کیا کہ تم میرے بعد کس معبود کی پرستش کرو گے؟ تو سب نے متفقہ طور پر جواب دیا کہ ہمیں آپ کا اور آپ کے آباؤ اجداد کا دین معلوم ہے' ہم اسی دین پر قائم رہ کر اس معبود برحق کی بندگی کریں گے' جسے آپؑ نے اور آپ کے بزرگ حضرت ابراہیمؑ' حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحاقؑ نے خدا مانا تھا۔ ہم اس کے علاوہ کسی دوسرے کو اللہ نہیں بنائیں گے اور زندگی کے تمام معاملات میں اسی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں گے۔ اس کی اطاعت گزاری' فرمانبرداری اور خشوع و خضوع میں مشغول رہیں گے۔ تمام انبیاء کا دین یہی اسلام رہا ہے' جیسا کہ قرآن حکیم نے ایک مقام پر فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ



آپ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے' سب کی طرف وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تم سب میری عبادت کرتے رہو۔

پھر فرمایا' یہ ایک امت تھی جو گزر چکی' تمہیں ان کی نسبت کوئی نفع نہ دے گی' بلکہ ہر شخص اپنے اعمال کی جزا و سزا پائے گا' خواہ وہ متقدمین میں سے ہو یا متاخرین میں سے۔ یہود و نصاریٰ اس زعم باطل میں مبتلا تھے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد میں سے ہیں' لہٰذا جنت ان کے لیے مختص ہے۔ یہاں ان کے غلط عقیدے کی تردید کی گئی اور یہ اعلان کیا گیا کہ نجات اور بخشش کے لیے وراثت نہیں' بلکہ ایمان و عمل کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے آباؤ اجداد کے اعمال سے متعلق تم سے سوال نہیں کرے گا' بلکہ دنیا میں تمہارے اپنے ذاتی اعمال کی بابت ضرور باز پرس ہوگی۔

## قبول حق کی بجائے یہودیت و نصرانیت کی تبلیغ

### تشریح و تفسیر آیت 135

قرآن مجید کے واضح اور صریح دلائل و تعلیمات سننے کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ یہود و نصاریٰ ان سے متاثر ہوتے اور قبول حق پر آمادہ ہو جاتے' لیکن اس کے برعکس انہوں نے ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتے ہوئے الٹا مسلمانوں کو یہودیت اور عیسائیت کی تعلیم دینا شروع کر دی۔ وہ کہتے تھے کہ صرف یہودیت اور نصرانیت میں داخل ہونے سے راہ ہدایت اور آخرت میں نجات حاصل ہو سکتی ہے' اس کے علاوہ منزل مقصود تک پہنچنے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے' لہٰذا ان کے اس قول کی تردید کی جا رہی ہے کہ آپ کہہ دیجیے ہم تو حضرت ابراہیمؑ کے تبع ہیں اور ان کے اصلی اور غیر محرف دین پر قائم ہیں' جو مشرکین میں سے نہ تھے۔ یہ اہل کتاب پر تعریض ہے کہ تم کس منہ سے اپنے آپ کو دین اسرائیل کی جانب منسوب کرتے ہو' جبکہ تم شرک میں مبتلا ہو۔ حضرت ابراہیمؑ تو شرک سے منہ موڑ کر خدائے واحد کی طرف آئے تھے اور ان کے توحید خالص پر تم سب ہی متفق ہو' لیکن اس کے باوجود تم نے وحدانیت ترک کر کے حضرت عزیرؑ اور حضرت مسیحؑ کو ابن اللہ بنا کر شرک اختیار کیا' جو سراسر ضلالت و گمراہی ہے۔ مشرکین عرب بھی مذہب ابراہیمی کے دعویدار تھے' لیکن وہ بھی مشرک تھے' لہٰذا آیت کے آخری حصہ میں ان کی بھی تردید ہوگئی۔ اب ان تینوں فرقوں میں کوئی بھی ملت ابراہیم پر قائم نہ رہا۔ صرف اہل اسلام اس دین پر قائم ہیں۔ آیت میں اس امر کی بھی نشاندہی کی گئی کہ یہودیت اور عیسائیت کوئی مذہب نہیں' جس کی کسی اللہ کے نبی نے تعلیم دی ہو' بلکہ یہ دونوں فرقے خواہش پرست مذہبی علماء کی پیداوار ہیں۔

Scanned with CamScanner

# امت مسلمہ کی طرف سے جواب

## تشریح و تفسیر آیات 136-137

یہود و نصاریٰ کی تنگ نظری اور تعصب و ہٹ دھرمی کے بعد آیت نمبر 136 میں مسلمانوں کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ تم کہہ دو ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو کلام الٰہی یا کتاب آسمانی پیغمبر کے ذریعہ ہم تک پہنچی' اس پر ایمان رکھتے ہیں' نیز ہم حضرت ابراہیم' حضرت اسمٰعیل' حضرت اسحٰق' حضرت یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد اور جو کچھ حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر کتابوں اور صحیفوں کی شکل میں نازل ہوا' اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل کتاب کی سچائی یا تکذیب نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں پر ہمارا ایمان ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے انبیاء پر بھی ہمارا ایمان ہے اور ان میں ہم کوئی تفریق نہیں کرتے' خواہ وہ کسی ملک' کسی نسل اور کسی زمانے سے تعلق رکھتے ہوں۔ ہمیں کسی سے نہ تعصب ہے نہ عناد۔ ہم تو امر الٰہی کے فرمانبردار ہیں۔ اسلام نام ہے اللہ اور اس کے تمام انبیاء پر بلا تفریق ایمان لانے کا اور اس قانون ہدایت کو عملاً تسلیم کرنے کا' جو ان انبیاء کی وساطت سے ہم تک پہنچا۔

دوسری آیت میں خطاب مسلمانوں سے ہے کہ اگر یہ منکرو کافر اہل کتاب بھی ایمان لائیں' جس طرح تم رکھتے ہو تو وہ بھی اپنے ایمان کی بنا پر نجات کے مستحق ہو گئے' لیکن اگر وہ اتنی واضح ہدایت پہنچ جانے کے بعد بھی ایمان نہ لائیں تو ان کی مخالفت برائے مخالفت ہے۔ یہ سب کچھ ضد اور عداوت کی بنا پر کر رہے ہیں' لہٰذا پیغمبر کو تسکین اور تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ دشمنوں کے ہجوم اور مخالفوں کی قوت و کثرت سے ذرا بھی کوئی غم یا اندیشہ یا تشویش و فکر نہ کریں' بلکہ ان کی مخالفت کی پرواہ کیے بغیر دین اسلام کی تبلیغ کریں' یہ حق کے دشمن آپ کو اور آپ کے دین کو ہرگز نقصان پہنچانے میں کامیاب نہ ہوں گے۔ اب اللہ آپ کا نگہبان و محافظ ہے اور وہ سب کی باتوں کو سنتا اور سب کے حال اور نیت کو جانتا ہے۔

# اللہ کا رنگ تمام ہدایتوں کو سمیٹے ہوئے ہے

## تشریح و تفسیر آیات 138-139

یہود و نصاریٰ نے واضح اور صریح آیات قرآنی سے روگردانی کی اور اسلام قبول نہ کیا۔ وہ بڑے فخریہ انداز میں کہا کرتے تھے کہ ہمیں دین اسلام کی ضرورت نہیں' ہم تو اپنے مذہب کے رنگ میں رنگے ہیں اور پکے یہودی اور نصرانی ہیں۔ ہمارے ہاں ایک رنگ ہے جو مسلمانوں کے



پاس نہیں ہے۔ نصرانیوں نے ایک زرد رنگ بنا رکھا تھا اور دستور یہ تھا کہ جب ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوتا یا کوئی ان کا دین قبول کرتا تو اس کو اس رنگ میں غوطہ دے کر کہتے کہ خالص پاکیزہ نصرانی ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مسلمانو! ان سے کہہ دو کہ ہم نے خدا کا رنگ یعنی دین حق قبول کیا ہے۔ اس دین میں آ کر انسان تمام ناپاکیوں سے پاک ہو جاتا ہے' اس کے ایمان کا رنگ نکھر جاتا ہے اور کفر و ضلالت کی نجاستیں دور ہو جاتی ہیں' اس لیے ہمیں کسی اور دین کی ضرورت نہیں اور ہم خدائے واحد کی عبادت کرنے والے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اسی کی بندگی کرنے والے ہیں۔ ہم مسلمان یا امت مسلمہ سارے عقاید باطل' شعائر باطل اور معبودان باطل کے منکرین ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جس بپتسمہ پر نجات کا دارومدار ہے' وہ یہی ہے کہ آدمی اللہ کا ہو جائے۔ خدا کے پختہ رنگ میں اس طرح رنگ جائے' جو کسی تکلیف یا راحت سے نہ اتر سکے۔ انسان ہمیشہ رضائے الٰہی میں سرگرم رہے' اس کی روح کمال محبت اور جمال الٰہی میں سرشار ہو۔ دنیا کا کوئی شغل' کوئی رغبت اور کوئی اذیت اس پاک فطری رنگ کو پھیکا نہ کر سکے۔ ایسا اصطباغ ہی نجات کا کفیل ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ لوگوں کو اور ولادت کے ساتویں دن زرد پانی میں معصوم بچوں کو غوطہ دینا بیکار رسمیں ہیں اور محض ظاہرداری اور فریب ہے۔

آیت نمبر 139 میں خصوصاً خطاب اہل کتاب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت تمہارا انزاع کرنا اور تمہارا یہ سمجھنا کہ اس کی عنایت و رحمت کا تمہارے سوا کوئی مستحق نہیں' بالکل لغو اور بیکار بات ہے۔ نیز اس کی ذات و صفات کے بارے میں کم از کم تمہیں کوئی معاملہ یا غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ وہ جس طرح تمہارا رب ہے' اسی طرح ہمارا بھی رب ہے۔ توحید ہمارا اور تمہارا ایک مشترکہ ورثہ ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اس توحید پر قائم رہو اور تثلیث یا خدا کے فرزند ہونے کے عقاید سے اجتناب کرو۔ اس کی تمام صفات کاملہ پر ایمان رکھو کہ وہ اپنی حکمت اور ربوبیت کے تقاضے سے جس نسل کے فرد کو بھی چاہے' نبوت و رسالت سے سرفراز کر سکتا ہے' اس لیے کہ وہ مالک و مختار ہے' لیکن تم نسلی تعصب کا شکار ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس لیے ایمان نہیں لاتے کہ وہ اسرائیلی نسل سے نہیں ہیں۔ نیز ہم جو کچھ اعمال کرتے ہیں' خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کرتے ہیں' تمہاری طرح تعصب و نفسانیت سے نہیں کرتے' پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اعمال قبول نہ کرے اور تمہارے اعمال قبول کر لے' لہٰذا تم اس قسم کے جھگڑوں میں نہ پڑو اور حق بات سمجھنے کی کوشش کرو۔

Scanned with CamScanner

# یہود و نصاریٰ کے دعوے کی تردید

## تشریح و تفسیر آیات 140-141

یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے متعلق جو دعویٰ دہرایا گیا ہے' وہ بطور اتمام حجت ہے۔ خطاب خصوصاً یہود سے ہے اور لہجہ خطاب میں زجر و توبیخ کا پہلو شامل ہے یعنی کیا فی الحقیقت تم یہ سنگین بات کہتے ہو کہ حضرت اسمٰعیل' حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہما السلام اور ان کی اولاد میں سے کوئی بھی یہودی یا نصرانی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب حضرات خالص موحد اور توحید کے پیرو اور مبلغ تھے۔ ان کے زمانے میں یہودیت اور نصرانیت کا وجود بھی نہ تھا۔ یہ نام تو تم نے ان حضرات کے صدیوں بعد گھڑے ہیں' پھر بطور سرزنش کے سوال کیا گیا کہ ان لوگوں کے مذہب و عقیدہ کے متعلق تم زیادہ واقف ہو یا اللہ۔

نیز فرمایا کہ ان لوگوں سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی کسی شہادت کو مخفی اور پوشیدہ رکھیں یعنی آسمانی صحیفوں اور الہامی نوشتوں میں ان پیغمبروں اور بزرگوں کے مذہب اور عقیدے کی تفصیلات موجود ہیں۔ یہ سب کے سب مسلم تھے۔ آخر میں فرمایا' اگر پھر بھی تم اڑے رہے تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے' بلکہ پوری طرح باخبر ہے۔ تم لوگوں کو تو دھوکہ دے سکتے ہو' لیکن اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔

آخر میں آیت نمبر 134 کے الفاظ کو دہرایا گیا اور پھر سے تاکید کی گئی کہ ہر شخص کو اپنے اعمال کی جزا و سزا ملے گی۔ آباؤ اجداد سے نسبت کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی۔

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ

عنقریب کہیں گے بے وقوف سے لوگ کس نے پھیر دیا انہیں سے قبلہ ان کے

اب بیوقوف لوگ کہیں گے۔ کہ کس چیز نے مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے پھیر دیا۔

الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِیْ

جو وہ تھے اوپر اس کہو واسطے اللہ کے مشرق اور مغرب وہ ہدایت دیتا ہے

جس پر وہ تھے

مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٤٢﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ

جسے وہ چاہتا ہے راہ سیدھی اور مانند اسی ہم نے بنایا تمہیں

کہہ دو سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے تمہیں



اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ

امت درمیانی تاکہ تم ہو جاؤ گواہ اوپر لوگوں کے اور ہو جائے رسول

ایک امت معتدل بنایا تاکہ تم لوگوں کے گواہ رہو اور رسول تم پر

عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَآ

اوپر تمہارے گواہ اور نہیں ہم نے کیا قبلہ جو تو تھا اوپر جس

گواہ ہو اور ہم نے وہ قبلہ نہیں بنایا تھا جس پر آپ پہلے تھے مگر اس

اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ

مگر تاکہ معلوم کریں کون پیروی کرتا ہے رسول کی سے اس پھر جاتا ہے اوپر دونوں ایڑیوں اپنی

لئے کہ ہم معلوم کریں۔ اس کو جو رسول کی پیروی کرتا۔ اور اسے جو الٹے پاؤں

وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ

اور تحقیق ہے البتہ بھاری مگر اوپر لئے جنہیں ہدایت دی اللہ نے اور نہیں ہے

پھر جاتا ہے۔ اور بے شک یہ بات گراں ہے۔ سوائے ان کے جنہیں اللہ نے ہدایت

اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٣﴾

اللہ تاکہ ضائع کرے ایمان تمہارا بیشک اللہ ساتھ لوگوں کے البتہ نرم رحم کرنیوالا

دی اور اللہ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ لوگوں پر بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً

بیشک ہم نے دیکھ لیا پھیرنا چہرہ تیرا میں آسمان پس البتہ ہم منہ کر دیں گے تیرا قبلہ

بیشک ہم آپ کے منہ کا آسمان کی طرف پھیرنا دیکھ رہے ہیں۔ سو ہم آپ کو اسی قبلہ کی طرف

تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا

تو راضی ہوا پھیر منہ کر لے اپنا طرف مسجد حرام اور جہاں کہیں تم ہو

پھیر دیں گے جو آپ پسند کرتے ہیں۔ پس آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجئے

كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

پس پھیرو چہرے اپنے طرف اس وہ بیشک وہ جو دیئے گئے کتاب

اور جہاں کہیں تم ہوا کرو اپنے منہ اسی طرح پھیر لیا کرو۔ اور بے شک وہ لوگ جنہیں کتاب دی

لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٤﴾

البتہ جانتے ہو کہ وہ حق سے رب ان کے اور نہیں اللہ بے خبر اس سے جو وہ کرتے ہیں

گئی ہے یقیناً جانتے ہیں کہ وہی حق ہے ان کے رب کی طرف سے اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو وہ کرتے ہیں

Scanned with CamScanner

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا

اور اگر تو آئے لےکے پاس جو دیئے گئے کتاب ساتھ ہر نشانی نہیں پیروی انہوں نے کی

اور ان کے سامنے تمام دلیلیں لے آئیں جنہیں کتاب دی گئی ہے ۔ تو بھی وہ آپ کے

قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ

قبلہ تیرے کی اور نہ تو پیروی کرنیوالا قبلہ ان کے اور نہیں بعض انہیں سے پیروی کرنیوالے قبلہ

قبلے کو نہیں مانیں گے اور نہ ہی آپ ان کے قبلے کو ماننے والے ہیں ۔ اور نہ ان میں کوئی دوسرے

بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ

بعض کی اور اگر تو نے پیروی کی خواہشات ان کی سے، بعد جو آیا تیرے

کے قبلہ کو ماننے والا ہے ۔ اور اگر آپ ان کی خواہشوں کی پیروی کریں گے بعد اس کے کہ آپکے پاس علم آچکا تو بیشک

الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۘ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

پاس سے علم بیشک تو تب البتہ سے ظالموں وہ لوگ ہم نے دی جنہیں کتاب

آپ بھی ظالموں میں سے ہوں گے ۔ وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی تھی - وہ اسے

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ

وہ پہچانتے ہیں اسکو جسطرح وہ پہچانتے ہیں بیٹے اپنے اور بیشک جماعت سے ان

پہچانتے ہیں ۔ جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں ۔ اور بے شک کچھ لوگ ان میں سے

لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ

البتہ چھپاتے ہیں حق اور وہ علم رکھتے ہیں حق سے رب تیرے پس نہ تو ہو جا

حق کو چھپاتے ہیں ۔ اور وہ جانتے ہیں ۔ آپ کے رب کی طرف سے حق وہی ہے پس

مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

سے شک کرنیوالے

تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں ۔

## الفاظ کے معانی و ضروری تشریحات

سَيَقُوْلُ وہ عنقریب کہیں گے، وہ ابھی کہیں گے ؛

اَلسُّفَهَآءُ بیوقوف یا نادان یا کم عقل لوگ - واحد سَفِيْهٌ ہے ؛

وَلّٰىهُمْ اس نے ان کو پھیر دیا - اس نے ان کا رُخ بدل دیا - مصدر تَوْلِيَةٌ



اور مادہ (و ل ی) ہے ؛

صِرَاطٍ راستہ - راہ ؛

مُّسْتَقِيْمٍ سیدھا - سیدھی ؛

كَذٰلِكَ اسی طرح ؛

اُمَّةً وَّسَطًا امتِ اوسط - درمیانی اُمّت - معتدل اُمّت - بیچ کی اُمّت - ایسی اُمّت جو عدل و انصاف اور توسط کی روش پر قائم ہو افراط و تفریط سے پاک ہو ؛

شُهَدَآءَ گواہ بنانے والے مفہوم کے اعتبار سے جہادِ حق کہا جا سکتا ہے ۔ شَهِيْدٌ کی جمع ہے ؛

جَعَلْنَا ہم نے بنایا ؛

لِنَعْلَمَ تاکہ ہم جان جائیں - تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے - تاکہ ہم پہچان لیں ؛

يَتَّبِعُ وہ اتباع کرتا ہے - وہ پیروی کرتا ہے - فعل مضارع معروف صیغہ واحد مذکر غائب ؛

يَنْقَلِبُ وہ بدلتا ہے - وہ لوٹتا ہے - مصدر اِنْقِلَابٌ (بروزن اِنْفِعَالٌ) ہے ؛

عَقِبَيْهِ اس کی دونوں ایڑیاں - نون اضافت کی وجہ سے گر گیا ہے - عَقِبٌ کا تثنیہ ہے - اس کی جمع اَعْقَاب ہے - اُردو میں اُلٹے پاؤں پھر جانا - اسی موقع پر بولا جاتا ہے - جہاں عربی میں يَنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ کہا جاتا ہے ؛

لَكَبِيْرَةٌ البتہ گراں ہے - بھاری ہے - بوجھل ہے ؛

يُضِيْعُ وہ ضائع کر دے - وہ اکارت کر دے - مصدر اِضَاعَةٌ اور مادہ (ض ی ع) ہے ؛

رَءُوْفٌ شفیق - مہربان - رأفۃ سے ہے ؛

قَدْ نَرٰى ہم نے دیکھ لیا ؛

تَقَلُّبَ پلٹنا - پھر جانا - اُلٹنا - قلب سے ہے - اس لفظ کا مادہ (ق ل ب) ہے ؛

وَجْهِكَ تیرا چہرہ - تیرا رُخ - تیرا مُنہ ؛

Scanned with CamScanner

| | |
|---|---|
| نُوَلِّيَنَّكَ | ہم آپ کو ضرور پھیر دیں گے ۔ ہم اس کا والی و حاکم بنا دیں گے ۔ فعل مضارع صیغہ جمع متکلم ہے ۔ ولی سے ہے :: |
| تَرْضٰهَا | تو اسے پسند کرے گا ۔ تو اس سے راضی ہو گا :: |
| حَيْثُ | ظرف مکاں ہے ۔ اس اعتبار سے ۔ |
| فَوَلِّ | پس تو مڑ جا ۔ پس تو پھیر جا ۔ فعل امر معروف صیغہ واحد مذکر حاضر :: |
| شَطْرَ | طرف ۔ رخ ۔ جہت ۔ سمت :: |
| مَسْجِدِ الْحَرَامِ | خانہ کعبہ ۔ بیت اللہ ۔ عزت و حرمت والی مسجد :: |
| اُتِيْتَ | تو لایا ۔ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر حاضر :: |
| تَابِعٌ | پیروی کرنے والا ۔ فرمانبردار ۔ پیروکار :: |
| اَهْوَآءَ | خواہشات ۔ ھَوٰی کی جمع ہے :: |
| يَعْرِفُوْنَهٗ | وہ اسے پہچانتے ہیں ۔ وہ اسے جانتے ہیں :: |
| يَكْتُمُوْنَ | وہ چھپاتے ہیں :: |
| اَبْنَآءَ | جمع ابن ۔ بیٹا :: |
| تَكُوْنَنَّ | تو ضرور ہو جائے گا ۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر حاضر :: |
| مُمْتَرِيْنَ | شک و شبہ کرنے والے ۔ تردد کرنے والے ۔ اسم فاعل ہے مُمْتَرٌ کی جمع ہے ۔ مصدر (اِمْتِرَآءٌ) اور مادہ (م ر ی) ہے :: |

# تحویل قبلہ کی تمہید

## تشریح و تفسیر آیت 142

یہ بات یہاں ملحوظ رہے کہ انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قیام مکہ کے زمانے میں اسی رخ پر نماز جاری رکھی' کیونکہ ابتدا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جن معاملات میں آپ کے پیش نظر وحی الٰہی کی کوئی واضح رہنمائی نہ ہوتی' ان میں آپ سابقہ انبیاء کے طریق پر عمل کرتے' چنانچہ قبلہ کے معاملہ میں بھی اسی قبلہ کو برقرار رکھا۔ آپ کی دلی آرزو یہی تھی کہ اپنے جد بزرگوار حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ خانہ کعبہ کو قبلہ بنائیں' لیکن آپ حکم الٰہی کے پیش نظر مجبور تھے۔ مدینہ میں بھی 16-17 مہینے آپ بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے' یہاں تک کہ غزوۂ بدر سے کم و بیش دو ماہ



پہلے قبلہ کی تبدیلی کا حکم نازل ہوا اور اس طرح مدینہ کے نمازیوں کے رخ دفعتاً شمال سے جنوب کی جانب پھر گئے۔ چونکہ بیت المقدس یہود کا قبلہ تھا' اس لیے اس کی منسوخی کا اعلان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہود کو بہت ہی ناگوار اور شاق گزرا اور وہ اس پر طرح طرح کے اعتراضات وارد کرنے لگے۔

چنانچہ یہاں اس آیت میں استفہام و استفسار کے طور پر نہیں' بلکہ طنز و تعریض کے انداز میں کہا جا رہا ہے کہ نادان یا بے وقوف یا کم عقل لوگ ضرور کہیں گے کہ ان مسلمانوں کو کس چیز نے اس قبلہ (بیت المقدس) سے' جس پر وہ اب تک قائم تھے' ہٹا دیا۔ ان کے اس اعتراض کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوتا ہے:

> "آپ کہہ دیجئے کہ کسی خاص سمت و جہت میں کوئی تقدس اور خصوصیت نہیں ہے' اللہ کے لیے سب برابر ہیں۔ وہ جس طرف اور جس چیز کو بھی چاہے' نماز کے لیے رخ مقرر کر دے۔ مشرق و مغرب' شمال جنوب سب اللہ کی ملک اور مخلوق ہیں اور ہر دوسری مخلوق کی طرح تابع و محکوم ہیں"۔

یہ ہی بات اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر 115 میں بھی بیان کر چکا ہے کہ

> "مشرق و مغرب سب اللہ کے ہیں اور تم جس طرف رخ کرو گے' اسی طرف اللہ کا رخ ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے"۔

نیز فرمایا

> "اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت بخشتا ہے"۔

یعنی یہود و نصاریٰ کے تعصب اور مخالفانہ کوششوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جن لوگوں کو چاہا سیدھا راستہ دکھایا اور اب وہ یہود و نصاریٰ کی تنگ نظریوں سے نکل کر صراط مستقیم کی طرف گامزن ہو گئے' چونکہ یہود و نصاریٰ اصل قبلہ کی بجائے مشرق و مغرب کے چکر میں پھنس گئے تھے' اس لیے آیت میں ایک طرف تو مشرق و مغرب پرستی اور ہر قسم کی سمت پرستی پر ضرب لگائی گئی اور دوسری طرف مومنین کو ادب سکھایا گیا کہ ان کا کام صرف حکم الٰہی کی بجا آوری ہے' انہیں جس طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا جاتا ہے' وہ اس طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

# امت وسط کا مفہوم اور تحویل قبلہ کی حکمت

## تشریح و تفسیر آیت 143

یہود و نصاریٰ کے سپرد بنی نوع انسان کی ہدایت و رہنمائی کی گئی تھی لیکن انہوں نے خدا کے عہد و پیمان کو پاش پاش کیا اس کی شریعت میں رد و بدل کیا۔ راہ مستقیم سے روگردانی کی۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قبلہ سے انحراف کیا اور جن شہادتوں کے وہ امانت دار تھے انہیں مخفی رکھا۔ ان حالات میں دنیا کے سامنے سب سے بڑی ضرورت اگر کوئی ہو سکتی تھی تو یہ ہو سکتی تھی کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسی امت منصہ شہود پر لائے جو خدا کی بتائی ہوئی راہ مستقیم پر قائم ہو۔ جو اللہ کے رسول کی وساطت سے اصل دین کی متحمل اور علمبردار ہو اور پھر قیامت تک لوگوں کے سامنے اس دین کی شہادت دے۔

چنانچہ اس آیت میں امت مذکورہ بالا خصوصیت کو پیش کیا جا رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ صرف تحویل قبلہ کا مسئلہ ہی نہیں بلکہ ہر معاملہ میں ہم نے تمہیں ایک امت عادل بنا دیا ہے۔ یعنی تم ایک ایسی امت ہو جو ہر اعتبار اور ہر معیار سے انتہائی اعتدال و میانہ روی پر ہو۔ ہر کجی و بے راہ روی اور ہر افراط و تفریط سے منزہ و پاک ہو تاکہ تم لوگوں پر گواہی دو اور رسولؐ تم پر گواہی دے جس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے لیے نمونہ عمل ہیں اسی طرح تم دوسروں کے لیے رہنما اور معیار حق ہو۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے سامنے ہدایت الٰہی بندوں تک پہنچانے میں گواہی دی اسی طرح مسلمان دنیا میں دیگر امتوں کے لوگوں کے سامنے اشرف الامم بن کر اپنے قول و عمل سے اس امر کی شہادت پیش کریں کہ خدا کی ہدایت اس کے بندوں تک پہنچ گئی ہے۔ اگر وہ اس فریضہ کی ادائیگی میں غفلت و کوتاہی سے کام لیں گے تو اس دنیا کی گمراہیوں اور فتنہ و فساد کے نتائج بھگتنے میں دوسروں کے ساتھ وہ بھی برابر کے شریک ہوں گے۔

آیت کے اس مفہوم کو ایک دوسری جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے مقرر کیے گئے ہو تاکہ تم اچھی بات کا حکم دو اور بری بات سے روکو

اس موقع پر اس جانب بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ امام اقوام اور مقتدائے عالم بننے کے لیے ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو مسلمانوں کے لیے نمونہ عمل ہونا چاہیے اور اچھی باتوں کی طرف دعوت دینا اور بری باتوں سے باز رکھنا ان کا شیوہ ہونا چاہیے۔ تاریخ شاہد



ہے کہ جب تک مسلمان اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے رہے اور خیر کی اشاعت میں سرگرم اور شرک کو دبانے میں مصروف رہے اسی وقت تک وہ ساری دنیا کے حاکم بنے رہے لیکن جب سے انہوں نے یہ روش بدلی ذلت کے گڑھے میں گرتے جا رہے ہیں۔ ورنہ مسلمان دنیا میں بھی معیار حق تھے اور آخرت میں بھی۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ اس کا وضاحت سے ذکر ہے۔ حدیث میں بھی اس کا مفصل بیان ہے کہ جب قیامت میں امتیں اپنے رسولوں کی تبلیغی کوششوں کا انکار کریں گی تو امت محمدیؐ انبیاء علیہم السلام کی طرف سے گواہی میں پیش ہوگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گواہ ہوں گے۔

پھر فرمایا کہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی اجازت عارضی اور وقتی تھی۔ تاکہ اس قبلہ کی تبدیلی سے تمہیں آزمایا جا سکے اور یہ معلوم کیا جا سکتے کہ کتنے آدمی فی الحقیقت بے چون و چرا رسول کے اطاعت گزار ہیں اور کتنے جاہلیت کے تعصبات و روایات کے پرستار ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس طرح کی آزمائشوں میں اس لیے نہیں ڈالتے کہ لوگ ایمان کی دولت سے محروم ہو جائیں بلکہ یہ آزمائشیں اللہ تعالیٰ کی شفقت و رحمت کے مظہر ہیں۔ انہی آزمائشوں سے افراد کی قابلیتیں اور صلاحیتیں اجاگر اور نشوونما پاتی ہیں اور کھرے و کھوٹے، مخلص و منافق، سچے اور جھوٹے فرمانبردار اور نافرمان کی شناخت اور تمیز ہوتی ہے۔

اس آیت کے آخری حصہ کی تشریح مفسرین نے اس طرح بھی کی ہے کہ بعض مسلمانوں کو یہود کے ورغلانے سے یا از خود وہم ہو گیا تھا کہ جب اصلی قبلہ خانہ کعبہ ہے اور بیت المقدس محض ایک عارضی قبلہ تھا۔ تو اس رخ پر جتنی نمازیں پڑھی گئیں وہ ضائع ہو گئیں اور جو مسلمان اس نئے اعلان سے پیشتر انتقال کر چکے وہ تو سراسر خسارے میں ہیں لہٰذا انہیں جواب دیا جا رہا ہے کہ انہیں وہم نہیں کرنا چاہئے۔ قبلہ خواہ کوئی سا بھی ہو اجر و ثواب تو تعمیل احکام کرنے والوں کے لیے ہے۔ جنہوں نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی انہوں نے بھی بہرحال حکم الٰہی کی تعمیل کی اور انہیں اجر ہر صورت میں ملے گا۔ نیز تحویل قبلہ کا یہ حکم دوسرے احکام کی طرح اللہ تعالیٰ کی شفقت و مہربانی ہی کا نتیجہ ہے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا خدا کی قسم جس قدر ماں اپنے بچہ پر مہربان ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رؤف و مہربان ہے۔

# تحویل قبلہ کا حکم

## تشریح و تفسیر آیت 144

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح جذبہ دینی کے تحت اس امر کا یقین تھا کہ اب جب کہ بنی اسرائیل منصب امامت سے محروم کر دیئے گئے ہیں تو ان کا قبلہ بھی [illegible] مسلم نہیں [illegible]

سکتا۔ اب تحویل قبلہ کا حکم آ کر رہے گا اور اہل مرکز ابراہیمی یعنی خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے کا وقت آگیا ہے۔ جو آپ کے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کا قبلہ تھا اور اہل عرب کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا ایک موثر ذریعہ بھی تھا۔ علاوہ ازیں اور وجوہات بھی تھیں جنہیں نگاہ نبوت دیکھ رہی تھی اور جن کے باعث آپ کی آرزو بھری نظریں فرشتہ وحی کے انتظار میں اٹھتی رہتی تھیں۔ یہاں آیت میں اسی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے کہ آپؐ حیران اور مضطرب نہ ہوں۔ ہم آپ کی قلبی تمناؤں اور تعلق خاطر سے خوب آگاہ ہیں۔ ہم اسے آپؐ کا قبلہ قرار دے دیں گے، جسے آپؐ خود قبلہ بنانا پسند کرتے ہیں۔ آیت میں ایک طرف تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کمال تسکین ہے اور دوسری طرف انتہائی فضیلت اور علو مرتبت کا اظہار بھی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس مقام کی اس طرح تشریح کی ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

ابھی تحویل قبلہ کا وعدہ ہوا ہی تھا کہ ساتھ ہی تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوگیا۔ ارشاد ہوتا ہے آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی سمت میں یا اس کے رخ پھیر لیں۔ مسجد الحرام مکہ مکرمہ کی وہ مسجد اعظم ہے جس میں خانہ کعبہ واقع ہے۔ اب تحویل قبلہ کا عام حکم صراحت کے ساتھ ساری امت کو دیا جارہا ہے کہ حضر میں یا سفر میں، مدینہ میں یا دوسرے شہر میں، جنگل میں یا دریا میں یا خود بیت المقدس میں جہاں کہیں ہو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔

تحویل قبلہ کا یہ حکم رجب یا شعبان 2 ہجری میں نازل ہوا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز باجماعت پڑھ رہے تھے۔ دو رکعت ادا فرما چکے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس سے منہ موڑ کر کعبہ کی طرف کرلیا۔ صحابہ کرامؓ نے بھی اپنے رخ کعبہ کی طرف پھیر لیے۔ جب یہ حکم مدینہ اور اطراف مدینہ میں پہنچا تو اسی لحہ تمام صحابہ کرامؓ نے اپنے رخ کعبہ کی جانب پھیر لیے اور دنیا نے تسلیم و رضا کا ایک بے مثال نمونہ دیکھا۔ بیت المقدس مدینہ منورہ سے شمال کی طرف ہے اور خانہ کعبہ عین جنوب کی طرف ہے۔ مدینہ منورہ میں مسجد قبلتین آج بھی موجود ہے جس میں پہلی مرتبہ اس حکم پر عمل درآمد ہوا۔

کعبہ کی طرف رخ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی خواہ دنیا کے کسی گوشے میں ہو اسے بالکل ناک کی سیدھ میں کعبہ کی طرف رخ کرنا چاہیے کیونکہ ایسا کرنا ہر شخص کے لیے ہر جگہ مشکل ہے۔ اس بنا پر کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ کعبہ کی سیدھ میں البتہ قرآن حکیم کے پیش نظر حتی الامکان صحیح سمت کعبہ کی تحقیق کرنے کے بعد اس رخ نماز پڑھنی چاہیے۔ اگر کہیں



سمت قبلہ کی تحقیق مشکل ہو یا سفر وغیرہ کی وجہ سے سمت قبلہ کی طرف اپنی سمت برقرار نہ رکھ سکتا ہو تو جس طرح اسے قبلہ کا گمان ہو یا جس طرح رخ کرنا اس کے لیے ممکن ہو اسی طرف وہ نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیکن اگر دوران نماز صحیح سمت قبلہ معلوم ہو جائے یا صحیح سمت کی طرف نماز پڑھنا ممکن ہو جائے تو نماز کی حالت میں اس طرف پھر جانا چاہیے۔

پھر فرمایا "جن لوگوں کو کتاب ملی وہ جانتے ہیں کہ یہی ان کے رب کی جانب سے حق ہے اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے"۔ یعنی یہود کو خوب معلوم تھا کہ پیغمبر آخر الزماںؐ کا وہی قبلہ ہوگا جو حضرت ابراہیمؑ کا تھا۔ دوسرے یہ کہ آخری نبیؐ اولاد اسمٰعیلؑ میں پیدا ہوں گے اور ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ ایک امت منصہ شہود پر لائے گا۔

تیسرے یہ کہ اولاد اسمٰعیلؑ کا مرکز اور قبلہ شروع ہی سے بیت اللہ رہا ہے۔ جو اصلی اور حقیقی قبلہ ہے۔ بیت المقدس کا قبلہ ہونا عارضی تھا۔ ان تمام باتوں کے اشارات تورات میں موجود تھے۔ لیکن یہود محض تعصب اور ہٹ دھرمی کے باعث ان نشانات کو چھپاتے تھے۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ان کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے وہ انہیں قرار واقعی سزا دے گا۔

## قبلہ و صاحبِ قبلہ کے ساتھ اہل کتاب کا عناد

## تشریح و تفسیر آیت 145

یہاں اس آیت میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ یہود کے اعتراضات اور شکوک و شبہات سے پریشان نہ ہوں۔ ان کا رویہ محض کفر و عناد اور تکبر و حسد کی وجہ سے ہے۔ اگر آپؐ ان کے سامنے دنیا جہان کے تمام دلائل اور معجزات بھی پیش کردیں تب بھی یہ آپؐ کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے

اِنَّ الَّذِیۡنَ حَقَّتۡ عَلَیۡہِمۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ وَ لَوۡ جَآءَ
ہُمۡ کُلُّ اٰیَۃٍ حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ○

لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے گو ان
کے پاس تمام آیات آجائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں

البتہ اگر آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے بن جائیں تو وہ مطمئن ہو سکتے ہیں لیکن حق کے اچھی طرح واضح ہو جانے کے بعد آپؐ کے لیے اس امر کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کریں کیونکہ بنی اسرائیل کی امامت کے خاتمہ پر آپؐ کو ایک مستقل امتیازی عالمگیر قبلہ عطا ہو چکا ہے۔ پھر وضاحت فرما دی کہ یہود و نصاریٰ خود ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی نہیں

Scanned with CamScanner

کر سکتے۔ چنانچہ یہود کا قبلہ آج تک بیت المقدس ہے اور انصاریٰ سمت مشرق کو قبلہ بنائے ہوئے ہیں۔ گویا یہ دونوں مشرق و مغرب کے جھگڑے میں گرفتار ہیں۔ جب یہ آپس میں متحد نہیں تو آپ کے قبلہ کی پیروی کس طرح کر سکتے ہیں؟ نیز آپ ان کو کس طرح خوش کر سکتے ہیں جب کہ ہر ایک کا قبلہ مختلف ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا کہ علم وحی کے آجانے کے بعد اگر آپ نے یہود و نصاریٰ کی خواہشات کی پیروی کی تو آپ بھی ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔

## تشریح و تفسیر آیات 146-147

علماء اہل کتاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ باتوں کی حقانیت کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح باپ اپنے بیٹوں کو پہچانتا۔ یہ ایک مثال تھی، جو عرب کامل یقین کے وقت بولا کرتے تھے۔

علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے یہود کے زبردست عالم عبداللہ بن سلام سے پوچھا کیا تو حضورؐ کو ایسا ہی جانتا ہے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتا ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں، بلکہ اس سے بھی زیادہ اس لیے کہ آسمان کا امین فرشتہ زمین کے امین شخص پر نازل ہوا اور اس نے آپؐ کی صحیح تعریف بتلا دی یعنی حضرت جرائیل حضرت عیسیٰ کے پاس آئے اور پھر پروردگار عالم نے آپ کی صفتیں بیان کیں جو سب کی سب آپؐ میں موجود ہیں۔ پھر ہمیں آپ کے نبی برحق ہونے میں کیا شک رہا۔ صالحین اہل کتاب میں حق کے لیے انتظار و شوق کا جو جذبہ تھا اسے قرآن حکیم نے ایک اور مقام پر اس طرح بیان فرمایا

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ
مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا
مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (مائدہ:83)

اور جب وہ اس چیز کو سنتے ہیں جو رسول کی طرف سے اتاری گئی تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اس حق کی وجہ سے جس کو وہ اس کے اندر پہچانتے ہیں وہ پکار اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو حق کی شہادت دینے والوں کے ساتھ لکھ۔

چنانچہ اسی بات کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اہل کتاب اپنے بیٹوں کی طرح بغیر کسی اشتباہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے ہیں۔ ان کے صحیفوں میں نبی کی آمد سے متعلق پیشین گوئیاں اس صراحت سے مذکور ہیں کہ انہیں آپ کی شناخت میں کوئی دقت نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس کے باوجود یہ لوگ حق کو چھپاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور اسلام کی حقانیت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔



وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا
اور واسطے ہر سمت وہ چہرہ کرنیوالا اسکی طرف ہیں آگے بڑھو نیکیوں میں جہاں کہیں تم ہوسے
اور ہر ایک کے لیے ایک طرف ہے جس طرف وہ منہ کرتا ہے۔ بس تم نیکیوں کی طرف دوڑو۔ تم جہاں کہیں بھی ہو گے

يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٤٨﴾
آئے گا تمہیں اللہ سب کو بیشک اللہ اوپر ہر چیز قدرت رکھنے والا
تم سب کو اللہ سمیٹ کر لے آئے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ
اور سے جہاں تو نکلے پس پھیر چہرہ تیرا طرف مسجد
اور جہاں سے آپ نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کریں۔

الْحَرَامِ ۭ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
حرام اور بیشک وہ البتہ حق ہے رب تیرے اور نہیں اللہ بے خبر سے
اور آپ کے رب کی طرف سے یہی حق بھی ہے اور اللہ تمہارے کام میں بھی

تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٩﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ
جو تم کرتے ہو اور سے جہاں تو نکلے پس پھیر چہرہ اپنا طرف
غافل نہیں۔ اور آپ جہاں کہیں سے نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کیا

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ
مسجد حرام اور جہاں کہیں تم ہو پس پھیرو چہرے اپنے
کریں۔ اور تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا منہ اس کی طرف کیا کرو

شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ڎ اِلَّا الَّذِيْنَ
طرف اس تاکہ نہ ہو واسطے لوگوں اوپر تمہارے دلیل مگر وہ جنہوں نے
تاکہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں حجت نہ رہ جائے سو ان لوگوں کے جو

ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۤ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۤ وَلِاُتِمَّ
ظلم کیا سے ان پس نہ تم ڈرو ان سے اور ڈرو مجھ سے اور تاکہ میں تمام کردوں
ان میں سے ظالم ہیں۔ تو تم بھی ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو تاکہ میں

نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٥٠﴾ۙ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ
انعام اپنا اوپر تمہارے اور شاید کہ تم راہ پاؤ جسطرح ہم نے بھیجا بیچ تم
اپنی نعمت تم پر پوری کردوں اور تاکہ تم راہ پاؤ۔ جیسا کہ ہم نے تم میں ایک

رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَ

رسول | سے تم | وہ پڑھتا ہے | اوپر تمہارے | آیتیں ہماری | اور پاک کرتا تمہیں | اور

رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے۔ اور

يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا

سکھاتا تمہیں | کتاب | اور دانائی | اور سکھاتا ہے تمہیں | جو | نہیں | تم ہو

تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا

جانتے | پس یاد کرو مجھے | میں یاد کروں گا تمہیں | اور شکر کرو میرا | اور نہ

تھے۔ پس مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر کرو اور

تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾ ع

تم ناشکری کرو

ناشکری نہ کرو۔

## الفاظ کے معانی وضروری تشریحات

لِكُلٍّ — ہر قوم کے لیے ؛

وِجْهَةٌ — سمت ۔ رُخ ۔ طرف ۔ جہت ۔ بمعنی قبلہ ؛

مُوَلِّيْ — منہ پھیرنے والا ۔ رُخ کرنے والا ۔ مُنہ کرنے والا ۔ ولّی کا اسم فاعل ہے ؛

اِسْتَبِقُوْا — تم سبقت کرو ۔ تم دوڑو ۔ تم آگے بڑھو ۔ فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر اِسْتِبَاقٌ مصدر سے ہے ؛

خَيْرَاتِ — نیکیاں ۔ بھلائیاں ۔ خوبیاں ۔ خَيْرَةٌ کی جمع ہے ؛

اَيْنَمَا — کہیں بھی ؛

فَوَلِّ — پس پھیر لیجیے ؛

وَجْهَكَ — اپنا چہرہ ؛

يَأْتِ — لائے گا ۔ لاتا ہے ؛

مِنْ حَيْثُ — جہاں سے ۔ حیث ظرف مکان ہے ؛

لِئَلَّا — تاکہ نہ ۔ اصل میں یوں ہے (ل ۔ اَنْ ۔ لا) ن ، لام میں ملا دیا گیا ہے ؛

حُجَّةٌ — دلیل ۔ حجت ؛

لَا تَخْشَوْهُمْ — تم ان سے نہ ڈرو ۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر خَشِیَ يَخْشٰى سے ہے ؛

اِخْشَوْنِيْ — مجھ سے ڈرو ۔ فعل امر ہے ۔ ی ضمیر متکلم ؛

لِاُتِمَّ — تاکہ میں پورا کروں ۔ تاکہ میں تمام کروں ۔ اَتَمَّ يُتِمُّ سے ہے ؛

تَهْتَدُوْنَ — تم ہدایت پاؤ ؛

اَرْسَلْنَا — ہم نے بھیجا ۔ مصدر اِرْسَالٌ اور مادہ (ر ۔ س ۔ ل) ہے ؛

يُزَكِّيْكُمْ — تم کو پاک کرتا ہے ۔ تمہاری زندگیاں سنوارتا ہے ۔ زَكّٰى ۔ يُزَكِّيْ ۔ تَزْكِيَةٌ سے ہے ؛

يَتْلُوْا — وہ تلاوت کرتا ہے ۔ وہ پڑھ کر سناتا ہے ۔ تَلَا ۔ يَتْلُوْا ۔ تِلَاوَةً سے ہے ؛

يُعَلِّمُ — وہ سکھاتا ہے ۔ وہ تعلیم دیتا ہے ؛

اَلْكِتَابَ — کتاب ۔ مراد قرآن حکیم ؛

اُذْكُرُوْنِيْ — تم مجھے یاد کرو ۔ تم میرا ذکر کرو ؛

اَذْكُرْكُمْ — میں تمہیں یاد کروں گا ؛

اُشْكُرُوْا لِيْ — تم میرا شکر ادا کرو ۔ فعل امر صیغہ جمع حاضر

## تقرر قبلہ کا حکم عام اور اس کے مصالح و حکم

### تشریح و تفسیر آیات 148-150

تحویل قبلہ کے حکم کو تاکید کے ساتھ تین مرتبہ ذکر کیا گیا۔ لیکن کلام الٰہی کا اعجاز دیکھئے کہ ہر مرتبہ ایک خاص رعایت ملحوظ رکھی ہے اور ہر جگہ ایک نیا نکتہ پیش نظر ہے۔ ایک مقام پر **اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ** کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور تحویل قبلہ کا یہ معاملہ علمائے اہل کتاب میں پہلے ہی سے مشہور و معروف ہے اور وہی قبلہ ابراہیمی ہے جسے تم محبوب رکھتے ہو اور جس کی طرف رخ کرنے کے آرزو مند ہو۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بھی حق ہے **وَاِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ** تیسرے مقام پر فرمایا کہ یہ قبلہ اس لیے مقرر کیا جاتا ہے تاکہ کسی کے لیے حیلہ و حجت کی گنجائش نہ رہے۔

یہاں آیت نمبر 148 میں ارشاد ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے ہر گروہ نے نماز و عبادت کے لیے اپنے قبلہ کے لیے ایک سمت مقرر کر رکھی ہے۔ یہ اپنی مقرر کردہ جہت کو ہی قبلہ بنائیں گے اور کسی صورت میں بھی مسلمانوں کے قبلے کو اپنانے والے نہیں ہیں۔ اس لیے اے مسلمانو! تم یہود و نصاریٰ کے اختلافات میں اپنے آپ کو نہ الجھاؤ بلکہ خدا کی بتائی ہوئی راہ مستقیم پر آگے بڑھو اور جو نیکیاں مقصود و مطلوب ہیں ان کو اپنانے میں ایک دوسرے پر سبقت اور پیش قدمی لے جانے کی کوشش کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ قبلہ' بندگی' انابت اور فلاح و سعادت کے حصول میں اللہ تعالیٰ کا ایک مقرر کردہ نشان یا گول کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نشان کو امم سابقہ نے ضائع کر دیا۔ اسی وجہ سے زندگی میں ان کی دوڑ بالکل مختلف راہوں پر ہو گئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس نشان حق کو امت مسلمہ کے لیے پھر نمایاں کیا اور اسے دعوت دی کہ اگر دوسری امتیں اس نشان حق یعنی قبلہ کو قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں تو تم ان ہٹ دھرموں کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور خود حصول سعادت کی راہ میں پیش قدمی کا مظاہرہ کرو۔

پھر فرمایا "تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تعالیٰ تم سب کو سمیٹ کر لے آئے گا' بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے"۔ آیت کے اس حصہ کا ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ اے مسلمانو! اس قبلہ کو اپنانے کے بعد تم جہاں کہیں سے بھی نیکی اور بھلائی کی راہ میں کوئی سعی و کوشش کرو گے وہ رائیگاں نہیں جائے گی۔ خدا تمہیں ایک دن میدان حشر میں ہر مقام سے جمع کرے گا اور تمہیں تمہاری ہر چھوٹی اور بڑی نیکی کا اجر و ثواب دے گا اور یہ فیصلہ کرے گا کہ کس نے راہ حق کو اپنایا اور کون ضد اور ہٹ دھرمی کی روش پر گامزن رہا۔ دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ جو قوم یا امت یا فرقہ جس سمت کو رخ کرنا چاہتا ہے اسے کرنے دو۔ اے مسلمانو! تم ان اختلافات اور بحث و تمحیص میں الجھنے کی بجائے حسن عمل میں سبقت اور پیش قدمی کرو۔

تیسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ مقصود تو نماز اور نمازیوں کے درمیان وحدت پیدا کرنا ہے۔ تم شمال' جنوب' مغرب غرضیکہ دنیا کے کسی خطہ یا علاقہ میں متفرق و منتشر ہو اللہ تعالیٰ کو تو بہرحال علم ہے کہ تم ایک ہی طرف رخ کیے ہوئے ہو وہ کعبہ کی طرف پڑھی ہوئی ساری نمازوں کو ایک جگہ رکھے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور اس کے احاطہ قدرت سے کوئی چیز بھی خارج نہیں۔

## آیت نمبر 149

اس آیت میں امت مسلمہ کو واضح اور صریح الفاظ میں اس امر کی تائید کی گئی ہے کہ حضر کی طرح سفر میں بھی تمہارا رخ قبلہ کی جانب ہی ہونا چاہیے تاکہ ہر حالت میں تمہارا تعلق اپنے روحانی نصب العین سے برقرار رہے۔ اگر حالات سفر میں قبلہ کی پابندی نہ ہوتی تو امت مسلمہ بھی یہود و



نصاریٰ کی طرح کسی حد تک قبلہ کے معاملہ میں گمراہ ہو جاتی۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ اسلام ہر معاملہ میں انسان پر اسی قدر بوجھ ڈالتا ہے جتنا وہ برداشت کر سکتا ہے۔ اس کلیہ کے تحت سفر کی حالت میں بھی حتی المقدور قبلہ کا تعین کرنا چاہیے۔ اور جس رخ ظن غالب آجائے انسان اسی کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرے پھر فرمایا کہ یہ قبلہ خدا کا مقرر کردہ قبلہ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ یعنی سفر کی حالت میں قبلہ کا تعین کرتے ہوئے تساہل اور غفلت سے کام نہ لینا کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل سے بخوبی واقف ہے۔

## آیت نمبر 150

یہاں اس آیت میں پھر سابقہ احکام کو شد و مد اور تنبیہہ و تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ سفر ہو یا حضر' دور ہو یا نزدیک ہر جگہ' ہر صورت میں بیت اللہ ہی کی طرف رخ کرنے کا جو حکم دیا جا رہا ہے وہ کوئی سرسری اور سطحی حکم نہیں ہے' بلکہ انتہائی عظیم مصلحتوں اور حکمتوں کا حامل ہے۔ اس حکم کے اپنانے سے اہل کتاب کے لیے اس اعتراض کی گنجائش نہ رہے گی کہ ہماری کوششوں اور صحیفوں کے مطابق تو آخری نبی کا قبلہ' قبلہ ابراہیمی ہونا تھا یا مشرکین عرب کا یہ اعتراض کہ مسلمان دین ابراہیمی کے مدعی ہو کر قبلہ ابراہیمی کیوں ترک کیے ہوئے ہیں۔ البتہ وہ حق ناشناس اور کج فطرت معاندین جو اس کے بعد بھی اعتراضات پر مصر رہیں گے تو ان کی کچھ پروا ہی نہ کرو بلکہ میرے حکم کے تابع رہو اور مجھ ہی سے ڈرو تاکہ میں اپنی نعمت تم پر تمام کر دوں اور تاکہ تم راہ یاب ہو۔ کعبہ کا قبلہ متعین کیا جانا خود بہت بڑی نعمت اور عنایت الٰہی ہے۔ کیونکہ اس طرح ملت اسلامیہ کو ایک مخصوص اور محسوس مرکز عطا فرما دیا گیا جو ان کی توجہات اور عبادات کا مرجع ہوتا کہ رنگ و زبان' قومیت اور وطن کے سب اختلافات کے باوجود اسے دیکھنے والے یقین کر لیں کہ یہ ایک قوم ہے جس کا مرکز توجہات اور مقصد حیات ایک ہے۔ اس قبلہ کو خصوصیت کے ساتھ عطا فرما کر امت مسلمہ کی فضیلت و بزرگی کو تمام امتوں پر ثابت کر دیا۔ نیز تحویل قبلہ میں اس بات کی طرف بھی صاف اشارہ ہے کہ اب دنیا کی قیادت بنی اسرائیل سے منتقل ہو کر اسماعیل ؑ کی اولاد میں آگئی ہے اور یہ شرف و سرفرازی بذات خود ایک نعمت عظمیٰ ہے۔

# مقام نبوت

## تشریح و تفسیر آیت 151-152

اس آیت میں فرمایا کہ یہ اتمام نعمت اور تکمیل ہدایت استقبال کعبہ کے ذریعے سے تم پر اس طرح ہوئی جس طرح ابتداء میں تم پر یہ اتمام نعمت و ہدایت ہو چکی ہے کہ تم میں سے ایک رسولؐ

Scanned with CamScanner

بھیجا جو نہ صرف تمہیں آیاتِ الٰہی پڑھ کر سناتا ہے بلکہ حکمت و دانائی کے سبق اور روحانیت کے اصول و مسائل کی تعلیم دیتا ہے اور ان تعلیمات کو تمہارے رگ و ریشہ میں اتارتا ہے۔ نیز ظلمتِ کفر سے نکال کر نورِ ایمان کی طرف تمہاری رہبری کرتا ہے اور وہ راز تم پر عیاں کرتا ہے جو آج تک نہیں کھلے تھے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ رسولؐ نہ صرف خود مجسمہ اخلاق ہوتا ہے بلکہ دوسرے انسانوں کو زیورِ اخلاق سے آراستہ کرتا ہے۔ ان کے زنگ آلود آئینہ کو جلا بخشتا ہے۔ باطنی نجاست اور جہالت کی رسوم و توہمات سے منزہ و پاک کرتا ہے۔ عقل و فہم کی باتیں سکھاتا اور احکامِ ربانی سے انسانوں کو آگاہ کرتا ہے۔ اس آیت کی تفسیر آیت نمبر 129 کے تحت بالتفصیل ملاحظہ کیجئے۔

چونکہ یہود منصبِ امامت سے معزول ہو گئے تھے اس لیے قیامت تک کے لیے لوگوں پر شہادت کی ذمہ داری اب امتِ مسلمہ کے سپرد ہوئی نیز تحویل کعبہ کے حکم کے بعد یہ امت ایک بالکل ممتاز اور نمایاں امت کی حیثیت سے سامنے آئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس اہم موقع پر یہ یاد دہانی کرائی کہ "تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا" یادِ الٰہی سے مراد یہ ہے کہ ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی یاد کو ہر لحہ' ہر ساعت اور ہر حالت میں برقرار رکھے۔ ایک بندہ کا اپنے مالک کو یاد کرنا یہی ہے کہ اس کی بتلائی ہوئی راہ پر ہمت اور شوق سے چلتا رہے اور تمام امور میں رضائے الٰہی کو مقدم رکھے۔ تمام تفویض کردہ ذمہ داریوں اور فرائض کی بجا آوری کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ وعدہ ہے کہ "میں تمہیں یاد رکھوں گا" یعنی دنیا و آخرت میں کامیابی و کامرانی' فتح اور سرخروئی سے سرفراز کروں گا۔ ایک بندہ کی اس سے بڑھ کر اور کیا عزت افزائی ہو سکتی ہے کہ اس کا خالق اسے اپنی یاد سے نوازے۔ اس ضمن میں ایک حدیثِ قدسی بھی ملاحظہ ہو تاکہ اللہ تعالیٰ کی بندہ نوازی کا آپ کو اندازہ ہو سکے۔ "میرا بندہ جیسے مجھ سے گمان کرتا ہے ویسا ہی میں اس کے ساتھ برتاؤ کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے دل میں یاد کرے میں بھی اسے ایسے ہی یاد کرتا ہوں اور اگر مجھے مجمع عام میں یاد کرے تو میں اس سے بہتر مجمع عام میں اسے یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک ہو تو میں ایک ہاتھ اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں' اگر وہ چل کر میری طرف آئے تو میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں"۔

پھر فرمایا کہ "میری شکر گزاری کرتے رہنا اور میری ناشکری نہ کرنا"۔ شکر سے مراد تھوڑی سی نیکی پر بھی پورا پورا اجر دینا اور ہر نعمت و انعام کی قدر پہچاننا ہے۔ گویا شکر اس قدر شناسی کا نام ہے جو دل' زبان اور عمل سے ہوتی ہے۔ شکر کی بہترین تعریف یہ ہے کہ جس ہستی نے نعمت سے نوازا ہے انسان اس کا احسان مند ہو اور اس کے احسان کی قدر کرے۔ اس کی دی ہوئی نعمت کو اس کی رضامندی اور خوشنودی کے مطابق استعمال کرے اور اس کا دل اپنے محسن کے لیے وفاداری کے



جذبے سے سرشار ہو۔ ناشکری کا اصل مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے قوئی کو اس کی نافرمانی میں صرف کیا جائے۔ اسلام کی نگاہ میں یہ بدترین خصلت ہے اور اس کے برعکس شکر سب سے افضل اور اعلیٰ خصلت ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ

(ابراہیم:7)

"اگر تم شکر کرو گے تو ہم تمہیں زیادہ دیں گے اور اگر ناشکری کرو گے تو بے شک میرا عذاب سخت ہے"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام رب العزت سے عرض کرتے ہیں کہ خدایا تیرا شکر کس طرح ادا کروں؟ ارشاد ہوتا ہے مجھے یاد رکھ بھول نہیں۔ یاد شکر ہے اور بھول کفر ہے۔ حسن بصریؒ کا قول ہے کہ خدا کے یاد کرنے والے کو خدا بھی یاد کرتا ہے۔ اس کے شکر کرنے والے کو وہ زیادہ دیتا ہے اور ناشکرے کو عذاب کرتا ہے۔ بزرگانِ سلف سے مروی ہے کہ خدا سے پورا ڈرنا یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ نافرمانی نہ کی جائے۔ اس کا ذکر کیا جائے' غفلت نہ برتی جائے۔ اس کا شکر کیا جائے' ناشکری نہ کی جائے۔ آیت کے آخری الفاظ **وَلَا تَكْفُرُونِ** (اور میری ناشکری نہ کرنا) میں یہ انتباہ ہے کہ اگر تم نے ناشکری' معصیت اور کفرانِ نعمت کا رویہ اختیار کیا تو جس طرح یہود منصبِ امامت سے معزول و برطرف کر دیئے گئے اسی طرح تم بھی اس زد سے نہ بچ سکو گے۔

## تحویل قبلہ

ہر قوم و ملت کا کوئی امتیازی اور نمایاں شعار ہوتا ہے جس سے وہ دوسری اقوام کے مقابلہ میں پہچانی جا سکتی ہے۔ نماز کے وقت قبلہ کا تعین بھی اسی مقصد کے پیش نظر ہے۔ چونکہ قریش مکہ نے مکہ معظمہ کو بت خانہ بنا رکھا تھا اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام مکہ کے دوران بیت المقدس کو قبلہ بنائے رکھا تاکہ کفار مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان امتیاز ہو جائے اور یہ بات بالکل واضح ہو جائے کہ اسلام قریش کی کافرانہ زندگی سے قطعاً کوئی تعلق نہیں رکھتا' بلکہ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے پاک نبیوں اور مقدس رسولوں سے ہے۔ اس بنا پر پہلے بیت المقدس قبلہ قرار پایا یعنی مکہ میں آپ ایسی جگہ کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے کہ خانہ کعبہ اور بیت المقدس دونوں سامنے رہتے۔ ویسے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریق کار تھا کہ جن امور میں قرآن حکیم کوئی واضح و صریح ہدایت مہیا نہ کرتا ان میں آپ اہل کتاب کی پیروی کرتے۔ چونکہ عیسائی اور یہودیوں کا قبلہ بیت المقدس تھا اس لیے آپ ان کی موافقت اور کفار مکہ سے امتیاز کے پیش نظر بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے۔

ابتدا میں بیت المقدس کو قبلہ قرار دینے کا حکم عربوں کو بہت شاق گزرا۔ صدیوں کی پرانی

عبادت گاہ کو یکدم چھوڑ کر بالکل دوسری طرف رخ کرنا بہت دشوار تھا۔ اس کڑی آزمائش میں وہی لوگ پورے اتر سکتے تھے جو اپنی خواہشات و جذبات کو بالکل قربان کر چکے ہوں اور صرف خدا کا حکم اور اس کی مرضی ان کا مقصود ہو۔ جب یہ آزمائش پوری ہو چکی اور کفر و ایمان کے درمیان فرق واضح ہو چکا تو ہجرت کے تقریباً سولہ ماہ بعد حکم آیا کہ اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کر لو۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (بقرۃ:15)

"پس اپنا چہرہ مسجد حرام (خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لیجئے اور جہاں کہیں بھی مسلمان ہوں اس کی طرف منہ پھیرا کریں"۔

آپؐ اس وقت بنی سلمہ کی مسجد میں نماز ظہر کی دو رکعت پڑھ چکے تھے۔ اس حکم کے بعد آپؐ نے بقیہ نماز کعبہ کی طرف رخ کر کے ادا کی۔ اس واقعہ کی مناسبت سے بنی سلمہ کی مسجد کو مسجد قبلتین (دو قبلوں والی مسجد) کہتے ہیں۔

اس حکم کے بعد کعبہ مسلمانوں کا مرکز قرار پایا اور کفار کی طرح یہود و نصاریٰ سے بھی امتیاز ہو گیا۔ ویسے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعمیر کردہ خانہ خدا کو قبلہ بنانے کے لیے بے قرار تھے اور مدینہ میں اکثر اپنا چہرہ مبارک آسمان کی طرف کر کے اس دلی آرزو تمنا کا اظہار فرماتے اور تحویل قبلہ کے حکم کے لیے حضرت جبرائیل کی آمد کے منتظر رہتے۔

قرآن حکیم آپؐ کی اسی حالت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ (بقرۃ:144)

"ہم آپؐ کے چہرے کا بار بار (تبدیلی قبلہ کے لیے) آسمان کی طرف پھرنا دیکھتے ہیں"۔

تحویل قبلہ کے بعد معاندین کو مزید اعتراضات کا موقع مل گیا۔ یہودی بہت ہی برہم ہوئے۔ اب تک وہ اپنے مذہب کی صداقت و حقانیت کی ایک دلیل پیش کیا کرتے تھے کہ مسلمان بھی ان ہی کے قبلہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن تبدیلی قبلہ سے ان کے مذہبی جذبات کو صدمہ پہنچا۔ چنانچہ وہ مسلمانوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مختلف قسم کی باتیں بنانے لگے۔ وہ کہتے کہ یہ بھی کوئی مذہب ہے جس کا ہر روز قبلہ تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ تحویل قبلہ محض یہود سے بغض و عناد کی بنا پر ہوا ہے۔ کوئی کہتا کہ مسلمانوں کا پیغمبر ابھی تک تذبذب اور شک و شبہ کی حالت میں ہے کہ قبلہ کا تعین ہی نہیں کر پاتا۔ اگر وہ فی الحقیقت پیغمبر ہوتا تو اس قدر متزلزل نہ



ہوتا۔ اس گمراہ کن پراپیگنڈے سے بعض سادہ لوح اور ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو شک و شبہ کی نظروں سے دیکھنے لگے۔ دوسری طرف منافقین نے بھی موقع سے فائدہ اٹھایا اور اپنی سرگرمیوں کو تیز تر کر دیا۔ چنانچہ قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات نے معاملہ صاف کر دیا اور مسلمانوں نے انتہائی ثابت قدمی اور استقلال کا مظاہرہ کیا۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (بقرۃ:142)

"اب بیوقوف لوگ کہیں گے کہ کس چیز نے انہیں (مسلمانوں کو) اپنے اس قبلے سے جس پر یہ تھے ہٹا دیا کہہ دیجئے مشرق و مغرب اللہ کے ہیں"۔

تحویل قبلہ کے بعد بعض لوگوں کے دلوں میں یہ شبہات بھی پیدا ہوئے کہ بیت المقدس کی جانب رخ کر کے پڑھی ہوئی نمازوں کا کیا ہوگا۔ اسی طرح ان لوگوں کی حیثیت کیا ہوگی جو قبلہ کی تبدیلی سے پیشتر وفات پا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام شکوک و شبہات کا یہ جواب دیا کہ ہر شخص کو اس کی نیکی کا اجر و ثواب ملے گا جو اس نے خدا کے حکم اور اس کی خوشنودی کے پیش نظر سر انجام دی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر سمت یا جہت کو قبلہ بنا سکتا ہے۔ مسلمانوں کا تو یہ فرض ہے کہ وہ نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف سبقت کریں۔ آگے چل کر اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کی غرض کو اس طرح بیان کیا ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ (بقرۃ:143)

"اور جس قبلہ پر آپؐ (اب تک) تھے اسے ہم نے اس لیے رکھا تھا کہ ہم پہچان لیں کہ کون رسولؐ کی پیروی کرتا ہے"۔

چنانچہ اس تبدیلی قبلہ کے بعد بعض ایسے لوگ جو فی الحقیقت یہودی تھے لیکن بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے ظاہر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی واضح کر دیا کہ یہود و نصاریٰ آپؐ کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں خواہ آپ انہیں کوئی نشان بھی دکھا دیں"۔ علاوہ ازیں ان میں سے ہر ایک نے اپنا علیحدہ قبلہ بنا رکھا ہے۔ جب یہ دونوں ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے نہیں تو بھلا آپ کے قبلہ کو کب تسلیم کریں گے۔

Scanned with CamScanner

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے مدد مانگو ساتھ صبر اور نماز بیشک
اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لیا کرو بے شک اللہ

اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٣﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ
اللہ ساتھ صبر کرنیوالوں کے اور نہ تم کہو واسطے ان کے جو قتل کئے جائیں میں
صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو اللہ کی راہ میں مارے

سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿١٥٤﴾
راہ اللہ کی مردہ بلکہ زندہ اور لیکن نہیں تم شعور رکھتے
انہیں مردہ نہ کہو۔ بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ
اور البتہ ہم آزمائیں گے تمہیں ساتھ کچھ کے خوف اور بھوک اور نقصان سے
اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور جانوں میں

الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿١٥٥﴾
مال اور جانوں اور پھلوں اور خوشخبری دے دو صبر کرنیوالوں کو
پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیدو

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ
جو جب پہنچے انہیں کوئی مصیبت کہتے ہیں بیشک ہم واسطے اللہ کے اور بیشک
وہ لوگ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے۔ تو کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے لئے

اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿١٥٦﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ
ہم طرف اسکی لوٹنے والے وہ سب لوگ اوپر ان کے عنایتیں ہیں سے پروردگار انکے
ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے مہربانیاں اور

وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿١٥٧﴾ اِنَّ الصَّفَا
اور رحمت اور وہ سب لوگ وہ ہدایت پانیوالے بیشک صفا
رحمت ہے۔ اور یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔ بیشک صفا اور

وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ
اور مروہ سے نشانیوں اللہ کی پس جس نے حج کیا بیت اللہ کا یا
مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ پس جو کوئی کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس



اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ
عمرہ کیا پس نہیں حرج اوپر اسکے کہ طواف کرے ساتھ ان دونوں اور جو رضاکارانہ کرے
پر کوئی گناہ نہیں۔ کہ ان کے درمیان طواف کرے اور جو کوئی اپنی خوشی

خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿١٥٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ
نیکی پس بیشک اللہ قدر کرنیوالا جاننے والا بیشک وہ جو چھپاتے ہیں
سے نیکی کرے تو بے شک اللہ قدردان جاننے والا ہے۔ بے شک جو لوگ ان کھلی کھلی اور

مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْ ۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ
جو ہم نے نازل کیا سے واضح نشانیاں اور ہدایت سے بعد جو ہم کھولا جسے
ہدایت کو جسے ہم نازل کر دیا ہے اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں۔ کہ ہم نے ان لوگوں کے لئے

لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ
واسطے لوگوں کے میں کتاب وہ سب لعنت کرتا ہے ان پر اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر
کتاب میں بیان کر دیا ہے یہی لوگ ہیں کہ ان پر اللہ کی لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے

اللّٰعِنُوْنَ ﴿١٥٩﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ
لعنت کرنیوالے سوائے ان کے جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور واضح کیا پس وہ سب میں توبہ قبول
لعنت کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کرلی اور اصلاح کی اور حق کا اظہار کیا تو یہی لوگ ہیں

عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
کرونگا ان کی اور میں توبہ قبول کرنیوالا رحم کرنے والا بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا
جن کی توبہ قبول کرتا ہوں۔ اور میں بڑا توبہ قبول کرنے والا ہوں۔ بے شک جنہوں نے انکار کیا۔ اور

وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ
اور مر گئے اس حالت میں کہ وہ کافر تھے وہ سب اوپر ان کے لعنت اللہ کی
انکار ہی کی حالت میں مر گئے۔ تو ان پر اللہ کی لعنت ہے اللہ کے فرشتوں کی

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٦١﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا
اور فرشتوں کی اور لوگوں کی تمام ہمیشہ رہنے والے میں اس نہیں
اور تمام انسانوں کی اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿١٦٢﴾ وَاِلٰهُكُمْ
ہلکا کیا جائیگا سے ان عذاب اور نہ وہ مہلت دیئے جائینگے اور معبود تمہارا
اور ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا۔ اور نہ ہی ان کو مہلت دی جائے گی۔ اور تمہارا معبود

Scanned with CamScanner

| | | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|---|
| إِلٰهٌ | وَّاحِدٌ | لَآ | إِلٰهَ | إِلَّا هُوَ | الرَّحْمٰنُ | الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ |
| معبود | ایک | نہیں | معبود | مگر سوا اسی کے | نہایت مہربان | رحم کرنیوالا |

ایک ہی ہے۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

## الفاظ کے معانی و ضروری تشریحات

اِسْتَعِيْنُوْا — مدد حاصل کرو۔ مدد طلب کرو۔ مدد چاہو۔ فعل امر ہے۔ استعانت سے ہے ::

صَابِرِيْنَ — صبر کرنے والے۔ ثابت قدم رہنے والے ::

تَقُوْلُوْا — تم کہو۔ تم کہنے لگو۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکّر حاضر ::

يُقْتَلُ — وہ مارا جائے۔ وہ قتل کیا جائے۔ فعل مضارع مجہول ::

اَمْوَاتٌ — مُردے۔ مَيِّتٌ کی جمع ہے ::

اَحْيَاءٌ — زندہ لوگ۔ حَیٌّ کی جمع ہے ::

تَشْعُرُوْنَ — تم سمجھتے ہو۔ تم شعور رکھتے ہو۔ اشعر۔ لیشعر۔ شعوراً سے ہے ::

نَبْلُوَنَّكُمْ — ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے۔ فعل مضارع بہ نون تاکید۔ صیغہ جمع متکلّم۔ اس کا مادہ (ب ل و) مصدر بَلَاءٌ ہے ::

جُوْعٌ — بھوک۔ فاقہ کشی ::

نَقْصٌ — کمی۔ قِلّت۔ نقصان۔ گھاٹا۔ خسارہ ::

اَمْوَالٌ — جمع مال ::

اَنْفُسُ — جمع نفس۔ مُراد جان ::

ثَمَرَاتٌ — پھل۔ میوے۔ پیداوار۔ آمدنی ::

اَصَابَتْهُمْ — انہیں پہنچی۔ اس کا مصدر اِصَابَۃٌ اور مادہ (ص و ب) ہے ::

صَلَوَاتٌ — نوازشیں۔ رحمتیں۔ احسانات۔ عنایات۔ دُعائیں۔ مہربانیاں۔ صَلٰوۃٌ کی جمع ہے ::

اَلْمُهْتَدُوْنَ — ہدایت پانے والے۔ ہدایت یاب۔ ہدایت یافتہ۔ اسم فاعل ::

صَفَا — لغوی معنی صاف پتّھر۔ مکّہ معظمہ میں مسجدِ حرام کے قریب ایک پہاڑی کا نام ہے ::

مَرْوَۃَ — لغوی معنی نرم پتّھر۔ یہ بھی مکّہ معظّمہ میں صفا کے پاس ایک پہاڑی ہے۔ ان دونوں پہاڑیوں کا درمیانی فاصلہ تقریباً ۲ فرلانگ ہے۔ حج کے دوران ان پہاڑیوں کے درمیان سعی کی جاتی ہے۔ یعنی دوڑ کر چلا جاتا ہے ::

شَعَائِرِ اللّٰہِ — اللہ کی نشانیاں۔ علامتیں۔ شَعِيْرَۃٌ کی جمع ہے ::

حَجَّ — اس نے حج کیا ::

اِعْتَمَرَ — اس نے عمرہ کیا۔ مصدر اِعْتِمَارٌ اور مادہ (ع۔م۔ر) ہے۔ ذوالحجہ کی متعین و مقررہ تاریخوں میں خانہ کعبہ کی زیارت کرنے کو حج کہتے ہیں۔ ان تاریخوں کے علاوہ دوسرے ایّام میں جو زیارت خانہ کعبہ کی جائے اسے عمرہ کہتے ہیں۔ اس میں وقت اور مہینے کی قید نہیں۔ اس میں حرم کی حدود سے باہر جا کر احرام باندھتے ہیں۔ طوافِ کعبہ اور صفا مروہ کی سعی کے بعد بال ترشواتے ہیں اور احرام کھول دیا جاتا ہے۔ یہی عمرہ ہے ::

جُنَاحٌ — حرج۔ گُناہ ::

يَطَّوَّفَ — وہ طواف کرے۔ وہ سعی کرے یعنی وہ آمد و رفت جو صفا اور مروہ کے درمیان ہو ::

تَطَوَّعَ — اس نے خوشی سے نیکی کی۔ اس نے برضا و رغبت بھلائی کی۔ فرض کے علاوہ جو نیکی کا کام خوشی سے کیا جائے اسے تَطَوُّعٌ کہتے ہیں۔ تَطَوُّعٌ نفلی عبادت کو بھی کہا جاتا ہے۔ تَطَوُّعٌ مصدر اور مادہ (ط۔و۔ع) ہے ::

شَاكِرٌ — قدردان۔ حق ماننے والے۔ یہاں نسبت اللہ کی طرف ہے۔ اس لیے معنی قدردان کے ہوئے ::

يَكْتُمُوْنَ — وہ چھپاتے ہیں۔ کتم۔ یکتم۔ کتماً سے ہے ::

يَلْعَنُ — وہ لعنت کرے گا۔ وہ رحمت سے دُور کرے گا۔ لَعَنَ۔ يَلْعَنُ

سے ہے :

| | |
|---|---|
| بَیِّنٰتُ | واضح دلیل۔ کھلی باتیں : |
| ھُدٰی | ہدایت ۔ رہنمائی : |
| اَللّٰعِنُوْنَ | تمام لعنت کرنے والے۔ اسم فاعل ہے ۔ لَاعِنٌ کی جمع ہے : |
| تَابُوْا | انہوں نے توبہ کی ۔ وہ باز آگئے ۔ تَابَ ۔ یَتُوْبُ ۔ تَوْبَۃٌ سے ہے : |
| اَصْلَحُوْا | انہوں نے اپنی اصلاح کی ۔ جنہوں نے نیک کام کیے ۔ اَصْلَحَ ۔ یُصْلِحُ ۔ اِصْلَاحًا سے ہے : |
| بَیَّنُوْا | انہوں نے کھول کر بیان کیا۔ انہوں نے ظاہر کیا ۔ بَیَّنَ ۔ یُبَیِّنُ ۔ تَبْیِیْنًا سے ہے : |
| اَتُوْبُ | میں توبہ قبول کرتا ہوں : |
| مَاتُوْا | وہ مرگئے : |
| اَجْمَعِیْنَ | سارے کے سارے : |
| خَالِدِیْنَ | ہمیشہ رہنے والے : |
| لَا یُخَفَّفُ | اسے ہلکا نہ کیا جائے گا : |
| یُنْظَرُوْنَ | ان کو مہلت دی جائے گی ۔ فعل مضارع مجہول ۔ اس کا مصدر اِنْظَارٌ اور مادہ (ن ۔ ظ ۔ ر ) ہے : |

# صبرواستقامت اور جانفروشی کی تلقین

## تشریح و تفسیر آیت 154-153

سابقہ رکوع میں تحویل قبلہ کے متعلق اہل کتاب کی مخالفت اور عناد کا ذکر ہو چکا ہے اور اس سلسلہ میں **فَلَا تَخْشَوْنَهُمْ** کہہ کر مسلمانوں کا خوف و ہراس دور کیا جا چکا ہے۔ یہاں دنیا کی امامت کا جو شرف مسلمانوں کو بخشا گیا اس سے عہدہ بر آ ہونے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو آمادہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کی طرف رجوع رہیں اور راہ حق میں ہر قسم کی مشکلات و مصائب کو صبر و استقامت' عزم و حوصلہ اور خندہ پیشانی سے برداشت کریں۔ اپنے آپ کو ہر قسم کے اضطراب اور پریشانی سے روکنا اور دین حق کی راہ میں مضبوطی و ثابت قدمی کے ساتھ جمے رہنا یہی صبر ہے۔ اس کے بغیر کسی قسم کی کامیابی ممکن نہیں۔ آگے صلوۃ کے لفظ سے اشارہ ہے کہ لفظ صبر و برداشت کی یہ صفت تعلق باللہ کے بغیر دشوار ہے اور اس کے لیے نماز و دعا کا التزام ضروری ہے کیونکہ دعا قلب میں گداز پیدا کرے گی۔ نماز اس گداز قلب کو مستحکم کرے گی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق نہ صرف یہ کہ برابر قائم رہے گا بلکہ اس میں روز بروز گہرائی اور مضبوطی میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ یہی محبت الٰہی قلب میں وہ قوت پیدا کرے گی جس کے سامنے مصیبتوں اور پریشانیوں کے پہاڑ ہیچ معلوم ہوں گے اور انسان سے ایثار و قربانی اور جاں بازی و فداکاری کے حیرت انگیز واقعات ظہور پذیر ہوں گے۔ نماز کے ذریعے بندہ کا اللہ تعالیٰ سے وہ مضبوط تعلق پیدا ہوتا ہے جس کی بدولت وہ سخت سے سخت آزمائش میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ نیز نماز تمام عبادات میں ذکر اور شکر کا سب سے بڑا مظہر ہے اور دعوت دین اور اقامت حق کی راہ میں عزم و استقلال حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

پھر یہ جو فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ ثابت قدموں کے ساتھ ہے" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا کی راہ میں ثابت قدمی کا ثبوت دیتے ہیں اور اس ثابت قدمی کے حاصل کرنے کے لیے نماز کو ذریعہ بناتے ہیں اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جب خالق کائنات کسی کے ساتھ ہوگا تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اسے شکست نہیں دے سکتی۔ ثابت قدمی کا یہی جذبہ مومن کو جادۂ حق میں اپنی جان تک قربان کرنے کر آمادہ کر دیتا ہے اور وہ کسی حالت میں موت سے خائف نہیں ہوتا۔ بلکہ برضا و رغبت جہاد فی سبیل اللہ کے لیے میدان میں کود پڑتا ہے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے "اور تم ان لوگوں کو مردہ نہ کہو جو اللہ کی راہ میں مارے گئے بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے"۔ مومن کی اصل زندگی موت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ البتہ وہ برزخی زندگی میں بھی اپنے مرتبے کے مطابق شاد کام ہوتا ہے۔ خاص طور پر وہ افراد جو اللہ کی راہ میں شہادت کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں انہیں برزخی زندگی میں جو کامیابیاں میسر آتی ہیں ان کا تصور اس دنیوی زندگی میں نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ایک دوسرے مقام پر آتا ہے:

"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ" (آل عمران:319)

"اور ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں مارے گئے تم مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں"۔

روایات میں ہے کہ غزوہ بدر میں جب کچھ صحابی شہید ہو گئے تو نا سمجھ کافروں نے کہنا شروع کر دیا کہ انہوں نے خواہ مخواہ اپنی زندگی گنوا دی اور زندگی کے لطف سے محروم ہو گئے۔ انہیں اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ تم جس معنی میں ان شہداء کو مردہ سمجھ رہے ہو وہ مردہ نہیں بلکہ زندوں سے کہیں بڑھ کر ہر آرام و آسائش سے لطف اٹھا رہے ہیں۔ شہداء کی زندگی کا اثر ان کے ظاہری جسم تک بھی پہنچتا ہے کہ ان کا جسد باوجود گوشت پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور زندہ جسم کی

مانند صحیح و سالم رہتا ہے۔ یہی وہ زندگی ہے جس میں انبیاء شہیدوں سے زیادہ ممتاز رکھتے ہیں لیکن اس لطیف زندگی کا ادراک انسان کے ظاہری حواس نہیں کر سکتے۔

امام مالکؒ نے روایت میں فرمایا ہے کہ جنگ احد کے چھیالیس سال بعد حضرت عمروؓ بن جموح اور حضرت عبداللہؓ بن جبیر کی قبر (دونوں ایک ہی قبر میں مدفون تھے) جب سیلاب کی وجہ سے کھل گئی تو ان کے پاک جسم اس طرح پائے گئے جیسے انہیں کل دفن کیا گیا تھا۔ اسی بیسویں صدی کا واقعہ ہے کہ جب دریائے دجلہ حضرت عبداللہؓ بن جابر اور دیگر شہداء کی قبروں کے بالکل قریب پہنچ گیا تو حکومت عراق نے ان شہداء کرام کی نعشوں کو حضرت سلمان فارسیؓ کے مزار کے قریب منتقل کرنا چاہا۔ ان حضرات کی قبریں کھودی گئیں تو تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی ان کے پاک جسم صحیح سلامت پائے گئے۔ ہزارہا مخلوق نے قرآن حکیم کی اس آیت کی صداقت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔

**آیت 155:** اہل حق کے لیے امتحان و آزمائش اللہ تعالیٰ کے قانون میں ناگزیر ہے۔

قرآن حکیم نے اپنے متبعین کو اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونے دیا کہ اسلام کی آغوش میں پناہ لینے سے وہ ہر طرح کے مصائب و شدائد سے نجات پا گئے۔ البتہ قرآن مجید نے مسلمانوں کو صبر کی ایک ڈھال دے دی جس سے وہ مصائب و حوادث کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ نیز کوئی جماعت امتحان و آزمائش کے بغیر اللہ تعالیٰ کی اخروی نعمتوں سے سرفراز نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ امتحانوں ہی کے ذریعے افراد کی صلاحیتیں اجاگر اور پروان چڑھتی ہیں اور اہل حق و اہل باطل میں امتیاز ہوتا ہے۔ یہ ابتلا و آزمائش مختلف صورتوں میں ہو سکتی ہے۔ چنانچہ آیت میں سب سے پہلے خوف کا ذکر کیا گیا۔ خوف سے مراد دشمنوں کے حملہ و ہجوم کا خطرہ ہے جو مسلمانوں کے عزم و استقلال کا امتحان کرنے کے لیے ضروری ہے۔ گویا یہاں بِشَیْءٍ (کسی قدر) کے لفظ سے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ ایسی صورت میں دل برداشتہ اور پست ہمت نہ ہوں بلکہ مردانہ وار ڈٹ کر مقابلہ کریں۔

جوع سے مراد وہ اقتصادی اور معاشی مشکلات اور پریشانیاں ہیں، جن سے راہ حق میں دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس کے بعد جان اور مال کی کمی کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔ کیونکہ میدان جنگ میں ان دو چیزوں کی قربانی کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ عربوں کا سارا سرمایہ تو اونٹ اور بھیڑ بکریاں تھیں جن کے لیے اموال کا لفظ مستعمل تھا یا پھر پھل خاص طور سے کھجور۔ اس مخصوص صورت حال کے پیش نظر اموال کے ساتھ ثمرات کا ذکر بھی کیا گیا۔ آخر میں ان لوگوں کے لیے بشارت اور خوشخبری کا پیغام دیا گیا جو ان تمام ابتلاؤں اور آزمائشوں کے باوجود راہ حق میں ثابت قدم رہتے ہیں اور اپنے عزم و ایمان میں متزلزل نہیں ہوتے۔ قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے



معلوم ہوتا ہے کہ یہ بشارت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی کے لیے ہے۔

**آیات 156-157:** پھر فرمایا کہ یہ صبر کرنے والے امتحانوں اور آزمائشوں کا مقابلہ پست ہمتی اور شکستہ دلی کے ساتھ نہیں کرتے بلکہ خندہ پیشانی اور عزم و استقلال کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان کا مرنا، جینا سب اللہ کے لیے ہوتا ہے اور دنیا کی کوئی چیز ان کی اپنی نہیں ہوتی۔ نہ بیوی، نہ بچے، نہ مال، نہ جائیداد، نہ وطن، نہ خاندان، نہ جسم اور نہ جان۔ جب ایک شخص میں یہ عقیدہ راسخ اور پختہ ہو جاتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے حق کے راستے سے باز نہیں رکھ سکتی اور وہ ٹھوس چٹان کی طرف ہر طاقت سے نبرد آزما ہو جاتا ہے۔

آخری آیت میں فرمایا کہ یہی وہ باہمت اور عالی حوصلہ لوگ ہیں جو برکات و عنایات الٰہی کے مستحق قرار پاتے ہیں اور ان عنایتوں سے انہیں راہ مستقیم کی ہدایت نصیب ہوتی ہے جس کے ذریعہ وہ دنیا و آخرت، دونوں میں کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔

# مناسک حج

## تشریح و تفسیر آیت 158

حضرت ابراہیمؑ جب حضرت ہاجرہؑ کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ معظمہ کے بے آب و گیاہ خشک میدان میں چھوڑ آئے تو حضرت اسمٰعیلؑ گود میں تھے۔ حضرت ہاجرہؑ حضرت اسمٰعیلؑ کو پیاسا دیکھ کر پریشانی کی حالت میں ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی کی طرف دوڑ کر جاتی تھیں تاکہ کہیں پانی نظر آ جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے زمزم کا چشمہ جاری فرمایا۔ یہ واقعہ اسی صفا و مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان پیش آیا تھا۔ اس لیے صبر و ضبط کے اس امتحان کی یادگار کے طور پر صفا اور مروہ کے پہاڑ کے درمیان دوڑنا (سعی) بھی مراسم حج میں شامل کر دیا گیا ہے اور انہیں یہاں اس آیت میں شعائر اللہ سے تعبیر کیا گیا۔ حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کا واقعہ بھی مروہ ہی کے پاس ہوا ہے۔ سابقہ آیات میں صبر و برداشت کی تلقین کی گئی ہے۔ یہاں صفا و مروہ کا ذکر کر کے صبر و برداشت کے اس عظیم الشان واقعہ کی جانب اشارہ کر دیا گیا ہے جو ہمیشہ مشکلات و مصائب کے مواقع پر لوگوں کے لیے تسکین و قرار کو سامان مہیا کرتا رہے گا۔

اسی سلسلہ میں لوگوں کے ایک شبہ کا جواب بھی دے دیا گیا ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں مشرکین نے صفا و مروہ کے قریب اساف و نائلہ نامی دو بت رکھ دیئے تھے۔ فتح مکہ کے بعد گو یہ بت ختم ہو گئے لیکن پھر بھی مسلمانوں کو صفا اور مروہ کا طواف کرنے میں تامل تھا۔ اس بنا پر یہ آیت نازل ہوئی اور لوگ طواف کرنے لگے۔ اس آیت کے الفاظ **فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ**

بِهِمَا سے بظاہر یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ صفا اور مروہ کا طواف کچھ ضروری نہیں ہے لیکن واقعہ ایسا نہیں ہے جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے تصریح کی ہے۔ ان سے ایک مرتبہ ان کے بھتیجے حضرت عروہ بن زبیرؓ نے کہا کہ اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص صفا اور مروہ کے درمیان طواف نہ کرے تو کچھ حرج نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا نہیں ایسا نہیں ہے۔ اگر مطلب یہی ہوتا تو جو تم کہتے ہو تو آیت اس طرح ہوتی فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا (اس پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ ان کا طواف نہ کرے)۔

پھر فرمایا "اور جو کوئی اپنی خوشی سے نیکی کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ قدردان' جاننے والا ہے"۔ مطلب یہ ہے کہ ایک حج و عمرہ وہ ہے جو فرض کے طور پر سرانجام دیا جائے۔ دوسرے تطوع کے طور پر بھی حج و عمرہ ادا کیے جاسکتے ہیں۔ جو لوگ اس طرح کریں گے اللہ تعالیٰ ان کی اس نیکی کو شرف قبولیت بخشے گا اور یہ اس کے علم میں رہے گی اور ایک دن وہ اس کا پورا پورا اجر و ثواب دے گا۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ شکر کی نسبت جب بندے کی طرف ہوتی ہے تو اس کے معنی شکر گزاری کے ہوتے ہیں لیکن جب اس کی نسبت خدا کی طرف ہو تو اس کے معنی قبول کرنے کے ہو جاتے ہیں۔

# کتمان حق اور اس کا انجام

## تشریح و تفسیر آیت 159-162

یہود و نصاریٰ نے توریت میں احکام خداوندی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق جو نشانیاں واضح طور پر موجود تھیں ان سے مستفید ہونے کی بجائے چھپانے کی کوشش کی۔ انہوں نے کتاب الٰہی کی اشاعت کے بجائے اس کو علماء کے ایک محدود طبقے میں مقید رکھا۔ یہود کے علماء نہ صرف حق پوشی کرتے تھے بلکہ اس کے برعکس لوگوں کو دین حق کے خلاف اکساتے تھے۔ توریت و انجیل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو آثار و شواہد تفصیل سے موجود تھے انہیں اپنی سوداگری کے ماند پڑ جانے کے باعث لوگوں کی نظروں سے اوجھل رکھتے تھے۔ ان کے اس طرز عمل پر یہاں وعید سنائی جا رہی ہے۔ اہل کتاب کا یہ ایک ایسا جرم تھا جس کی وجہ سے وہ خدا کی لعنت کے مستحق قرار پائے اور کتاب الٰہی کی امانت جو انہیں تفویض کی گئی تھی وہ ان سے سلب کر کے دوسروں کے سپرد کر دی گئی۔ جو قوم بھی اللہ کی رحمت سے محروم کر دی جاتی ہے وہ نہ صرف دنیا میں توفیق ہدایت اور منصب امامت سے محروم کر کے ذلت و خواری میں مبتلا کر دی جاتی ہے بلکہ آخرت میں بھی ابدی و سرمدی عذاب سے دوچار ہوگی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایسی قوم حق پوشی کی بنا پر نہ صرف اپنی ضلالت و گمراہی کا سامان مہیا کرتی ہے بلکہ بے شمار دوسرے افراد کو بھی



گمراہی اور ہلاکت میں مبتلا کر دیتی ہے۔

**آیت نمبر 160:** لیکن جو لوگ اس حق پوشی کے جرم سے صدق دل سے توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح احوال کر لیں آئندہ کے لیے خلوص دل کے ساتھ نیکی کا برملا اظہار کریں۔ لوگوں کو حق کی دعوت دیں اور آخری نبی سے متعلق توریت و انجیل کے جن حقائق و بینات کو انہوں نے چھپایا ہے اس کو ظاہر کریں تو ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اس کے حضور میں ندامت' توبہ اور احساس گناہ کے بعد معافی شرط ہے۔ پھر وہ گناہگار کو اپنی آغوش رحمت میں لے لیتا ہے۔

**آیت نمبر 161-162:** اس کے برعکس جو لوگ تادم مرگ حق کو چھپاتے رہے یا کسی دوسرے کی حق پوشی کے باعث حالت کفر ہی میں مر جائیں تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے۔ فرشتے اور تمام لوگ یہاں تک کہ نباتات و جمادات بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔ کیونکہ ان کی حق پوشی کی وجہ سے دنیا میں قحط و وبال اور دیگر بلائیں نازل ہوتی رہتی ہیں۔ جس سے نباتات و جمادات بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ بدبخت ساری دنیا کی لعنت و ملامت کے مستحق قرار پائے اور خدا کی رحمت سے دوری کا مقام یعنی دوزخ ان کا ہمیشہ کے لیے مسکن ہوگا۔ وہاں پر ان کے عذاب میں کسی قسم کی تخفیف یا کمی نہ ہوگی اور نہ ہی انہیں کچھ مہلت دی جائے گی۔

**توبہ:** توبہ کے لفظی معانی لوٹنے' رجوع کرنے اور پلٹنے کے ہیں۔ یہ لفظ بندہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے تعلق میں بھی۔ جب انسان اللہ کے حضور توبہ کرتا ہے تو اس لفظ کے ساتھ الی آتا ہے مثلاً تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ اللہ کے حضور توبہ کرو لیکن جب اس کی ضمیر اللہ کی طرف ہوتی ہے تو اس کے ساتھ علی آتا ہے مثلاً فَتَابَ اِلَيْهِ (اللہ اپنے بندے کی طرف متوجہ ہوا' اللہ نے بندے کی توبہ قبول کی)

اسلام ہی کو یہ شرف و فضیلت حاصل ہے کہ انسان گناہ کرے پھر صدق دل سے تائب ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ

یعنی جو توبہ کرے میں اسے ضرور معاف کر دیتا ہوں۔

اسلام کا فلسفہ توبہ یہ ہے کہ:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ

یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا اس طرح ہے جس طرح اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

Scanned with CamScanner

اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے سے بہت خوش ہوتا ہے اور اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ دیگر مذاہب میں گناہ کی سزا ضرور بھگتنی پڑتی ہے۔ اس نظریہ کی وجہ سے کسی کے ہاں کفارہ کا مسئلہ پیدا ہوا اور کسی کے ہاں اداگون کا چکر۔ اسلام نے توبہ کرنے کا موقعہ دیا اور دوسرے مذاہب کے تمام باطل نظریوں اور عقیدوں کو پاش پاش کر دیا۔

**توبہ کی شرائط :** انسان گناہ کے بعد جلد ہی توبہ کرے اور گناہ کے بعد احساس گناہ پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواستگار ہو اور ساتھ ہی مصمم ارادہ ہو کہ دوبارہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا' ایسے لوگوں کی توبہ اللہ تعالیٰ ضرور قبول کر لیتا ہے۔ البتہ جو لوگ توبہ کر کے پھر گناہ میں ملوث رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو شرف قبولیت نہیں بخشتا۔ گناہ کے بعد توبہ کر کے اس گناہ سے دست کش ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جو تمام عمر گناہوں میں گزار دیں اور جب موت کا فرشتہ سامنے آ جائے تو اس وقت توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح ان لوگوں کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی جو بحالت کفر مر جائیں اور قیامت کے لرزہ خیز اور ہولناک عذاب دیکھ کر توبہ کرنے لگیں۔ ان لوگوں کے لیے تو اللہ تعالیٰ نے معافی کی بجائے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

انسان ہر وقت کسی نہ کسی خطا اور لغزش کا ارتکاب کرتا رہتا ہے۔ اس کا علاج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ انسان ہر وقت اللہ کے حضور استغفار کرتا رہے۔ **اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ** کہنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ علاوہ ازیں **اِسْتِغْفَارْ** کی بہت سی دعائیں احادیث کی کتابوں میں مروی ہیں۔ ان میں سے ایک استغفار یہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سکھایا تھا۔

**اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ**

"اے اللہ میں نے اپنے آپ پر بہت ظلم کیا۔ اور تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا ہے پس مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر بے شک تو بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے"۔

ایک مختصر' جامع اور مقبول استغفار یہ ہے:

**اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ**

بہرحال استغفار گناہوں کی بخشش کے علاوہ بھی بڑی برکات کا موجب ہے۔ اس کی بدولت اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فراخی رزق حاصل ہوتی ہے۔ نیز تمام مصائب و تکالیف سے نجات ملتی ہے۔



عذاب الٰہی اس استغفار کے باعث ٹل جاتا ہے۔

# توحید باری تعالیٰ

## تشریح و تفسیر آیت 163

اس آیت کی تفسیر میں مولانا شبیر احمد عثمانی رحمتہ اللہ علیہ رقم طراز ہیں کہ تمہارا معبود حقیقی صرف ایک ہے۔ اس میں تعدد کا احتمال نہیں اس لیے جس نے اس کی نافرمانی کی بالکل مردود اور غارت ہوا۔ دوسرا معبود ہوتا تو ممکن تھا کہ ایک جگہ موافقت نہ وابستہ کی جاتی۔ یہ آقائی اور بادشاہی یا استادی اور پیری نہیں کہ ایک جگہ موافقت نہ ہو تو دوسری جگہ چلے گئے۔ یہ تو معبودیت اور الوہیت ہے۔ نہ اس کے سوا کسی کو معبود بنا سکتے ہو اور نہ کسی سے اس کے علاوہ خیر کی توقع کر سکتے ہو۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں خطاب ساری نوع انسانی سے ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ نہ چھوٹا نہ بڑا۔ نہ ملکی نہ غیر ملکی۔ خدا کے وجود کو تو مشرکین بھی تسلیم کرتے تھے۔ جس طرح آج بھی ساری مشرک قومیں اسے تسلیم کرتی ہیں لیکن مشرکین علاوہ اس خدائے اعظم یا خدائے برتر کے اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے خدا یا دیوتا تسلیم کرتے ہیں بلکہ مشرکین قدیم تو اپنی قوم کے علاوہ دوسری قوموں یہاں تک کہ اپنی دشمن قوموں کے بھی دیوتاؤں کے وجود کے قائل تھے' ان کی قوت کے قائل تھے' ان کی خدائی کے قائل تھے۔ بس صرف ان کی عبادت کے منکر تھے اور اس کی وجہ یہ بتاتے تھے کہ دشمن کا دیوتا بھی دشمن ہوگا۔ گویا خدا بھی جذبات و احساسات کے لحاظ سے انسان سے مثنیٰ ہوتا ہے۔ قرآن حکیم نے آ کر اس عقیدہ پر بھی ضرب لگائی اور بار بار اعلان کیا کہ قابل پرستش' ناقابل پرستش ہونا کیسا۔ کسی دوسرے خدا یا دیوتا کا وجود ہی سرے سے نہیں۔ نہ بڑے کا نہ چھوٹے کا' نہ ملکی کا' نہ غیر ملکی کا اور اللہ کی ساتھ شریک کا وجود محض وہم انسانی کی ایک اختراع ہے۔

یہ آیت قرآن حکیم کی عظیم ترین آیتوں میں سے ہے۔ اس کے پہلے حصے میں توحید کا ثبوت' دوسرے میں شرک کی نفی اور تیسرے میں دونوں کی دلیل ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ ہی کی وسیع رحمت پر ہمارے وجود' بقا' نشو و نما اور راحت و آرام کا دارومدار ہے تو اس کے علاوہ اور کون ہے جو الٰہ اور معبود بننے کا حقدار ہو۔

| اِنَّ | فِیْ | خَلْقِ | السَّمٰوٰتِ | وَالْاَرْضِ | وَاخْتِلَافِ | الَّیْلِ |
|---|---|---|---|---|---|---|
| بیشک | میں | پیدائش | آسمانوں | اور زمین | اور آگے پیچھے آنے | رات |

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے بدلنے میں اور جہازوں میں اور

وَالنَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ

اور دن کے اور کشتیاں جو چلتی ہیں میں سمندر ساتھ جو نفع دیتا ہے لوگوں کو

دریاؤں میں لوگوں کی نفع کی چیزیں لے کر چلتے ہیں اور

وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ

اور جو نازل کیا اللہ نے آسمان سے پانی پس زندہ کیا ساتھ اس زمین

اور اس پانی میں جسے اللہ نے آسمان سے نازل کیا ہے پھر اس سے مردہ زمین

بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ

بعد موت اس کی اور پھیلا دیئے ہیں اس سے ہر چوپائے اور پھیرنے ہواؤں

کو جلا اٹھایا۔ اور اس میں چلنے والے جانور پھیلائے ہیں۔ اور ہواؤں کے بدلنے میں

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ

اور بادل قابو شدہ درمیان آسمان اور زمین البتہ نشانیاں واسطے قوم

اور بادل میں جو کہ آسمان اور زمین کے درمیان مقید ہے۔ ان سب میں عقلمندوں کے لئے نشانیاں

یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

عقل رکھنے والے اور سے لوگوں جو پکڑتا ہے سے علاوہ اللہ

ہیں۔ اور ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ کے سوا اور شریک بنا رکھے ہیں۔

اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ

شریک وہ محبت کرتے ہیں ان سے مانند محبت اللہ کی اور جو ایمان لائے زیادہ شدید

جن سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی کہ اللہ سے رکھنی چاہیے اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی سے زیادہ محبت

حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ

محبت میں واسطے اللہ کے اور اگر وہ دیکھ لیں جنہوں نے ظلم کیا جب دیکھیں گے عذاب

ہوتی ہے۔ اور کاش دیکھتے ہیں وہ لوگ جو ظالم ہیں۔ جب عذاب دیکھیں گے کہ سب قوت

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

کہ قوت واسطے اللہ کے ساری اور بیشک اللہ سخت عذاب والا

اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا

جب بیزار ہو جائیں گے جن کے پیروی کی گئی سے ان جنہوں نے پیروی کی اور انہوں نے دیکھ

جب وہ بیزار ہو جائیں گے جن کی پیروی کی گئی تھی ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی تھی



الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ

عذاب اور منقطع ہو گئے ساتھ ان کے اسباب اور کہا انہوں نے

اور وہ عذاب کو دیکھ لیں گے اور ان کے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ اور وہ لوگ کہیں گے

اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا

جنہوں نے پیروی کی کاش واسطے ہمارے ایک بار تو ہم بیزار ہوتے سے ان جس طرح وہ

جنہوں نے پیروی کی تھی کاش ہمارا دوبارہ جانا ہوتا تو ہم بھی ان سے بیزار ہو جاتے جیسے یہ ہم سے

مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ

بیزار ہوئے سے ہم اسی طرح دکھاتا ہے انہیں اللہ اعمال ان کے حسرتیں

بیزار ہوئے ہیں۔ اس طرح اللہ انہیں ان کے اعمال حسرت دلانے کے لئے دکھائے گا۔

عَلَیْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

اوپر ان کے اور نہیں وہ نکلنے والے سے آگ

اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں ہیں۔

## الفاظ کے معانی وضروری تشریحات

خَلْقِ — پیدائش۔ آفرینش۔ بنانا۔ ساخت ::

اِخْتِلَافِ — رات دن کا آگے پیچھے آنا۔ بار بار ایک دوسرے کا آگے پیچھے آنا ::

اَلَّیْلِ — رات ::

اَلنَّهَارِ — دن ::

اَلْفُلْكِ — کشتی۔ جہاز۔ یہ لفظ مذکر، مؤنث۔ واحد اور جمع دونوں کے لیے آتا ہے ::

تَجْرِیْ — چلتی ہے۔ بہتی ہے۔ جریٌ۔ یجری سے ہے۔ معنی بہنا۔ چلنا ::

یَنْفَعُ — وہ نفع دیتا ہے۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب ::

اَحْیَا — اس نے زندہ کیا۔ اس نے نئی زندگی دے دی یعنی اس نے سرسبز کیا ::

مَوْتِهَا — اس کی موت۔ یعنی اس کی خشکی ::

بَثَّ — اس نے بکھیرا۔ اس نے پھیلایا ::

دَآبَّةٍ — جانور۔ چلنے والا۔ حیوان۔ چوپائے۔ جمع ::

Scanned with CamScanner

تَصْرِيْفِ — پھیرنا۔ بدلنا۔ چلانا۔ گھومنا ؞ تفعیل کے وزن پر ؞

رِيٰحِ — ہوائیں۔ "رِيْح" کی جمع ہے ؞

سَحَابِ — بادل۔ ابر ؞

مُسَخَّرِ — تابع۔ فتح کیا ہوا۔ مُراد گھِرا ہوا۔ ٹھہرایا ہوا۔ مقیّد ؞

يَعْقِلُوْنَ — جو سمجھتے ہیں۔ عقل والے ؞

يَتَّخِذُ — وہ بناتا ہے۔ وہ قرار دیتا ہے۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب ؞

اَنْدَادًا — شریک۔ ہمسر۔ معبود۔ "نِدّ" کی جمع ہے ؞ دُوْنَ۔ سوا ؞

يُحِبُّوْنَهُمْ — وہ ان سے محبت کرتے ہیں۔ وہ انہیں درست رکھتے ہیں ؞

حُبّ — محبت ؞ لو۔ اگر۔ کاش۔ کیا اچھا ہوتا ؞

يَرٰى — دیکھ لیتے۔ فعل مضارع معروف صیغہ واحد مذکر غائب ؞

يَرَوْنَ — وہ دیکھیں گے۔ وہ دیکھتے ہیں ؞

اَلْقُوَّةَ — طاقت۔ قوت ؞

تَبَرَّاَ — اس نے برأت کی۔ وہ بیزار ہوا۔ اس نے بیزاری ظاہر کی۔ اس نے اپنے آپ کو الگ ظاہر کیا۔ اس کا مصدر "تَبَرُّؤٌ" اور مادہ (ب۔ ر۔ ء) ہے ؞

اُتُّبِعُوْا — جن کا اتباع کیا گیا۔ جن کی پیروی کی گئی۔ پیشوا۔ جھوٹے مذہبی راہنما۔ فعل ماضی مجہول ؞

اِتَّبَعُوْا — جنہوں نے پیروی کی۔ مُرید ؞

رَاَوُا — انہوں نے دیکھا ؞

تَقَطَّعَتْ — کٹ جائیں گے۔ ٹوٹ جائیں گے۔ منقطع ہو جائیں گے۔ قطع سے ہے۔ مادہ (ق۔ ط۔ ع) ہے۔ باب تفعل سے ہے ؞

اَسْبَابُ — وسیلے۔ ذرائع۔ علاقے۔ تعلقات۔ واسطے۔ رشتے۔ باہمی تعلقات۔ سبب کی جمع ؞

كَرَّةً — لوٹ جانا۔ پھر واپس جانا۔ دفعہ۔ کسی کام کو دوبارہ کرنا۔ دوبارہ واپسی ؞



نَتَبَرَّاَ — ہم بیزار ہوں گے۔ ہم لاتعلقی کا اظہار کریں گے ؞

تَبَرَّءُوْا — وہ بیزار ہوئے۔ وہ الگ ہو گئے۔ وہ لاتعلق ہو گئے ؞

حَسَرٰتٍ — پچھتاوے۔ افسوس۔ پشیمانیاں۔ "حَسْرَةٌ" کی جمع ہے ؞

خٰرِجِيْنَ — نکلنے والے۔ "خَارِجٌ" کی جمع ہے ؞

# دلائل ہستی باری تعالیٰ

## تشریح و تفسیر آیت 164

سابقہ رکوع وحدانیت کے اعلان اور مہر و رحمت کے بیان پر ختم ہوا تھا۔ اس رکوع میں قدرت الٰہی کے آثار و ربوبیت و مرحمت کے ایسے نشانات کی جانب اشارہ کیا گیا ہے جنہیں دیکھ کر معمولی عقل و فہم کا آدمی بھی خالق کائنات کے وجود اور اس کے رحم و کرم کے ظہور میں شک نہیں کر سکتا۔ اس کائنات میں بے شمار ایسی صریح اور واضح نشانیاں موجود ہیں جن سے ایک ہی معبود کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفار مکہ نے اس بات پر تعجب کیا کہ تمام جہان کا معبود اور سب کام کا بنانے والا ایک کیسے ہو سکتا ہے۔ نوع انسانی کا ہمیشہ سے یہ عام مشاہدہ و تجربہ رہا ہے کہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی بغیر کسی صانع کے نہیں بنتی تو زمین' آسمان' سورج' چاند' ستارے ساری کائنات کسی خالق اور صانع کے بغیر کیسے وجود میں آ سکتی ہے۔ جب ایک معمولی سے گھر کا انتظام بھی کسی عقلمند اور خوش سلیقہ منتظم کے بغیر نہیں چل سکتا تو رات دن کی مرتب گردش' موسموں کا باقاعدہ تغیر' ہواؤں کی مسلسل حرکت' بارش کا باضابطہ نظام وغیرہ کسی ہستی واحد کے بغیر کیسے چل سکتا ہے۔

چنانچہ اس آیت میں مشاہدات عالم اور آثار کائنات کا ایک مختصر سا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جس سے صرف ایک خدا کی حاکمیت کا ثبوت ملتا ہے۔ فی الحقیقت اگر عز و جل کے علاوہ کئی اور معبود ہوتے تو ان میں فساد برپا ہو جاتا اور کائنات کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ دنیا کی ساری رونق اور چہل پہل میں اسی کی یکتائی کے معجزے ہیں۔ چنانچہ زمین و آسمان کی تخلیق' گردش لیل و نہار' سطح سمندر پر کشتیوں کا رواں دواں ہونا۔ حیوانات و جمادات کی نشوونما' مختلف سمتوں سے ہواؤں کا جھوم جھوم کر چلنا۔ بادلوں کا فضا میں معلق ہونا یہ سب مشاہدات ارباب فکر و نظر کے لیے توحید باری تعالیٰ کی روشن طور کھلی دلیلیں ہیں۔ اور اس کی قدرت' حکمت اور رحمت پر دلالت کرتی ہیں۔

انسان اپنی فطرت میں شیشہ سے زیادہ نازک اور حباب سے زیادہ کمزور ہے۔ وہ اپنے وجود کی بقا کے لیے صدہا چیزوں کا محتاج ہے اور اس عالم میں ہزاروں موجودات اس کی زندگی کے دشمن ہیں۔ اس کی حفاظت وہی کر سکتا ہے جو کائنات پر فرمانروائی کرتا ہو۔ عناصر پر جس کا قبضہ ہو' اشیاء

Scanned with CamScanner

کے خواص و اثرات جس کی مٹھی میں ہوں' اس کے دست قدرت میں کبھی رعشہ اور اس کے پایہ حکومت میں کبھی لغزش و اضطراب نہ ہو۔ اس کا علم حاضر اور محیط ہو' وہ ہمہ وقت ہوشیار و بیدار ہو۔ سہو و نسیان' غفلت اور نیند کا خمار کبھی اس کے پاس نہ آسکیں۔ چنانچہ نظام کائنات کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر ایک فطرت سلیمہ کا مالک پکار اٹھے گا کہ ایسی ہستی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں۔۔

و فی کل شی لہ ایتہ — تدل علی انہ واحد

مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں **لا الہ الا** میں توحید ذات کا ثبوت اور **الرحمن الرحیم** میں توحید صفات کا ثبوت اور **اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ** میں توحید افعال کو ثابت کیا گیا ہے۔ تاکہ مشرکین کے تمام شبہات زائل ہو جائیں اور ان پر اتمام حجت ہو جائے۔

# مذمت شرک اور عذاب آخرت

## تشریح و تفسیر آیت 165-167

مسئلہ توحید کی مدلل وضاحت و تشریح کے بعد اب یہاں ان لوگوں کو ذکر ہے جو فہم و شعور سے عاری ہیں اور مشاہدات عالم پر غور و خوض نہیں کرتے وہ خدا کی مخصوص صفات مثلاً حاجت روائی' مشکل کشائی' فریاد رسی' دعائیں سننا وغیرہ میں دوسروں کو شریک اور ساجھی ٹھہراتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی صفات مخصوصہ ہیں اور یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے کہ بندے اس کے سامنے سجدہ ریز ہوں۔ اسی کی طرف اپنی حاجات و ضروریات رجوع کریں۔ اسی کو استعانت و مدد کے لیے پکاریں۔ اسی پر بھروسہ و اعتماد کریں' اسی سے توقعات وابستہ کریں اور اسی سے ظاہر و باطن میں ڈریں لیکن یہ مشرکین اپنے بتوں' مذہبی پیشواؤں' جھوٹے سرداروں اور راہنماؤں کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر ہی قرار نہیں دیتے ہیں بلکہ دلی محبت میں بھی انہیں خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ جس طرح کہ مشرکین دیوتاؤں اور بتوں کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا اور لاڈلا مانتے ہیں۔ یہود حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا سمجھتے تھے اور ہندو اپنے ایشور و پرماتما کے مقابلے میں کہیں زیادہ درگاہ مائی' لکشمی' اگنی دیوتا' رشیوں' منیوں' اور سادھوؤں سے الفت و محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ شرک کا انتہائی درجہ ہے کہ غیر اللہ سے بھی اس طرح محبت کی جائے جس طرح اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیے۔

پھر فرمایا جو لوگ ایمان کی دولت سے مالا مال ہیں وہ سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو اعتقاد کے لحاظ سے نفع اور نقصان پہنچانے والا تسلیم کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی محبت میں کسی صورت میں بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ جب ان



مشرکین پر کوئی مصیبت یا عذاب نازل ہوتا ہے تو اس وقت وہ اپنے نام نہاد اور جھوٹے معبودوں کو چھوڑ کر خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اگر ایسے موقعوں پر وہ ذرا فکر و تامل سے کام لیتے تو یہ نتیجہ اخذ کرتے کہ خدا کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں۔ تمام اس کے مقابلے میں عاجز اور ہیچ ہیں۔ بلکہ وہی تنہا تمام قوت و اختیار کا مالک ہے اور وہ اپنے ساتھ شریک کرنے والوں کو انتہائی سخت عذاب دینے والا ہے۔

**آیت 166:** اس آیت میں قیامت کے دن عذاب کی سختی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ کہ وہ دن اتنا ہولناک اور لرزہ خیز ہو گا کہ باثر اور سردار خیر نظر میں مشرکین کے سردار و رہنما جو دنیا میں پیر و مرشد بنے بیٹھے تھے اپنے تابعین اور مقلدین کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے۔ جس طرح کہ اس دنیا میں ایک جرم میں شریک مقدمہ کی تفتیش کے وقت بچنا چاہتے ہیں اس روز اہل باطل کی رشتہ داریاں اور باہمی تعلقات سب منقطع ہو جائیں گے اور وہ ایک دوسرے کے مخالف نظر آئیں گے۔ قرآن حکیم میں ایک مقام پر آتا ہے کہ پرہیزگاروں کے سوا سب دوست ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے۔

**آیت 167:** متبوعین کے بعد اب تابعین اور مقلدین کا رد عمل بیان ہو رہا ہے کہ وہ اپنے نام نہاد رہنماؤں' لیڈروں اور پیشواؤں کی بیزاری دیکھ کر خواہش کریں گے کہ کسی طرح ہمیں دنیا میں لوٹ جانا نصیب ہو تاکہ ہم ان سے انتقام لیں جنہوں نے ہمیں دنیا میں دھوکہ دیا اور جس طرح آج وہ عذاب کے وقت ہم سے جدا ہو گئے ہم بھی ان سے علیحدگی اختیار کریں لیکن ان کی یہ آرزو کبھی پوری نہیں ہو گی اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ان کے لیے موجب حسرت و ندامت بنا دیں گے جس کی خلش و چبھن وہ ہمیشہ محسوس کرتے رہیں گے اور کسی عمل سے کچھ فائدہ نہ ہو گا اور ہمیشہ وہ اور ان کے رہنما و پیشوا دوزخ میں رہیں گے۔ اس کے برعکس اہل توحید اگر گناہوں کے باعث دوزخ میں جائیں گے تو آخر کار نجات پا کر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ ان آیات میں مسلمانوں کے لیے بھی سامان عبرت ہے کہ وہ سابقہ اقوام کی طرح اپنے پیشواؤں اور رہنماؤں کی کورانہ تقلید میں گمراہ نہ ہو جائیں۔

Scanned with CamScanner

# تعارف حدیث وسنت

## حدیث :

**مفہوم :** حدیث کے لغوی معنی خبر' بات یا نئی چیز کے ہیں۔ لیکن اصطلاح شریعت میں حدیث کا اطلاق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول' فعل اور تقریر پر ہوتا ہے۔ تقریر کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کچھ کیا یا کہا اور آپؐ نے اس کام کو کرنے سے نہ تو منع کیا اور نہ انکار کیا' بلکہ سکوت (خاموشی) اختیار فرمایا۔ یعنی آپؐ کی خاموشی (سکوت) آپؐ کی رضا تھی۔ اس اعتبار سے حدیث کی تین اقسام ہیں۔

### 1-حدیث قولی:

حدیث قولی وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ علیہ وسلم کا قول بیان ہوا ہو۔

### 2-حدیث فعلی:

جس حدیث میں رسول اللہ علیہ وسلم کا فعل بیان ہوا ہو اسے حدیث فعلی کہتے ہیں۔

### 3-حدیث تقریری:

اس سے مراد یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کوئی کام کیا اور آپؐ نے اس پر سکوت (خاموشی) فرمایا ہو۔

**حدیث قدسی:** حدیث قدسی وہ حدیث ہے جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی بات بیان فرمائی ہو۔ حدیث قدسی کا مفہوم و معنی من جانب اللہ ہوتا ہے۔ جس کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہوتا ہے۔

## سنت :

**مفہوم :** سنت کے لغوی معنی راستہ' طریقہ اور عادت کے ہیں۔ جب کہ شرعی اصطلاح میں سنت سے مراد رسول اللہ علیہ وسلم کا قول' فعل اور تقریر ہے۔ اس اعتبار سے سنت کی بھی تین اقسام ہیں۔

### سنت قولی:

اس سے مراد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وارشادات ہیں۔



### سنت فعلی:

اس سے مراد آنحضور صلی اللہ علیہ کے افعال واعمال ہیں۔

### سنت تقریری:

اس سے مراد یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کوئی کام کیا اور آپؐ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی۔

**حدیث اور سنت میں فرق:** سنت اور حدیث میں معمولی فرق ہے۔ سنت کے بیان کو حدیث کہتے ہیں۔ نیز سنت رسول اللہ علیہ وسلم کے وہ اعمال ہیں جن پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہو اور حدیث کے ذریعے اس سنت کو محفوظ کر لیا ہو۔

**خبر:** عام طور پر خبر سے مراد حدیث ہی لی جاتی ہے۔ لیکن خبر کا لفظ حدیث سے وسیع ہے۔ خبر کے مفہوم میں اقوال و افعال کے علاوہ گزشتہ زمانے کے واقعات اور حالات کا تذکرہ بھی آجاتا ہے۔ جب کہ حدیث بالعموم اقوال وافعال پر مشتمل ہوتی ہے۔

**اثر:** اثر کا لفظ حدیث کے معنی میں مستعمل ہے۔ لیکن اثر کا لفظ ان اقوال وافعال کے لیے آتا ہے جو صحابہ کرامؓ اور تابعین کرام سے منقول ہوتے ہیں۔

### اہمیت وضرورت حدیث:

قرآن مجید کے بعد حدیث وسنت اسلامی قانون کا دوسرا بڑا ماخذ ہے۔ حدیث قرآن مجید کی تفسیر ہے جو اس کی مجمل آیات کی تشریح کرتی ہے۔

بقول علامہ شاطبیؒ

"حدیث میں کوئی بیان ایسا نہیں کہ جس کی اصل قرآن حکیم میں نہ ہو"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مسلمانوں کے تمام مکاتیب فکر کے نزدیک واجب العمل ہے۔

فہم قرآن کے لیے ہم حدیث کے محتاج ہیں۔ جن لوگوں نے اس زمانے میں حدیث کا انکار کیا ہے وہ اپنے اس انکار کی سب سے بڑی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ہمیں حدیث کی کچھ ضرورت نہیں اور نہ قرآن مجید ایسی کتاب ہے جو حدیث کی محتاج ہو۔ ذیل میں ہم منکرین حدیث کے اس اعتراض کا جائزہ لیتے ہیں۔

جب ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے حدیث کی ضرورت ہے تو اس کا مطلب یہ

Scanned with CamScanner

نہیں کہ نعوذ باللہ قرآن مجید کوئی ایسی ناقص کتاب ہے جو کسی اور چیز کی بھی محتاج ہے۔ درحقیقت قرآن کسی چیز کا محتاج نہیں ہے۔ مگر ہم قرآن سمجھنے کے لیے بہت سی چیزوں کے محتاج ہیں۔ مثال کے طور پر ہم عربی زبان کے محتاج ہیں۔ جس میں قرآن مجید نازل ہوا۔ ہم عربی گرامر اور صرف و نحو کے محتاج ہیں کیونکہ صرف و نحو نے زبان کے قواعد کو منضبط کر دیا۔ اگر ہم ان چیزوں کو نہیں جانتے تو قرآن مجید کو نہیں سمجھ سکتے۔ بالکل اسی طرح سے ہم قرآن کو سمجھنے کے لیے حدیث کے محتاج ہیں۔

حدیث و سنت اگر قرآن سے زائد کوئی چیز نہ بتائے تو ہم خود سوچیں کہ اس کی ضرورت ہی کیا ہے' اس کی ضرورت تو اسی لیے ہے کہ وہ قرآن کا وہ منشا واضح کرتی ہے جو خود قرآن مجید میں صراحتاً" مذکور نہیں ہوتا۔ مثلاً قرآن اقامت صلوٰۃ کا حکم دے کر خاموش ہو جاتا ہے۔ لیکن نماز کیسے پڑھی جائے یہ بات قرآن میں مذکور نہیں بلکہ یہ رہنمائی حدیث و سنت کرتی ہے کہ صلوٰۃ سے کیا مراد ہے اور اس کی اقامت کا کیا مطلب ہے اور جب تک آپؐ نے یہ نہیں فرمایا **صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ** نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو۔

اور لوگوں نے آپؐ کو جب تک یہ عمل کرتے نہیں دیکھ لیا' اس وقت تک اقامت صلوٰۃ کا مطلب سمجھ میں نہ آسکا۔ اسی طرح دیگر احکام قرآنی ہیں جن کی تفاصیل قرآن سے زائد ہیں مگر اس کے خلاف نہیں ہیں۔ مثلاً

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ رکھنے والا رات کو اس وقت تک کھا پی سکتا ہے جب تک فجر کے وقت سیاہ ڈورا سفید ڈورے سے ممتاز نہ ہو جائے۔

**وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ** (البقرہ:187)

اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ فجر کی سفید دھاری شب کی سیاہ دھاری سے نمایاں ہو جائے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے مراد تاریکی شب کے مقابلے میں سپیدہ صبح کا نمایاں ہونا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید حج کی فرضیت کا عام حکم دیتا ہے اور یہ صراحت نہیں کرتا کہ اس فریضے کو انجام دینے کے لیے آیا ہر مسلمان کو ہر سال حج کرنا چاہیے یا عمر میں ایک بار یا ایک سے زائد مرتبہ' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

**وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا** (آل عمران: 97)



اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے۔

یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تشریح ہے جس سے ہمیں معلوم ہوا کہ عمر میں صرف ایک مرتبہ حج کر کے آدمی فریضہ حج سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ نیز وہ حج میں کون کون سے ارکان سرانجام دے' اس بارے میں آپ نے فرمایا:

**خُذُوْا عَنِّیْ مَنَاسِكَكُمْ** (آل عمران)

جس طرح میں حج کے رکن سرانجام دیتا ہوں اسی طرح تم بھی حج کو تمام کرو۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ ثابت ہوا کہ سنت رسولؐ قرآنی احکام کی عملی اور قولی تفسیر ہے۔ اگر سنت رسول سامنے نہ ہو تو کوئی شخص نماز کی ایک رکعت بھی نہیں پڑھ سکتا۔ پس قرآن مجید کی رو سے صحیح ضابطہ یہ ہے کہ پہلے خدا تعالیٰ کا قانون پھر اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا طریقہ۔ قرآن مجید حکم دیتا ہے کہ ایسا کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عملی تفسیر فرماتے جاتے ہیں کہ یوں کرو اور اس طرح کرو۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اس مضمون کو بار بار دہرایا گیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

**قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ** (آل عمران:21)

اے نبیؐ کہہ دو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو' اللہ تم سے محبت کرنے گا۔

پھر فرمایا

**وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ** (آل عمران:132)

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

**يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ** (محمد:33)

اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔

Scanned with CamScanner

ایک جگہ پر فرمایا:

**وَمَن يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا** (احزاب:71)

اور جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی تو بے شک اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی۔

ایک جگہ تو اس تفریق کو یکبارگی اٹھا دیا گیا۔ ارشاد فرمایا:

**مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ** (النساء:80)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی۔

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات واضح ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ارشاد اور ہر عمل واجب اطاعت و عمل ہے۔ اگر صرف اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کافی تھی یا محض قرآن مجید ہی ہمارے لیے کافی ہوتا تو یہ **أَطِيعُوا الرَّسُولَ** کا اتنی بار حکم کیوں دیا گیا۔ اس تاکید کی وجہ یہ ہے کہ آپؐ جو کچھ بھی فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ہی کی خواہش کے مطابق فرماتے تھے۔ اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

**مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا** (الحشر:7)

رسول جو کچھ تم کو دے اس کو لے لو اور اس جس سے منع کرے اس سے باز آ جاؤ۔

مقام حیرت ہے کہ ایسی واضح ہدایات کے ہوتے ہوئے بھی منکرین حدیث اپنی غلط بات پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ بہرحال شریعت اسلامی میں سنت رسولؐ کو نہایت اہم مقام حاصل ہے۔

# تدوین حدیث

لغت میں تدوین کے معنی ترتیب دینا، جمع کرنا، تالیف کرنا وغیرہ کے ہیں۔ مدون کا لفظ بھی اسی سے نکلا ہے۔

جن لوگوں نے اس دور میں حدیث کا انکار کیا ہے ان کا اس سلسلے میں سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حدیث کا کوئی مجموعہ تیار نہیں ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو کتابت حدیث سے منع کیا ہوا تھا۔ نیز کتب حدیث آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے تقریباً سو ڈیڑھ سو سال بعد لکھی گئیں اس لیے ان پر کسی صورت اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

ذیل میں ہم منکرین حدیث کے ان اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عہد نبویؐ میں ہی احادیث کے لکھے جانے کا رواج پا چکا تھا۔ جیسا کہ آگے چل کر ہماری اس بات کی وضاحت ہو رہی ہے۔ جہاں تک منکرین حدیث کا تعلق ہے تو وہ احادیث کے ہی منکر نہیں بلکہ وہ لوگ تو دین سے ہی فرار چاہتے ہیں اور انہوں نے اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لیے یہ راستہ نکالا ہے۔

**عہد نبویؐ میں کتابت حدیث:** کچھ صحابہؓ اور تابعین حدیث کا لکھنا اور اسے ضبط تحریر میں لانا ناروا سمجھتے تھے کہ کہیں احادیث قرآن سے خلط ملط نہ ہو جائے۔ یا یہ کہ لوگ کہیں اسی کے نہ ہو کر رہ جائیں اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ بیٹھیں۔ جو اس کے ضائع ہو جانے اور اس سے یکسر بے تعلق ہو جانے کا سبب بن جائے۔ علامہ حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "جامع بیان العلم و فضلہ" میں کتابت علم حدیث کے ناروا سمجھے جانے اور پھر اس کو جائز بلکہ لازم قرار دیے جانے سے متعلق ایک باب قائم کیا ہے۔ جس میں انہوں نے پہلے کچھ ایسی روایات نقل کی ہیں جس سے کتابت حدیث کی ممانعت پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً

○۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھ سے قرآن کے سوا کچھ نہ لکھو اور جس نے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہے تو اسے چاہیے کہ مٹا دے"۔ (صحیح مسلم)

○۔ ابو نضرہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سعید خدریؓ سے عرض کیا "ہم جو کچھ آپ سے سنتے ہیں، کیا اس کو لکھ نہ لیا کریں؟" تو انہوں نے فرمایا "کیا تم ان باتوں کو قرآن بنانا چاہتے ہو؟ ہمارے

نبیؐ ہم سے کلام فرمایا کرتے تھے اور ہم اسے یاد کر لیا کرتے تھے' تم بھی اسی طرح یاد کر لیا کرو جس طرح ہم یاد کرتے تھے"۔ لیکن کتابت حدیث کی یہ ممانعت عارضی تھی اور یہ امر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کبارؓ کو احادیث قلم بند کرنے کی واضح اجازت دے دی تھی۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل روایات سے واضح ہے۔

○۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا "کیا میں آپؐ کی جو بات سنوں لکھ لیا کروں' خواہ آپؐ حالت غضب میں ہوں یا عالم مسرت میں" آپؐ نے فرمایا "ہاں کسی بھی حالت میں کوئی چیز بجز حق کے میری زبان سے نہیں نکلتی"۔

○۔ ایک بار حضرت ابو ہریرہؓ نے اعتراف کیا کہ "اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجھ سے زیادہ کوئی احادیث بیان کرنے والا نہ تھا۔ ماسوا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کے۔ کیونکہ وہ لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھنا نہ جانتا تھا"۔

عہد نبویؐ میں متعدد دستاویزات آپؐ کی نگرانی میں مرتب ہوئیں۔

1۔ اھ میں آپ نے ایک دستاویز مرتب کرائی جو ترپن جملوں پر مشتمل تھی اور جو آج تک کتب حدیث میں محفوظ ہے۔

2۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف حکمرانوں کو خطوط اور دعوت نامے ارسال فرمائے تھے' وہ بھی کتب حدیث میں محفوظ ہے۔

3۔ بعض تحریریں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرامین کے طور پر ماتحت حکام کو بھجوائیں۔

4۔ فتح مکہ کے موقع پر جو خطبہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ابو شاہ یمنی کی درخواست پر آپؐ نے وہ مکمل طور پر لکھوا دیا۔

5۔ بعض کبار صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ذاتی یادداشتیں صحیفوں کی شکل میں مرتب فرمائیں۔

مندرجہ بالا بحث سے منکرین حدیث کے پھیلائے ہوئے ان تمام شبہات کہ احادیث تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد لکھی گئیں' اس لیے ان پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے' کا کافی و شافی جواب آ گیا اور تحریری طور پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ منکرین حدیث کا یہ اعتراض انتہائی لغو اور غیر معقول ہے۔

## صحابہ کرامؓ اور تدوین حدیث

صحابہ کرامؓ کی نظروں میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مقام تھا اور ان کے دلوں میں آپؐ کے لیے جو محبت، عقیدت و احترام تھا اس کا تقاضا تھا کہ زبان رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلے



ہوئے ایک ایک لفظ اور آپؐ کی ایک ایک ادا محفوظ کر لیں۔ چنانچہ اس ضمن میں صحابہ کرامؓ نے جو اہتمام کیا محدثین کرام نے انہیں صحیفوں کا نام دیا ہے۔ ان صحیفوں میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ حضرت علیؓ نے پانچ صد احادیث کا ایک مجموعہ قلم بند کیا۔ جسے وہ تلوار کی نیام میں بحفاظت رکھتے تھے۔

2۔ حضرت عبداللہ بن عباس کی جمع کردہ احادیث ان کے خاندان والوں کے پاس محفوظ تھیں۔ موسیٰ بن عقبہ کا قول ہے کہ ہمارے پاس حضرت عبداللہ بن عباس کی اس قدر کتابیں ہیں کہ ان کا بوجھ ایک اونٹ کے برابر ہو سکتا ہے۔

3۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے ایک ہزار احادیث پر مشتمل ایک صحیفہ ترتیب دیا تھا۔ جو صحیفہ صادقہ کے نام سے مشہور تھا۔

4۔ حضرت ابو ہریرہؓ جن کی مرویات کی تعداد پانچ ہزار تین سو چوہتر ہے انہوں نے دوسروں سے لکھوائیں تھیں۔ پھر ان سے ان کے دو شاگردوں نے ان روایات کو نقل کیا تھا۔ جن کا ذکر کتب سیر میں موجود ہے۔

5۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی تمام روایات کا ایک مجموعہ ان کے بیٹے عبدالرحمان کے پاس تھا۔

6۔ حضرت عائشہ سے دو ہزار دو سو دس روایات نقل ہوئی ہیں۔

مضمون کی طوالت کے خوف سے ہم ان ہی چند صحابہ اور ان کے تحریر کردہ نوشتوں تک اپنی بات کا اختتام کرتے ہیں۔

## دوسرا دور

اس دور میں علم حدیث باقاعدہ ایک علم کی حیثیت سے منضبط ہونے لگا اور اس موضوع پر مختلف کتابیں لکھی جانے لگیں۔

سرکاری سطح پر اموی خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو یہ اعزاز نصیب ہوا کہ انہوں نے اپنے ماتحت حکام کو احادیث نبویؐ کے بکھرے ہوئے ذخیرے یکجا کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مکہ کے گورنر عمرو بن حزم کو ہدایت کی کہ وہ احادیث کا ایک گراں قدر ذخیرہ تیار کریں اور دوسری طرف محمد شہاب الدین زہری کو احادیث جمع کرنے کا حکم دیا۔ جس کی تکمیل میں انہوں نے ایک مجموعہ احادیث مرتب کیا۔ (تہذیب التہذیب)۔

چنانچہ آپ کی اس کوشش سے دیکھتے ہی دیکھتے احادیث کے دفتر کے دفتر دمشق پہنچنے لگے۔ جن کے نقول تیار کر کے ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا دی گئیں۔

Scanned with CamScanner

# تیسرا دور

اس دور کے اوائل میں مسانید لکھی گئیں اور اواخر میں صحاح ستہ مدون ہوئیں۔ مسانید لکھنے والے چند آئمہ محدثین کے نام یہ ہیں۔

عبداللہ بن موسیٰ بغدادی، مسدد بن مرید بصری، اسد بن موسیٰ الاموی، نعیم بن حماد الخزاعی، ابو خیثمہ زہیر بن حرب، امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، عثمان بن ابی شیبہ۔

اسی تیسری صدی میں مسانید کے بعد چھ مشہور ترین کتب حدیث مرتب و مدون ہوئیں۔ جن کو صحاح ستہ کا نام دیا گیا ہے۔ یہ وہ کتب حدیث ہیں جنہیں تیسری صدی ہجری کے نابغہ روزگار محدثین نے بڑی چھان بین کے بعد کچھ ایسی خوبی سے ترتیب دیا کہ آج کئی صدیاں گزر جانے کے باوجود ان کی اہمیت و افادیت اسی طرح مسلم ہے۔ ان میں تین کتابیں جامع کہلاتی ہیں۔ جو عقائد، عبادات، اخلاق و معاملات کے متنوع عنوانات پر حاوی ہیں۔ جب کہ بقیہ تین تالیفات سنن کہلاتی ہیں۔ اور وہ صرف معاملات (عملی زندگی) سے تعلق رکھتی ہیں۔

اس دور میں بڑے بڑے محدثین و مولفین اور نقد و روایات میں مہارت رکھنے والے ماہرین پیدا ہوئے۔



# اصطلاحات علم حدیث

**صحابی:** اصطلاح حدیث میں صحابی سے مراد ایسا شخص (مرد و عورت) ہے جسے اسلام کی حالت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی ہو اور حالت ایمانی میں ہی اس کا انتقال ہوا ہو۔

**تابعی:** تابعی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت تو نہ کی ہو لیکن حالت ایمانی میں کسی صحابی کی صحبت میں رہا اور مسلمان ہی فوت ہوا۔

**تبع تابعی:** ایسا شخص جس نے بحالت اسلام کسی تابعی کو دیکھا اور اس کی صحبت اختیار کی اور حالت اسلام میں ہی وفات پائی۔

**سند:** لغت میں "سند" کڑی، راستہ اور طریق کے معنی میں آتا ہے۔ لیکن حدیث کی اصطلاح میں سند سے مراد وہ کڑی یا سلسلہ زنجیر ہے جو حدیث کے راویوں کو باہم ملاتا ہے۔

**متن:** حدیث کے نفس مضمون کو متن کہتے ہیں۔ سند جہاں ختم ہوتی ہے اس سے آگے متن شروع ہوتا ہے۔

**روایت:** لغت میں روایت بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاح حدیث میں اس سے مراد وہ قواعد و ضوابط ہیں جن سے سند حدیث کی پرکھ کی جاتی ہے۔ یہ کہ راوی حافظے، دیانت، عدالت ضبط اور ثقاہت کے اعتبار سے کس درجے کا انسان تھا۔

**درایت:** اس سے مراد حدیث کے نفس مضمون کو عقل کے اعتبار سے دیکھنا اور پرکھنا ہے۔ یعنی جو واقعہ حدیث میں بیان ہوا ہے وہ عقل پر پورا اترتا ہے یا نہیں۔ نیز قرآن اور متواتر حدیث کی مخالفت نہ ہوتی ہو اور وہ تجربے اور مشاہدے کے بھی خلاف نہ ہو۔ وہ اصول و ضوابط جن کے مطابق متن جانچا جاتا ہے اصول درایت کہلاتے ہیں۔

**ثقاہت:** راوی کو عدالت کے لحاظ سے جانچنے کو ثقاہت کہتے ہیں۔ اگر راوی میں تقویٰ اور مروت جیسی خوبیاں موجود ہوں تو وہ ثقہ راوی کہلاتا ہے۔

**ضبط:** ضبط سے مراد حدیث کو اچھی طرح یاد کرنا ہے۔

**جرح:** اصطلاح حدیث میں جرح سے مراد راوی کے اوصاف و صفات ہیں۔ عیوب اور نقائص کو ظاہر کرنا ہے۔

**تعدیل:** لغت میں تعدیل کے معنی عادل ماننا ہیں۔ اصطلاح میں کسی راوی کے اوصاف اور صفات کا جائزہ لینا کہ راوی صاحب عدالت ہے، تعدیل کہلاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

# اقسام حدیث

علمائے حدیث نے سند، روایت، صحت و ضعف کے لحاظ سے حدیث کی بہت سی اقسام بتائی ہیں۔ جن میں سے چند ایک مشہور اقسام ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

## اقسام حدیث باعتبار تعداد رواۃ:

راویوں کی تعداد کے اعتبار سے حدیث کی درج ذیل اقسام ہیں۔

**1- متواتر:**

متواتر حدیث وہ ہے جس میں مندرجہ ذیل صفات ہوں یا جو مندرجہ ذیل شرائط پر پوری اترتی ہو۔

i- کثرت رواۃ یعنی راویوں کی تعداد کثیر ہو۔

ii- راویوں کی اتنی بڑی تعداد جن کا جھوٹ پر اتفاق عادتاً" محال اور ناممکن ہو۔ یعنی کثرت رواۃ اس حد تک پہنچ جائے کہ عادت طبیعت اور عرف ان راویوں کے کذب پر اتفاق کرنے اور جمع ہونے کو ناممکن اور محال سمجھے۔

iii- راویوں کی یہ کثرت ابتدائے سند سے لے کر انتہائے سند تک بدستور برقرار رہے۔ کسی مقام پر بھی اس تعداد میں کمی واقع نہ ہو۔

iv- وہ بات جو بیان کی جا رہی ہو حواس خمسہ سے تعلق رکھتی ہو۔ یعنی وہم گمان کی بات نہ ہو۔

v- وہ خبر مفید علم یقینی ہو۔ یعنی سامع کے لیے علم یقینی کا فائدہ دے۔

**2- مشہور:** مشہور حدیث وہ ہے جس کے راویوں کی تعداد کم سے کم تین ہو اور اس میں متواتر کی تمام شرائط نہ پائی جاتی ہوں۔ محدثین اس خبر کی شہرت کی وجہ سے اسے مشہور کہتے ہیں۔ اگر ابتدائے سند سے لے کر انتہائے سند تک راویوں کی تعداد یکساں ہو تو اسے مستفیض کہتے ہیں۔

**3- خبر عزیز:** یہ وہ حدیث ہے جس کے راویوں کی تعداد کسی مقام پر بھی دو سے کم نہ ہو، زیادہ ہو تو مضائقہ نہیں۔



**4- غریب:** ایسی حدیث جس میں کسی مقام پر صرف ایک ہی راوی رہ گیا ہو۔ اس قسم کی حدیث کو فرد بھی کہتے ہیں۔

## اقسام حدیث باعتبار سند یا اسناد

سند کے اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں ہیں۔

**1- مرفوع:** اگر سلسلہ اسناد رسول اکرم علیہ وسلم تک پہنچے تو یہ حدیث مرفوع کہلاتی ہے۔ حدیث کا مرفوع ہونا یا تو صریحاً" ہو یا حکماً" پھر اس اسناد سے منقول یا تو قول رسولؐ ہو گا یا فعل رسولؐ یا تقریر رسولؐ۔ (تقریر رسول سے مراد یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کسی نے کوئی بات کہی یا فعل کیا اور آپؐ نے اس پر خاموشی اختیار کرتے ہوئے اسے برقرار رکھا)۔

**2- موقوف:** اگر سلسلہ اسناد کسی صحابی تک پہنچتا ہو تو وہ روایت موقوف کہلائے گی۔ جیسے کہا جائے **قال او فعل ابن عمر** یا یہ کہا جائے **عن ابن عمر موقوفاً**۔

**3- مقطوع:** اگر سلسلہ اسناد کسی تابعی یا تبع تابعی تک پہنچ کر ختم ہو جائے تو وہ روایت مقطوع کہلائے گی۔ مقطوع روایت کو **موقوف علی فلاں** بھی کہہ دیتے ہیں۔

## اقسام حدیث باعتبار اتصال سند

**1- متصل:** ایسی حدیث جس کے تمام راوی ایک دوسرے سے متصل ہوں یعنی سلسلہ اسناد میں سے ایک بھی راوی رہ نہ گیا ہو اور کوئی راوی مجہول الحال نہ ہو۔ نیز ہر راوی نے اپنے شیخ سے براہ راست سنا ہو۔

**2- منقطع:** ایسی حدیث جس کے سلسلہ اسناد میں سے کوئی ایک راوی ساقط ہو اس کی پانچ قسمیں ہیں۔

i- **معلق:** ایسی حدیث جس میں ابتدائے سند میں ہی راوی یا رواۃ ساقط ہو۔

ii- **مرسل:** ایسی حدیث جس میں انتہائے سند ہی میں راوی کا سقوط ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تابعی بلا ذکر صحابی کسی امر کی نسبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرے۔

iii- **منقطع:** ایسی حدیث جس کے سلسلہ اسناد میں مختلف مقامات پر ایک یا ایک سے زائد راوی ساقط ہوں۔

iv- **معضل:** ایسی حدیث جس کی سند کے درمیان کسی مقام پر دو راوی متواتر ساقط

Scanned with CamScanner

ہوں۔

۷-**مدلس:** ایسی حدیث جس میں کوئی راوی کسی وجہ سے اپنے شیخ (استاد) کا نام چھپانے کی کوشش کرے اور اس سے اوپر والے راوی کا حوالہ دے۔

## اقسام حدیث باعتبار صحت وضعف:

صحت کے اعتبار سے حدیث کی تین اقسام ہیں۔

1- **صحیح:** ایسی حدیث جس کے راوی عادل اور تام الضبط ہوں، جس کی سند متصل ہو اور معلل و شاذ نہ ہو۔

2- **حسن:** ایسی حدیث جس میں صحیح کی تمام شرائط موجود ہوں صرف ضبط ناقص ہو یہ حدیث صحیح سے کم درجہ اور قابل حجت ہے۔

3- **ضعیف:** ایسی حدیث جو صحیح اور حسن کی تمام شرائط پر پوری نہ اترتی ہو۔

**مردود** ایسی حدیث کو کہتے ہیں جو روایت و درایت کے اصولوں پر پوری نہ اترتی ہو اور اس پر عمل بھی نہ کیا جائے۔

**موضوع** ایسی حدیث جو وضع کرلی گئی ہو، جس میں جھوٹ غالب ہو۔



# اصناف کتب حدیث

وضع و ترتیب مسائل کے اعتبار سے محدثین نے کتب حدیث کی مندرجہ ذیل اقسام بیان کی ہیں۔

1- **جامع:** وہ کتاب حدیث ہے جس میں ہر قسم کے مسائل کی احادیث جیسے عقائد، احکام، ادب، تفسیر، تاریخ، سیر، شمائل، فتن، علامات قیامت، مناقب و مثالب مندرج ہوں۔ جیسے "جامع البخاری" "جامع الترمذی"۔

2- **سنن:** وہ کتاب حدیث ہے جس میں احکام کی روایات فقہی ترتیب کے موافق بیان ہوں۔ مثلاً نماز، روزہ، حج، طلاق، نکاح وغیرہ۔ جیسے "سنن ابی داؤد" "سنن نسائی" "سنن ابن ماجہ" وغیرہ

3- **مسند:** جس میں صحابہ کرامؓ کی ترتیب رتبی یا ترتیب حروف ہجایا تقدم و تاخیر اسلام کے لحاظ سے احادیث مذکور ہوں۔ جیسے "مسند امام احمد ابن حنبل" "مسند دارمی" "مسند موسیٰ کاظم" وغیرہ

4- **معجم:** معجم وہ کتاب حدیث ہے جس کے اندر وضع احادیث میں ترتیب اساتذہ کا لحاظ رکھا گیا ہو۔ جیسے "معجم الطبرانی" "معجم الکبیر" وغیرہ

5- **مستدرک:** جس کتاب حدیث میں کسی دوسری کتاب کی شرائط صحت کے موافق اس کی باقی رہی ہوئی حدیثوں کو پورا کردیا گیا ہو۔ جیسے "مستدرک حاکم" وغیرہ

6- **مستخرج:** مستخرج وہ کتاب حدیث ہے جس میں کسی دوسری کتاب کی احادیث کی زائد اسناد کا استخراج کیا گیا ہو۔ جیسے "مستخرج ابوبکر اسماعیلی" "مستخرج ابو عوانہ" وغیرہ

7- **جزء:** وہ کتاب حدیث ہے جس میں فقط ایک مسئلہ کی احادیث یکجا جمع کردی گئی ہوں۔ جیسے "جزء القراۃ" "جزء رفع یدین" وغیرہ

8- **مفرد:** جس میں صرف ایک شخص کی کل مرویات کا ذکر ہو۔ جیسے "مفرد ابی بکر" وغیرہ

9- **اربعین:** اربعین وہ کتاب ہے جس میں ایک یا ایک سے زائد عنوانات کے تحت چالیس احادیث کو منتخب کرکے درج کیا گیا ہو۔ جیسے "اربعین نوویؒ" "اربعین شاہ ولی اللہ" وغیرہ

Scanned with CamScanner

# صحاح ستہ

اسلام میں چونکہ اطاعت رسول ابتداء ہی سے ایک لازمی امر تھا اس لیے صحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے حفظ و اشاعت کی طرف خاص توجہ مرکوز کی۔ بعد میں تابعین اور تبع تابعین کے عہد میں سنت رسول کا واحد مستند ذریعہ چونکہ حدیث نبویؐ ہی تھا لہٰذا تدوین حدیث کے سلسلہ میں محدثین نے اپنی تمام کوششوں کو صرف کیا اور کتب احادیث کی فراوانی ہوئی۔ یہ فراوانی ایک طبعی امر تھا کیونکہ تمام احادیث نبویہ کو ایک کتاب میں یکجا جمع کرنا ناممکن اور محال تھا۔ ظاہر ہے کہ اس قدر کثیر التعداد احادیث جو مختلف اوقات اور مختلف مصادر سے جمع ہوئیں ان کا مرتبہ صحت کے لحاظ سے یکساں نہ ہو سکتا تھا اور نہ ہی ان کو یکساں طور پر قبولیت حاصل ہو سکتی تھی۔ چنانچہ علماء نے موطا امام مالک کے بعد حدیث کی چھ کتابوں کو خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھا اور ان چھ کتابوں کو اہل سنت والجماعت میں خصوصی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی۔ ان کتب حدیث کو صحاح ستہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ اصات الکتب حدیث "صحیح بخاری" "صحیح مسلم" "جامع ترمذی" "سنن ابوداؤد" "سنن نسائی" اور "سنن ابن ماجہ" پر مشتمل ہیں۔ پہلی دو کتابوں کو صحیحین اور ان کے مولفین کو شیخین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور وہ حدیث جو ان دونوں میں موجود ہو متفق علیہ کہلاتی ہے۔ بقایا چار کتابوں کو سنن اربعہ کا نام دیا جاتا ہے۔

بعض علماء مثلاً ابن اثیر جزری وغیرہ نے ابن ماجہ کی جگہ موطا امام مالک کو صحاح ستہ میں داخل کیا ہے۔ جب کہ حافظ ابن حجر عسقلانی وغیرہم نے سنن ابن ماجہ کی جگہ مسند دارمی کو صحاح ستہ میں شامل کیا ہے۔ ذیل میں ہم صحاح ستہ کا مختصر تعارف درج کرتے ہیں۔

## 1- صحیح بخاری

صحاح ستہ میں پہلا نمبر "صحیح بخاری" کو حاصل ہے۔ جس کے بارے میں دار قطنی کا قول ہے "اصح الکتاب بعد کتاب اللہ الباری الجامع الصحیح البخاری" یعنی کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب جامع بخاری ہی ہے۔

یہ کتاب امام محمد بن اسماعیل البخاری کی تصنیف ہے۔ جن کی پیدائش بخارا میں 194ھ میں ہوئی اور وفات خرتنگ میں 256ھ میں ہوئی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی کتاب "بستان المحدثین" میں صحیح بخاری کا سبب تالیف بیان



کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام بخاری ایک دن اسحاق بن راہویہ کی مجلس میں حاضر تھے کہ وہاں ذکر ہوا کہ کیا ہی اچھا ہو اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو یہ توفیق دے کہ وہ سنن میں ایک ایسا مختصر تیار کرے جس میں فقط اعلیٰ درجے کی صحیح احادیث درج ہوں۔ تاکہ عمل کرنے والا بلا خوف تردد مجتہدین کی طرف مراجعت کیے بغیر اس پر عمل پیرا ہو سکے۔ امام بخاری کے دل میں یہ بات جاگزیں ہوئی اور سولہ سال کی محنت شاقہ کے بعد چھ لاکھ احادیث کے اس ذخیرے میں سے جو ان کے پاس تھا یہ کتاب تالیف کی اور اس میں صحیح ترین احادیث پر اکتفا کیا۔

امام صاحب کا معمول تھا کہ ہر حدیث کو تحریر کرنے سے قبل غسل کر کے دو نفل ادا کرتے۔ پھر جب احادیث کو ان کے مضمون کے مطابق ترتیب دینے کا ارادہ کیا تو مدینہ منورہ میں قبر مبارک اور منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مقام میں اس اہم کام کو سرانجام دیا۔ یہ امام بخاری کی حسن نیت اور ان تھک کوشش کا نتیجہ تھا کہ یہ جامع اس قدر مقبول ہوئی کہ امام صاحب کی زندگی میں ہی اس کو نوے ہزار آدمیوں نے امام بخاری سے بلاواسطہ سنا۔

وقت شدت، خوف دشمن، سختی مرض، قحط سالی اور دیگر آفات میں اس کتاب کا پڑھنا تریاق کا کام دیتا ہے۔ کئی خوابوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح کے عنوانات ایک خاص انداز سے مرتب کیے تھے۔ جس سے ان کی وسعت علم اور مہارت فقہ کا ثبوت ملتا ہے۔ آپ ہر باب کا آغاز آیات قرآنی سے کرتے ہیں اور ان سے فقہی احکام کو مستنبط کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ صحیح بخاری کی کل مرویات (مکررات، تعلیقات اور متابعات کو شامل کر کے) 9082 ہے۔ "کشف الظنون" میں "صحیح بخاری" کی 82 شرحوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ جن میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی "فتح الباری" سب سے بہتر ہے۔

## 2- صحیح مسلم

یہ امام مسلم قشیری نیشاپوری کی تصنیف ہے۔ آپ کی پیدائش امام نووی اور ابن خلکان کے مطابق 206ھ میں نیشاپور میں ہوئی اور وفات 261ھ میں ہوئی۔

صحیح مسلم شیخ ابن الصلاح کے نزدیک کل احادیث کی تعداد 7275 ہے اور مکررات کو حذف کر کے تقریباً چار ہزار احادیث رہ جاتی ہیں۔ اس کتاب سے استفادہ کرنا بہت آسان ہے کیونکہ اس کی ترتیب بڑی عمدہ ہے۔ امام مسلم ایک حدیث کو ایک ہی جگہ لاتے ہیں اور وہیں پر اس کے تمام طرق

Scanned with CamScanner

واسانید جمع کر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس امام بخاری حدیث کو متفرق ابواب میں ذکر کرتے ہیں۔

جمہور محدثین اور آئمہ اصول نے صحیح بخاری کو اصح الکتب گردانا ہے۔ اس کے برعکس بعض اہل مغرب نے صحیح مسلم کو "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" گردانا ہے۔ چنانچہ امام ابو علی نیشاپوری کا قول ہے:

"ماتحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم" یعنی آسمان کے نیچے حدیث میں کتاب مسلم سے زیادہ کوئی صحیح کتاب نہیں ہے۔

صحیح مسلم کی شہرت و قبولیت کا اندازہ اس امر سے بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی شروح بکثرت لکھی گئی ہیں۔ بلکہ بعض نے صرف مقدمہ مسلم کی بھی شروح لکھی ہیں۔ جن کی تعداد چالیس کے لگ بھگ ہے۔ ان شروح میں سب سے عمدہ اور معروف شرح "المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج" ہے جو امام محی الدین نووی کی تصنیف ہے۔

صحاح ستہ میں صحیح مسلم کا دوسرا نمبر ہے۔

## 3- جامع ترمذی

یہ امام محمد بن عیسیٰ ترمذی کی تصنیف ہے۔ جن کی پیدائش 209ھ اور وفات 279ھ میں ہوئی۔

امام ترمذی کی اس تصنیف کا مقام گو صحیح بخاری و مسلم کے بعد ہے تاہم اس میں بعض ایسے فوائد ہیں جو ان دو کتابوں میں کیا جملہ کتب حدیث سے یکسر مفقود ہیں۔

یہ کتاب درج ذیل خصوصیات کی حامل ہے۔

1- اس کتاب میں مکرر احادیث نہیں پائی جاتیں۔

2- اس کی ترتیب نہایت عمدہ ہے۔

3- اس میں فقہاء کا مسلک اور ان کا استدلال بھی اکثر احادیث کے ضمن میں درج کیا گیا ہے۔

4- اس کتاب میں مختلف انواع حدیث صحیح، حسن، غریب، ضعیف کی صراحت بھی اکثر ملتی ہے اور رجال کا تذکرہ بھی ہے۔

5- اس کتاب میں امام بخاری کی طرح سب ابواب کی احادیث لے کر اسے جامع بنا دیا گیا ہے۔

امام ترمذی کا اپنا قول ہے "جس گھر میں یہ جامع موجود ہو گویا اس گھر میں خود حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں اور تکلم فرماتے ہیں" صحاح ستہ میں اس جامع کا تیسرا نمبر ہے۔

اس کی تقریباً اکیس مختلف شرحیں لکھی گئی ہیں۔



## 4- سنن ابی داؤد

یہ امام ابوداؤد سجستانی کی تصنیف ہے۔ ان کی پیدائش 202ھ اور وفات 275ھ میں ہوئی۔

امام صاحب نے اس مجموعہ کی ترتیب و تالیف بغداد میں 241ھ میں شروع کی۔ امام صاحب نے پانچ لاکھ احادیث کے ذخیرے سے اسے منتخب کیا۔ سنن ابی داؤد 4800 احادیث پر مشتمل ہے۔ اس کے ابواب کی تعداد 187 ہے۔

امام غزالی سنن ابی داؤد کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"علم حدیث میں صرف یہی ایک کتاب مجتہد کے لیے کافی ہے"۔ امام حاکم نیشاپوری نے سنن ابی داؤد کو صحیح کہا ہے۔ امام ابوداؤد سجستانی کا اس کتاب کے بارے میں خود اپنا بیان ہے:

"میرے خیال میں قرآن پاک کے بعد جتنا اس کتاب (سنن ابی داؤد) کو سیکھنا لوگوں پر لازمی ہے اتنا کسی اور چیز کا نہیں اور اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کوئی علمی بات سیکھے تو وہ خاسر نہیں ہو گا اور جو اس کو دیکھے، سمجھے اور غور کرے اس کو اس کی قدر معلوم ہو جائے گی"۔

اس سنن کی چند ایک خصوصیات درج ذیل ہیں۔

1- اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ سنن صرف احکام و مسائل سے متعلق روایات پر مشتمل ہے۔

2- فقہی احادیث کا جتنا بڑا ذخیرہ اس کتاب میں موجود ہے، وہ صحاح میں سے کسی دوسری کتاب میں نہیں۔ اسی وجہ سے یہ کتاب فقہاء میں مجتہدین کا معتمد علیہ ماخذ رہی ہے۔

3- اس کتاب میں صحیح الاسناد، قوی، متصل اور مرفوع احادیث کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔

4- اس کتاب میں امام صاحب نے ایک ہی سند اور ایک ہی متن میں متعدد اسانید اور مختلف متون کو جمع کر دیا ہے اور ہر حدیث کی سند اور الفاظ کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے۔

سنن ابی داؤد کی افادیت کے سبب ہر زمانہ کے علماء نے اسے قدر کی نگاہوں سے دیکھا ہے اور اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کی توضیح و تشریح اور مختصرات و حواشی لکھنے میں خصوصی دلچسپی لی ہے۔ "معالم السنن" از محمد خطابی اس کی بہترین شرح ہے۔

صحاح ستہ میں اس کا چوتھا نمبر ہے۔

## 5- سنن نسائی

یہ امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی کی تصنیف ہے۔ آپ کی پیدائش 214ھ یا 215ھ اور وفات 303ھ میں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غیر معمولی قوت حفظ سے نوازا تھا۔

امام نسائی نے حدیث کی ایک ضخیم کتاب "السنن الکبریٰ" کے نام سے تیار کی تھی۔ جس میں

Scanned with CamScanner

صحیح اور حسن احادیث موجود تھیں۔ بعد میں آپ نے صحیح احادیث الگ کر لیں اور ان کو ایک علیحدہ کتاب میں جمع کیا۔ جس کا نام "السنن الصغریٰ المسمیٰ بہ المجتبیٰ" رکھا۔ اس میں کل 5761 احادیث ہیں۔ صحاح ستہ میں اس کا پانچواں نمبر ہے۔ المجتبیٰ ہی کو سنن نسائی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

کتب اصول میں جن کتب کو شمار کیا گیا ہے ان میں سنن نسائی بھی خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اگرچہ اس کو ابوداؤد اور ترمذی کے بعد بیان کیا جاتا ہے لیکن بعض مغاربہ نے اسے صحیح بخاری سے بھی زیادہ اہمیت دی ہے۔

سنن نسائی کی شروح و تعلیقات زیادہ تعداد میں نہیں لکھی گئیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا انداز نہایت سہل اور اس کے تراجم بالکل واضح ہیں جن میں کوئی اشکال نہیں۔

## 6- سنن ابن ماجہ

یہ کتاب امام محمد ابو عبداللہ ابن ماجہ کی تصنیف ہے۔ جن کی پیدائش 209ھ اور وفات 273ھ میں ہوئی۔ اس میں چار ہزار احادیث پندرہ سو ابواب پر منقسم ہیں۔

حافظ ابن کثیر سنن ابن ماجہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے امام ابن ماجہ کے علمی تبحر اور کثرت معلومات کا پتہ چلتا ہے۔ اس سنن کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں۔

1- اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی اکثر روایتیں وہ ہیں جو دوسری کتب صحاح میں نہیں ہیں اور علماء کے نزدیک یہی وجہ اس کے اصول میں شمار کیے جانے کی ہے۔

2- اس میں بھی با تکرار احادیث نہیں پائی جاتیں۔

3- یہ سنن مسائل و احکام میں اس قدر جامع ہے کہ امام ابو زرعہ کا قول ہے کہ "اس کے سامنے دوسری جوامع و مصنفات بیکار ہو کر رہ جائیں گی"۔

سنن ابن ماجہ کا صحاح میں چھٹا نمبر ہے۔



# امام نوویؒ

آپ کا نام یحییٰ، لقب محی الدین اور کنیت ابو زکریا تھی۔ والد محترم کا نام شرف الدین تھا۔ آپ 631ھ میں دمشق کے قریب نویٰ نامی قصبہ میں پیدا ہوئے۔ اس نسبت سے آپ کو نووی کہا جاتا ہے۔

آپ بچپن ہی سے بڑے ذہین تھے۔ علم سے آپ کو نو عمری ہی سے دل چسپی تھی۔ جب آپ کے ہمجولی کھیل کود کے لیے مجبور کرتے تو آپ ان سے کسی نہ کسی طرح پیچھا چھڑا کر بھاگ جاتے۔

آپ کے استاد امام زرکشی کا بیان ہے:

"میں آپ کو دس سال کی عمر سے جانتا ہوں۔ کھیلنے والے بچوں سے اکثر کتراتے تھے۔ اگر کوئی کھیلنے پر مجبور کرتا تو رو دیتے، بلکہ عموماً اس حال میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہتے۔ آپ کی معصومیت اور قرآن مجید کی محبت دیکھ کر آپ کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی"۔

آپ کے استاد صاحب ہی کا بیان ہے:

"انہیں ان کے والد نے دکان پر لا کر بٹھا دیا تاکہ کاروباری معاملات میں حصہ لیں، لیکن ان کی طبیعت اس طرف مائل نہ ہوئی۔ وہ دکان پر بھی قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہتے تھے۔

والد نے بچے کے حالات دیکھ کر انہیں اس وقت کے مشہور استاد امام زرکشی کے پاس لے گئے۔ جہاں پر انہوں نے پوری دلجمعی سے مروجہ علوم کی تحصیل کی۔ جب آپ اٹھارہ سال کے ہوئے تو آپ کے والد آپ کو اپنے ہمراہ لے کر دمشق پہنچے اور آپ کو امام کمال الدین مغربی کے مدرسہ میں داخل کرا دیا۔ جہاں آپ آخر تک ان کے حلقہ ہائے درس سے منسلک رہے۔

چوبیس برس کی عمر میں آپ مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ آپ 665ھ سے 676ھ تک دارالحدیث اشرفیہ کے شیخ رہے۔ علمی مشاغل و مصروفیات کے سبب آپ نے ساری عمر شادی نہیں کی۔

امام نووی ساتویں صدی ہجری کے ایک بلند پایہ محدث و فقیہ بلکہ ان فنون کے امام اور نہایت عابد و زاہد بزرگ تھے۔ آپ فقہ شافعی کے ستون خیال کیے جاتے تھے۔ آپ کے ہم عصر علماء آپ کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ شیخ صلاح الدین سبکی نے آپ کو "شیخ السلام" اور "استاد المتاخرین" کے نام سے، حافظ ذہبی نے "امام" اور حافظ واجد نے "شیخ السلام" اور "علم الاولیاء" کے ناموں سے یاد کیا ہے۔

Scanned with CamScanner

آپ دنیا اور لذائذ دنیا سے بالکل کنارہ کش تھے۔ موٹا پہنتے اور موٹا کھاتے تھے۔ نہایت عسرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔ چھوٹا سا امامہ باندھتے تھے۔ لباس بے دھلے سوت کے کپڑے کا ہوتا تھا۔ اس میں پیوند لگے ہوتے تھے۔ پھل کوئی نہیں کھاتے تھے۔ جس کا سبب پرہیزگاری تھی۔ آپ کہتے تھے کیونکہ دمشق کے باغ کثرت سے وقف کے باغ ہیں اور ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں ہیں کہ ان کو تصرف کا حق نہیں"۔

امام نووی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے علم بردار تھے۔ اس سلسلے میں ہم ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ جب سلطان بیبرس الملک الظاہر نے رعایا پر کچھ ناجائز ٹیکس لگائے تو امام موصوف نے ان ٹیکسوں کو منسوخ کرنے کے لیے بادشاہ کو خط لکھا۔ جس سے سلطان بہت غضب ناک ہوا۔ جب سلطان کا آپ کے ساتھ آمنا سامنا ہوا تو وہ آپ کی علمی فضیلت وہیبت کی وجہ سے آپ کو قید میں ڈالنے سے باز رہا۔ وہ کہتا تھا کہ میں انہیں دیکھ کر گھبرا جاتا ہوں۔

المختصر امام نووی اعلیٰ درجہ کے عالم باعمل اور ولی کامل تھے۔ درس و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔

آپ نے 676 میں اپنے قصبے نویٰ میں سنتالیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ اتنی مختصر مدت میں آپ نے متعدد نہایت ضخیم کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ذیل میں آپ کی چند تصانیف درج کی جاتی ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| 1- | شرح صحیح مسلم | 2- | ریاض الصالحین |
| 3- | کتاب الاذکار | 4- | تہذیب الاسماء واللغات |
| 5- | کتاب الاربعین | 6- | کتاب الایضاح |
| 7- | مناقب شافعی | 8- | بستان العارفین |
| 9- | روضہ | 10- | کتاب الفقہاء الشافعیہ |
| 11- | المناسک | 12- | کتاب المہمات |



# اربعین نووی

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

**مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِی اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثًا" مِنْ اَمْرِ دِیْنِهَا بَعَثَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فِیْ زُمْرَةِ الْفُقَهَاءِ وَالْعُلَمَاءِ**

"جو شخص میری امت میں سے دین کی اشاعت کے لیے چالیس حدیثیں حفظ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے روز علماء اور فقہاء کے زمرہ میں اٹھائے گا"۔

چنانچہ اس فرمان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر ہر دور کے علمائے امت نے اپنے ذوق اور زمانہ کے پیدا شدہ مسائل اور حالات کو سامنے رکھ کر اربعین (چالیس احادیث) کے مجموعے ترتیب دیے ہیں۔

ملا کاتب چلپیؒ کے نزدیک اربعین کا پہلا مجموعہ حضرت عبداللہ بن مبارک (متوفی 181ھ) کا ہے۔ نیز ملا صاحب نے "کشف الظنون" میں کم از کم ستر اربعین کے مجموعوں کا تذکرہ کیا ہے۔

اربعین میں حافظ ابو طاہر سلفی کی "الاربعون البلدانیہ" کی شہرت محدثین کرام میں بہت زیادہ تھی۔ جس میں چالیس مختلف شہروں کے چالیس محدثین کی بیان کی ہوئی احادیث ذکر کی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ ابن عساکر کی "الاربعون الطوال" کو بھی خوب شہرت حاصل تھی۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اربعین کے نام سے ہر دور میں کتب تالیف کی گئیں، لیکن ساتویں صدی ہجری کے بعد سے جو شہرت و مقبولیت اربعین نووی کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آسکی۔

اس اربعین کو ترتیب دیتے ہوئے امام نووی کا جو نقطہ نظر تھا اس کے بارے میں وہ خود دیباچے میں لکھتے ہیں:

"علمائے متقدمین میں سے کسی نے اصول دین کی چالیس احادیث جمع کیں، کسی نے فروع کی، کسی نے ترغیب جہاد کی، کسی نے ابواب زہد کی اور کسی نے آداب وغیرہ کی۔ مگر میں نے ان سب سے اہم بات کو سامنے رکھ کر انتخاب کیا۔ یعنی ایسی چالیس حدیثیں منتخب کیں جو ان سب پر مشتمل ہوں اور ہر حدیث بجائے خود قواعد دین میں سے ایک قاعدہ عظیمہ ہو اور علماء نے اس کو مدار اسلام یا نصف و ثلث اسلام قرار دیا ہو۔ اس کے ساتھ میں نے اس کا التزام بھی کیا ہے کہ وہ حدیثیں صحیح ہوں بلکہ اکثر صحیح بخاری و صحیح مسلم کی حدیثیں ہوں"۔

اربعین نووی کے بارے میں حافظ ابن رجب کہتے ہیں کہ حافظ ابن الصلاح نے ایک مجلس املا منعقد کی اور اس کا نام مجلس احادیث کلیہ رکھا۔ اس میں انہوں نے ایسی حدیثیں املا کیں جن کو مدار

Scanned with CamScanner

دین کہا جاتا ہے یا ایسے مختصر جامع کلمات نبویؐ جو ان کے ہم معنی ہوں۔ ان احادیث کی تعداد انتیس تھی۔ امام نوویؒ نے ان احادیث کو لے کر اور اسی طرح کی مزید تیرہ حدیثوں کا اضافہ کرکے یہ کتاب تحریر فرمائی۔

اربعین نوویؒ کی مقبولیت و شہرت کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے اور یہ اس کتاب کی مقبولیت کی ایک کھلی دلیل ہے کہ علمائے اسلام نے اس کتاب پر خاص توجہ دی اور کثرت کے ساتھ اس کی شرحیں اور حواشی لکھے گئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کی تخریج بھی لکھی ہے۔ جس کا نام "تخریج الاربعین النوویہ بالاسانید العالیہ" ہے۔ حافظ ابن حجر نے بڑی صحیح بات کہی ہے۔

**"فلشتهرت و نفع الله سبحانه و تعالی ببر كته نيته جامعها"**

اللہ تعالیٰ نے جتنی اس کتاب کو مقبولیت بخشی اسی قدر اس سے نفع پہنچا اور یہ سب اس کے جامع کی نیک نیتی اور خلوص کا نتیجہ ہے۔



## حدیث نمبر (۱)

عَنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَبِىْ حَفْصٍ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ

سے امیر المومنین ابی حفص عمر بیٹا خطاب

حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت ہے آپ نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

راضی ہوا اللہ اس سے کہا سنا میں نے رسول اللہ درود بھیجا اللہ پر اس

کو فرماتے ہوئے سنا کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور تحقیق ہر شخص

وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ

اور سلام بھیجا وہ کہتا ہے بے شک اعمال ساتھ نیتوں اور بے شک لیے ہر

کے لیے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ پس جس نے اللہ اور اس کے رسول

امْرِئٍ مَّا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَ

مرد جو نیت کی اس نے پس جو کرے ہجرت طرف اللہ اور

کے لیے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہو گی

رَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ

رسول اسکے پس ہجرت اس کی طرف اللہ اور رسول اس کے اور جو کرے

اور جس نے دنیا کے لیے ہجرت کی کہ وہ دنیا کی (کامیابیاں) پاسکے۔

هِجْرَتُهٗ لِدُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِ امْرَاَةٍ يَّنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ

ہجرت اس کی لیے دنیا وہ حاصل کر سکے یا لئے عورت وہ نکاح کرے اس سے پس ہجرت اسکی

یا کسی عورت (کی خاطر ہجرت کی) کہ نکاح کرے اس سے۔ پس اس کی

اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ وَ مُسْلِمٌ

طرف جو ہجرت کی اسی کی - روایت کیا اسے بخاری اور مسلم۔

ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے امام بخاری اور مسلم نے اسے روایت کیا

## مشکل الفاظ کے معانی

**اَعْمَالُ:** جمع ہے عمل کی۔ **نِیَّات:** جمع ہے نیت کی۔ معنی دل کا مقصد یا ارادی یا ارادہ۔ **اِمْرِءٍ:** مرد۔ نَوٰی۔ جو اس نے نیت کی۔ **هِجْرَتُ:** ترک کرنا۔ چھوڑنا۔ شریعت کی اصطلاح میں اپنا گھربار' عزیز و اقارب اور وطن کو خدا اور اس کے رسول کی خاطر خیرباد کہنا ہجرت کہلاتا ہے۔ **اَصَابَ:** اس نے پایا۔ اس نے حاصل کیا۔ **یُصِیْبُ:** وہ پاتا ہے۔ وہ پائے گا۔ **اِمْرَءَۃٍ:** عورت۔ **نَکَحَ:** اس نے نکاح کیا۔ **یَنْکِحُ:** وہ نکاح کرتا ہے یا کرے گا۔

## اعمال کا انحصار نیت پر ہے

**تشریح:** یہ حدیث مہاجر ام قیس کی حدیث کہلاتی ہے اس کے پہلے جز میں اس امر کی وضاحت ہے کہ اعمال کی قبولیت کا دارومدار انسان کی نیت اور ارادے پر موتوف ہے۔ اگر کسی شخص کا ارادہ اور مقصد نیک ہے تو اسے نیکی کا اجر و ثواب دگنا چوگنا بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ملے گا لیکن اس کے برعکس اگر مقصد و ارادہ نیک نہ ہو' تو کام خواہ کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو اس کا کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہی اعمال شرف قبولیت حاصل کرتے ہیں جو اس کی رضاجوئی اور خوشنودی کی خاطر سرانجام دیے جائیں۔ اگر ان اعمال سے مقصود محض ریاکاری' دکھلاوا' نمود و نمائش' فخر اور غیراللہ کی خوشنودی ہے' تو وہ اعمال قابل قبول نہیں اور نہ ہی ان کا کوئی صلہ ملے گا بلکہ ایسا شخص آخرت میں ذلت و رسوائی اور ناکامی و نامرادی سے دوچار ہوگا۔ چنانچہ سورۂ ماعون میں ایسے نمازیوں کے لیے ہلاکت کی سزا بیان کی گئی ہے' جو ریاکار ہیں۔ وہ عبادات جو فخر و نمائش اور دکھاوے کی غرض سے کی جائیں' ثواب کی بجائے ہمارے عذاب کا سبب بن جائیں گی۔

اسی طرح نام و نمود کی خاطر جو شخص خیرات کرتا ہے' اس کے متعلق سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰی۔

(بقرہ:264)

"اے ایمان والو! تم اپنے صدقات احسان جتلا کر یا ایذا دے کر ضائع نہ کرو"۔

ایک اور سورۃ میں شیخی کے مارے فضول خرچی کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ ایک اور مقام پر قرآن حکیم میں آتا ہے:



لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰی۔

(حج:37)

"خدا کے پاس قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے"۔

درحقیقت انسان کو تقویٰ یعنی خلوص نیت کا اجر و ثواب ملتا ہے اور تقویٰ کا اصل مرکز دل ہے۔ دل اگر خوف الٰہی سے عاری ہے تو وہ محرک بھی مفقود ہوگا جو انسان کو اپنے محاسبہ پر ابھارتا ہے' اس لیے دل کی درستی انتہائی ضروری ہے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خبردار! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ صحیح و تندرست رہتا ہے' تو سارا جسم تندرست رہتا ہے اور جب وہ خراب و فاسد ہو جائے تو سارا جسم خراب و فاسد ہو جاتا ہے۔ خبردار (گوشت کا لوتھڑا دل ہے)۔ (صحیح بخاری' کتاب الایمان) قرآن پاک سے بھی واضح ہوتا ہے کہ تقویٰ کا اصل مقام دل ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ۔ (حج:32)

"اور جو خدا کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے"۔

اگر دل میں تقویٰ' نیک نیتی اور خلوص پیدا ہو جائے تو ایک شخص خودبخود برائی سے گریز کرتا ہے اور نیکی کی طرف راغب ہو جاتا ہے اور اپنی بڑی سے بڑی نیکی پر فخر و غرور نہیں کرتا۔ اس کی پوری زندگی یک جہتی اور یک رنگی کے ساتھ اسلامی زندگی بن جاتی ہے اور اسلام اپنی پوری ہمہ گیری کے ساتھ اس کے جذبات' خیالات' طرز زندگی غرض اس کی حیات دنیوی کے بعد جملہ گوشوں میں نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ نمایاں ہوتا چلا جاتا ہے۔ انجام کار وہ آخرت کی ازلی و ابدی کامرانی و کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کوئی شجاعت کی خاطر لڑے یا حمیت (قومی) کی خاطر یا دکھاوے کی خاطر تو ان میں سے کون سا عمل اللہ کی راہ میں محبوب ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا "جو آدمی اس لیے جنگ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو' وہ ہی راہ خدا میں ہے"۔ ایک اور حدیث میں آپؐ نے نیت اور ارادہ کی اہمیت کو اس طرح واضح فرمایا۔

"جب کوئی مسلمان نیکی کا ارادہ کرتا ہے اور اسے (کسی سبب سے) نہیں کر سکا تو اللہ تعالیٰ اس کے نام ایک نیکی لکھ دیتا ہے۔ اگر برائی کی نیت کی اور اس پر عمل (ارادتاً) نہ کیا تو جب بھی اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ لی جائے گی"۔

حدیث کے دوسرے جزو میں بطور مثال بتایا ہے کہ ہجرت کتنا اہم عمل ہے۔ انسان اپنا گھربار، عزیز و اقارب اور مال و دولت چھوڑ کر اپنے وطن سے تمام امیدیں منقطع کر لیتا ہے اور دور دراز ملک میں سکونت پذیر ہو جاتا ہے۔ اگر یہ عمل خالصتاً" اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی اور خوشنودی کے لیے سرانجام دیا ہو تو اس کا اجر و ثواب ملے گا لیکن اگر یہی عمل کسی عورت سے نکاح یا حصول دولت کی خاطر یا کسی اور مادی منفعت کے لیے کیا جائے تو ایسا شخص آخرت میں کسی اجر و ثواب کا مستحق نہ ہوگا۔ آخرت کا ثواب صرف اس مہاجر کا حصہ ہے جس کی نیت اور ارادہ حفاظت دین اور خدا اور رسول کی اطاعت میں عملی حصہ لینے کی ہوتی ہے۔ خلاصہ ساری بحث کا یہ نکلا کہ عمل کی اچھائی یا برائی کا تمام تر انحصار نیت و ارادہ پر موقوف ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں فرمایا: "اللہ تعالیٰ صورتوں اور اقوال کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے اعمال اور قلوب کو دیکھتا ہے"۔

## حدیث جبریل نمبر (۲)

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَيْضًا قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ

سے عمر راضی ہوا اللہ سے اس کہا جس وقت ہم بیٹھے ہوئے

حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت ہے فرمایا ایک روز جب کہ ہم

عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ اِذَا طَلَعَ عَلَيْنَا

پاس رسول اللہ درود بھیجا اللہ پر اس اور سلام بھیجا ایک دن جب نمودار ہوا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ ہمارے

رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ

آدمی بہت سفید کپڑوں بہت سیاہ بالوں

سامنے ایک شخص نمودار ہوا۔ بہت ہی سفید لباس والا بہت ہی سیاہ بالوں والا

لَا يُرٰى عَلَيْهِ اَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهٗ مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰى

نہ نظر آتا تھا پر اس نشان سفر اور نہ پہچانتا اسے سے ہم کوئی یہاں تک

اس پر سفر کا کوئی نشان نظر نہ آتا تھا اور ہم میں سے اسے کوئی نہیں پہچانتا تھا



جَلَسَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ

بیٹھا ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پھر ملائے گھٹنے اپنے طرف گھٹنے اسکے

یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آبیٹھا۔ پھر اس نے اپنے دو زانوں

وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِيْ

اور رکھیں ہتھیلیاں اپنی پر رانوں اپنی اور کہا اے محمدؐ خبر دیجئے مجھے

آنحضورؐ کے زانوں سے ملا دیئے اور اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنی رانوں پر رکھ لیں اور کہا اے محمد

عَنِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بابت اسلام پس کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا

اسلام یہ کہ تو گواہی دے کہ نہیں الٰہ کوئی مگر اللہ اور بے شک محمد

اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک محمد

رَسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ

رسول اللہ کے اور تو قائم کرے نماز اور تو دے زکوٰۃ اور تو رکھے

اللہ کے رسول ہیں۔ اور یہ کہ تو نماز پڑھے زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے

رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا

روزے (رمضان کے) اور تو حج کرے گھر (اللہ کے) اگر تو استطاعت رکھے طرف اس کے راستے (کی)

روزے رکھے اور خانہ کعبہ کا حج کرے اگر تجھے استطاعت ہو وہاں تک رستے کے سفر کی

قَالَ صَدَقْتَ فَعَجِبْنَا لَهٗ يَسْاَلُهٗ وَيُصَدِّقُهٗ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ

کہا سچ کہا تو نے پس عجیب لگا ہمیں اس کے سوال کرنے اور اسکی تصدیق کرنے سے کہا خبر دو مجھے

اس نے کہا آپ نے سچ فرمایا" پس ہمیں اس کے سوال کرنے اور تصدیق کرنے پر تعجب ہوا۔ پھر

عَنِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ

بابت ایمان کہا یہ کہ تو ایمان لائے اللہ پر اور فرشتوں اسکے اور کتابوں اسکی

اس نے کہا مجھے خبر دیجئے ایمان کے بارے میں۔ آپ نے فرمایا کہ تو ایمان لائے اللہ پر اس کے فرشتوں

Scanned with CamScanner

وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَ

اور رسولوں کے اور دن آخرت اور تو ایمان لائے پر تقدیر اچھی اُسکی اور

پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر اور آخرت پر اور تو ایمان لائے تقدیر خیر پر اور اسکے شر پر

شَرِّهٖ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ الْاِحْسَانِ قَالَ

بری اُسکی کہا سچ کہا تو نے کہا پس بتاؤ مجھے بابت احسان کہا

اس نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ پھر کہا مجھے خبر دیجئے کہ احسان کیا ہے۔ آپ نے کہا کہ تو اللہ

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ

کہ تو عبادت کرے اللہ جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے پس اگر نہ تو دیکھے اسے پس یقیناً وہ

کی بندگی اس طرح کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اسے نہیں دیکھ سکتا تو یہ جان لے

يَرَاكَ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا

دیکھتا ہے تجھے کہا سچ کہا تو نے پس بتاؤ مجھے بابت قیامت کہا نہیں سوال کیا گیا جس سے بابت اُسکے

کہ وہ یقیناً تجھے دیکھ رہا ہے اس نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ پھر اس نے کہا مجھے قیامت کے بارے خبر دیجئے آپؐ

بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ قَالَ فَاَخْبِرْنِيْ عَنْ اَمَارَاتِهَا قَالَ

زیادہ جاننے والا ہے سائل کہا تو بتاؤ مجھے بابت نشانیاں اس کی کہا

نے فرمایا جس سے اس کے متعلق سوال کیا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا اس نے کہا تو مجھے اسکی

اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا وَاَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ

یہ کہ جنے لونڈی مالکہ اپنی اور کہ تو دیکھے ننگے پاؤں ننگے بدن محتاجوں

نشانیاں بتایئے آپ نے فرمایا جب لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی اور تو دیکھے گا برہنہ پا برہنہ بدن فقیر

رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ

چرانے والے بھیڑ بکریاں فخر کرتے ہیں ایک دوسرے پر بیچ تعمیر پھر وہ چلا گیا تو رہا

اور بکریاں چرانے والے بڑی عمارتوں میں ایک دوسرے پر فخر کرنے لگیں۔ پھر وہ شخص چلا گیا

مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ يَا عُمَرُ اَتَدْرِيْ مَنِ السَّائِلُ قُلْتُ

بہت دیر پھر کہا اے عمرؓ کیا تو جانتا ہے کون (تھا) سائل کہا میں نے

پھر کچھ دیر ٹھہر کر آپ نے فرمایا اے عمرؓ کیا تم سائل کے متعلق جانتے ہو؟ میں نے کہا



اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهٗ جِبْرِيْلُ اَتَاكُمْ

اللہ اور رسول اس کا زیادہ جانتا ہے کہا وہ جبرئیل آیا پاس تمہارے

اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ جبریل تھے تمہیں دین

يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

سکھاتا ہے تمہیں دین تمہارا روایت کیا اسے مسلم

سکھانے کیلئے آئے تھے۔ (اسے امام مسلم نے روایت کیا)

## مشکل الفاظ کے معانی

| | |
|---|---|
| جُلُوْسٌ | بیٹھے ہوئے تھے۔ |
| ذَاتَ يَوْمٍ | ایک دن۔ |
| طَلَعَ عَلَيْنَا | وہ ہم پر نمودار ہو۔ یعنی وہ ہمارے سامنے آیا۔ |
| رَجُلٌ | شخص مراد حضرت جبریلؑ فرشتہ۔ |
| ثِيَابٌ | کپڑے۔ جمع ہے ثوب کی۔ |
| بَيَاضٌ | سفید۔ |
| سَوَادِ الشَّعْرِ | سیاہ بالوں والا۔ |
| فَاَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ | پس اس نے دونوں گھٹنے ملائے۔ |
| وَضَعَ | اس نے رکھا۔ |
| كَفَّيْهِ | ہتھیلیاں۔ |
| كَاَنَّ | گویا کہ۔ حروف مشبہ بالفعل ہے۔ |
| فَخِذَيْهِ | اپنی رانوں پر۔ |
| تَشْهَدَ | تو گواہی دے۔ |
| اِنِ اسْتَطَعْتَ | اگر تو طاقت رکھتا ہے۔ |
| فَعَجِبْنَا | ہمیں تعجب ہوا۔ |
| يَسْاَلُ | وہ سوال کرتا ہے۔ |
| يُصَدِّقُ | وہ تصدیق کرتا ہے۔ |

مَلَائِكَةٌ جمع مَلَكٌ کی معنی فرشتہ + سَاعَةٌ قیامت۔

| | |
|---|---|
| مَسْئُوْلٌ | جس سے سوال کیا جائے۔ |

| | |
|---|---|
| اَمَارَاتِهَا | اس کی نشانیاں۔ |
| تَلِدَ | وہ جنتی ہے۔ |
| اَمَتَہ | لونڈی + رَبَّهَا اس کا مالک۔ |
| حُفَاةٌ | برہنہ پاؤں + واحد حَافٍ ہے۔ |
| عُرَاةٌ | برہنہ پاؤں + اس کا واحد عاری ہے۔ |
| رُعَاةٌ | چرنے والے + رَاعِیْ کی جمع ہے۔ |
| شَاءٌ | بکریاں۔ واحد شَاةٌ ہے۔ |
| بُنْیَان | عمارت تعمیر کرنا۔ |
| مَلِیًّا | کچھ دیر + یَتَطَاوَلُوْنَ بلند ہونے لگیں' بڑھنے لگیں۔ |
| اِنْطَلَقَ | وہ رخصت ہوا۔ |

# اسلام' ایمان' احسان کا مطلب اور علامات قیامت

**تشریح:** یہ حدیث 'حدیث جبریلؑ' کہلاتی ہے اور دین اسلام میں بنیادی حیثیت کی حامل ہے کیونکہ اس میں اسلام' ایمان' احسان' قیامت سے متعلق واضح طور پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ حضرت جبریلؑ صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے جبکہ دین کی تکمیل ہو چکی تھی اور آپؐ سے سائل و متعلم کی حیثیت سے مہمات دین اور اصولی امور کے متعلق سوالات کیے۔ آپؐ نے حضرت جبریلؑ کو مناسب جوابات دیے۔ یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور کا ہے۔

حضرت جبریلؑ کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنے کا مدعا یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ بھی ان سوالات کے جوابات سن لیں اور سوال و جواب اور تعلیم و تعلم کا طریقہ اور سلیقہ سیکھ لیں۔ حضرت جبریلؑ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب اپنے گھٹنے آپؐ کے گھٹنوں سے جوڑ کر بیٹھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کس طرح بیٹھا جاتا ہے اور آپؐ سے کسی مسئلہ کے متعلق کچھ دریافت کرنے کا کیا طریقہ ہے۔

حضرت جبریلؑ ایسی ہیئت کے ساتھ نمودار ہوئے کہ حاضرین خواہ مخواہ آپ کی طرف متوجہ ہو جائیں اور آپ کے سوالات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوابات اچھی طرح سن لیں۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اجنبی فرشتہ نہ تو پردیسی تھا کیونکہ اگر وہ پردیسی ہوتا تو سفر کے آثار اس کے چہرے سے ہویدا ہوتے اور نہ مقامی تھا کیونکہ اگر وہ مقامی ہوتا تو صحابہ کرامؓ میں سے کوئی نہ کوئی اسے پہچانتا۔ نیز حضرت عمرؓ فرماتے ہیں' ہمیں اس اجنبی فرشتے یعنی حضرت جبریلؑ کی



اس بات سے تعجب ہوا کہ یہ شخص آپؐ سے سوال بھی کر رہا ہے اور آپؐ کی تصدیق بھی کر رہا ہے۔ اس لیے کہ سوال ناواقف کی طرف سے ہوتا ہے اور تصدیق واقف حال کی جانب سے ہوتی ہے۔

**پہلا سوال ارکان اسلام کے متعلق ہے:** پہلا سوال حضرت جبریلؑ نے یہ کیا کہ اے محمدؐ! مجھے اسلام سے باخبر کیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اسلام یہ ہے کہ: **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کی گواہی دے اور نماز کو قائم رکھے اور زکوٰۃ ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے اگر وہاں پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔

اسلام کے لفظی معنی کسی چیز کو کسی کے حوالہ کر دینا ہے۔ مسلم اسی لفظ سے اسم فاعل ہے۔ دین اسلام کو اسلام اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایک مسلم اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیتا ہے۔ اس سپردگی کے بعد نہ اس کی جان اس کی جان رہتی ہے' نہ اس کی اولاد اس کی اولاد رہتی ہے' نہ اس کا مال اس کا مال۔ سب کچھ خدا ہی کا ہو جاتا ہے اور اس کی حیثیت اس شعر کے مصداق ہوتی ہے۔۔

جان دی' دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اسلام' اللہ رب العزت کی الوہیت و وحدانیت اور حضرت محمدؐ کی نبوت و رسالت کے اقرار و اعتراف کا نام ہے۔ یہ اقرار ایک کلمہ **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** سے ہوتا ہے جس کے لیے قلبی تصدیق و توثیق ضروری ہے۔ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کلمہ کا زبان سے اقرار اور دل سے اس کی تصدیق نہ کرے۔ کلمہ کے ایک جزو کا انکار دوسرے جزو کے انکار کے مترادف ہے۔

یہ کلمہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہترین ذکر **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک اور حدیث مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا' **مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ** یعنی جس نے **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** کہہ دیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ مراد یہ ہے کہ جس شخص نے اس کلمہ کو زبان سے اقرار کر کے دل سے اسے تسلیم کر لیا اور اس کے مقتضیات کو پورا کیا وہ جنت میں جانے کا مستحق ہو جائے گا۔ گویا یہ کلمہ حلف وفاداری ہے۔ اس حلف کے بعد اس کے خلاف کوئی عمل کرنا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغاوت کرنے کے مترادف ہے۔

اس شہادت اور گواہی کے بعد امر خداوندی کی پابندی اور اعمال صالح کی بجا آوری ضروری ہے۔ جن کے اصل الاصول اور اہم اوامر چار امور ہیں۔

Scanned with CamScanner

1- نماز قائم کرنا۔

2- زکوۃ ادا کرنا۔

3- رمضان شریف کے روزے رکھنا۔

4- صاحب استطاعت کے لیے حج کرنا۔

یہ چاروں امور تمام اعمال صالحہ کی جڑ اور بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں اور اسلام کے اصل لوازمات میں سے ہیں جن سے کوئی مسلمان غفلت نہیں کر سکتا۔ باقی اوامر خداوندی انہیں کی شاخیں اور برگ و بار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی تعلیم و تصدیق اور اقرار و اعتماد کے بعد ان چاروں امور' نماز' روزہ' زکوۃ اور حج کی بجا آوری اور کماحقہ' ادائیگی ایک مسلمان کو تمام فواحش اور منکرات سے متنفر اور بیزار بنا دیتی ہے اور اللہ و رسول کے تمام اوامر سے آراستہ اور خوگر کر دیتی ہے۔ ان پانچ ارکان اسلام کے بجالانے کے بعد ایک مسلمان کو مسلم سوسائٹی میں جگہ ملتی ہے اور اس کے دل کا معاملہ خدا کے سپرد ہوتا ہے۔ امت مسلمہ میں اتحاد و اتفاق' اخوت و بھائی چارہ کے جذبات و احساسات بھی ان ہی ارکان اسلام کے ذریعہ پروان چڑھتے ہیں اور ان کی بدولت امت ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند مستحکم ہو جاتی ہے۔

**دوسرا سوال عقائد اسلام کے متعلق ہے:** دوسرا سوال فرشتے نے یہ کیا کہ مجھے ایمان سے باخبر کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور یوم آخرت کی تصدیق کرے اور تقدیر کی تصدیق کرے' خیر ہو یا شر۔ سوال ایمان کے مفہوم اور حقیقت کا نہیں' بلکہ ایمان کے متعلقات اور لوازمات کا ہے۔ چنانچہ جواب میں ایمان کے اہم متعلقات اور اصل لوازمات کا ذکر کیا گیا' جو حسب ذیل ہیں۔

**1- اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا:** یعنی اس وحدہ لاشریک ذات کی تصدیق و توثیق کرنا اور تمام صفات کمال کے ساتھ اس کو متصف یقین کرنا اور ہر نقص و عیب سے منزہ اور پاک جاننا۔ اس لیے کہ اللہ اسی ذات پاک کا نام ہے جس کا وجود اصلی اور ذاتی ہو اور کبھی اس پر عدم طاری نہ ہو اور تمام صفات کمال و جمال کامل طور پر اس میں موجود ہوں اور وہ ہر نقص و عیب سے بالکل منزہ اور پاک ہو۔

یہ وہ اصل حقیقت ہے جس پر کائنات کا ذرہ ذرہ شاہد ہے اور کوئی بصارت و بصیرت والا کسی طرح اس سے انکاری نہیں ہو سکتا۔



وَفِیْ كُلِّ شَیْءٍ لَهٗ اٰیَةٌ

تَدُلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

اس کی جانب قرآن حکیم میں بار بار متوجہ کیا گیا اور واضح کر دیا گیا کہ اہل عقل و فہم کے لیے کائنات کی ہر شے خالق کی حکمت و قدرت اور الوہیت و وحدانیت کا بین ثبوت ہے اور وہ اپنی ذات و صفات اور حقوق و اختیارات میں واحد و یکتا ہے اور کوئی دوسری ہستی شریک و سہیم نہیں۔

**2- فرشتوں پر ایمان لانا:** یعنی اس بات کی تصدیق کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی ایک نورانی مخلوق ہے جو ہر وقت خدا کی اطاعت و فرمانبرداری میں مشغول رہتی ہے اور کبھی کسی آن نافرمانی اور سرکشی نہیں کرتی' بلکہ ہر وقت خدائی کاموں میں منہمک رہتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ○

"خدا انہیں جو حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کچھ کرتے ہیں جن کا انہیں حکم ملتا ہے"۔

یعنی فرشتوں کی حیثیت اللہ تعالیٰ کی سلطنت میں محض کارندوں کی سی ہے اور کارندے بھی ایسے جو اپنے مالک کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے۔ فرشتوں کا عقیدہ انسان کی زندگی پر گہرا اثر ڈالتا ہے اور عقیدۂ شک کی بیخ کنی کرتا ہے۔

**3- کتابوں پر ایمان لانا:** یعنی اس بات کی تصدیق و توثیق کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے فرشتوں کے ذریعہ اپنے برگزیدہ رسولوں کے پاس صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں' جن میں مخلوق کو خیر و طاعت کی تاکید اور ترغیب فرمائی اور شر و معصیت سے باز رہنے کی ہدایت فرمائی۔ آسمانی کتابوں پر یقین و اعتماد رکھنا اس لیے ضروری ہے تاکہ انسان پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اس کی نجات و ہدایت اور صلاح و فلاح کا اصلی منبع اور حقیقی سرچشمہ کہاں ہے اور شیطنت و ضلالت کہاں سے پھوٹتی ہے اور کس طرح پھیلتی ہے اور تباہ و برباد کرتی ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب پر ایمان اور یقین ہوگا' اسے نہ کبھی اس کے خلاف چلنے کی جرات و ہمت ہوگی اور نہ کبھی وہ تباہی و بربادی اور جہالت و گمراہی میں مبتلا ہوگا۔

**4- رسولوں پر ایمان لانا:** انبیائے سابقین کی تصدیق کرنا اور ان کی اصلی تعلیم کی سچائی کو تسلیم کرنا ہر مسلمان کے عقائد میں شامل ہے۔ ہم ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کر سکتے۔ ہر نبی یا رسول کو کسی خاص قوم یا علاقہ کی طرف خاص وقت کے لیے مبعوث کیا گیا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جملہ کائنات کی رشد و ہدایت کے لیے قیامت تک رسول بنا کر بھیجا گیا۔

Scanned with CamScanner

**5- آخرت پر ایمان لانا:** قرآن مجید میں شاید ہی کوئی صفحہ ایسا ہو جس میں کسی نہ کسی انداز سے اس عقیدے کا ذکر کئی کئی بار نہ آیا ہو۔ طرح طرح سے اس عقیدے کو سمجھایا گیا ہے اور اس کے جھٹلانے والوں کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ اس کے ماننے یا نہ ماننے سے زندگی کا جو رنگ ہو جاتا ہے اس کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔ اس کی اہمیت جتلائی گئی ہے اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے اور صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ آخرت پر ایمان لائے بغیر انسان کے سارے اعمال بے کار ہیں۔

مختصر الفاظ میں آخرت کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم اس حقیقت پر ایمان لائیں کہ انسان کی یہ دنیوی زندگی اس کی آخری زندگی نہیں بلکہ اس کے بعد اسے ایک اور ہمیشہ رہنے والی زندگی ملے گی۔ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب یہ سارا کارخانہ عالم ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کوئی دوسرا نظام قائم فرمائے گا۔ سارے انسان جو ابتداء سے اس زمین پر کبھی پیدا ہوئے ہوں گے وہ سب کے سب دوبارہ زندہ کیے جائیں گے۔ جس نے جیسے کام کیے اسے ویسا ہی بدلہ دیا جائے گا۔ نیک کام کرنے والے اللہ کے وفادار بندے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سکھ اور آرام کی جنت میں پہنچا دیے جائیں گے اور اللہ کے باغی' نافرمان اور برے کام کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔

**6- اچھی یا بری تقدیر پر ایمان لانا:** یعنی اس چیز پر ایمان لانا کہ اس دنیا میں خیر و شر منجانب اللہ ہے۔ انسان بعض معاملات میں مجبور ہے اور بعض میں مختار ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے' وہ قادر مطلق ہے۔

**تیسرا سوال احسان کے متعلق ہے:** اس سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اللہ رب العزت کی اس طرح بندگی اور عبادت کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اس ذات پاک کو نہیں دیکھ رہا ہے اور مشاہدۂ حق سے محروم ہے تو کم از کم یہ ضرور سمجھ کہ وہ عالی ذات تو ہر حال میں تجھے دیکھ رہی ہے۔ یعنی ہر عمل کرتے وقت خدا کی طرف نگاہ ہونی چاہیے۔ احسان کی اہمیت معاشرتی اور اجتماعی زندگی میں عدل سے زیادہ ہے۔ عدل اگر معاشرہ سے شر و فساد کا استیصال کرتا ہے اور امن و امان پیدا کرتا ہے تو احسان صحت مند اور خوشگوار ماحول پیدا کرتا ہے اور تلخیوں و ناگواریوں کو دور کرتا ہے۔ نیز معاشرے میں ایثار و قربانی' مہر و محبت' اخوت و بھائی چارہ' رواداری و ہمدردی' سخاوت و فیاضی' عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کے جذبات احسان ہی کی بدولت پروان چڑھتے ہیں جو زندگی کی روح ہیں۔ یہ صفات اسی وقت ظہور میں آ سکتی ہیں جبکہ ہر عمل کرتے وقت خدا کا خوف اور اس کی موجودگی کا تصور انسان کے ذہن میں رہے۔



**چوتھا سوال:** حضرت جبرئیلؑ نے چوتھا سوال یہ کیا کہ مجھے قیامت سے باخبر کیجئے یعنی بتلایئے کہ قیامت کب آئے گی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے متعلق جس سے سوال کیا جا رہا ہے' وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ یعنی قیامت کا وقت صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ اس لیے اس سے عدم علم اور بے خبری میں سائل اور مسئول دونوں برابر ہیں۔ پھر جبرئیلؑ نے کہا کہ مجھے قیامت کی علامات بتایئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' علاماتِ قیامت یہ ہیں کہ باندی اپنے آقا کو جنے گی۔ یعنی سلطنت و حکومت نااہلوں کے سپرد ہو جائے گی۔

دوسری نشانی یہ ارشاد فرمائی کی برہنہ پا' برہنہ جسم' مفلس اور قلاش بکریاں چرانے والے عالی شان کوٹھیوں اور محلات کے مالک ہوں گے۔ یعنی کمینے اور نااہل لوگ صاحب اقتدار اور ذی ثروت ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس شریف النفس خدا خوفی اور خدا ترسی رکھنے والے لوگ ذلت و خواری کی زندگی بسر کریں گے۔ دور حاضر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئیاں حرف بہ حرف پوری ہو رہی ہیں۔

## حدیث نمبر (۳)

عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ
سے ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن عمر بن خطاب
ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
راضی ہوا اللہ سے دونوں کہا سنا میں نے رسول اللہ درود بھیجا اللہ پر اس اور
کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے
سَلَّمَ يَقُولُ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَا
سلام وہ کہتا ہے تعمیر کیا گیا اسلام پر پانچ گواہی کہ نہیں
سنا کہ اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے اس بات کی گواہی
إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَإِقَامِ
معبود مگر اللہ اور بیشک محمد بندہ اس کا اور رسول اس کا اور قائم کرنا
دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے بندے

| | |
|---|---|
| الصَّلٰوۃِ وَ اِیْتَاءِ الزَّکٰوۃِ وَحَجِّ الْبَیْتِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ | |
| نماز اور دینا زکوٰۃ اور حج کرنا گھر اور روزے رکھنا رمضان | |
| اور رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا اور بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا | |
| رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ۔ | |
| روایت کیا اسکو بخاری و مسلم نے | |
| (اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا) | |

## مشکل الفاظ کے معانی

| | |
|---|---|
| سَمِعْتُ | میں نے سنا + بُنِیَ بنیاد رکھی گئی' بنیاد ڈالی گئی۔ |
| خَمْسٌ | پانچ۔ مراد پانچ باتیں + شَہَادَۃٌ گواہی دینا۔ |
| اِلٰہٌ | معبود' عبادت کے لائق + عَبْدٌ بندہ۔ |
| اِقَامَ | قائم کرنا + اِیْتَاءِ دینا' ادا کرنا۔ |
| حَجَّ | قصد' ارادہ + اَلْبَیْتَ بیت اللہ۔ |
| صَوْم | رکنا۔ روزہ |

## ارکان اسلام

**تشریح:** اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ ارکان کا ذکر کیا ہے' جن پر دین اسلام کی عمارت کا انحصار ہے اور جو اسلام کے عظیم الشان محل کے لیے پانچ ستونوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں انہیں ارکان اسلام یا ارکان خمسہ یا اصول اسلام یا اسلامی عبادات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

1- شہادت توحید و رسالت۔
2- قیام صلوۃ۔
3- زکوٰۃ ادا کرنا۔
4- حج کرنا۔
5- ماہ رمضان کے روزے رکھنا۔

**1- شہادت توحید و رسالت:** یعنی زبان اور دل سے یہ گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی



عبادت و بندگی کے لائق نہیں اور نہ ہی کوئی اس کی ذات صفات حقوق و اختیارات میں شریک و سہیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کے اس تصور کو نظریہ توحید کہتے ہیں۔ اسے اسلامی عقائد میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے بغیر اسلام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تمام اسلامی عقائد کی روح ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ایمانیات کی بنیادیں اللہ پر ایمان کی شاخیں ہیں۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے
پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
جب جھکا تو غیر کے آگے' نہ من تیرا نہ تن

قرآن مجید کی بدولت توحید کا یہ تصور آج بھی اپنی اصل و مکمل شکل میں موجود ہے یہی وہ روح ہے جس سے انسانیت نے ہمیشہ زندگی حاصل کی ہے اور آج بھی اگر اسے زندگی نصیب ہو سکتی ہے تو اسی روح کی بدولت۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی اللہ کے کچھ بندے اللہ پر صحیح ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے تو ان کے سامنے نہ کسی کسریٰ کی حقیقت باقی رہی اور نہ قیصر کی۔ بڑی سے بڑی طاقت کو انہوں نے نیچا دکھایا اور ایک خدا سے اپنا تعلق مستحکم کرنے کے بعد انہوں نے سارے بندھنوں کو پاش پاش کر دیا۔

توحید کے ساتھ ہی مسلمانوں کو اس امر کی شہادت اور گواہی دینا بھی ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ رسالت کے معنی پیغام پہنچانا ہے۔ پیغام پہنچانے والے کو رسول کہتے ہیں لیکن اسلام کی اصطلاح میں رسول اس شخص کو کہتے ہیں جو خدا کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچائے اور ان امور کی طرف ان کی رہنمائی کرے جو اللہ کو پسندیدہ اور محبوب ہیں۔ رسول پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ تسلیم کرلے کہ رسول کو کچھ پیش کر رہے ہیں' اس کی بنیاد وہ علم ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشا گیا ہے۔ اس لیے یہ بات خود بخود ضروری ہو جاتی ہے کہ صرف عقائد و عبادات ہی میں نہیں بلکہ زندگی کے تمام معاملات میں انسان اسی طریقے کو اختیار کرے جسے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اختیار کیا اور دوسروں کو اختیار کرنے کی دعوت دی۔ گویا رسولؐ پر ایمان لانے کا سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ رسولؐ کی پیروی کے بغیر ایمان کا دعویٰ ایک بے حقیقت سی بات ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگرچہ بو نہ رسیدی تمام بو لہبی است

قرآن پاک کی بے شمار آیات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابدی و دائمی پیروی امت مسلمہ پر فرض قرار دی گئی ہے۔

Scanned with CamScanner

**2- قیام صلوۃ:** توحید و رسالت کی شہادت کے بعد صلوۃ یعنی نماز' اسلام کا دوسرا اہم رکن ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق دن میں پانچ وقت باقاعدگی اور تمام شرائط کے ساتھ نماز ادا کرنا قیام صلوۃ کہلاتا ہے۔ نماز ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرض ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کر دی اس نے کفر کیا۔ ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے۔ یہ حدیث بھی آپؐ سے منسوب ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اذان کہلوا کر اقامت کے بعد میں اپنی جگہ کسی اور کو امام کھڑا کر دوں اور جو لوگ نماز میں شریک نہ ہوں ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔ (بخاری مسلم)

**3- زکوۃ دینا:** اسلام کا تیسرا رکن زکوۃ ہے۔ یعنی اپنے مال کی سال بھر کی بچت میں سے مقررہ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا زکوۃ کہلاتا ہے۔ زکوۃ کا روپیہ صرف کرنے کے لیے مختلف مدات مثلاً فقراء' مساکین' تالیف قلوب' غلاموں کی آزادی وغیرہ مقرر ہیں۔ زکوۃ ہر عاقل و بالغ اور آزاد مسلمان پر فرض ہے۔ زکوۃ کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ دولت ایک جگہ مجتمع نہیں رہتی' اسی طرح متمول لوگ بخل و امساک سے بچتے ہیں اور معاشرے کے تنگ دست افراد خوشحالی سے قریب تر ہو جاتے ہیں۔

**4- حج کرنا:** حج کے لغوی معنی زیارت کے ہیں۔ یہ اسلامی سال کے بارہویں مہینہ میں ادا کیا جاتا ہے۔ اس ماہ کے آغاز ہی سے مسلمان تمام اطراف و اکناف عالم سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہونے لگتے ہیں۔ تاکہ ذی الحجہ کی نو تاریخ کو میدان عرفات میں حاضر ہو کر اپنی فرمانبرداری کا یقین دلائیں۔ حج سے امت میں اتحاد و اتفاق اور یک جہتی و مرکزیت کی روح برقرار رہتی ہے۔ دنیا کے گوشے گوشے سے مسلمان مکہ معظمہ میں مجتمع ہو کر اسلامی اخوت و بھائی چارے کا پر کیف منظر پیش کرتے ہیں۔ ہر عاقل و بالغ اور صاحب استطاعت مسلمان پر زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا فرض ہے۔

**5- رمضان کے روزے:** اسلامی سال کے نویں مہینے کا نام رمضان ہے۔ اس سارے مہینے کے روزے رکھنا مسلمانوں پر فرض ہیں۔ پو پھٹنے سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور ہر قسم کی برائی سے باز رہنے کا نام روزہ ہے۔ روزہ کا قصد انسان کو متقی اور شکر گزار بنانا ہے۔ اس سے سال میں ایک ماہ ٹریننگ ملتی ہے اور بدکاریوں اور بداخلاقیوں کو ترک کرنے کی مشق حاصل ہوتی ہے۔ روزہ مفلسوں کے افلاس اور غرباء کی غربت کا عملی احساس پیدا کرتا ہے' اس کے علاوہ اور بھی بے شمار فوائد ہیں۔

ان پانچ ارکان اسلام کو پورے نظام میں وہی حیثیت حاصل ہے جو دیواروں اور ستونوں کو



کسی عمارت یا خیمہ میں حاصل ہوتی ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح عمارت کی پختگی کے لیے زیر زمین بنیادوں کی گہرائی ضروری ہے اسی طرح اسلام کی پختگی بھی ایمان کی گہرائیوں کے بغیر ناممکن ہے اور جس طرح عمارت کی تکمیل اور آرائش کے لیے بے شمار دیگر اشیاء کی ضرورت ہے۔ اسی طرح اسلام کی عمارت بھی دیگر طرح طرح کے اعمال صالحہ سے مکمل اور آراستہ ہوتی ہے۔ اخلاق' سیاست' معاشرت و معیشت غرض پوری زندگی کے مسائل کی بنیاد ان ہی ایمانیات پر رکھی گئی ہے۔

## حدیث نمبر (۴)

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ

سے ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن مسعود راضی ہوا اللہ

حضرت ابو عبد الرحمٰن ' عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

عَنْہُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ

اس سے کہا بیان کیا ہم سے رسول اللہ درود بھیجا اللہ پر اس اور سلام بھیجا اور وہ

روایت ہے آپ نے فرمایا کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا

الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ اِنَّ اَحَدَکُمْ یُجْمَعُ خَلْقُہٗ فِیْ

سچا جس سے سچ کہا گیا ' بے شک کوئی ایک تم میں سے ترکیب پاتا مادہ خلقیت میں

اور آپ سچے تھے اور آپ کی سچائی مسلم تھی۔ بے شک تم میں سے ہر ایک کا مادہ تخلیق

بَطْنِ اُمِّہٖ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا نُطْفَۃً ثُمَّ یَکُوْنُ عَلَقَۃً مِثْلَ

پیٹ ماں اپنی چالیس دن نطفہ پھر ہوتا ہے جما ہوا خون مانند

اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک بطور نطفہ رہتا ہے۔ پھر اسی طرح چالیس روز

ذٰلِکَ ثُمَّ یَکُوْنُ مُضْغَۃً مِثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یُرْسَلُ اِلَیْہِ

اس پھر ہوتا ہے لوتھڑا مانند وہ پھر بھیجا جاتا ہے طرف اس کی

تک بندھے ہوئے خون کی شکل میں پھر اسی طرح (چالیس روز) گوشت کا لوتھڑا بنتا ہے

الْمَلَکُ فَیَنْفُخُ فِیْہِ الرُّوْحَ وَیُؤْمَرُ بِاَرْبَعِ کَلِمٰتٍ

فرشتہ پھر وہ پھونکتا ہے اس روح اور حکم دیا جاتا ہے اسے ساتھ چار باتوں

پھر اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے پھر اسے (فرشتے) کو چار

يَكْتُبُ رِزْقَهٗ وَاَجَلَهٗ وَعَمَلَهٗ وَشَقِيٌّ اَوْسَعِيْدٌ فَوَاللّٰهِ

وہ لکھتا ہے رزق اس کا اور عمر اسکی اور عمل اس کا اور شقی یا سعید پس قسم اللہ کی

باتیں لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ وہ لکھتا ہے اس کا رزق، اسکی عمر اور اس کا عمل اور (یہ کہ وہ) بدبخت

الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ غَيْرُهٗ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ

جو نہیں کوئی معبود سوائے اسکے بیشک کوئی تم میں البتہ عمل کرتا ہے ساتھ عمل اہل

ہے یا نیک بخت، پس قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم میں سے کوئی شخص جنتیوں جیسے

الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ

جنت یہاں تک کہ نہیں ہوتا درمیان اسکے اور درمیان اسکے مگر ہاتھ (کا فاصلہ) پس غالب آجاتا ہے

کام کرتا ہے یہاں تک اسکے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اس پر

عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا وَ

پر اس لکھا ہوا پس وہ عمل کرتا ہے ساتھ عمل اہل دوزخ پھر وہ داخل ہوتا ہے اس میں

تقدیر کا لکھا غالب آجاتا ہے پھر وہ دوزخیوں جیسے کام کرتا ہے پھر وہ اس میں داخل ہو جاتا ہے

اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُوْنَ

اور بیشک کوئی تم میں البتہ عمل کرتا ہے ساتھ عمل اہل دوزخ یہاں تک کہ نہیں ہوتا

اور یقیناً تم میں سے کوئی دوزخیوں جیسے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان

بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ

درمیان اسکے اور درمیان اسکے سوا ہاتھ پس غالب ہے پر اس نوشتہ پس وہ عمل کرتا ہے

ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر نوشتہ تقدیر اس پر غالب آجاتا ہے اور وہ جنتیوں جیسے

بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ۔

ساتھ عمل اہل جنت پس وہ داخل ہوتا ہے میں اس۔ روایت کیا اسے بخاری اور مسلم

کام کرنے لگتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا

## مشکل الفاظ کے معانی

صَادِقٌ — سچ بولنے والا۔



خَلْقَهٗ — اس کی پیدائش اس کی تخلیق۔

نُطْفَةً — مرد یا عورت کا پانی۔

مُضْغَةً — گوشت کا لوتھڑا۔ گوشت کا ٹکڑا۔

فَيَنْفُخُ — پس وہ اس میں پھونک مارتا ہے۔

نَفَخَ — يَنْفُخُ۔ نَفْخًا" سے ہے۔

اَجَلٌ — مقررہ وقت یعنی موت۔

فَيَسْبِقُ — پس وہ سبقت لے جاتا ہے۔

مَصْدُوْقٌ — جس کی سچائی مسلم ہو۔ جس سے سچی بات کہی گئی ہو۔

يَجْمَعُ — وہ ترکیب پاتا ہے۔

عَلَقَةً — جما ہوا خون۔ منجمد خون۔

مَلَكٌ — فرشتہ۔

يُؤْمَرُ — وہ حکم دیا جاتا ہے۔ اَمَرَ۔ يَاْمُرُ سے ہے۔

ذِرَاعٌ — ایک بالشت۔ ایک ہاتھ۔

شَقِيٌّ — بدبخت۔

سَعِيْدٌ — نیک بخت۔

## انسانی تخلیق اور تقدیر کا بیان

**تشریح:** حدیث کے پہلے جزو میں شکم مادر میں انسانی تخلیق کی مختلف حالتوں کا ذکر ہے کہ انسان سب سے پہلے شکم مادر میں چالیس دن تک نطفہ کی شکل میں رہتا ہے۔ اس کے بعد یہی جما ہوا خون گوشت کے ایک لوتھڑے کی صورت اختیار کرتا ہے۔ پھر اس لوتھڑے میں فرشتہ اللہ کے حکم کے مطابق روح پھونکتا ہے۔ یہاں یہ امر ذہن نشین رہے کہ چالیس کے عدد سے یہ مقصود نہیں کہ مکمل چالیس دن ہی یہ حالت رہتی ہے۔ اس سے صرف ایک اندازہ بتانا مقصود ہے۔

انسانی تخلیق کی مختلف حیثیتوں کو بیان کرنے کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ یہی فرشتہ اللہ کے اذن سے انسان کے رزق، موت، اعمال، نیک بخت اور بدبخت ہونے کا تعین بھی کرتا ہے۔ نیک بخت اور بدبخت کے ضمن میں آپؐ نے فرمایا کہ نیک بخت وہ شخص ہے جس کا انجام اچھا ہو اور بدبخت وہ ہے جس کا انجام اچھا نہ ہو۔ اس کی مزید وضاحت آپؐ نے اس طرح فرمائی کہ ایک شخص تمام زندگی پاکبازی میں بسر کرتا ہے لیکن موت سے پیشتر اس سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہو جاتا ہے کہ اس

Scanned with CamScanner

کی ساری نیکیوں اور بھلائیوں پر پانی پھر جاتا ہے' نتیجتہً وہ جہنم واصل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس ایک انسان ساری زندگی بداعمالیوں میں گزار دیتا ہے۔ لیکن آخری عمر میں کوئی ایسا فعل کرتا ہے جو اللہ کی نگاہ میں پسندیدہ ہے۔ چنانچہ وہ جنت کا حق دار ہو جاتا ہے۔

حدیث کے اس جزو میں انسان کے رزق' موت' عمل' نیک بخت یا بدبخت ہونے کا ذکر ہے۔ اگرچہ ہر انسان کا رزق اور اس کی موت کا وقت مقرر ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی مشیت کے تحت رکھا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ (بقرہ:245)

اور اللہ تعالیٰ (رزق کو) تنگ کرتا ہے اور فراخ کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا: دعا قضا کو پھیر دیتی ہے اور نیکی عمر کو بڑھا دیتی ہے۔ (ترمذی) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ نیکی عمر کو بڑھا دیتی ہے' دعا تقدیر کو پلٹ دیتی ہے اور بندہ گناہ کرے تو رزق اس پر حرام ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ) ایک اور حدیث میں ہے کہ جس شخص کو خواہش ہو کہ اس کے رزق میں وسعت دے دی جائے یا اس کی عمر زیادہ ہو تو اسے صلہ رحمی کرنا چاہیے۔

جہاں تک اعمال کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے بندے کے ارادے اور اختیار کو سلب نہیں کیا اور نہ ہی اسے مجبور ہو کر تمام کام اپنے اختیار کے بغیر انجام دینے پڑتے ہیں بلکہ جس طرح وہ چلنے پھرنے' محنت مزدوری اور دیگر بے شمار امور میں اپنے ارادے کا مالک ہے' اسی طرح نیک عمل یا بدعمل کی راہ اپنانے میں بھی اس کے ارادے اور نیت پر کوئی قدغن اور پابندی نہیں اور اس ارادے اور نیت کے غلط یا صحیح استعمال پر ہی انسان کو اجر و ثواب ملتا ہے یا اس کی گرفت ہوتی ہے۔ تمام زندگی نیکی یا پارسائی میں بسر کر کے آخری وقت میں انجام خراب ہونے یا ساری زندگی بداعمالیوں اور برائیوں میں گزار کر آخری وقت میں انجام اچھا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ تمام افراد کو یہی صورت حال پیش آتی ہے بلکہ ایسا واقعہ سینکڑوں ہزاروں افراد میں سے کسی ایک کو پیش آتا ہوگا۔ حدیث میں اس بات کا ذکر اس غرض کے تحت ہوا ہے کہ انسان خواہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو' اسے اور اس کے بہی خواہوں کو رحمت الٰہی سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اسی طرح انتہائی صالح اور پاکباز انسان کو اپنے ماضی اور حال پر دھوکا کھا کر یاد الٰہی سے کسی لمحہ غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اسی بنا پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا تھا کہ تقدیر پر ایمان رکھنے کے باوجود تم عمل کیے جاؤ کیونکہ انسان دنیا میں وہی کام باسانی کر سکتا ہے' جس کے مطابق اس کا انجام مقرر ہے۔



تقدیر پر ایمان و یقین رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ انسان انتہائی ناسازگار حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کے احکامات بجا لانے اور سعی و جہد کر کے دعوت اسلام کو کامیاب بنانے میں تساہل اور غفلت کا مظاہرہ نہ کرے۔ کیونکہ جو خالق اپنی مخلوق کو کامیاب و کامران زندگی کا ایک نقشہ پیش کر کے انہیں اس پر گامزن ہونے کی تلقین و ہدایت کرتا ہے وہ ناموافق حالات کو تبدیل کر کے اچانک ایک نہایت موافق اور سازگار ماحول پیدا کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ اس لیے انسان پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ غلط اور نامکمل اندازے لگانے کی بجائے اندازوں اور تخمینوں کا علم خدائے بزرگ و برتر پر چھوڑ کر اس کی بتائی ہوئی راہ پر گامزن رہے۔

## حدیث نمبر (۵)

عَنْ اُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ اُمِّ عَبْدِ اللهِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا
سے ماں مومنین ام عبداللہ عائشہ راضی ہوا اللہ سے اس
ام المومنین ام عبداللہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں

قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحْدَثَ
کہتی ہے کہا رسول اللہ درود بھیجا اللہ پر اس اور سلام جس پیدا کیا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہمارے اس امر (دین)

فِيْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَ
میں امر ہمارے یہ جو نہیں ہے اس پس وہ رد روایت کیا اسے بخاری اور
میں نئی بات پیدا کی جو اس میں نہیں تو وہ بات ناقابل قبول ہے بخاری و

مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ
مسلم اور میں روایت لئے مسلم جس نے کیا عمل نہیں
مسلم نے اسے روایت کیا۔ امام مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے جس نے کوئی

عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ
پر اس حکم ہمارا پس وہ رد
ایسا کام کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ کام ناقابل قبول ہے۔

## مشکل الفاظ کے معانی

مَنْ اَحْدَثَ جس نے نئی بات پیدا کی۔ جس نے حدیث بیان کی۔ جس نے نئی چیز نکالی۔
رَدّ نا قابل قبول۔ مسترد۔

## بدعت سے بچنا چاہیے

**تشریح:** اسلام ایک جامع و مانع نظام حیات ہے اور ایک مکمل و منظم دستور زندگی ہے۔ انسانیت کے ایک ایک شعبہ اور ہر ہر گوشہ پر حاوی اور محیط ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنی جامعیت اور کاملیت کے لحاظ سے ناقص ہوتا اور اس کا دعویٰ کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا) حقیقت پر مبنی نہ ہوتا۔ اس لیے ہر لحاظ سے مکمل دین میں اپنی طرف سے نئی باتیں ایجاد کرنا دین کے منافی ہے اور اسی بات سے اس حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر وہ بات جو نئی پیدا کی جائے' وہ بدعت کہلائے گی اور بدعت گمراہی ہے اور گمراہی کی سزا جہنم کی آگ ہے"۔

ہر وہ وقت جو قرآن حکیم و سنت نبوی اور سنت صحابہؓ سے متصادم ہو اور خواہشات نفس یا ماحول کی فضا سے متاثر ہو کر دین میں شامل کی جائے وہ بدعت ہے اور اسلام میں اس کی قطعاً کوئی اجازت نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ میرے بعد بہت اختلافات ظاہر ہوں گے' تم میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو مستحکم طریق سے تھامے رکھنا اور خلاف دین نئی باتوں سے پرہیز کرنا کیونکہ ہر خلاف دین بدعت (نئی بات) ضلالت و گمراہی ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے اگر کسی نے ایسی بدعت (نئی بات) کو کھڑا کیا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند ہے تو اس شخص کی گردن پر اس بدعت کی پیروی کرنے والوں کی برائی کے مساوی گناہ ہوگا' اس لیے کسی مسلمان کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ دین میں کسی طرح کی کمی بیشی کرے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو اس کا یہ فعل خارج از اسلام کے مترادف ہوگا۔ بلکہ ایسا کرنے والا مردود ہے اور اس کا عمل بھی ناقابل قبول ہے کیونکہ بدعت نہ صرف خلاف شریعت عمل ہے بلکہ اس سے امت مسلمہ میں گروہ بندی اور انتشار پیدا ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں سنت نبوی کی دائمی و ابدی پیروی پر متعدد آیات موجود ہیں۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ (النساء:3)

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی"۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (آل عمران:21)



"آپ کہہ دیجئے اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو خدا تم کو دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا"۔

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (الاحزاب)

"رسول خدا کی ذات مبارک میں تمہارے لیے ایک اچھا نمونہ ہے"۔

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔

"جو چیز رسول خدا تم کو دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں رک جاؤ"۔

مندرجہ بالا آیات قرآنی کے علاوہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنی سنت کی اتباع کا متعدد بار حکم دیا ہے:

1- صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ "جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو تم بھی نماز پڑھو"۔
2- جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔
3- میں اس شخص کے لیے بھی رسول ہوں جو زندہ ہے اور اس کے لیے بھی جو بعد میں پیدا ہوگا۔
4- جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کیا۔
5- جو شخص میری طرف ایسی بات منسوب کرے جسے میں نے نہ کہا ہو' اسے چاہیے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔
6- جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔
7- میری امت بہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ ان میں سے ایک فرقہ راہ ہدایت پر ہوگا' وہ میری اور میرے صحابہ کی اتباع کرنے والا ہوگا۔

مندرجہ بالا آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ کے پیش نظر امت مسلمہ انفرادی اور اجتماعی ہر لحاظ سے بدعت سے پرہیز کرے اور قرآن و سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھے۔ ہر کام کے سرانجام دینے میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ کارفرما ہونا چاہیے اور کسی کام کو عملی جامہ پہنانے سے پیشتر یہ اطمینان کر لینا چاہیے کہ یہ دین کے مزاج سے متصادم تو نہیں اور دین اسلام میں اس عمل کے لیے کوئی جواز یا سند پائی جاتی ہے۔

Scanned with CamScanner

## حدیث نمبر (۶)

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا

سے ابوعبداللہ نعمان بن بشیر راضی ہو اللہ ان دونوں سے

ابوعبداللہ نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ

کہا سنا میں نے رسول اللہ درود بھیجا اللہ پر اس اور سلام بھیجا وہ کہتا ہے

انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ

اِنَّ الْحَلَالَ بَیِّنٌ وَّ اِنَّ الْحَرَامَ بَیِّنٌ وَّ بَیْنَہُمَا اُمُوْرٌ

بیشک حلال واضح اور بیشک حرام واضح اور درمیان ان کے باتیں

بے شک حلال واضح ہے اور بیشک حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں

مُتَشَابِہَاتٌ لَا یَعْلَمُہُنَّ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ

شبہ والی نہیں جانتے ان کو بہت سے لوگوں پس جو

کے درمیان (کچھ) باتیں مشتبہ ہیں جنہیں بہت سے لوگ نہیں جانتے پس جو

اتَّقَی الشُّبُہَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَاَ لِدِیْنِہٖ وَعِرْضِہٖ وَ

بچا شبہات سے پس یقیناً بچالیا دین اپنا اور عزت اپنی اور

شخص شبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچالیا اور

مَنْ وَّقَعَ فِی الشُّبُہَاتِ وَقَعَ فِی الْحَرَامِ کَالرَّاعِیْ یَرْعٰی

جو پڑا میں شبہات پڑا میں حرام مانند چرواہا چراتا ہے

جو کوئی شبہات میں پڑ گیا وہ اس چرواہے کیطرح ہے جو ممنوعہ چراگاہ کے

حَوْلَ الْحِمٰی یُوْشِکُ اَنْ یَّرْتَعَ فِیْہِ اَلَا وَ اِنَّ لِکُلِّ مَلِکٍ

اردگرد ممنوعہ چراگاہ قریب ہے کہ چراتا میں اس خبردار اور بیشک لیے ہر بادشاہ

اس پاس جانور چراتا ہے قریب ہے کہ اس میں چرانے لگے۔ آگاہ رہو ہر بادشاہ کی



حِمًی اَلَا وَ اِنَّ حِمَی اللّٰہِ مَحَارِمُہٗ اَلَا وَ اِنَّ فِی الْجَسَدِ

چراگاہ خبردار اور بیشک چراگاہ اللہ حرام کردہ چیزیں خبردار اور یقیناً میں جسم

ایک چراگاہ ہے آگاہ رہو اللہ کی چراگاہ اسکی حرام کردہ چیزیں ہیں اور خبردار

مُضْغَۃً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ

لوتھڑا جب درست ہو درست جسم سارا وہ اور جب خراب ہوا

بدن میں ایک لوتھڑا ہے جب وہ سنور گیا تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب وہ

فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَ ہِیَ الْقَلْبُ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ)

پس خراب ہوا جسم سارا وہ خبردار اور وہ (دل ہے) روایت کیا اسے بخاری و مسلم

خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے آگاہ رہو وہ دل ہے اسے امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا

## مشکل الفاظ کے معانی

حَلَالٌ = جائز — حَرَامٌ = ناجائز

بَیِّنٌ = واضح، ظاہر۔ — مُشْتَبِہَاتٌ مُشْتَبِہَۃٌ کی جمع

بَیْنَہُمَا = ان دونوں کے درمیان — مشکوک چیزیں، غیر واضح۔

اِتَّقٰی = وہ بچا۔ — اِسْتَبْرَاَ = اس نے برات طلب کی،

وَقَعَ = وہ پڑ گیا، گر پڑا، وہ مبتلا ہو گیا۔ — اس نے محفوظ کر لیا، اس نے بچا لیا۔

عِرْضِہٖ = اپنی عزت، اپنی آبرو۔ — کَالرَّاعِیْ = چرواہے کی طرح۔

یَرْعٰی = وہ چراتا ہے۔ — رَاعِیْ = چرواہا۔

حِمٰی = مخصوص چراگاہ۔ محفوظ چراگاہ جس میں عوام کو مویشی چرانے کی اجازت نہ ہو — حَوْلَ = اردگرد، آس پاس۔

یُوْشِکُ = قریب ہے، ہو سکتا ہے۔

یَرْتَعَ = وہ چرائے۔ — مَلِکٌ = بادشاہ۔

اَلَا = خبردار۔ حرف تنبیہ — مَحَارِمُہٗ = اس کی حرام کردہ اشیاء

جَسَدٌ = جسم — مُضْغَۃٌ = گوشت کا ٹکڑا۔

صَلَحَتْ = درست ہوا۔ — صَلَحَ = وہ سدھر گیا، وہ درست ہو گیا وہ سنور گیا۔

صَلَحَ، یَصْلُحُ، صَلْحًا" سے ہے۔

فَسَدَتْ = وہ بگڑ جائے۔ — فَسَدَ = وہ بگڑ گیا۔

# تقویٰ اور اصلاح قلب کی تعلیم

**تشریح:** زیر نظر حدیث میں اس امر کی تعلیم ہے کہ احکام دین کی پابندی میں انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے۔ قرآن حکیم اور احادیث نبوی میں اکثر اشیاء یا امور کی حلت و حرمت کے احکام واضح طور پر موجود ہیں۔ ان احکام کے باوجود بعض امور' یا اشیاء ایسی بھی ہیں جن کے حلال یا حرام ہونے میں دلائل کا اشتباہ پڑ جاتا ہے اور طبیعت میں شک وارتیابات پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسی تمام چیزیں جو مشتبہات کے زمرہ میں آتی ہیں۔ یعنی نہ انہیں قطعی طور پر حلال کہا جا سکتا ہے اور نہ وثوق کے ساتھ حرام کہا جا سکتا ہے۔ اس بناء پر حدیث میں تلقین فرمائی گئی ہے کہ حفاظت و عظمت دین کے پیش نظر اور سوسائٹی و معاشرہ میں عزت و آبرو کو برقرار رکھنے کے لیے ایسی تمام مشکوک و مشتبہ اشیاء سے بھی احتراز کرنا لازمی ہے اور اسی کا نام تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ جسے دین اسلام میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

خاص تقویٰ بھی یہی ہے کہ حرام و مکروہ چیزوں کے ساتھ وہ مباح اشیاء بھی ترک کر دی جائیں' جن میں کراہت کا ادنیٰ شائبہ بھی ہو۔ اسی تقویٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ان امور کو ترک کر دے جو شک میں ڈالیں اور وہ امور اختیار کر جو شک میں نہ ڈالیں"۔ (ترمذی۔ مشکوۃ) ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا: "کوئی شخص متقین میں شمار نہیں ہو سکتا' جب تک کہ وہ گناہ میں پڑنے کے ڈر سے وہ چیز نہ چھوڑ دے جس میں گناہ کا اندیشہ ہو"۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

وہ افراد جو مشکوک و مشتبہ اشیاء کا استعمال اس عذر کے پیش نظر کرتے ہیں کہ ان کے متعلق شریعت میں کوئی واضح اور صریح ممانعت نہیں پائی جاتی تو وہ تقویٰ و پرہیزگاری کے بلند مقام سے گر جاتے ہیں اور عین ممکن ہے کہ وہ خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہوئے کسی وقت حرام امور میں بھی ملوث ہو جائیں۔ حدیث میں حرام کاموں کو ایسی چراگاہ یا ممنوعہ رقبہ سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں انسان کا داخل ہونا سخت ممنوع ہے اور مشتبہ اور مشکوک امور ان علاقوں کی طرح ہیں جو ممنوعہ رقبہ کے اردگرد ہوتے ہیں کہ ان کا ارتکاب بھی حرام کاموں کے ارتکاب کے خطرہ سے خالی نہیں۔ اس لیے تقویٰ و پرہیزگاری اور احتیاط و دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ حرام کردہ امور کے علاوہ تمام مشکوک و مشتبہ اشیاء سے بھی اجتناب کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ حرام و حلال کے



ترک و اختیار کا مسئلہ ہو یا مشکوک امور کے اجتناب و پرہیزگاری کا معاملہ' ان میں سے ہر ایک کا تعلق دل سے ہے۔ اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں دل کو تمام خیر و شر اور اصلاح و فساد کا منبع و سرچشمہ قرار دیا ہے۔ بظاہر دل گوشت کا ایک لوتھڑا ہے لیکن یہ بڑی اہمیت و قدر و منزلت کا متحمل ہے۔ اچھے یا برے تمام خیالات دل میں پیدا ہوتے ہیں اور پھر عملی شکل اختیار کرتے ہیں' اس لیے دل کی اصلاح سے انسان کے تمام اخلاق و اعمال سنور جاتے ہیں۔

قرآن پاک سے بھی واضح ہوتا ہے کہ خدا خوفی اور خدا ترسی کا اصل مرکز دل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔ (حج:32)

"اور جو شخص خدا کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے"۔

طبی نقطہ نظر سے بھی دل انسان کے جسم میں ایک مرکزی حیثیت کا حامل ہے۔ انسانی زندگی کی تمام مشینری (MACHINERY) اس کی بدولت رواں دواں ہے۔ عرب کہتے ہیں **القلب ملک الجسد** یعنی جسم کا تمام تار و پود دل کے ہاتھ میں ہے۔ پس احتیاط اور تقویٰ کی زندگی بسر کرنے کے لیے دل کی اصلاح بہت ضروری ہے۔ اگر دل میں صلاحیت موجود ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی اس میں گھر کر چکی ہو تو وہ ہمیشہ مشتبہات امور سے احتراز کرے گا لیکن اگر دل خواہشات نفس کا شکار ہو جائے تو دیگر تمام اعضائے جسمانی بھی اس سے ضرور متاثر ہوں گے' اسی لیے امت مسلمہ کو ایک حدیث میں یہ دعا مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ قَلْبًا "سَلِيْمًا"۔

"اے اللہ میں تجھ سے ایسا دل مانگتا ہوں جو زندہ و سالم ہو"۔

## حدیث نمبر (۷)

| |
|---|
| عَنْ اَبِیْ رُقَيَّةَ تَمِيْمِ بْنِ اَوْسٍ الدَّارِمِيِّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ |
| سے ابو رقیہ تمیم ابن اوس دارمی راضی ہو اللہ سے اس |
| ابو رقیہ تمیم داری رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم |
| اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ |
| سے نبی درود بھیجا اللہ پر اس اور سلام بھیجا کہا دین خلوص |
| سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا دین خلوص کا نام ہے |

Scanned with CamScanner

قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ

کہا ہم نے لئے کس کہا لئے اللہ اور لئے کتاب اسکی اور لئے رسول اُسکے اور لئے اماموں مسلمانوں

ہم نے کہا کس کے لیے۔آپؐ نے فرمایا اللہ عزوجل کے لیے اور اسکی کتاب کے لیے

وَعَامَّتِهِمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور عوام ان کے روایت کیا اسے مسلم

اور اسکے رسول کے لیے اور مسلمانوں کے خلفاء کے لیے اور ان کے عوام کیلئے اسے امام مسلم نے روایت کیا

## مشکل الفاظ کے معانی

دِیْنٌ = طریق' راستہ' ضابطہ حیات۔

نَصِیْحَۃٌ = خلوص' خیر خواہی' نصیحت' ہر خالص چیز کو ناصح کہتے ہیں۔ ناصح شہد خالص کو بھی کہتے ہیں۔

اَئِمَّۃٌ = پیشوا' حکمران' قائد' امام۔

## دین خلوص اور وفاداری کا نام ہے

**تشریح:** یہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہے جس میں ایک طویل مضمون کو مختصر الفاظ میں اس طرح پیش کیا گیا ہے' جس طرح سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہو۔ یہ امر ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن و انس کی تخلیق و پیدائش صرف اس لیے کی ہے کہ وہ اپنے مالک حقیقی کی عبادت و بندگی کرے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔ (الذاریات:56)

"ہم نے جن و انس کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ ہماری عبادت کریں"۔

اسلام میں عبادت کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ ہر وہ کام جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضامندی کے لیے کیا جائے' عبادت میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف یہی نہیں کہ کچھ مخصوص رسوم کے ذریعہ اس کے سامنے اظہار عاجزی و بندگی کر لیا جائے بلکہ معاشرت و معیشت' تجارت و زراعت' تہذیب و اخلاق' حکومت و سیاست' انسانوں کے باہمی حقوق اور ان کے آپس کے تعلقات' غرض زندگی کے ہر شعبہ میں احکام الٰہی کی تعمیل اور اپنی مرضی کو نظرانداز کر کے اللہ کی مرضی کو ملحوظ رکھنا ہی عبادت ہے۔



اسلام ہر فرد پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ وہ نہ صرف بھلائی و خیر خواہی کو اپنی ذات تک محدود رکھے بلکہ اپنے رفقاء و احباب اور جملہ مخلوق خدا کے لیے بھی بھلائی و نیکی کا خواہاں رہے۔ وہ نہ صرف اپنی ذات کو معصیت و گناہ سے بچائے بلکہ اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب کو بھی گناہ و برائی سے بچنے کی ہدایت کرے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ○ (تحریم: 11)

"اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ"۔

حدیث زیر نظر میں اسی بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ دین کا تقاضا صرف خود نیکی و بھلائی کو اپنانے سے پورا نہیں ہوتا بلکہ صحیح معنوں میں دین یہ ہے کہ پورا معاشرہ ایک دوسرے کے لیے خلوص اور خیر خواہی کا طلب گار ہو اور حق و صداقت کی تبلیغ و اشاعت کا ایک جامع و مانع نظام جاری و ساری رہے۔

**1- اللہ تعالیٰ سے خلوص:** حدیث میں دین سے مراد خلوص و خیر خواہی ہے اور اس میں ہر وہ عمل داخل ہے جس میں دوسرے کی بھلائی مضمر ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوص و خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ذات' صفات' اختیارات اور حقوق میں کسی دوسری ہستی کو شریک و سہیم نہ بنایا جائے۔ اس کی حرام کردہ اشیاء سے احتراز کیا جائے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل میں مستعدی کا مظاہرہ کیا جائے۔ تمام آرزوئیں' تمنائیں اور خواہشیں صرف ذات خداوندی کی محکوم و تابع ہوں۔ مختصر یہ کہ اپنی خواہشات پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو ترجیح دینا نُصْحٌ لِلّٰهِ (اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوص) ہے۔

**2- کتاب الٰہی سے وفاداری:** اللہ کی کتاب کے ساتھ وفاداری یہ ہے کہ اس کی تلاوت کی جائے اور آداب تلاوت کو پورا پورا ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ نیز اس کے مفہوم کو سمجھا جائے اور جتنے اوامر و نواہی کتاب میں موجود ہیں' ان پر دل سے یقین رکھے۔ کتاب الٰہی پر نہ صرف غور و فکر اور تدبر کرے بلکہ اس کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی زندگی کا ڈھانچہ استوار کرے۔ اس کے علوم کی نشر و اشاعت کرے اور دنیا کے گوشے گوشے میں پیغام الٰہی پہنچائے۔

**3- رسول سے خلوص:** رسول کے ساتھ خلوص اور وفاداری یہ ہے کہ دل سے آپؐ کی رسالت و نبوت کی تصدیق کر کے آپ کے ارشادات و احکامات پر عمل پیرا ہو۔ آپؐ کے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اور ان سے سر مو انحراف نہ کرے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان اس وقت تک مومن نہیں ہوتا جب تک اس کی خواہش میرے لائے

Scanned with CamScanner

ہوئے دین کے تابع نہ ہو۔ قرآن مجید اور احادیث میں سنت نبوی کی دائمی و ابدی پیروی پر متعدد آیات موجود ہیں۔ حدیث نمبر 5 کی تشریح میں چند آیات قرآنی و احادیث نبوی کا ذکر کیا ہے۔ وہاں ملاحظہ کیجئے۔

**4- مسلمان حکمرانوں سے خلوص:** آئمہ مسلمین (مسلمان حکمرانوں) کے ساتھ خلوص یہ ہے کہ ہر حق معاملہ میں ان سے تعاون کرے۔ نماز' زکوٰۃ' جہاد' صدقات وغیرہ اجتماعی عبادات میں حاکموں کے ساتھ اشتراک عمل کیا جائے اور پوری پوری وفاداری کا ثبوت دے۔ نیز بوقت ضرورت کلمہ حق کہنے سے گریز نہ کرے۔

**5- عام مسلمانوں سے خیرخواہی:** عام مسلمانوں کے ساتھ خلوص اور خیرخواہی یہ ہے کہ انھیں اپنی زبان اور ہاتھ سے کسی قسم کی اذیت اور تکلیف نہ دے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کامل مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ نیز اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے وہ بھلائی نہ چاہے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہو۔ مسلمان کی عیب جوئی نہ کرے اور ہر معاملہ میں اس کی بھلائی اور بہتری کا خواہاں ہو۔ جہاں تک ممکن ہو سکے اس کی ہر طرح مدد کرے جس طرح ہر لحہ اپنے آرام اور فائدے کا خیال رکھتا ہے' اسی طرح اپنے مسلمان بھائی کی بھلائی اور نفع رسانی سے بھی غافل نہ ہو۔ اسے ایسے امور کی طرف راغب کرے جو دین و دنیا میں مفید ہوں۔

پرخطر درختوں کی طرح ان کی ہے ہستی
دنیا میں کسی سے جو بھلائی نہیں کرتے

## حدیث نمبر (۸)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ

سے عبداللہ بن عمر راضی ہو اللہ ان دونوں سے رسول اللہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی

درود بھیجے اللہ ہر اس اور سلام بھیجا کہا مجھے حکم دیا گیا کہ میں لڑوں لوگوں یہاں تک کہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں



یَشْھَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَ

گواہی دیں کہ نہیں اِلٰہ مگر اللہ اور یہ کہ محمد رسول ہیں اللہ کے اور

یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں

یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ عَصَمُوْا

قائم کریں نماز اور دیں زکوٰۃ پس جب کریں یہ بچا لیا

اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور جب وہ ایسا کریں بچا لیں گے

مِنِّیْ دِمَائَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُھُمْ

مجھ سے خون ان کے اور مال ان کے سوائے حق کے اسلام اور حساب ان کا

مجھ سے اپنا خون اور اپنا مال اسلام کے حق کے سوا اور ان کا حساب

عَلَی اللّٰہِ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ)

پر اللہ روایت کیا اسے بخاری و مسلم

اللہ کے سپرد ہے۔ اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا

## مشکل الفاظ کے معانی

اُمِرْتُ = مجھے حکم دیا گیا۔ اُقَاتِلُ = میں جنگ کروں۔
عَصَمُوْا = انہوں نے بچا لیا۔ دِمَائَھُمْ = اپنے خون۔ دَمٌ کی جمع ہے۔

## کلمہ اسلام حفاظت جان و مال کا ضامن ہے

**تشریح:** امام بخاریؒ نے اس حدیث کو جس باب میں بیان کیا ہے' اس کا عنوان سورۃ براۃ کی اس آیت کو مقرر کیا ہے۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ۔

"پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو دین کے معاملہ میں وہ تمہارے بھائی ہیں"۔

Scanned with CamScanner

اس عنوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حدیث ان مشرکین کے متعلق تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور مسلمانوں کی عداوت و دشمنی میں انتہا تک پہنچ گئے تھے۔ جنہوں نے آپ کے ساتھ معاہدۂ صلح کر کے اسے پاش پاش کیا اور جنگ پر آمادہ ہوئے اور جنہیں قرآن مجید نے چار ماہ کی مہلت دے کر معاہدہ ختم ہونے کا الٹی میٹم دے دیا تھا۔ عہد رسالت میں کفار مکہ کا بھی یہی حال تھا۔ وہ مسلمانوں سے مسلسل نبرد آزما تھے اور اس وقت تک سکون سے نہ بیٹھے جب تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے عرب کو فتح نہ کر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عرب ممالک کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک لوگوں نے بلا جبر و اکراہ کلمہ توحید پڑھا اور ارکان اسلام ادا کرنے لگے۔ اس کے بعد ان سے جنگ کرنے کی حاجت نہ رہی۔ اگر کوئی گروہ ارکان اسلام کی ادائیگی کا انکار کرتا یا اسلام کے خلاف کوئی حرکت کرتا تو اس کے خلاف جنگ کی جاتی جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے عہد میں مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا۔

اس پس منظر میں حدیث زیر نظر کا مطلب یہ ہے کہ جب کفار و مشرکین سے کسی بنا پر جنگ کا آغاز ہو جائے تو اسے قطعی طور پر ختم کرنے اور فتنہ و فساد کو مٹانے کی صورت یہی ہے کہ کفار و مشرکین خدا کی توحید اور پیغمبر خدا کی رسالت کا اقرار کر کے ارکان اسلام ادا کرنے لگیں اور جب وہ اپنی زبان اور عمل سے حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں تو اب ان کے دل کا معاملہ خدا کے سپرد ہے اور ان سے اس بنا پر دوبارہ جنگ شروع نہیں کی جا سکتی کہ ان کے دل میں نفاق اور کھوٹ ہے۔ صرف دشمن کی جانب سے اسلام کا اعلان کافی ہے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی مسلمان غازیوں کی شمشیریں نیام میں داخل ہو جائیں گی۔ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (دین کے معاملہ میں کسی پر جبر نہیں) والی آیت بھی مسلمانوں کو اس امر سے باز رکھتی ہے کہ وہ کسی کو اسلام قبول کرنے کے لیے از خود جنگ کریں اور نہ ہی اس حدیث کا یہ مطلب ہے۔

اس ضمن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا اور بتوں سے انحراف کیا تو اس کا خون اور مال دوسرے مسلمانوں پر حرام ہو جاتا ہے۔ جہاں تک اس کے اعمال کا تعلق ہے تو اس کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔ ایک مرتبہ ایک صحابیؓ نے آپؐ سے پوچھا کہ "اگر کوئی کافر جنگ کے دوران میرا ہاتھ کاٹ ڈالے اور پھر درخت کی اوٹ میں آ کر کہے کہ میں نے اسلام قبول کیا' تو پھر بھی اس کو قتل کر سکتا ہوں؟" حضورؐ نے فرمایا "نہیں"۔ صحابی نے عرض کیا کہ "اس نے اسلام کا کلمہ پڑھنے سے پہلے میرا ہاتھ قطع کیا تھا"۔ آپؐ نے فرمایا "اسے قتل نہ کرو اگر تم نے اسے قتل کیا تو اس کے قتل کرنے سے پیشتر جس درجے میں تم تھے وہ اسے ملے گا اور اس کا درجہ تمہیں ملے گا"۔ (ریاض الصالحین)



## حدیث نمبر (۹)

| |
|---|
| عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ صَخْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ |
| سے ابو ہریرہ عبد الرحمٰن بن صخر راضی ہوا اللہ |
| حضرت ابو ہریرہ عبد الرحمٰن بن صخر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے |
| عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ |
| سے اس کہا میں نے سنا رسول اللہ درود بھیجا اللہ پر اس اور سلام بھیجا |
| کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جس چیز سے تمہیں منع |
| يَقُوْلُ مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوْهُ وَمَا اَمَرْتُكُمْ بِهٖ |
| وہ کہتے ہیں جو منع کیا میں نے تم کو سے اس پس رک جاؤ اور جو میں نے حکم دیا تمہیں ساتھ |
| کروں اس سے پرہیز کرو۔ اور جس چیز کا تمہیں حکم دوں اس کو |
| فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنَّمَا اَهْلَكَ الَّذِيْنَ مِنْ |
| تو لے آؤ سے بس جو تم کر سکو پس صرف ہلاک کیا جو سے |
| مقدور بھر بجا لاؤ (کیونکہ) تم سے پہلے لوگوں کو ان کے سوالات |
| قَبْلِكُمْ كَثْرَةُ مَسَائِلِهِمْ وَاخْتِلَافُهُمْ عَلٰى اَنْبِيَائِهِمْ |
| قبل تمہارے کثرت سوالات ان کے اور مخالفت ان کی پر انبیاء ان کے |
| کی کثرت اور انبیاء سے اختلاف ہی نے ہلاک کیا۔ |
| (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَالْمُسْلِمُ) |
| روایت کیا اسے بخاری و مسلم |
| اسے امام بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ |

## مشکل الفاظ کے معانی

اِجْتَنِبُوْا = تم پرہیز کرو۔ تم اجتناب کرو۔ فعل امر ہے

فَأْتُوْا مِنْهُ = اس پر عمل کرو

نَهَيْتُكُمْ = میں نے تمہیں منع کر دیا۔

اَهْلَكَ = ہلاک کیا۔

مَسَائِلَ = مسئلہ کی جمع ہے۔ معنی سوال۔

Scanned with CamScanner

# بے جا کثرت سوال سے ممانعت

**تشریح:** حدیث کے پہلے جزو میں اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ جس کام سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اس سے ایک مسلمان باز رہے۔ اور جس کام کے بجالانے کا حکم دیا ہے' اسے اپنی مقدور کے موافق بجالائے۔ اس ضمن میں قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (۵۹:۷)

"جو چیز رسول خدا تم کو دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ"۔

حدیث نمبر 5 کی شرح میں متعدد آیات قرآنی واحادیث نبویؐ کے حوالوں سے یہ واضح کیا جاچکا ہے کہ سنت نبوی کی ابدی ودائمی پیروی ضروری ہے۔ اور اس سے سرمو انحراف نہیں کیا جاسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا و آخرت کی فلاح و کامرانی کا راز اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں مضمر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا - (۳۳:۷۱ احزاب)

"اور جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی تو اس نے بڑی کامیابی حاصل کی"۔

حدیث کے دوسرے جزو میں بے جا' غیر ضروری اور کثرت سوالات سے منع کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر آتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ۔ (5:101)

"اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض لوگ عجیب عجیب قسم کے فضول سوالات کیا کرتے تھے' جن کا دین و دنیا سے کوئی تعلق نہ ہوتا تھا۔ مثلاً ایک موقع پر ایک صاحب نے بھرے مجمع میں آپؐ سے دریافت کیا کہ میرا اصل باپ کون ہے؟ اسی طرح بعض لوگ احکام شرع میں غیر ضروری اور خواہ مخواہ پوچھ پوچھ کر ایسی چیزوں کا تعین کرانا چاہتے تھے' جنہیں شارع نے مصلحتاً "غیر معین" رکھا ہے۔ مثلاً قرآن پاک میں مجملاً "یہ حکم دیا گیا کہ حج تم پر فرض کیا گیا ہے۔ ایک صاحب نے حکم سنتے ہی آپؐ سے دریافت کیا' کیا ہر سال فرض کیا گیا ہے؟ آپؐ نے کچھ جواب نہ دیا۔ انہوں نے



پھر پوچھا' آپؐ پھر خاموش ہو گئے۔ تیسری مرتبہ پوچھنے پر آپؐ نے فرمایا تم پر افسوس ہے' اگر میری زبان سے ہاں نکل جائے تو حج ہر سال فرض قرار پا جائے۔ تم ہی لوگ اس کی پرواہ نہ کر سکو گے اور نافرمانی کرنے لگو گے۔

بنی اسرائیل کا یہ وطیرہ اور شیوہ تھا کہ وہ اپنے انبیاء کو اذیت اور تکلیف دینے کے لیے ان سے لایعنی اور غیر ضروری سوالات کیا کرتے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی منافقین کا یہی طرز عمل تھا۔ اس لیے آپؐ نے مسلمانوں کو کثرت سوالات اور خواہ مخواہ ہر بات کو کریدنے سے منع فرمایا۔ ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا: "اللہ نے کچھ فرائض ضروری قرار دیے ہیں انہیں ضائع نہ کرو۔ کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ بعض چیزیں حرام ٹھہرائی ہیں ان کی حرمت نہ توڑو۔ اور تم پر رحم کرتے ہوئے بغیر کسی بھول چوک' بعض اشیاء سے سکوت فرمایا ہے کہ تم ان کے بارے میں کرید نہ کرو"۔ (دار قطنی) آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "جب تک میں تمہیں اپنے حال پر رہنے دوں' تم بھی مجھے اپنے حال پر رہنے دو"۔ (ترمذی) ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کو تمہارا قیل و قال اور کثرت سوال پسند نہیں ہے"۔ آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو لوگوں پر حرام نہ کی گئی تھی اور پھر محض اس کے سوال چھیڑنے کی بدولت وہ حرام ٹھہرائی گئی۔

سابقہ امتوں کی تباہی و بربادی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اپنے انبیاء سے مختلف قسم کے بلاوجہ اور غیر ضروری سوالات کیا کرتی تھیں اور جوابات ملنے پر پیروی کرنے کی بجائے انبیاء سے اختلاف کرتی تھیں۔ قرآن حکیم میں ایک مقام پر آتا ہے:

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ۔ (5: 102)

"تم سے پہلے ایک گروہ نے اسی قسم کے سوالات کیے تھے۔ پھر وہ لوگ انہی باتوں کی وجہ سے کفر میں مبتلا ہو گئے"۔

یعنی پہلے انہوں نے خود ہی عقائد اور احکام میں موشگافیاں کیں اور ایک ایک چیز کے متعلق سوال کر کے تفصیلات اور قیود کا ایک جال اپنے لیے تیار کیا۔ پھر خود ہی اس میں الجھ کر اعتقادی گمراہیوں اور عملی نافرمانیوں میں مبتلا ہو گئے۔

قرآن پاک میں حضرت موسیٰؑ کی قوم بنی اسرائیل کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ جب ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ پہلے تو انہوں نے اس حکم کی تعمیل میں لیت و لعل اور حیل و حجت سے کام لیا۔ انجام کار جب تمام سوالات ختم ہو گئے تو انہوں نے مجبوراً گائے ذبح کی۔ ان کی اس ٹال مٹول اور موشگافیوں کے پیش نظر قرآن حکیم میں آتا ہے:

Scanned with CamScanner

فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ

"انہوں نے گائے ذبح کی اور بظاہر وہ اس کام کو کرنے والے نہ تھے"۔

## حدیث نمبر (۱۰)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

سے ابو ہریرہ راضی ہو اللہ سے اس کہا فرمایا رسول اللہ درود بھیجا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ اِلَّا طَيِّبًا وَ

اللہ پر اس اور سلام بھیجا بیشک اللہ تعالیٰ پاک نہیں قبول کرتا مگر پاک اور

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک چیزوں

اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا اَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ

بیشک اللہ حکم دیا مومنوں کو ساتھ جو حکم دیا ساتھ وہ رسولوں پس کہا

کو قبول کرتا ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس چیز کا حکم دیا ہے جس کا اپنے رسولوں

اللّٰهُ تَعَالٰى يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا

اللہ تعالیٰ اے رسولو کھاؤ سے پاکیزہ اور عمل کرو

کو حکم دیا ہے پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے رسولو پاک چیزیں کھاؤ اور نیک عمل

صَالِحًا وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ

نیک اور کہا اللہ تعالیٰ اے وہ جو ایمان لائے ہو کھاؤ سے

کرو اور اللہ تعالیٰ نے کہا اے لوگو! جو ایمان لائے ہو کھاؤ پاک چیزیں

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلُ السَّفَرَ

پاکیزہ جو دیا ہم نے تمہیں پھر ذکر کیا آدمی لمبا سفر کرتا ہے

جو ہم نے تمہیں دی ہیں پھر آپ نے ایک ایسے آدمی کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے



اَشْعَثَ اَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ اِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ

الجھے ہوئے بالوں والا غبار آلود پھیلاتا ہے ہاتھ اپنے طرف آسمان اے رب اے رب

اس کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہیں وہ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا ہے اے رب

وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَّمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَّمَلْبَسُهُ حَرَامٌ

اور کھانا اس کا حرام اور پینا اس کا حرام اور لباس اس کا حرام

اے رب (حالانکہ) اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اور اس کا لباس حرام کا ہے

وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لَهُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور غذا دیا گیا ساتھ حرام پس کہاں جواب دیا جائے گا اسکو (روایت کیا اسے امام مسلم)

اور حرام ہی کی اُسے غذا دی گئی، پھر اس کی دعا کہاں سے قبول ہوگی۔ (اسے امام مسلم نے روایت کیا)

## مشکل الفاظ کے معانی

طَيِّبٌ = پاکیزہ۔ لَا يُقْبَلُ = وہ قبول نہیں کرتا۔

طَيِّبَاتِ = پاکیزہ چیزیں۔ اَشْعَثَ = پراگندہ بال۔

اَغْبَرَ = غبار آلود۔ يَمُدُّ = وہ پھیلاتا ہے۔ وہ دراز کرتا ہے۔ مَدَّ يَمُدُّ سے ہے۔

مَطْعَمُهُ = اس کا کھانا۔ مَشْرَبُهُ = اس کا پینا۔

مَلْبَسُهُ = اس کا لباس۔ غُذِيَ = اسے کھلایا گیا۔

يُسْتَجَابُ = اسے جواب ملے گا۔

## اکل حلال کی ترغیب

### تشریح

یہ حدیث حلال روزی کھانے اور حرام سے پرہیز کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ حلال وہ اشیاء ہیں جن کے استعمال کی اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے اور وہ حرام کے زمرہ میں شامل نہیں مثلاً زمین سے اگنے والے دانے، سبزیاں، پھل اور حلال جانوروں، پرندوں وغیرہ کے گوشت۔ کسی چیز کو کھانے کے لیے حلال و جائز کے علاوہ دوسری شرط اس کا پاک ہونا۔ یعنی وہ چیز ظاہری نجاست اور گندگی سے بھی پاک ہو۔ نیز وہ جائز ذرائع سے حاصل کی گئی ہو۔

Scanned with CamScanner

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حلال و حرام کے احکامات نازل فرما کر ان کی حدود کا تعین کر دیا ہے۔ ان حدود سے تجاوز کرنا خدا اور اس کے رسولؐ سے نافرمانی اور بغاوت کرنے کے مترادف ہے۔ قرآن حکیم میں ایک مقام پر آتا ہے:-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (87:5)

"اے ایمان والو! اپنے اوپر ان پاکیزہ چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے لیے جائز کی ہیں حرام نہ کرو اور حدود سے آگے نہ نکلو بے شک اللہ حدود سے آگے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں رزق حلال کی بڑی اہمیت ہے۔ کوئی شخص اس وقت تک خدا ترس اور نیکوکار نہیں بن سکتا جب تک وہ حرام کردہ غذاؤں سے پرہیز نہ کرے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (168:2)

"اے انسانو! زمین پر جو کچھ حلال اور پاکیزہ موجود ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو"

یہ امر ذہن نشین رہے کہ حلال وہی ہے جو اللہ نے حلال کیا اور حرام وہی ہے جو اللہ نے حرام کیا۔ اپنے اختیار سے کسی حلال شے کو حرام کرنا قانون الٰہی کی پیروی کے بجائے قانون نفس کی پیروی کے مترادف ہے۔ حلال کو حرام کرنا اور خدا کی ٹھہرائی ہوئی پاک چیزوں سے اس طرح پرہیز کرنا گویا وہ ناپاک ہیں بجائے خود ایک زیادتی ہے پھر پاک چیزوں کے استعمال میں اسراف اور افراط بھی زیادتی ہے اللہ تعالیٰ کو یہ تینوں باتیں ناپسند ہیں۔

حدیث زیر نظر میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے آدمی کا ذکر کیا جو حج یا قبولیت دعا یا کسی اور عبادت کے لیے لمبا سفر کرتا ہے اور سفر کی صعوبتوں کی وجہ سے اس کے بال پراگندہ، جسم اور کپڑے غبار آلود ہیں۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلا کر زار و قطار روتا ہے اور نہایت عاجزی و انکساری سے یارب یارب پکارتا ہے۔ لیکن اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کا کھانا، پینا، پہننا حرام ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال و طیب رزق کھانے کی تاکید فرمائی ہے۔ چند احادیث درج ذیل ہیں۔

1- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپؐ دعا فرمائیں کہ اللہ مجھے مستجاب الدعوات بنا دے۔ حضورؐ نے



جواب میں ارشاد فرمایا کہ لقمہ حلال کا التزام کرو، دعا خود بخود قبول ہوگی۔

2- حضرت مقدام بن معدی کرب سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کسی نے اس کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں کھایا جو اس نے اپنے ہاتھ سے کھایا ہو اور خدا کے نبی داؤدؑ اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔ (بخاری)

3- حضرت جابر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ گوشت جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ جس نے حرام سے پرورش پائی ہو اور جس گوشت نے حرام مال سے نشو و نما حاصل کی ہو۔ وہ دوزخ کا ہی مستحق ہے۔ (دارمی، بیہقی)

4- حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر کوئی شخص ایسے کپڑے میں نماز پڑھتا ہو جس کی قیمت کا دسواں حصہ بھی حرام کا ہو تو اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔

5- آپؐ نے فرمایا مظلوم اور مسافر کی دعا اور والد کی بددعا بیٹے پر ضرور سنی جاتی ہے۔ لیکن حرام خور مسافر کی بددعا قبول نہیں ہوتی۔

مندرجہ بالا آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ سے واضح ہو جاتا ہے کہ رزق طیب ہر قسم کے اخلاقی اور معاشرتی گناہوں سے باز رکھتا ہے۔ مہر و محبت اخوت و بھائی چارہ اور خدمت خلق جیسے فضائل پیدا کرتا ہے۔ دل کو نرم بناتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے دل والے انسان کی دعا کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔ اس کے برعکس حرام مال کھانے سے ایک مسلمان کے نیک اعمال اکارت و ضائع ہو جاتے ہیں اور وہ دوزخ کا مستحق ہو جاتا ہے۔ نیز حرام اور ناپاک رزق کھانے والے کا دل پتھر ہو جاتا ہے۔ اس میں خلق خدا کے لیے کوئی محبت و ہمدردی نہیں ہوتی۔ وہ خود غرض، حریص اور خود پسند ہو جاتا ہے۔ وہ ہر وقت دولت سمیٹنے کے درپے رہتا ہے اور اس کے حصول میں ہر طرح کا ظلم و تشدد روا رکھتا ہے اس طرح کے افراد باعث ننگ انسانیت ہوتے ہیں اور ان کے مذموم اخلاق سے معاشرہ میں متعدد برائیاں ظہور میں آ جاتی ہیں۔

یہ حدیث ان تمام سرکاری ملازموں، ٹھیکیداروں، تاجروں کے لیے بھی تازیانہ عبرت ہے جو اسلام کا دعویٰ رکھنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنے کے باوجود رشوت لے کر اور رشوت دے کر قوم کے حرام مال سے اپنا اور اپنی اولاد کا پیٹ بھرتے اور غریب و نادار افراد کا خون چوستے ہیں اور قرآن مجید کے اس انتباہ کو بھی فراموش کئے ہوئے ہیں۔

وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (بقرہ:188)

"اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ اور انھیں حاکموں تک نہ پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال میں سے کچھ حصہ کھا جاؤ حالانکہ تم جانتے ہوں"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضمن میں فرمایا:

**اَلرَّاشِیْ وَالْمُرْتَشِیْ کِلَاهُمَا فِی النَّارِ**

رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں جہنمی ہیں"۔

ایسے حرام کھانے والوں کے خلاف خود ان کے اہل و عیال روز قیامت اللہ کے دربار میں فریاد کریں گے۔ فرمان نبویؐ ہے کہ "قیامت کے دن آدمی کے ساتھ سب سے پہلے جھگڑنے والے اس کے کنبے کے افراد ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ سے کہیں گے کہ اے اللہ! تو اس سے ہماری داد لے۔ ہم ناواقف تھے۔ اس نے ہمیں رزق حرام کھلایا۔ ہمیں جو کچھ سکھانا اس پر فرض تھا۔ اس نے نہ سکھایا اور ہم جاہل رہ گئے۔ اشیاء میں آمیزش' چور بازاری' ذخیرہ اندوزی' دھوکا دہی وغیرہ کے ذریعہ بھی کمایا ہوا مال حرام کے زمرے میں آتا ہے۔ ایسی کمائی سے بھی احتراز انتہائی ضروری ہے۔ **فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارُ** (اے صاحب بصیرت! عبرت حاصل کرو)

## حدیث نمبر (۱۱)

**عَنْ اَبِیْ مُحَمَّدِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ سِبْطِ**

سے ابو محمد حسن بن علی بن ابو طالب نواسے

ابو محمد الحسن بن علی بن ابی طالب نواسہ رسول اللہ

**رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَرَیْحَانَتِہٖ رَضِیَ اللّٰہُ**

رسول اللہ درود بھیجا اللہ نے اس پر اور سلام بھیجا اور خوشبودار نہال راضی ہوا اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اور (چمن رسالت) کے خوشبو دار پھول سے روایت

**عَنْهُمَا قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ**

سے دونوں کہا یاد کیا میں نے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات خوب یاد کی ہے

**دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُکَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ**

چھوڑ دے جو شک میں ڈالے تجھے طرف جو نہ شک میں ڈالے تجھے (روایت کیا اسے ترمذی اور

کہ چھوڑ دے جو چیز شک میں ڈالے (اور توجہ کر اس کی) طرف جو شک میں نہ ڈالے۔ (اس حدیث



**النَّسَائِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ)**

نسائی اور کہا ترمذی یہ حدیث حسن صحیح

کو امام نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ حسن صحیح حدیث ہے۔

## مشکل الفاظ کے معانی

حَفِظْتُ = میں نے حفظ کیا۔ دَعْ = چھوڑ دے۔

مَا یُرِیْبُکَ = جو تجھے شک میں ڈالتا ہے رَابَ۔ یَرِیْبُ۔ رَیْبًا" سے ہے۔

سِبْط = نواسہ

## مشتبہ امور سے پرہیز

### تشریح

اس حدیث میں نیکی اور برائی کو پرکھنے کے لیے ایک ایسی کسوٹی اور معیار فرمایا گیا ہے۔ جس سے ہر شخص بخوبی یہ شناخت کر سکتا ہے کہ اس کا کون سا کام نیکی اور کون سا گناہ ہے۔ شریعت میں حلال و حرام کے احکام واضح ہیں۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ حقائق پر دل سے یقین رکھے اور ان کے متعلق شکوک و شبہات سے پرہیز کرے۔ البتہ حلال و حرام اور نیکی و بدی کے درمیان کچھ مشتبہ اور مشکوک امور ہیں جن کے متعلق اکثر افراد شعور نہیں رکھتے۔

تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ مشتبہ امور سے بھی پرہیز کیا جائے۔ مبادا انسان سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے۔ جو اس کے نزدیک تو محض مشکوک ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرام ہو۔ خاص تقویٰ بھی یہی ہے کہ حرام و مکروہ اشیاء کے ساتھ وہ مباح چیزیں بھی ترک کر دی جائیں جن میں کراہت کا ادنیٰ شائبہ ہو یعنی جن امور میں معمولی سا شک و شبہ ہو۔ ان سے بھی احتراز کیا جائے۔

اسی تقویٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:۔

**یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ**

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے"۔

ایک اور حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشکوک چیزوں سے پرہیز نہ کرنے والے کو اس چرواہے سے تشبیہ دی ہے جو اپنے مویشی' سرکاری چراگاہ کے اردگرد چراتا ہے اور عین ممکن ہے کہ اس کا کوئی مویشی اچانک سرکاری چراگاہ میں داخل ہو جائے اور حکومت کے اہل کار چرواہے کو پکڑ لیں۔ اس حدیث کے پیش نظر انسان کو کوئی مشکوک کام نہیں کرنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ کوئی شخص متقین میں شمار نہیں ہو سکتا جب تک کہ

وہ گناہ میں پڑنے کے ڈر سے وہ چیز نہ چھوڑ دے۔ جس میں کوئی گناہ کا اندیشہ ہو۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو راستے میں ایک کھجور پڑی ہوئی ملی۔ آپ نے فرمایا اگر مجھے خدشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی ہے تو میں اسے کھالیتا۔ (ریاض الصالحین) آپؐ نے کھجور اس لیے نہیں کھائی کہ آپؐ کو اور اہل بیت کو صدقہ کھانا منع تھا۔ ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا' نیکی حسن اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تم ناپسند کرو کہ لوگ اس سے آگاہ ہو جائیں۔ (مسلم)

خلاصہ حدیث کا یہ نکلا کہ ایک مسلمان حقائق پر دل سے یقین رکھے اور ان کے مطابق اپنی زندگی کے ڈھانچے کو استوار کرے۔ حرام امور اشیاء سے اجتناب و پرہیز کرے اور ان چیزوں سے بھی گریز کرے جن میں شک و شبہ کا ادنیٰ شائبہ بھی محسوس کرتا ہو جب تک اس کا ضمیر مطمئن نہ ہو دل میں تردد اور خلش ہو اسے وہ کام سرانجام نہیں دینا چاہیے۔ یہ تقویٰ یا پرہیزگاری کا اعلیٰ درجہ ہے جسے درجہ ولایت کہتے ہیں اور جو خوش نصیب تقویٰ کے اس مقام پر فائز ہوتا ہے۔ اسے ولی کہتے ہیں۔

## حدیث نمبر (۱۲)

| |
|---|
| عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی |
| سے ابو ہریرہ راضی ہوا اللہ سے اس کہا کہا رسول اللہ درود بھیجا |
| حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں |
| اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا |
| اللہ اس پر اور سلام بھیجا سے اچھائی اسلام آدمی چھوڑنا اس کا جو |
| رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ |
| لَا یَعْنِیْهِ حَدِیْثٌ حَسَنٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَغَیْرُهٗ |
| نہیں مطلب رکھتا اس سے (حدیث حسن روایت کیا اسے ترمذی وغیرہ |
| اس بات کو چھوڑ دے جو اس کے لیے مطلب نہیں رکھتی۔ (یہ حدیث حسن ہے۔ اسکو |
| هٰكَذَا |
| وغیرہ |
| امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ |



## مشکل الفاظ کے معانی

اَلْمَرْءِ = ایک آدمی        مَا لَا یَعْنِیْهِ = لایعنی۔ جس کا کوئی مطلب نہ ہو۔ غیر متعلق۔ بیہودہ بات۔

## تشریح

## غیر متعلق باتوں کو ترک کرنا اسلام کی خوبی ہے

اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ جسمانی' ذہنی' روحانی اور دماغی غرضیکہ تمام قویٰ اور صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں اور ان تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور ضابطوں کے مطابق بروئے کار لانا چاہیے۔ چنانچہ ہر کام یا ہر بات کرنے سے پیشتر ایک مسلمان کو فکر و تامل کرنا ہوگا کہ آیا یہ کام یا بات اسلامی نقطہ نگاہ سے مبہم' بیکار اور بیہودہ تو نہیں۔

حدیث زیر نظر کا بھی یہی مطلب ہے کہ ایک مومن کی زندگی با مقصد ہوتی ہے۔ طعن' فحش گوئی' بدخوئی' جھوٹ و افترا' بہتان تراشی وغیرہ تمام لغو و بیہودہ گفتگو سے احتراز کرتا ہے۔ وہ کسی ایسی گفتگو' بحث یا مذاکرہ میں شرکت نہیں کرتا جو بے سود و بیکار ہو اور نہ ہی وہ کسی ایسے فعل کو سرانجام دینے کے لیے کوشاں رہتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ بلکہ وہ صرف ان امور کو عملی جامہ پہناتا ہے۔ جن سے رضائے الٰہی مقصود ہو۔ وہ اپنی زندگی ہر ہر لحہ بیش قیمت خیال کرتے ہوئے ہر کام' خلوص اور نیک نیتی سے کرتا ہے اور تمام غیر متعلق اور بیہودہ مشاغل سے پرہیز کرتا ہے تاکہ نیت کے باوجود اگر وہ کوئی نیک کام سرانجام نہ بھی دے سکے تب بھی وہ اجر و ثواب کا مستحق ہو سکے۔ اس ضمن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب کسی مسلمان نے نیکی کا ارادہ کیا اور (مجبورا) اسے نہ کرسکا' تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دے گا اور اگر برائی کی نیت کی اور (جان بوجھ کر) اس پر عمل پیرا نہ ہوا۔ تب بھی اس کی ایک نیکی لکھی جائے گی"۔ قرآن حکیم میں بھی ایک مقام پر آتا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خٰشِعُوْنَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ

"بے شک مومن ہی فلاح پانے والے ہیں۔ وہ اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع کرتے ہیں اور لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں۔

## حدیث نمبر (۱۳)

عَنْ اَبِیْ حَمْزَةَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ خَادِمِ

سے ابو حمزہ انس بن مالک راضی ہوا اللہ سے اس خادم

حضرت ابو حمزہ انسؓ بن مالک خادم رسول صلی اللہ علیہ وسلم

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

رسول اللہ درود بھیجا اللہ پر اس اور سلام بھیجا سے نبی صلی اللہ علیہ

سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ قَالَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا

وسلم کہا نہیں مومن ہوتا کوئی تم میں سے یہاں تک وہ چاہے لئے بھائی اپنے جو

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے

یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ)

وہ چاہے لئے نفس اپنے (روایت کیا اسے بخاری اور مسلم)

وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے (اسکو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا۔

# اسلامی اخوت کی تعلیم

## تشریح

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ یعنی ایمان کی تکمیل کے لیے اس وصف کا ہونا ضروری ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ جس طرح ہر لحہ اپنے آرام اور فائدہ کا خیال رکھتا ہے اسی طرح اپنے مسلمان بھائی کی بھلائی اور نفع رسانی سے بھی غافل نہ ہو۔

اسلامی اخوت اور بھائی چارہ کی بنیاد اسلامی رشتہ پر ہے۔ ایک مسلمان خواہ دنیا کے کسی گوشے یا کونے میں ہو۔ کسی رنگ، نسل، قبیلہ، خاندان، وطن اور زبان سے تعلق رکھتا ہو۔ وہ دینی لحاظ سے دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اس کے تعلقات ایک ادنیٰ شخص سے لے کر خلیفہ وقت تک برادرانہ ہوں گے۔ اس لیے اگر کوئی مسلمان اس دینی رشتہ کو توڑتا ہے تو اس کا نتیجہ اسلام سے



علیحدگی ہے۔ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہل ایمان کا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف اہل ایمان کو باہم ملا کر ایک امت یا جماعت بناتا ہے اور جس کی بنا پر مسلمانوں کے باہمی حقوق قائم ہوتے ہیں۔ ان میں یگانگت، برادرانہ مہر و محبت، باہمی ہمدردی اور تعاون کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک مقام پر قرآن حکیم میں آتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ (حجرات: ۱۰)

مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اپنے، بھائیوں کے درمیان صلح صفائی کرایا کرو۔

یعنی جب کبھی اس رشتہ اخوت میں کہیں کوئی خرابی واقع ہو تو فوراً اس کی اصلاح کرو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمانوں کو باہمی اخوت اور محبت کی بہت تاکید کی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا باہم محبت رکھنے والے کہاں ہیں مجھے اپنی عظمت کی قسم میں انہیں آج اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔ آج میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے۔ آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا کسی آدمی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق رکھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی باہمی رحمدلی و مہربانی، مہر و محبت اور ارتباط کو جسم سے تشبیہ دی ہے۔ جب جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو دوسرے تمام اعضاء ایک دوسرے کو بخار اور بے خوابی کی طرف بلاتے ہیں۔ بعینہ اگر کسی مسلمان کو تکلیف پہنچتی ہے۔ تو سارے مسلمان دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پریشانی دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانی دور کرے گا۔ آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مسلمان کا مسلمان آئینہ ہے پس اگر اسے تکلیف میں دیکھے تو اس کی تکلیف دور کرے۔ اس کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم رکھے۔ اس کی خوشی و غمی میں شریک ہو۔

ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ کامل مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، یعنی نہ اس کی زبان اور نہ اس کے ہاتھ سے کسی مسلمان کو دکھ اور تکلیف پہنچے بلکہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے مکمل وفاداری اور اخلاص کا مظاہرہ کرے اور رشتہ اخوت کو اس کی زندگی کے بعد بھی برقرار رکھے۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے بغض، کینہ اور حسد نہ کرے۔ اس کی بدخوئی اور تجسس سے بھی باز رہے۔ قرآن حکیم میں ایک مقام پر آتا ہے" تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا

Scanned with CamScanner

گوشت کھائے"۔ اگر کوئی مسلمان بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کرے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کرے گا۔ اللہ اس کی حاجت پوری کرے گا"۔ مختصر یہ کہ روحانی، جسمانی، اخلاقی، معاشرتی ہر لحاظ سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی مدد کرے اور جو کچھ اپنے لیے پسند کرے وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی پسند کرے اور ہر لمحہ اس کی خیر خواہی اور بھلائی کے لیے کوشاں رہے۔

## حدیث نمبر (۴۱)

| |
|---|
| عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ |
| سے ابن مسعود راضی ہوا اللہ سے اس کہا فرمایا: رسول اللہ |
| حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم |
| صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا |
| درود بھیجا اللہ پر اس اور سلام نہیں حلال خون آدمی مسلمان مگر |
| نے فرمایا کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین باتوں میں سے ایک |
| بِاِحْدٰى ثَلَاثٍ اَلثَّيِّبُ الزَّانِيْ وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالتَّارِكُ |
| ساتھ ایک تین شادی شدہ زانی اور جان بدلے جان اور چھوڑنے والا |
| کے سبب، شادی شدہ زانی اور جان کے بدلے جان اور دین کو چھوڑ |
| لِدِيْنِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ) |
| دین اس کا جدا ہونے والا جماعت سے روایت کیا اسے بخاری اور مسلم |
| کر جماعت سے جدا ہونے والا مرتد۔ اسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ |

## مشکل الفاظ کے معانی

لَا يَحِلُّ = حلال نہیں ہوتا۔ حَلَّ۔ يَحِلُّ سے ہے۔

دَمٌ = خون ثَيِّبٌ = شادی شدہ۔ محصن۔

تَارِكٌ = چھوڑنے والا اَلْمُفَارِقُ = جدا ہونے والا۔ الگ ہونے والا۔



# مسلمان کے قتل کی تین صورتیں

## تشریح

حدیث زیر نظر میں اس امر کی وضاحت ہے کہ ایک مسلمان کی جان تین صورتوں میں لی جا سکتی ہے۔ اول یہ کہ شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا مرتکب ہو۔ دوم یہ کہ کسی کو قتل کرے۔ سوم یہ کہ اپنے دین سے پھر جائے اور امتِ مسلمہ سے علیحدگی اختیار کرے۔ اگر ایک مسلمان ان میں سے کسی ایک جرم کا ارتکاب کرے تو اسلامی حکومت وقت کے لیے اس کا قتل واجب ہو جاتا ہے یہ اختیار صرف حکومت وقت کو حاصل ہے۔ حکومت کے علاوہ کوئی شخص قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کا مجاز نہیں۔

### 1- محصن (شادی شدہ) زانی: قرآن حکیم میں آتا ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (نور:2)

"زانی اور زانیہ ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو"۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ زانی کی سزا سو کوڑے ہے جو منظر عام پر دی جانی چاہیے۔ لیکن یہ سزا صرف غیر شادی شدہ مرد یا عورت کے لیے ہے لیکن اگر مجرم محصن (شادی شدہ) ہے تو سنت نبوی کے مطابق اس کی سزا رجم (پتھر مارنا) ہے۔ سزا میں یہ شدت اس بنا پر ہے کہ شادی شدہ کے لیے اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کا انتظام ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی شادی شدہ مرد یا عورت کے خلاف عدالت میں زنا کا جرم ثابت ہو تو اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ اس زانی اور زانیہ کو منظر عام پر سنگسار کرائے۔ یعنی کھلے میدان میں حاکم عدالت، گواہ اور شہر کے عوام جمع ہو کر پتھر برسا کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیں تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی عبرت حاصل ہو۔

### 2- جان کے بدلے جان: اسلام نے انسان کی جان کو کسی دوسرے انسان کے ذریعے تلف کرنے کو حرام قرار دیا۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ (بنی اسرائیل: 23)

"اور اس جان کو نہ مارو جسے اللہ نے حرام کیا ہے۔ سوائے حق کے"۔

گویا کسی شخص کی ناحق جان لینا ایک عظیم اخلاقی اور گھناؤنا جرم ہے۔ اسی طرح کسی مومن کو قصداً مار ڈالنا ایک سنگین جرم اور خدا کے عذاب عظیم کا باعث ہے۔ اس لیے اس جرم عظیم کے سدباب کے لیے قصاص کی سزا مقرر کی گئی اور اس کا فلسفہ بیان فرمایا۔

Scanned with CamScanner

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ۔

"اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے"۔

چنانچہ اگر کوئی شخص (خواہ وہ مسلمان ہو) کسی دوسرے شخص کو جان بوجھ کر ناحق قتل کر دے اور عدالت میں وہ مجرم ثابت ہو جائے اور مقتول کے ورثاء دیت (خون بہا) قبول کرنے پر تیار نہ ہوں تو مجرم کو قتل کر دیا جائے گا۔ اسلام میں اس امر کی مکمل طور پر صراحت ہے کہ قتل کی سزا صرف قاتل ہی کو ملے گی۔ کسی آزاد قاتل کی جگہ اس کے غلام یا کسی معزز گھرانہ کی عورت کی جگہ کسی اور مرد کو سزا نہیں دی جا سکتی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى
اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى (البقرہ:178)

"اے ایمان والو! تم پر قتل میں قصاص فرض کیا گیا ہے آزاد کے بدلے آزاد۔ غلام کے بدلے غلام۔ عورت کے بدلے عورت"۔

قصاص لینے کا ہر شخص کو انفرادی طور پر اختیار نہیں ہے کہ وہ از خود ہی بدلہ لے بلکہ اس کے نفاذ کی ذمہ داری اسلامی حکومت یا اہل حل و عقد پر عائد ہوتی ہے۔

### 3- مرتد:

دین کو چھوڑنے والے کو مرتد کہتے ہیں یعنی اگر کوئی مسلمان دین سے پھر جائے تو اس حدیث کی رو سے اس کی سزا قتل ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی جماعت سے خروج کرنے والا یا جماعت میں فتنہ و فساد بپا کرنے والا یا ملک میں بغاوت پیدا کرنے والا بھی قتل کی سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ البتہ اگر ایسا مجرم گرفتار ہونے سے پہلے خود کو حکومت کے سپرد کر دے اور تائب ہو جائے تو وہ سزا سے بری ہو سکتا ہے۔ یہ مسئلہ اس جدید قانون کے مشابہ ہے کہ اگر کچھ لوگ حکومت کے خلاف سازش یا بغاوت میں شریک ہوئے ہیں اور پھر از خود اپنے آپ کو حکومت کے حوالے کر دیں تو ان کو معاف کر دیا جائے گا۔ اگر مجرم نے بغاوت کے دوران کسی کا مال لوٹا ہو یا کسی کو قتل کیا ہو تو تائب ہونے پر بھی وہ اس جرم سے معاف نہیں ہو سکتا۔

حدیث نمبر:۱۵

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

سے ابو ہریرہ راضی ہوا اللہ سے اس یقیناً رسول اللہ درود بھیجا اللہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ



عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

پر اس اور سلام بھیجا کہا جو تھا ایمان رکھتا ساتھ اللہ اور دن آخرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو تو اسکو

فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

پس وہ کہے بھلا یا وہ خاموش رہے اور جو تھا ایمان رکھتا پر اللہ اور دن

چاہیے کہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے اور جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا

الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهٗ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

آخرت پس وہ تکریم کرے پڑوسی اس کا اور جو تھا ایمان رکھتا ساتھ اللہ اور دن

ہے تو اسے چاہیئے کہ اپنے ہمسائے کی عزت کرے اور جو اللہ اور روز آخرت

الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ)

آخرت پس عزت کرے مہمان اس کا (روایت کیا اسے امام بخاری اور مسلم)

پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہیئے کہ اپنے مہمان کا احترام کرے (اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا)

## مشکل الفاظ کے معانی

**فَلْيَقُلْ** = پس اسے چاہیے کہ وہ بولے۔ پس اسے چاہیے کہ وہ کہے۔ **فعل امر۔ اَوْ** = یا
**لِيَصْمُتْ** = چاہیے کہ وہ خاموش رہے یہ کہ وہ خاموش رہے۔ **فَلْيُكْرِمْ** = پس چاہیے کہ وہ عزت و تکریم کرے۔ **جَارَهٗ** = اپنے پڑوسی کی۔
**ضَيْفَهٗ** = مہمان۔ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

## بھلی بات کہنا۔ تکریم ہمسایہ۔ مہمان نوازی

### تشریح:

**1- بھلی بات کہنا:** اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی ہدایت یہ فرمائی کہ مومن کو چاہیے کہ وہ بھلی بات کرے۔ ورنہ خاموش رہے حقیقت یہ ہے کہ عمدہ گفتگو اور ایمان کی پختگی' انسان کی دانشمندی کی نشانی ہے اس سے انسان کو معرفت الٰہی نصیب ہوتی ہے ایسا شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خوشنودی اور رضامندی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ مخلوق خدا بھی اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اس کے برعکس بیہودہ کلام اور لایعنی گفتگو انسان کو دنیا اور

آخرت میں رسوا و ذلیل کر دیتی ہے اور بہت سے گناہ اس کے نامہ اعمال میں لکھ لیے جاتے ہیں۔ بد خوئی، غیبت اور لوگوں کو خواہ مخواہ ہنسانا وغیرہ باتوں سے انسان کا دل مردہ ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ناراضگی بھی مول لیتا ہے۔ نیز وہ معرفت الٰہی سے محروم رہتا ہے۔ معاشرہ کے افراد بھی ایسے شخص کی بیکار اور فضول باتوں کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا۔ انسان ایک بات کہتا ہے اور اس لیے کہتا ہے کہ اس سے لوگوں کو ہنسائے۔ تو اپنی اس بات کے سبب دوزخ کے اندر گرتا ہے۔ اتنی دوری سے گرتا جتنی کہ آسمان اور زمین کے درمیان ہے اور انسان اپنی زبان کے سبب پھسلتا ہے۔ قدموں سے پھسلنے سے زیادہ سخت۔ (بیہقی) حضرت انسؓ کہتے ہیں ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انس میں تجھے دو ایسی باتیں بتلاؤں جو نہایت، سبک اور ہلکی ہیں۔ لیکن عمل کی ترازو میں بہت بھاری ہیں۔ حضرت انسؓ نے عرض کیا۔ ہاں ضرور بتائیں۔ آپؐ نے فرمایا طویل خاموشی اور خوش خلقی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ ان دو خصلتوں سے بہتر مخلوق کے لیے کوئی کام نہیں ہے۔ (بیہقی)

بات کا عہد کرے کہ وہ اپنے دونوں کانوں کے درمیانی چیز (یعنی زبان اور دانتوں) اور اپنے دونوں پاؤں کے درمیان (شرمگاہ) کی حفاظت کرے گا۔ تو میں اس کے لیے جنت کی ضمانت کروں گا۔ (بخاری) آپؐ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا تم جانتے ہو کہ جنت میں آدمی کو اکثر کون سی چیز داخل کرتی ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور حسن خلق اور تم جانتے ہو دوزخ میں لوگوں کو اکثر کون سی چیز لے جاتی ہے، منہ اور شرمگاہ۔ (ترمذی اور ابن ماجہ)

ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے آپؐ سے دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ! میرے لیے سب سے زیادہ اندیشہ کی چیز کیا ہے؟ حضورؐ نے زبان کو ہاتھ میں پکڑ کر فرمایا۔ یہ (ریاض الصالحین) آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے جو شخص خاموش رہا اس نے نجات پائی۔ (ترمذی، دارمی، بیہقی) آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا کہ خاموش رہنا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (بیہقی)

**2۔ تکریم ہمسایہ:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ہدایت یہ فرمائی کہ پڑوسی کی عزت کی جائے یعنی اس سے ہر قسم کا حسن سلوک کیا جائے معاشرہ میں ایک، دوسرے کے ساتھ ساتھ رہنے والے جن کے مکان یا زمین آپس میں ملے ہوئے ہوں ہمسائے یا پڑوسی کہلاتے ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر کے مطابق ہمسائیگی کی حد اپنے مکان سے چاروں طرف چالیس گھر تک ہے۔ اس حد میں اپنا بیگانہ، مسلم غیر مسلم سب شامل ہیں یہاں تک کہ ایک سفر کے دو رفیق۔ ایک کلاس کے دو طالب علم ایک کاروبار کے دو شریک۔ ایک استاد کے دو شاگرد۔ ایک کارخانہ کے دو ملازم



وغیرہ سب آپس میں ایک دوسرے کے ہمسائے ہیں ان سب قسم کے ہمسایوں میں فوقیت اور برتری اس کو حاصل ہے جس کے ساتھ ہمسایہ کے علاوہ رشتہ داری یا ہم مذہبی یا کوئی اور دوہرا تعلق بھی ہو۔

قرآن حکیم میں پڑوسیوں کے حقوق و فرائض کی ادائیگی کا باقاعدہ حکم موجود ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ (نساء:36)

"اور پڑوسی رشتہ دار اور اجنبی ہمسایہ اور ہم مجلس ساتھی کے ساتھ نیک سلوک کرو"۔

یعنی رشتہ دار اور ہمسایہ کے علاوہ غیر رشتہ دار ہمسایہ سے بھی حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمسائیوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان سے عزت کرنے کی بڑی تاکید کی ہے۔ چند احادیث درج ذیل ہیں۔

1۔ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ پڑوسی سے حسن سلوک کرے۔ (مسلم)
2۔ جو شخص اللہ اور روز جزا پر اعتقاد رکھتا ہے۔ وہ اپنے پڑوسی کو ایذا نہ دے۔
3۔ بخدا وہ شخص ایماندار کہلانے کا مستحق نہیں جس کا پڑوسی اس کے ظلم و غضب اور شر سے محفوظ نہیں ہے۔ (متفق علیہ)
4۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھیوں کے حق میں بہترین ہے اور بہترین پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسیوں کے حق میں بہترین ہے۔ (ترمذی)
5۔ ہمسائے کو ستانے اور تکلیف دینے والا دوزخ میں جائے گا۔
6۔ تم میں سے کوئی شخص بھی مومن نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اپنے پڑوسی کے لیے وہی چیز عزیز نہ جانے جو اسے عزیز ہو۔ (مسلم)
7۔ ہمسایہ کا حق صرف یہی نہیں کہ اسے ستایا نہ جائے۔ بلکہ اس سے احسان بھی ضروری ہے۔
8۔ مومن وہ نہیں جو خود سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے۔ (مشکوٰۃ)
9۔ جبرئیلؑ نے مجھے حقوق ہمسایہ کی اتنی تاکید کی کہ کہیں ان کو وراثت کا حق نہ دلا دیں۔ (بخاری)

مختصر یہ کہ ہمسایوں سے اچھا سلوک کیا جائے۔ ان کے دکھ سکھ میں شرکت کی جائے مصائب

Scanned with CamScanner

و تکالیف میں مالی اعانت کی جائے۔ ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے نہ خود کوئی ایسی بات کرے جس سے ان کی آبرو پر کوئی حرف آئے اور نہ کسی اور آدمی کو ایسا کرنے دے۔ تحفے تحائف بھیجنا۔ (دعوت پر بلانا) یہ تمام باتیں ہمسایہ کی عزت و آبرو میں شامل ہیں۔

**3۔ مہمان نوازی:** حدیث میں تیسری ہدایت آپؐ نے یہ فرمائی کہ مہمان کی عزت و تکریم کی جائے۔ مہمان خواہ امیر ہو یا غریب اس کے ساتھ خندہ پیشانی۔ خوش مزاجی اور فراخدلی سے پیش آنا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام میں مہمان نوازی کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور مہمان کی ضیافت انبیاء کی سنت رہی ہے قرآن پاک میں حضرت ابراہیمؑ کی مہمان نوازی کو مثالی قرار دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث مہمان کی عزت و تکریم اور ضیافت سے متعلق ملاحظہ ہوں۔

1۔ "اگر میں کسی شخص کے ہاں جا کر مہمان رہوں اور وہ میری مہمانداری نہ کرے اور میرے حق ادا نہ کرے، پھر وہ شخص میرے ہاں آکر مہمان ہو تو کیا میں اس کی مہمانداری کروں یا اس سے بدلہ لوں۔ آپؐ نے فرمایا اس کی مہمانی کرو"۔ (ترمذی)

2۔ "سب مل کر کھاؤ۔ علیحدہ علیحدہ نہ کھاؤ۔ اس لیے کہ جماعت میں برکت ہوتی ہے"۔ (ابن ماجہ)

3۔ "جو شخص خدا پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ (بخاری و مسلم)

## حدیث نمبر (۱۶)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّی

سے ابو ہریرہ راضی ہوا اللہ سے اس کے بے شک ایک آدمی کہا سے نبی درود بھیجا

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْصِنِيْ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ مِرَارًا

اللہ پر اس اور سلام بھیجا نصیحت کیجیے مجھے۔ کہا غصہ نہ کر تو دوہرایا اس نے کئی بار

صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا مجھے وصیت کیجیے آپ نے فرمایا غصہ مت کیا کر

قَالَ لَا تَغْضَبْ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

کہا نہ کر غصہ روایت کیا اسے بخاری

اس نے اپنا سوال کئی بار دوہرایا آپ نے فرمایا غصہ نہ کر (اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے)



## مشکل الفاظ کے معانی

اَوْصِنِیْ = مجھے وصیت یا نصیحت فرمایئے۔ لَا تَغْضَبْ = غصہ نہ کر۔

فَرَدَّدَ = اس نے دہرایا۔ اس نے لوٹایا۔

مِرَارًا = کئی مرتبہ۔ بار بار۔ چند بار۔ مرۃ کی جمع ہے۔

## غصہ نہ کرنے کی نصیحت

### تشریح

غصہ و غضب ایک فطری جذبہ ہے۔ انسان بعض اوقات غصہ سے مغلوب ہو کر ایسی حرکات کر گزرتا ہے جو نہایت مذموم اور قبیح اور قابل نفرت ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ قتل جیسے عظیم اور گھناؤنے جرم کا ارتکاب بھی کر بیٹھتا ہے اور بعد میں اپنی انسانیت سوز حرکات پر نادم اور شرمندہ ہوتا ہے گویا غصہ بہت سی برائیوں کا سرچشمہ ہے۔ اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار تاکید فرمائی کہ غصہ سے بچا کرو۔

**آیات قرآنی:** قرآن حکیم میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کی ستائش و تعریف میں فرمایا:۔

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ

(آل عمران)

"وہ غصے کو دبا جانے والے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں"۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (شوریٰ)

"اور جب انہیں غصہ آتا ہے۔ تو معاف کر دیتے ہیں"۔

ایک دوسرے مقام پر آتا ہے۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ۔

"اور (تمہیں) چاہیے کہ لوگ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخش دے"۔

**حضورؐ کے ارشادات:** اس موضوع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث ملاحظہ ہوں:۔

Scanned with CamScanner

1- پہلوان اور طاقتور وہ نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔ (بخاری)

2- غصہ ایمان کو خراب کرتا ہے۔ جس طرح ایلوا شہد کو خراب کرتا ہے۔ (بیہقی)

3- بندہ (کسی چیز کا کوئی) گھونٹ نہیں پیتا جو خدا کے نزدیک بہتر ہو غصہ کے گھونٹ سے جس کو وہ شخص خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے پی جاتا ہے۔ (احمد)

4- جس شخص نے اپنی زبان کو بند رکھا' اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو ڈھانپ لیتا ہے اور جس نے اپنے غصہ کو روکا اللہ قیامت کے دن اسے اپنے عذاب سے بچائے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی و بخشش چاہے اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو قبول فرما لیتا ہے۔ (بیہقی)

5- حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ بڑا بہادر تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر غالب تر رہے اور حلیم تر وہ شخص جو باوجود قدرت کے پھر معاف کر دے۔

6- حضرت ابن عباسؓ اللہ تعالیٰ کے ارشاد اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (تو برائی کو بھلائی سے دفع کر) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ غصہ اور برائی کے وقت لوگ صبر کرتے ہیں اور معاف کر دیتے ہیں۔ تو خداوند تعالیٰ ان کو مخلوقات اور نفس کی آفتوں سے محفوظ رکھتا ہے اور دشمنوں کو ان کے لیے پست و خوار کر دیتا ہے۔ گویا کہ وہ قریبی دوست ہے۔ (بخاری)

**معاشرتی و گھریلو زندگی میں اثر:** مذکورہ بالا آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ سے ظاہر ہے کہ غصے سے پرہیز کرنے کی کس قدر ہدایت کی گئی ہے جو لوگ بات بات پر غیض و غضب کا اظہار نہیں کرتے ان کی گھریلو زندگی خوشگوار ہوتی ہے۔ وہ گھر جہنم کا نمونہ ہوتا ہے جس میں افراد اس صفت سے عاری ہوتے ہیں اسی طرح وہ معاشرہ مستحکم بنیادوں پر استوار نہیں ہو سکتا۔ جس کے افراد آپس میں اس صفت کے متحمل نہ ہوں۔ بات بات پر غضب ناک نہ ہونے سے پڑوسی۔ خاندان اور' دوست و احباب سے تعلقات خوشگوار رہتے ہیں اور ایک انسان دنیا میں قرار و سکون کی زندگی بسر کرتا ہے اور ہر میدان میں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوتا ہے اس کے برعکس ایک غصے والا ہر وقت لوگوں سے لڑائی جھگڑا کرتا رہتا ہے اسے ذہنی سکون نصیب نہیں ہوتا۔ اس کے اعصاب بھی کمزور ہو جاتے ہیں اسے نہ تو اللہ اور رسول کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور نہ معاشرہ اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی رحم و کرم' صبر و تحمل' عفو و درگزر اور احسان کا مجسمہ تھی۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی کو نہیں مارا۔ نہ ہی کبھی ایسا اتفاق ہوا کہ کسی نے آپؐ کو تکلیف و ایذا پہنچائی اور آپؐ



نے اس سے انتقام لیا ہو آپ نے فتح مکہ کے موقع پر ان تمام کفار مکہ کو معاف فرما دیا جنہوں نے آپؐ پر طرح طرح کے مظالم توڑے تھے۔ آپؐ دعا فرمایا کرتے۔ "اے اللہ مجھے اس بات سے پناہ دے کہ میں کسی سے سختی کروں۔ یا کوئی مجھ سے سختی کرے"۔ (ریاض الصالحین)

**عذاب آخرت سے نجات:** آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیض و غضب پر قابو پانے والے اور تحمل و بردباری سے کام لینے والے کے لیے عذاب آخرت سے نجات کی خوشخبری دی ہے آپؐ نے فرمایا "جس نے غصہ روکا اسے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عذاب سے بچا لے گا" ایک اور موقع پر آپؐ نے فرمایا۔ "جو شخص قدرت کے باوجود غصہ کو ضبط کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن سب کے سامنے بلا کر اعلیٰ درجہ کے انعام کا مستحق ٹھہرائے گا۔ (ترمذی)

**غصے کا علاج:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ ٹھنڈا کرنے کے مختلف طریقے بتائے ہیں:-

1- جب کسی کو غصہ آئے تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھے۔

2- غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ کو پانی سے ٹھنڈا کیا گیا ہے۔ جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وضو کرنے لگے۔ (سنن ابو داؤد)

3- جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اگر وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور غصہ جاتا رہے تو خیر ورنہ پھر لیٹ جائے۔ (احمد۔ ترمذی)

**غصے کی حد:** حفاظت دین' عزت و ناموس کے تحفظ اور معاشرہ سے شر و فساد کے استیصال کے لیے غصہ کا ہونا ضروری ہے اگر کوئی شخص عزت یا دین پر حملہ کر رہا ہو یا معاشرہ میں شر و فساد کر رہا ہو تو اس کا پوری قوت سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص اپنی عزت و مال کی خاطر جان دے وہ شہید ہے"۔ قرآن حکیم میں جہاں مومن کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ آپس میں مہربان ہوتے ہیں وہاں یہ بھی فرمایا کہ کفار کے مقابلہ میں سخت ہوتے ہیں اس لیے اگر کفر و باطل نبرد آزما ہو جائیں تو ایک مسلمان کو ایسے موقع پر مکمل غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہوئے ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے اور اپنی قوت و طاقت کا مکمل طور پر مظاہرہ کرنا چاہیے۔

حدیث نمبر (۱۷)

عَنْ اَبِیْ یَعْلٰی شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنْ رَّسُوْلِ

سے ابو یعلیٰ شداد بن اوس راضی ہوا اللہ سے اس سے رسول

حضرت ابو یعلیٰ شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

Scanned with CamScanner

اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ کَتَبَ الْاِحْسَانَ
اللہ درود بھیجا اللہ پر اس اور سلام بھیجا کہا بے شک اللہ لازم کیا احسان
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کرنے کا حکم
عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ فَاِذَا قَتَلْتُمْ فَاَحْسِنُوا الْقِتْلَۃَ وَاِذَا ذَبَحْتُمْ
پر ہر چیز پس جب کتل کرو تم تو اچھا کرو قتل کا طریقہ اور جب ذبح کرو تم
دیا ہے پس تم جب کسی کو قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب تم کوئی جانور
فَاَحْسِنُوا الذِّبْحَۃَ وَلْیُحِدَّ اَحَدُکُمْ شَفْرَتَہٗ وَلْیُرِحْ
تو اچھا کرو ذبح کا طریقہ اور تیز کرے کوئی تم میں سے چھری اسکی اور راحت دے
ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو اور تم میں سے ہر ایک کو اپنی چھری تیز کر لینی چاہیے
ذَبِیْحَتَہٗ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)
ذبیحہ اس کا روایت کیا اس کو مسلم)
اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچانی چاہیے۔ (اسے امام مسلم نے روایت کیا)

## مشکل الفاظ کے معانی

کَتَبَ = فرض کیا۔ قِتْلَۃَ = قتل کرنے کا طریق۔
ذِبْحَۃَ = ذبح کرنے کا طریق۔ فَاَحْسِنُوْ = تم احسان کرو۔
لِیُحِدَّ = تاکہ وہ تیز کرے۔ شَفْرَتَہٗ = اپنی چھری کو۔
وَلْیُرِحْ = اور چاہیے کہ وہ راحت و آرام پہنچائے۔ اَرَاحَ۔ یُرِیْحُ سے ہے۔

## تشریح

## ہر ذی روح سے احسان کی ہدایت

اصطلاح شریعت میں احسان سے مراد ہے۔ نیکی اور بھلائی کرنا دوسرے سے اچھا سلوک کرنا۔ کسی کو اس کے حق سے زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کم لینا۔ قرآن حکیم میں جابجا احسان کی اہمیت و ضرورت پر زور دیا گیا ہے اور ہر ذی روح سے نیک سلوک کرنے کی تلقین و ہدایت کی گئی ہے۔ خواہ وہ انسان ہو یا جانور۔ ارشاد ربانی ہے:۔



اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (نحل:90)
"بے شک اللہ تعالیٰ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے"۔
اَحْسِنْ کَمَآ اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ (قصص:77)
"احسان کر جیسا کہ اللہ نے تجھ پر احسان کیا"۔
وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ (بقرہ:195)
"اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے"۔
وَاللّٰہُ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (ہود:15)
"اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

1- تم زمین والوں پر رحم کرو' آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔
2- ساری مخلوق اللہ کی عیال ہے' مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب اللہ کے نزدیک وہ ہے۔ جو اللہ کے عیال کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے۔
3- دوسرے شخص کے پیچھے چل کر یہ نہ کہو کہ لوگ ہمارے ساتھ احسان کریں گے۔ تو ہم بھی احسان کریں گے اور وہ زیادتی کریں گے۔ تو ہم بھی زیادتی کریں گے۔ بلکہ اس بات پر پختہ ہو جاؤ کہ احسان کرنے والوں کے ساتھ احسان کرو گے اور برائی کرنے والوں کا جواب بھی احسان سے دو گے۔ (ترمذی)

**مارنا یا قتل کرنا:** حدیث زیر نظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں تمام' چیزوں پر احسان کرنے کا حکم دیا۔ وہاں دو چیزوں کا خاص طور پر ذکر فرمایا۔ اول یہ کہ اگر کسی کو شریعت کے حکم کے مطابق مارنے یا قتل کرنے کی نوبت آ جائے تو اسے بھلائی کے ساتھ مارا جائے۔ دوم یہ کہ جانور کو ذبح کرنا ہو تو احسان کے ساتھ ذبح کیا جائے اور چھری خوب تیز کر لی جائے۔ تاکہ جانور کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔ قبل از اسلام عرب معاشرہ میں یہ رواج تھا کہ دشمن کو بڑی بے دردی اور بے رحمی سے مارا جاتا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں اور دوسرے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے۔ دشمن کو درخت سے باندھ کر اس پر تیراندازی کی آزمائش کی جاتی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کے ان ظالمانہ اور بے رحمانہ طریقوں سے سختی سے منع فرمایا' البتہ حکومت وقت دوسرے افراد کی عبرت کے لیے ظالم کو اسی انداز میں مار سکتی ہے۔ جس طریقے سے اس نے قتل کا ارتکاب کیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے بدر کے قیدیوں میں سہیل نامی شخص کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس کے اوپر نیچے کے دو دو دانت توڑ دیئے جائیں تاکہ پھر یہ کبھی آپؐ کے خلاف

Scanned with CamScanner

کسی جگہ خطبہ نہ دے۔ آپؐ نے فرمایا اگر میں اس کا مثلہ کروں تو اللہ تعالیٰ بھی میرا مثلہ کرے گا۔ اگرچہ میں نبی ہوں۔ (تاریخ طبری) ایک دفعہ آپؐ نے حکم دیا کہ قریش کے کافر ملیں تو انہیں جلا دینا۔ پھر فرمایا نہیں صرف قتل کرنا کیونکہ آگ کا عذاب دینا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ (بخاری)

آج ہمارے معاشرہ میں قتل کی وارداتیں انتہائی ظالمانہ نوعیت کی ہوتی ہیں اس حدیث کی روشنی میں ہمیں اس شقاوت اور ظلم و ستم سے باز رہنا چاہیے۔ اسی طرح اگر کسی موذی جانور مثلاً سانپ بچھو وغیرہ کو مارنا ہو تو اسے طرح طرح کی تکلیف دے کر ہلاک کرنا درست نہیں۔ بلکہ وہ جس چیز سے بہ آسانی ہلاک ہو سکتا ہے۔ اسی سے مارا جائے۔ مثال کے طور پر اگر کسی جانور کو لاٹھی سے مارا جا سکتا ہے تو اسے جلانے کی قطعاً اجازت نہیں۔

**ذبح کرنا:** حدیث کے دوسرے جزو میں آپؐ نے فرمایا کہ اگر کسی جانور کو ذبح کرنا ہو اسے احسان کے ساتھ ذبح کیا جائے اور چھری کو خوب تیز کر لیا جائے۔ تاکہ جانور کو زیادہ تکلیف نہ ہو۔ یعنی اس کی آنکھوں کے سامنے چھری تیز نہ کی جائے۔ اگر جانور پیاسا ہو تو ذبح کرنے سے پہلے اسے پانی پلایا جائے۔ اس کے سامنے دوسرا جانور ذبح نہ کیا جائے۔ کند چھری سے جانور کو ذبح نہ کیا جائے۔ بلکہ چھری خوب تیز کر لی جائے۔ تاکہ جانور کو زیادہ دکھ نہ ہو جب تک اس کا جسم ٹھنڈا نہ ہو جائے اس کی کھال نہ اتاری جائے۔

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص بکری کو ذبح کرنے کے لیے گرا کر اس کے سامنے چھری تیز کر رہا ہے اور بکری دیکھ رہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا تم اسے مارنے سے پیشتر ہی بار بار مارنا چاہتے ہو۔ اسی طرح ایک بکری ایک قصاب سے بھاگی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئی۔ قصاب نے اسے ٹانگوں سے پکڑا اور گھسیٹنے لگا۔ حضورؐ نے قصاب سے فرمایا اے قصاب!

اسے موت کی طرف نرمی سے لے کر جا۔ ایک صحابی نے حضورؐ سے عرض کیا بکریوں کو ذبح کرتے وقت مجھے ترس آتا ہے آپؐ نے فرمایا اگر تم ان پر رحم کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہو گا عرش بریں پر



## حدیث نمبر (۱۸)

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ جُنْدُبِ بْنِ جُنَادَۃَ وَاَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مُعَاذِ
سے ابو ذر جندب ابن جنادہ اور ابو عبد الرحمٰن معاذ
حضرت ابوجندب بن جنادہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما

بْنِ جَبَلٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
بن جبل راضی ہوا اللہ ان دونوں سے رسول اللہ درود بھیجا اللہ پر اس
سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں

وَسَلَّمَ اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُمَا کُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّیِّئَۃَ الْحَسَنَۃَ
اور سلام کہا ڈر اللہ جہاں کہیں تو ہو اور پیچھے لا برائی کے نیکی
بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو اور برائی کے بعد نیکی کرو۔ وہ نیکی گناہ

تَمْحُہَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ
مٹا دے گی اسے اور پیش آ لوگوں سے ساتھ اخلاق اچھے اور روایت کیا اسے ترمذی اور
کو مٹا دے گی اور لوگوں سے حسن خلق سے پیش آؤ اور روایت کیا اسے امام ترمذی

قَالَ حَدِیْثٌ حَسَنٌ وَفِیْ بَعْضِ النُّسَخِ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔
کہا یہ حدیث حسن اور میں بعض نسخوں حسن صحیح
نے اور کہا یہ حدیث حسن ہے اور بعض نسخوں میں حسن صحیح لکھا ہے۔

## مشکل الفاظ کے معانی

اِتَّقِ = فعل امر ہے۔
حَیْثُ = جہاں کہیں۔
وَاَتْبِعْ = اور تو اتباع کر۔ اور تو پیروی کر
سَیِّئَۃٌ = برائی۔
تَمْحُہَا = اسے مٹا دے گی۔ اسے محو کر دے گی۔
خَالِقْ = تو سلوک کر۔

Scanned with CamScanner

# تقویٰ ۔ توبہ ۔ حسن خلق

## تشریح

اس حدیث میں تین امور کی تاکید کی گئی ہے۔ (1) تقویٰ (2) توبہ (3) حسن خلق۔

**تقویٰ:** تقویٰ کا مادہ وقی ہے۔ جس کے معنی نگرانی کرنا۔ بچنا' بچانا' ڈرنا اور پرہیز کرنا ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں تقویٰ سے مراد احتیاط و نگہداشت سے زندگی بسر کرنا۔ ممنوع چیزوں سے پرہیز کرنا اور اپنے آپ کو گناہ میں پڑنے سے بچانا ہے۔ یعنی آدمی اپنی زندگی کے ہر پہلو میں یہ سمجھتے ہوئے کام کرے کہ اسے اپنے افکار۔ اقوال اور افعال کا خدا کو حساب دینا ہے۔ نیز ہر اس کام سے رک جائے جس سے خدا نے منع کیا ہے اور ہر اس فعل پر کمربستہ ہو جائے۔ جس کا خدا نے حکم دیا ہے اور پوری ہوش مندی کے ساتھ حلال و حرام' صحیح و غلط اور خیر و شر کے درمیان تمیز کرتا ہو زندگی بسر کرے۔ یہاں تک کہ حرام و مکروہ چیزوں کے ساتھ وہ مباح چیزیں بھی ترک کر دی جائیں جن میں کراہت کا ادنیٰ شائبہ بھی ہو۔ اسی تقویٰ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:۔

**يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ**

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان امور کو ترک کر جو شک میں ڈالیں اور وہ امور اختیار کر جو شک میں نہ ڈالیں۔ (ترمذی) ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ کوئی شخص متقین میں شمار نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ گناہ میں پڑنے کے ڈر سے وہ چیز نہ چھوڑ دے جس میں گناہ کا اندیشہ ہو۔ (مشکوٰۃ) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک دفعہ فرمایا کہ دنیا کی الفت و محبت ایک ظلمت یعنی اندھیرا ہے اور اس کا چراغ تقویٰ یا پرہیزگاری ہے۔ یعنی دنیا کی محبت انسانی زندگی کے راستے کو' تاریک کر دیتی ہے۔ لیکن اگر اس کے ہاتھ میں پرہیزگاری کا چراغ ہو تو اس کے گمراہ ہونے کا اندیشہ نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی تمام عبادات' دنیوی معاملات' اخلاقیات اور روحانیت کا مقصد و منشا یہ ہے کہ ایک مسلمان کے دل میں خدا خوفی خدا ترسی کی روح پیدا ہو جائے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ تقویٰ تمام نیکیوں کی جان اور تمام اخلاق کی روح اور اصول الاصول ہے۔ قرآن حکیم میں کسی اور چیز پر اتنا زور نہیں دیا گیا۔ جتنا کہ تقویٰ کا حکم اور اس کی فضیلت اور متقی کے اوصاف اور خصائص پر ہوا ہے۔ اسلام نے فضیلت و بزرگی کا معیار بھی تقویٰ کو قرار دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عربی پر ماسوائے



تقویٰ کے"۔ اگر دل میں تقویٰ یا پرہیزگاری پیدا ہو جائے۔ تو ایک شخص از خود برائی سے باز رہتا ہے اور نیکی کی طرف مائل ہو جاتا ہے اس کی پوری زندگی ہموار اور یک رنگی کے ساتھ اسلامی زندگی بن جاتی ہے اور انجام کار وہ آخرت کی دائمی کامرانی سے ہمکنار ہوتا ہے۔

2- **توبہ:** یہ شرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ انسان گناہ کرے پھر صدق دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اسلام کا فلسفہ توبہ یہ ہے کہ **اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ** یعنی توبہ کے بعد انسان کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ کوئی گناہ اس کے نامہ اعمال میں نہیں رہتا اس لیے انسان کو چاہیے کہ اگر کوئی گناہ یا برائی سرزد ہو جائے وہ اپنی نجات سے مایوس نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ پر واجب ٹھہرایا ہے کہ وہ بندوں کی توبہ قبول کرے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔

**وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ** (۴۲ : ۲۵)

"اللہ ہی تو بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں سے معافی دیتا ہے"۔

**اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ** (التوبہ: 104)

"کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے"۔

شرط یہ ہے کہ گناہ کے بعد انسان میں احساس گناہ پیدا ہو پھر وہ فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ معافی کا طلب گار ہو اور ساتھ ہی پکارتا ہو کہ اللہ اب میں دوبارہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کروں گا۔ ایسے لوگوں کی توبہ اللہ ضرور قبول کر لیتا ہے کیونکہ اس نے قرآن مجید میں وعدہ فرمایا ہے **وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ** یعنی "جو توبہ کر لے میں اسے ضرور معاف کر دیتا ہوں" جب انسان گناہ کر کے توبہ کرتا ہے تو اللہ اس توبہ کرنے والے سے بہت خوش ہوتا ہے۔ انسان سے ہر وقت کوئی نہ کوئی خطا اور لغزش ہوتی رہتی ہے اور اس کا علاج پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ انسان ہر وقت اللہ کے حضور میں استغفار کرتا رہے۔ استغفر اللہ پکارنا اللہ کو بہت ہی پسند ہے۔

3- **حسن خلق:** حسن خلق سے مراد لوگوں کے ساتھ پسندیدہ سلوک کرنا' ان سے خندہ پیشانی سے پیش آنا' عمدہ گفتگو کرنا' مشکل میں کام آنا' اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:۔

**وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ** (قلم: 4)

"آپ خلق کے بلند درجے پر ہیں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حسن خلق کا مجسمہ تھے آپؐ نے اپنی رسالت کا ایک مقصد یہ بیان فرمایا:

Scanned with CamScanner

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ

"میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق حسن کی تکمیل کروں"۔

ایک دوسری جگہ آپؐ نے فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ

"میں حسن اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں"۔

اس موضوع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

1- ایک شخص نے آپؐ سے سوال کیا' دین کیا ہے؟" آپؐ نے فرمایا خوش خلق ہونا"۔

2- صحابہؓ نے ایک مرتبہ آپؐ سے پوچھا یا رسول اللہ! انسان کو جو چیز دی گئی ہے ان میں سے بہتر کون سی چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا خوش خلقی"

3- مجھے وہ شخص بہت پیارا ہے۔ جو اخلاق میں اچھا ہے۔

4- اللہ کے بندوں میں اللہ کا سب سے پیارا وہ ہے۔ جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

5- خوش خلقی اللہ تعالیٰ کا خلق عظیم ہے۔

6- تم میں بہترین وہ ہیں جو اخلاق میں بہترین ہوں۔ (بخاری و مسلم)

7- قیامت کے دن مومن بندے کے ترازو میں کوئی شے خلق سے زیادہ بھاری نہیں ہوگی۔ (ترمذی)

8- آپؐ سے ایک بار پوچھا گیا کہ کون سی چیز سب سے زیادہ جنت میں داخل کرنے والی ہے آپ نے جواب دیا۔ اللہ کا خوف اور حسن خلق۔ (ترمذی)

9- مومن اچھے حسن خلق کے ساتھ روزہ دار اور نماز گزار شخص کا درجہ پا لیتا ہے۔ (ابو داؤد) قیامت کے دن میرے نزدیک تم میں سے محبوب ترین اور قریب ترین لوگ وہ ہوں گے جو اخلاق میں بہترین ہیں۔ (ترمذی)

## حدیث نمبر (۱۹)

عَنْ اَبِي الْعَبَّاسِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا

سے ابو العباس عبداللہ بن عباس راضی ہوا اللہ سے ان دونوں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے

قَالَ كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ

کہا میں تھا پیچھے نبی درود بھیجا اللہ نے اس پر اور سلام بھیجا ایک دن پس کہا

.. کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا ایک روز۔ آپ



يَا غُلَامُ اِنِّي اُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ

اے لڑکے بیشک سکھاتا ہوں تجھے چند کلمات یاد رکھ اللہ (کو) وہ حفاظت کرے گا تیری

نے فرمایا اے لڑکے میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں تو اللہ کو یاد رکھ وہ تیری

اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ وَاِذَا سَاَلْتَ فَاسْاَلِ اللّٰهَ وَ

یاد رکھ اللہ (کو) تو پائے گا اسے سامنے تیرے اور جب سوال کرے تو پس سوال کر اللہ (سے) اور

حفاظت کرے گا تو اللہ کو یاد رکھ تو اسے اپنے سامنے پائے گا جب تجھے کچھ مانگنا ہو تو اللہ سے

اِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ

جب مدد مانگے تو پس مدد مانگ ساتھ اللہ اور جان لے بیشک امت اگر

مانگ اور جب تو مدد مانگے تو صرف اللہ سے مدد مانگ اور جان لے کہ اگر ساری

اجْتَمَعَتْ عَلٰى اَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ اِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَ

اکٹھی ہو جائے پر کہ نفع پہنچائے تجھے ساتھ چیز لکھا ہوا ہے اسے اللہ لئے تیرے اور

امت اس پر جمع ہو جائے کہ تجھے کسی چیز کا نفع پہنچائے وہ تجھے نفع نہیں پہنچا سکتی

اِنِ اجْتَمَعُوا عَلٰى اَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ اِلَّا

اگر اکٹھے ہو جائیں پر کہ نقصان دیں تجھے ساتھ چیز نہ پہنچا یا نقصان تجھے مگر

مگر وہ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اور اگر وہ لوگ اس پر جمع ہو جائیں کہ تجھے کسی

بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجَفَّتِ

ساتھ چیز تحقیق لکھا ہے اسے اللہ اوپر تیرے اٹھا لئے گئے قلم اور خشک ہو گئے

چیز کا نقصان پہنچائیں تو وہ کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہ جو اللہ نے تیرے خلاف لکھ دیا ہے

الصُّحُفُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

صحیفے روایت کیا ہے ترمذی اور کہا حدیث حسن صحیح

اس کے بعد قلم اٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو گئے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت

وَفِي رِوَايَةِ غَيْرِ التِّرْمِذِيِّ اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ اَمَامَكَ

اور میں روایت علاوہ ترمذی یاد رکھ اللہ (کو) تو پائیگا اسے سامنے تیرے

کیا ہے اور حسن صحیح لکھا ہے اور ترمذی کے علاوہ دوسری عبارت ہے کہ اللہ کو یاد رکھ

Scanned with CamScanner

تَعَرَّفْ اِلَى اللّٰهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ وَاعْلَمْ اَنَّ

پہچان طرف اللہ میں سکھ وہ پہچانے گا تجھے میں سختی اور جان لے

تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ اور اللہ کو فراخی میں پہچان وہ سختی میں تیری طرف متوجہ

مَا اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ وَمَا اَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ

یقیناً جو نکل گیا تجھ سے نہ تھا کہ پائے تو اور جو پہنچا تجھے نہیں تھا

ہوگا اور جان لے جو چیز تجھے نہیں ملی وہ تجھے پہنچنے والی نہیں تھی اور جو تجھے پہنچ گئی ہے

لِيُخْطِئَكَ وَاعْلَمْ اَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ وَاَنَّ الْفَرَجَ

نہ ملتا تجھے اور جان لے یقیناً مدد ساتھ صبر (کے) اور بیشک فراخی

وہ تجھ سے خطا ہونے والی نہیں تھی اور جان رکھ بے شک مدد صبر کے ساتھ ہے

مَعَ الْكَرْبِ وَاَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا۔

ساتھ تنگی اور یقیناً ساتھ تنگی آسانی

بیشک کشادگی تنگی کے ساتھ اور بیشک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔

## مشکل الفاظ کے معانی

غُلَامٌ = لڑکا۔ خَلْفَ = پیچھے اَمَامَ = سامنے۔

اِحْفَظْ = تو حفاظت کر یعنی متوجہ ہو۔ اِسْتَعِنْ = مدد طلب کر۔

جُفَّتْ = خشک ہو گئے۔ رَخَاءٌ = فراخی رُفِعَتْ = اٹھا دیے گئے۔

فَرَجٌ = کشادگی کَرْبٌ = سختی تکلیف۔ صُحُفٌ = صحیفہ کی جمع کتاب۔

لَوْ = اگر۔ اَلْعُسْرِ = مشکل، تنگی۔ یُسْرًا = آسانی

## توکل اور تقدیر

### تشریح

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ جو انسان اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے۔ صرف اسی سے مدد کا طالب ہوتا ہے۔ اسی سے خوفزدہ ہوتا ہے اور نفع و نقصان کا مالک و مختار اسے ہی خیال کرتا ہو۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر



طرح کی تائید و نصرت نصیب ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کا یہ فرض ہے کہ خدا کی ذات پر کلی اعتماد کرتے ہوئے۔ عمل سرانجام دے کیونکہ یہی وہ ذات ہے۔ جو نفع و نقصان، رشد و ہدایت عزت و ذلت، زندگی، موت، صحت و بیماری، سزا و جزا وغیرہ دینے پر پوری قدرت رکھتی ہے۔ ایک مومن اس بات پر یقین کامل رکھتا ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی مددگار، حاجت روائی کرنے والا، مصیبت دینے والا اور مصیبت دور کرنے والا نہیں ہے۔

ہر ایک مسلمان اس بات پر یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی سعی و جدوجہد کو رائیگاں نہیں کرتا۔ بلکہ کوششوں کا ثمر اسے ضرور دیتا ہے اس لیے اسے اس دنیا میں عارضی ناکامی و نامرادی سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ پیہم و مسلسل عمل جاری رکھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اللہ تیری طرف متوجہ ہوگا۔ قرآن پاک میں اللہ پر اعتماد کرنے والوں کے متعلق آتا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔ (آل عمران)

"اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے"۔

انسان کی تقدیر کے ضمن میں آتا ہے:

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (51:9)

"(اے نبی) کہہ دیجئے۔ ہمیں ہرگز نہیں پہنچے گا سوائے اس کے جو کچھ اللہ نے ہمارے لیے لکھا۔ وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے"۔

قرآن مجید میں ایک اور مقام پر آتا ہے:

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (159:3)

"اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے علاوہ کون ہے جو مدد کر سکتا ہے بس مومنین کو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے"۔

ایک مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ تقدیر میں نوشتہ ہے اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور وہ اسے ہر صورت میں مل کر رہے گا۔ جملہ مخلوق بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کو تبدیل نہیں کر سکتی۔

حدیث میں اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے انعامات احسانات اور

Scanned with CamScanner

کرامات کا شکریہ بجالاتے ہیں اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں یاد رکھتا ہے۔
چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے:۔

**فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ (البقرہ)**

"پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔ میرے شکرگزار بن جاؤ اور میری ناشکری نہ کرو"۔

حدیث زیر نظر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صرف وہ لوگ کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ جو صبر و استقامت اور عزم و ثبات کے ساتھ زندگی کے ہر مرحلہ میں کوشاں رہتے ہیں۔ اسی حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ **اِنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ**۔ یعنی صبر کے ساتھ ہی نصرت ہوتی ہے۔
قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

**وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِينَ**

"صبر اور دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرو بے شک وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی انسان کے ساتھ ہونا اس کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ صبر ایک ایسی اچھی خصلت ہے کہ جو شخص اسے اختیار کرتا ہے دنیا کی تکلیفیں اس پر آسان ہو جاتی ہیں۔ حدیث زیر نظر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ہر مشکل کے بعد راحت ہے۔ قرآن مجید میں بھی آتا ہے۔

**فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا**

"بلاشبہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے"۔

## حدیث نمبر (۲۰)

**عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ عُقْبَةَ بْنِ عَمْرٍو الْاَنْصَارِیِّ الْبَدْرِیِّ**
سے ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری بدری
حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری بدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ
**رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ**
راضی ہوا اللہ سے اس کہا فرمایا رسول اللہ درود بھیجا اللہ پر اس اور
سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ



**سَلَّمَ اِنَّ مِمَّا اَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْاُوْلٰى**
سلام بھیجا یقیناً سے جو پایا لوگوں سے کلام نبوت سابقہ
لوگوں نے سابقہ نبیوں کے کلام سے حاصل کیا (وہ یہ ہے) کہ جب تجھ میں
**اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)**
جب نہ تو حیا کرے تو کرتا رہ جو چاہے (روایت کیا اسے بخاری)
حیا نہ رہے تو پھر جو چاہے کر۔ (امام بخاری نے اسکو روایت کیا)

## مشکل الفاظ کے معانی

حَیَاءٌ= شرم اِصْنَعْ= تو کر۔ تو بنا — اَدْرَکَ= پایا۔ حاصل کیا۔
اَدْرَکَ، یُدْرِکُ، اِدْرَاکٌ سے ہے۔ — لَمْ تَسْتَحِیْ تو نے شرم نہیں کی
اِسْتَحْیَا، یَسْتَحْیِیْ، اِسْتِحْیَاءٌ سے ہے۔ — مَاشِئْتَ= جو تو نے چاہا۔
شَاءَ، یَشَاءُ، شَیْئًا سے ہے۔ — کَلَامٌ= بات چیت۔ گفتگو۔

## حیا

### تشریح

اسلام کا منشائے مقصود یہ ہے کہ انسان کو انسانیت کے اعلیٰ مدارج پر پہنچا دیا جائے۔ ہر نبی کے دین کا بھی یہی منشا تھا۔ چنانچہ انسانی زندگی کو صالح اور پاکیزہ بنانے کے لیے انبیاء کرام نے شرم و حیا کے موضوع کو بھی اپنی تعلیمات میں شامل کیا اور آج تک اس سلسلہ میں جو ہدایات انہوں نے دیں من و عن موجود ہیں۔

حیا کا مطلب شرم کرنا' رک جانا اور اپنے آپ کو پہچاننا ہے گویا حیات شرمندگی کے اس احساس کو کہتے ہیں جو برے اور ناپسندیدہ امور سے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ جس کے تحت انسان ہر بری بات سے گھبراتا ہے اور دقت محسوس کرتا ہے اور بری بات اور برے افعال کے لیے اس کا دل آمادہ نہیں ہوتا۔ لیکن جب یہ احساس ختم ہو جاتا ہے تو وہ برائی کرنے میں بے باک ہو جاتا ہے اور بڑے سے بڑا گناہ بھی اس کی شرمندگی کی حس کو بیدار نہیں کرتا۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تو حیا نہ کرے تو جو چاہے کر"۔

حقیقت یہ ہے کہ حیا انسان کو ہر قسم کی برائی سے بچا کر نیکی کی طرف راغب کرتی ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حیا بھلائی کو لاتی ہے"۔ نیز حیا کرنے والا دوسروں کے

حقوق کی نگہداشت اسی طرح کرتا ہے جس طرح وہ اپنے حقوق کی پاسداری کرتا ہے۔ اسی بنا پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیا کو ایمان کی ایک شاخ قرار دیا ہے۔ (بخاری) یعنی جس میں حیا نہیں اس میں ایمان نہیں۔ یہ صفت انفرادی اور اجتماعی ہر لحاظ سے معاشرہ کے افراد میں ہونی چاہیے جب ہی معاشرہ اخلاقی برائیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ کسی شخص سے نیکی و شرافت کے نام پر کوئی کام سرانجام دینے کی درخواست اس وقت تک کی جا سکتی ہے۔ جب تک اس کے دل میں شرم وحیا کا مادہ باقی ہو اور جب یہ احساس ختم ہو جائے۔ تو پھر اس سے کسی نیکی اور بھلائی کی امید نہیں کی جا سکتی۔ اکبر الہ آبادی کی ایک رباعی حدیث زیر نظر کی تشریح اس طرح کرتی ہے:

جس کو خدا کی شرم ہے وہ ہے بزرگ دیں　　دنیا کی جسکو شرم ہے مرد شریف ہے
جس کو کسی کی شرم نہیں اس کو کیا کہوں　　فطرت کا وہ ذلیل ہے دل کا کثیف ہے

## حدیث نمبر (۲۱)

عَنْ اَبِیْ عَمْرٍو وَقِیْلَ اَبِیْ عَمْرَۃَ سُفْیَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ
سے ابو عمرو اور کہا گیا ابو عمرو سفیان بن عبد اللہ
ابو عمرو سفیان بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قُلْ لِیْ فِی الْاِسْلَامِ
راضی ہوا اللہ سے اس کہا کہا میں نے اے رسول اللہ کہہ لیے میرے میں اسلام
کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا مجھے اسلام کے متعلق

قَوْلًا لَا اَسْئَلُ عَنْہُ اَحَدًا غَیْرَکَ قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ
بات نہ سوال کروں میں بابت اس کی دوسرے سے کہا کہہ میں ایمان لایا پر اللہ
کوئی ایسی بات بتلائیے جو آپ کے سوا کسی اور سے نہ پوچھوں۔ آپ نے فرمایا

ثُمَّ اسْتَقِمْ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)
پھر ثابت قدم ہو (روایت کیا اسے مسلم)
کہہ میں ایمان لایا اللہ پر پھر اس پر ثابت قدم رہ۔ (اسکو امام مسلم نے روایت کیا ہے)



# ایمان اور استقامت

## تشریح:

ایمان کے معنی جاننا اور ماننا ہے۔ کسی چیز کی تصدیق کرنا اس کے وجود کو تسلیم کرنا بھی ایمان کا لغوی معنی ہے ادب میں یہ لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ یعنی اس کے معنی امن میں آنا اور امن دینا بھی ہے مذہب کی اصطلاح میں ایمان اس کا نام ہے کہ کُلُّ مَا جَاءَ بِہِ الرَّسُوْلُ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ کی تصدیق کی جائے یعنی ان سب باتوں کو حق مانا جائے اور قبول کیا جائے، جو پیغمبر اللہ کی طرف سے پہنچائے اور بتلائے۔ قرآن حکیم میں آتا ہے:

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ

"اور جو شخص (یعنی نبی) سچی بات لے کر آیا اور جس (مومن) نے اس کی تصدیق کی بس وہی لوگ متقی ہیں"۔

اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایمان ہی تقویٰ کی جڑ و پرہیزگاری کی اصل ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں ہر جگہ ایمان کو عمل صالح پر مقدم رکھا گیا ہے۔ اس کے بغیر تقویٰ و نیکوکاری کا کوئی تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ امر ذہن نشین رہے کہ ایمان صرف زبان سے تسلیم کرنے کا نام نہیں ہے ماننے کا اور تسلیم کرنے کا دل سے تعلق ہے۔ اسی لیے ایمان کی تعریف یوں کی گئی ہے:

اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ

"زبان سے اقرار کرنا اور دل سے تصدیق کرنا"۔

بعض کے نزدیک یہ بھی کافی نہیں ہے۔ بلکہ اعمال کے ذریعہ اس اقرار و تصدیق کا ثبوت پیش کرنا بھی ضروری ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

حقیقت یہ ہے کہ ایمان عمل کا دیباچہ اور پیش خیمہ ہے۔ ایمان اور اعتقاد پر ہی عمل کی عمارت استوار ہوتی ہے۔ اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہہ میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر ثابت قدم رہ" یعنی جس قدر ایمان کی پختگی ہوگی۔ اسی قدر عملی قوتیں بروئے کار آتی ہیں اور زندگی میں ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں دنیا کی کوئی ہستی ایسے شخص کے پایہ استقامت کو متزلزل نہیں کر سکتی۔ اس صفت کے متحمل شخص سے تمام امور اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی و رضامندی کے مطابق سرزد ہوتے ہیں اور اس پر کوئی نیک کام گراں نہیں گزرتا۔ وہ دنیا کی ہر طاقت سے نبرد آزما ہو جانے کے قابل ہو جاتا ہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی وہ مصائب و شدائد سے نہیں گھبراتا۔ اسے نیکی کی تبلیغ میں روحانی مسرت حاصل ہوتی

ہے۔ وہ جنت کے ابدی ودائمی انعامات سے بھی ہمکنار ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالٰی کی آزمائشوں میں پورا اترا اور اس نے کبھی صبر و ثبات کے دامن کو نہیں چھوڑا اور زندگی کے ہر معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول ؐ کی رضاجوئی کو مقدم رکھا۔

مختصر یہ کہ اللہ پر ایمان لانے کے بعد اس عقیدے پر ایک مسلمان کو اس طرح ثابت قدم رہنا چاہیے کہ کوئی لالچ یا خوف اس کے ایمان کو متزلزل نہ کر سکے۔ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے مگر اس کے عقیدے میں فرق نہ آئے۔ صحابہ کرامؓ نے ایمان پر ثابت قدم رہنے کی ایسی مثالیں چھوڑی ہیں جو قیامت تک امت مسلمہ کے لیے نمونہ ہیں۔

## حدیث نمبر (۱۴۲)

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الْاَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ

سے ابو عبداللہ جابر بن عبداللہ انصاری راضی ہوا اللہ

حضرت ابوعبد جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ ، سے

عَنْهُمَا اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

سے دونوں یقینا ایک آدمی سوال کیا رسول اللہ درود بھیجا اللہ پر اس اور سلام بھیجا

روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا

فَقَالَ اَرَاَیْتَ اِذَا صَلَّیْتُ الْمَکْتُوْبَاتِ وَصُمْتُ رَمَضَانَ

پس کہا کیا رائے ہے تیری جب نماز پڑھی میں نے فرض نمازیں اور روزے رکھے میں نے رمضان

اور کہا کہ آپ کا کیا خیال ہے اگر میں فرض نمازیں ادا کروں اور رمضان

وَاَحْلَلْتُ الْحَلَالَ وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ وَلَمْ اَزِدْ عَلٰی

اور حلال ٹھہرایا میں نے حلال ، اور حرام ٹھہرایا میں نے حرام کو اور نہیں زیادتی کی میں نے پر

کے روزے رکھوں اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانوں اور اس پر

ذٰلِکَ شَیْئًا اَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَالَ نَعَمْ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَ

اس کے کچھ داخل ہوں گا جنت آپ نے کہا ہاں روایت کیا اسے مسلم اور

کسی اور چیز کا اضافہ نہ کروں تو کیا میں جنت میں داخل ہو جاؤں گا (اسکو امام مسلم نے



مَعْنٰی حَرَّمْتُ الْحَرَامَ اجْتَنَبْتُہٗ وَمَعْنٰی اَحْلَلْتُ

معنی حرمت الحرام دور رہوں اس سے اور معنی احللت

روایت کیا ) اور معنی حرمت الحرام کے دور رہوں اس سے اور معنی احللت

الْحَلَالَ فَعَلْتُہٗ مُعْتَقِدًا حِلَّہٗ۔

الحلال کروں اسے یقین رکھتے ہوئے حلال کا

الحلال کے کروں میں اسے حلال ہونے کا یقین رکھتے ہوئے ہیں

## مشکل الفاظ کے معانی

اَرَاَیْتَ = کیا تو نے دیکھا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ مَکْتُوْبَاتِ = فرض نمازیں صُمْتُ = میں روزے رکھوں۔ صَامَ۔ یَصُوْمُ۔ صَوْمًا = سے ہے۔ نَعَمْ = ہاں لَمْ اَزِدْ میں زیادہ نہ کروں۔ زَادَ۔ یَزِیْدُ۔ زَیْدًا سے ہے۔

## دینی فرائض کی نگہداشت

### تشریح:

حدیث زیر نظر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لیے جنت کی خوشخبری دی ہے۔ جو نماز باقاعدگی سے ادا کرے۔ رمضان کے روزے رکھے اور حلال و حرام کی قیود کے مطابق زندگی بسر کرے۔ زکوٰۃ اور حج کا ذکر اس لیے نہیں ہے کہ یہ حدیث اس زمانہ کی ہے جب یہ دونوں ارکان اسلام امت مسلمہ پر فرض نہیں کیے گئے تھے۔

**نماز و روزہ:** نماز اور روزہ ارکان اسلام میں سے ہیں۔ ارکان اسلام سے مراد وہ اعمال وافعال ہیں۔ جن پر اسلام کی بنیاد قائم ہے۔ یہ مذہب کے لیے ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ستون اگر ایک بھی گر جائے تو عمارت کا گرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ ارکان اسلام کو ادا نہ کرنے والا فاسق ہوتا ہے اور ان کا انکار کفر کے مترادف ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عبادتیں محض رسم و رواج کے طور پر ادا نہ کی جائیں۔ بلکہ ان کی حقیقت و ماہیت اور روح تک پہنچنے کی کوشش ہونی چاہیے۔ مثلاً بظاہر روزہ دن بھر بھوک پیاس اور نفسانی خواہشات کے ترک کرنے کا نام ہے۔ لیکن فی الحقیقت اس کا مقصد تزکیہ اخلاق اور روحانی اصلاح ہے جسے خود قرآن حکیم نے تقوٰی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ نماز اور روزہ پر تفصیلاً ”نوٹ عنوان“ ”سورہ بقرہ سے متعلق اہم سوالات“ اور

حدیث نمبر 3 کے تحت دیکھئے۔

**حلال و حرام:** حدیث نمبر 6 کے تحت حلال و حرام کی تشریح گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ کیجئے۔

## حدیث نمبر ۲۳

**عَنْ اَبِیْ مَالِكٍ نِ الْحَارِثِ بْنِ عَاصِمِ نِ الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ**

سے ابو مالک حارث بن عاصم الاشعری راضی ہوا

حضرت مالک الحارث بن عاصم الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

**اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ**

اللہ سے اس کہا فرمایا رسول اللہ درود بھیجا اللہ پر اس اور سلام بھیجا

روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

**اَلطُّھُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلَاُ الْمِیْزَانَ**

پاکیزگی نصف ایمان ہے اور الحمدللہ کہنا بھرتا ہے ترازو

پاکیزگی نصف ایمان ہے اور الحمدللہ کہنا (عمل کے) ترازو کو بھر دیتا ہے۔

**وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَمْلَاٰنِ اَوْ تَمْلَاُ مَا بَیْنَ**

اور سبحان اللہ اور الحمدللہ کہنا بھرتا ہے یا بھرتے ہیں جو درمیان

اور سبحان اللہ اور الحمدللہ کہنا زمین و آسمان کے درمیان جو کچھ ہے

**السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَالصَّلٰوۃُ نُوْرٌ وَّالصَّدَقَۃُ بُرْھَانٌ وَّ**

آسمان اور زمین اور نماز روشنی اور صدقہ دلیل اور

بھر دیتے ہیں اور نماز نور ہے اور صدقہ (تمہارے ایمان کی) دلیل ہے

**الصَّبْرُ ضِیَاءٌ وَّالْقُرْاٰنُ حُجَّۃٌ لَّکَ اَوْ عَلَیْکَ کُلُّ النَّاسِ**

صبر روشنی اور قرآن حجت تیرے لئے اور تیرے خلاف ہر انسان

اور صبر روشنی ہے اور قرآن تیرے حق میں یا تیرے خلاف دلیل ہے ہر شخص جب صبح کرتا ہے

**یَغْدُوْا فَبَائِعٌ نَفْسَہٗ فَمُعْتِقُھَا اَوْ مُوْبِقُھَا** مسلم

صبح کرتا ہے پس وہ سودا کرتا ہے نفس اپنے کا پس آزاد کرانا یا ہلاک کرتا ہے

تو وہ اپنی جان کا سودا کرتا ہے پھر اسے آزاد کراتا ہے یا اُسے ہلاک کرتا ہے۔



## مشکل الفاظ کے معانی

اَلطَّھُوْرُ= پاکیزگی۔ تَمْلَاُ= بھردیتا ہے۔ بُرْھَانٌ= دلیل۔ شَطْرَ= نصف
حُجَّۃٌ= دلیل۔ ثبوت مُعْتِقُ= آزاد کرنے والا۔ مُوْبِقُ ہلاک کرنے والا۔
مِیْزَانَ= ترازو۔ یَغْدُوْا= وہ صبح کرتا ہے۔

# طہارت۔ تحمید۔ تسبیح۔ نماز۔ صدقہ۔ صبر کی فضیلت

**تشریح:**

زیر نظر حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل امور کی فضیلت واہمیت بیان فرمائی ہے:۔

1-طہارت 2-الحمدللہ' سبحان اللہ 3-نماز 4-صدقہ 5-صبر 6-قرآن حکیم۔

1- **طہارت:** اسلام جیسے فطری مذہب نے ہر قسم کی طہارت کا جس قدر اہتمام کیا ہے۔ وہ اسی کے شایان شان ہے۔ طہارت کے تمام گوشوں پر مکمل طور پر جس قدر بھی اس فطری مذہب نے روشنی ڈالی ہے۔ کسی آسمانی یا غیر آسمانی مذہب کو یہ ہمہ گیری میسر نہیں۔ اس ضمن میں قرآن کریم کا واضح ارشاد موجود ہے:

**اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَھِّرِیْنَ۔ وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ**

"بے شک اللہ توبہ کرنے والے اور طہارت رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔

"اپنے کپڑوں کو اچھی طرح پاک اور صاف رکھ اور نجاست سے الگ رہ"۔

نماز بارگاہ خداوندی میں اس وقت تک باریابی کے قابل نہیں جب تک پوری طہارت اور پاکیزگی سے ادا نہ کی جائے نیز ہفتہ اور جمعہ اور سالانہ عیدین کے موقع پر عام اجتماعات میں کپڑے اور بدن کی صفائی کی خاص تاکید کی گئی ہے۔ وضو میں مزید صفائی کے پیش نظر مسواک کو جو فضیلت اور درجہ دیا گیا ہے اس کی اہمیت اس وقت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ جب ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی پاکیزہ زندگی میں اس کا بے حد اہتمام دیکھتے ہیں۔ روایات میں یہاں تک ہے کہ آپؐ اس کثرت سے مسواک فرماتے تھے کہ آپ کے مسوڑھے چھل جاتے تھے۔ طہارت کا یہ اہتمام کچھ نماز ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ حج جیسی عظیم الشان اجتماعی عبادت میں بھی اس کی پوری

پوری رعایت رکھی گئی ہے طہارت کے اہتمام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کہیں اگر پانی نہ ملے تو تیمم کے ایک خاص طریقے سے حصول طہارت کا حکم دیا گیا۔ انسان کے مرنے کے بعد طہارت و غسل کا حکم دیا گیا۔ زکوٰۃ' صدقات وغیرہ کے ذریعہ مال کی ایک خاص مقدار نکالنے سے مال کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔

معاملات اخلاق معاشرت کے ابواب میں بھی تطہیر کی ہدایتوں پر زور دیا گیا ہے کیونکہ روح اگر مزکی نہیں تو صرف ظاہری طہارت بے مغز پوست اور شجر بے ثمر ہے۔ مختصر یہ کہ اسلام میں روحانی' جسمانی' ظاہری' باطنی' حسی' معنوی' شخصی' اجتماعی ہر قسم کی پاکی و طہارت کا پورا پورا اہتمام کیا گیا ہے اور زندگی کے تمام شعبوں پر اس اصول کو حاوی کر دیا گیا ہے۔

2- **سبحان اللہ الحمد للہ:** اس حدیث میں الحمد للہ کہنے کی اتنی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ نیک اعمال کا پلڑا اس سے بھر جاتا ہے اور اگر اس کے ساتھ سبحان اللہ کے الفاظ کا اضافہ کر لیا جائے تو گویا زمین و آسمان کے درمیان کی تمام خالی جگہ ان کے اجر و ثواب سے پر ہو جاتی ہے ان کلمات کا دل و زبان سے بار بار اعادہ کرنا ذکر الٰہی کی ایک صورت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کو بہت دوست رکھتے تھے اور اکثر پڑھا کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک مومن کا جو دلی تعلق اور خصوصی ربط اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہوتا ہے وہ دنیا کی کسی اور شے سے نہیں ہوتا۔ اس مہر و محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سرشار ہے اور کسی لحہ غافل نہ ہو تا کہ ذکر الٰہی اس کے دل و دماغ اور رگ و ریشے میں جاگزیں اور پیوست ہو جائے اطمینان قلب سوائے ذکر خداوندی کے حاصل نہیں ہوتا ارشاد ہوتا ہے:

**اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ**

"خبردار اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے"۔

ایک مرتبہ چند نادار صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ اہل ثروت اپنی مالی قربانیوں کی بدولت ہم سے سبقت لے جائیں گے حالانکہ باقی جملہ عبادات میں ہم ان کے برابر ہیں۔ آپؑ نے فرمایا۔ کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جس پر عمل پیرا ہونے سے تمہیں ان کے برابر اجر و ثواب مل جائے۔ ہر نماز کے بعد 33 بار سبحان اللہ' 33 بار الحمد للہ اور 34 بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ (بخاری و مسلم) ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا۔ جب انسان صبح کو بیدار ہوتا ہے تو اس کے ہر عضو پر صدقہ واجب ہوتا ہے۔ پس ہر بار سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے ہر مرتبہ الحمد للہ لا الہ الا اللہ' اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے۔ یعنی ان کلمات کے بار بار کہنے سے یہ صدقہ ادا ہو جاتا ہے۔



بظاہر یہ کلمات بڑے ہلکے پھلکے ہیں۔ ان کی ادائیگی زبان پر کچھ مشکل نہیں لیکن ان کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔ بندہ جب صمیم قلب سے ان کلمات کا ورد کرتا ہے تو اللہ رب العزت کی خوشنودی اور رضامندی سے ہمکنار ہوتا ہے۔

3- **نماز:** اس حدیث میں نماز کو نور سے موسوم کیا گیا ہے۔ گویا نماز روح کی پاکیزگی اور بالیدگی کے لیے نور کی حیثیت رکھتی ہے اور عبادت خداوندی کی وجہ سے نمازی کے چہرے پر پاکیزگی کا نور جھلکتا ہے۔ قرانِ حکیم میں آتا ہے:

**اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ**

"بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے"۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے متعلق فرمایا کہ "میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہے"۔ ایک اور حدیث میں آپؑ نے فرمایا "جس نے نماز کی حفاظت کی تو یہ اس کے لیے قیامت کے روز نور' برہان اور نجات ہوگی (شرح اربعین از ابن حجر) چنانچہ نماز کو پابندی اوقات اور باقاعدگی سے باجماعت ادا کرنے کا حکم ہے۔ مسلمان اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہی ہے۔ نیز آپؑ نے نماز کو جنت کی چابی اور مومنین کی معراج قرار دیا ہے۔ مزید تشریح کئی مقامات پر کتاب میں کی جا چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ کیجئے۔

4- **صدقہ:** ہر وہ چیز جو نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ فی سبیل اللہ محتاج و بے کس اور مفلس و نادار افراد کو دی جائے وہ صدقہ کہلاتی ہے۔ ہر وہ نیک عمل بھی صدقہ کی تعریف میں شامل ہوگا جو اللہ کے راستے میں کیا جائے۔ انسان کو فطرتاً اپنے مال و دولت سے الفت و محبت ہوتی ہے اور وہ اسے راہ خدا میں صرف کرنے سے گریز کرتا ہے۔ نیز مال کے حصول میں وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات و ارشادات کو بھی بالائے طاق رکھ دیتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر بار بار زور دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

**وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا** (بقرہ)

"اور مال اللہ کی محبت میں مسکین' یتیم اور قیدیوں کو دیتے ہیں"۔

**يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقَاتِ**

"اللہ سود کو گھٹاتا ہے اور صدقات اور خیرات کو بڑھاتا ہے"۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے خیرات و صدقات کو قرض حسنہ کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ ایک دوسرے موقع پر صدقہ و خیرات کی مثال ایک دانے سے دی گئی ہے جسے بویا جائے اور اس سے سات بالیں اگیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔

حدیث زیر نظر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خدا کے راستے میں

Scanned with CamScanner

صدقہ کرتا ہے اس کے متقی (خدا ترس) ہونے کے لیے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں ہے۔ آپؐ کے چند ارشادات اس موضوع پر ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں تاکہ صدقہ و خیرات کی اہمیت و فضیلت واضح ہو جائے:۔

1- جو مسلمان بھی کوئی درخت لگائے یا کھیت میں کاشت کرے اور اس سے کوئی پرندہ کھائے یا انسان یا کوئی چوپایہ وہ اس کے لیے صدقہ ہو گا۔ (بخاری اور مسلم)

2- دایاں ہاتھ یعنی خیرات دینے والا ہاتھ بائیں ہاتھ یعنی لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ (بخاری و مسلم)

3- ہر نیکی صدقہ ہے۔ دوسروں کو برے کاموں سے روکنا صدقہ ہے خندہ پیشانی سے پیش آنا۔ راستے سے کسی کو نقصان پہنچانے والی چیز کو دور کرنا سبحان اللہ الحمدللہ' اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے۔

صدقہ و خیرات اور زکوٰۃ کی باقاعدہ ادائیگی معاشی نظام میں اعتدال پیدا کرنے کا باعث ہے۔ اس کی وجہ سے دولت چند خاندانوں میں مجتمع ہو کر نہیں رہ جاتی۔ بلکہ غرباء میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ صدقہ و خیرات سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضامندی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے لیے خلوص نیت کا ہونا ازبس ضروری ہے۔ نمود و نمائش اور احسان جتلانے سے صدقہ و خیرات کا اجر و ثواب اکارت ہو جاتا ہے۔

5- **صبر:** صبرؔ کو روشنی سے موسوم کیا گیا ہے۔ کیونکہ جب انسان مصائب و آلام اور تکالیف و پریشانی کی تاریکیوں میں سرگرداں ہو تو صبر ہی اس کے سامنے روشنی کی ایک ایسی کرن ہوتی ہے۔ جو اس کو رہنمائی اور ہدایت کی طرف گامزن کرتی ہے۔

صبر کے لغوی معنی اپنے آپ کو روکنا' سہارنا اور کسی بات پر قائم رہنا ہے۔ شرعی اصطلاح میں صبر سے مراد یہ ہے کہ انسان پریشانی و مصیبت اور کسی سے مقابلہ کے وقت پامردی' استقلال' ثابت قدمی اور جرات کا ثبوت دے اور گھبراہٹ و بے چینی کا اظہار نہ کرے۔

صبر کی اہمیت و فضیلت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن' حکیم میں صبر کا لفظ ستر سے زائد مقامات پر استعمال ہوا ہے اور مختلف انداز میں اس کی تعریف و ستائش بیان ہوئی ہے اور صبر کرنے والوں کو بلند درجات کی متعدد بار بشارت دی گئی ہے۔ جملہ انبیاء اس صفت سے متصف تھے اور صبر و ثبات کی بدولت اپنے اپنے مشن میں کامیاب ہوئے۔ صبر کی جس قدر اہمیت و ضرورت انفرادی زندگی میں ہے اس سے کہیں زیادہ اجتماعی اور قومی زندگی میں ہے کوئی قوم اس وقت تک ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتی۔ جب تک کہ اس کے افراد صبر و ثبات کی خوبی کے حامل نہ ہوں۔ نہ ہی صبر کے بغیر قوم میں اتحاد و یک جہتی پیدا ہو سکتی ہے۔ یہی وہ نسخہ ہے جس کی بدولت مسلمان



مضبوط اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتے ہیں۔

6- **قرآن حکیم:** آخری بات حدیث میں یہ بتائی گئی کہ قرآن مجید تمہارے حق میں حجت ہے اور تمہارے خلاف حجت ہے یعنی اگر اس کی تعلیمات و احکامات پر عمل پیرا ہوگے تو عذاب اخروی سے نجات پاؤ گے اور جنت کی ابدی و سرمدی نعمتوں سے مالا مال ہوگے۔ لیکن اگر اس کے برعکس قرآن پاک کی تعلیمات کو بالائے طاق رکھ دو گے۔ تو عذاب الٰہی کے مستحق قرار پاؤ گے اور تعرمذلت کا سامنا کرنا ہو گا۔ قرآن کریم میں ایک مقام پر ارشاد ربانی ہے:

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا

"اور روز قیامت حضورؐ کہیں گے کہ اے میرے پالنہار! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا تھا"۔

چنانچہ ہمیں عذاب الٰہی سے بچنے کے لیے قرآنی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے۔

## حدیث نمبر (۲۴)

عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى

سے ابو ذر غفاری راضی ہوا اللہ سے اس سے نبی درود بھیجا

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا يَرْوِيْهِ عَنْ رَّبِّهٖ عَزَّ وَجَلَّ اَنَّهٗ

اللہ پر اس اور سلام ہیں جو وہ روایت کرتا ہے سے رب اپنے عز وجل بے شک وہ

روایت کی ہے اور آپؐ نے اپنے خدا لئے بزرگ و برتر سے روایت کی ہے بیشک

قَالَ يَا عِبَادِيْ اِنِّيْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِيْ وَجَعَلْتُهٗ

کہا اس نے اے بندے میرے بیشک میں نے حرام ٹھہرایا ظلم اوپر اپنے اور کیا میں نے

اللہ نے فرمایا اے میرے بندو! بے شک میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کیا ہے اور

بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوْا يَا عِبَادِيْ كُلُّكُمْ ضَالٌّ

درمیان تمہارے حرام پس نہ تم ظلم کرو اے بندے میرے ہر ایک تم میں گمراہ

اسے تمہارے درمیان بھی حرام کیا ہے پس باہم ظلم نہ کرو۔ اے میرے بندو تم میں سے

إِلَّا مَنْ هَدَيْتُهٗ فَاسْتَهْدُوْنِيْ أَهْدِكُمْ يَا عِبَادِيْ

مگر جو ہدایت دی میں نے اسکو پس ہدایت مانگو مجھ سے میں ہدایت دوں تمہیں اے بندے میرے

ہر ایک گمراہ ہے سوائے اس کے جس کو میں نے ہدایت دی۔ مجھ سے ہدایت مانگو میں تمہیں

كُلُّكُمْ جَائِعٌ إِلَّا مَنْ أَطْعَمْتُهٗ فَاسْتَطْعِمُوْنِيْ أُطْعِمْكُمْ

ہر ایک تم میں سے بھوکا مگر جو کھلایا میں اسے پس تم مانگو کھانا مجھ سے میں کھانا دوں گا تمہیں

ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو تم میں سے ہر ایک بھوکا ہے سوائے اس کے جسے میں کھانا دوں

يَا عِبَادِيْ كُلُّكُمْ عَارٍ إِلَّا مَنْ كَسَوْتُهٗ فَاسْتَكْسُوْنِيْ

اے بندے میرے ہر ایک تم میں سے ننگا مگر جسے پہنایا میں نے پس تم مجھ سے لباس مانگو

پس تم مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھانا دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو سوائے اس

أَكْسُكُمْ يَا عِبَادِيْ إِنَّكُمْ تُخْطِئُوْنَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

میں لباس دوں گا تمہیں اے بندے میرے یقیناً تم خطا کرتے ہو رات اور دن

کے جسے میں لباس دوں گا تم مجھ سے لباس مانگو میں تمہیں لباس دوں گا۔ اے میرے بندو بے شک تم دن رات

وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا فَاسْتَغْفِرُوْنِيْ أَغْفِرْ لَكُمْ

اور میں بخشتا ہوں گناہ تمام پس تم بخشش مانگو مجھ سے میں بخشوں گا تمہیں

خطائیں کرتے ہو اور میں تمہیں تمام گناہ بخش دیتا ہوں اس لیے تم مجھ سے معافی مانگو میں تمہیں بخش دوں گا

يَا عِبَادِيْ إِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوْا ضَرِّيْ فَتَضُرُّوْنِيْ وَلَنْ

اے میرے بندے بے شک تم ہرگز نہیں پہنچو گے ضرر میرے پس دو ضرر مجھے اور ہرگز نہیں

اے میرے بندو یقیناً تم مجھ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے ہو کہ مجھے نقصان پہنچاؤ اور نہ

تَبْلُغُوْا نَفْعِيْ فَتَنْفَعُوْنِيْ يَا عِبَادِيْ لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَ

تم پہنچو گے نفع میرے پس نفع دو مجھے اے بندہ میرے اگر یقیناً اول تمہارا اور

کوئی نفع پہنچا سکتے ہو کہ مجھے نفع پہنچاؤ۔ اے میرے بندو اگر تمہارے پہلے اور آخری اور

آخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوْا عَلٰى أَفْجَرِ قَلْبِ

آخری تمہارا اور انسان تم اور جنات تم ہو جاؤ پر بدکار ترین دل

تمہارے انس و جن اس طرح ہو جائیں جیسے تم میں سے کوئی انتہائی گنہگار دل والا آدمی



رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَّا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْكِيْ شَيْئًا

آدمی ایک سے تم نہیں کمی وہ سے سلطنت میری کچھ

ہو سکتا ہے تو اس بات سے میری سلطنت میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ اے میرے بندو

يَا عِبَادِيْ لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ

اے بندے میرے اگر یقیناً اول تمہارا اور آخری تمہارا انسان تمہارے اور جن تمہارے

اگر تمہارے پہلے اور آخری انس و جن ایک میدان میں جمع ہو جائیں پھر مجھ

قَامُوْا فِيْ صَعِيْدٍ وَّاحِدٍ فَسَأَلُوْنِيْ فَأَعْطَيْتُ كُلَّ وَاحِدٍ

کھڑے ہوں میں میدان ایک پھر مجھ سے سوال کریں تو میں دوں ہر ایک کو

سے سوال کریں اور میں ہر ایک کو اس کے سوال کے مطابق عطا کروں تو یہ

مَسْأَلَتَهٗ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِيْ إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ

سوال اس کا نہیں گھٹایا اس نے سے جو میرے پاس مگر جیسے کم ہوتا ہے۔

رمل، نہیں کم کرے گا اسے جو میرے پاس ہے سوائے اتنا جیسے سوئی سمندر

الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ يَا عِبَادِيْ إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ

سوئی جب داخل ہوا سمندر اے بندے میرے صرف وہ اعمال تمہارے

میں داخل ہو کر اسے گھٹاتی ہے۔ اے میرے بندو یہ تمہارے اعمال ہی ہیں

أُحْصِيْهَا لَكُمْ ثُمَّ أُوَفِّيْكُمْ إِيَّاهَا فَمَنْ وَّجَدَ خَيْرًا

میں گن کر رکھتا ہوں لیے تمہارے پھر پورا بدلہ دوں گا ان کا پس جو پایا اس نے بھلا

جنہیں میں تمہارے لیے شمار میں رکھتا ہوں۔ پھر میں تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ

فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَّجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ إِلَّا

تو وہ حمد کرے اللہ کی اور جو پایا علاوہ اس کے پس نہ ملامت کرے مگر

دوں گا تو جو بھلائی پائے تو وہ اللہ کی حمد کرے اور جس نے اس کے علاوہ کچھ پایا تو وہ

نَفْسَهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

نفس اپنے کو (روایت کیا اس کو مسلم)

صرف اپنی ذات کو ملامت کرے (اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے)

## مشکل الفاظ کے معنی

عَزَّوَجَلَّ = بزرگ و برتر۔ مُحَرَّمٌ = جو حرام کی گئی۔ حَرَّمَ یُحَرِّمُ = تَحْرِیْمًا سے ہے۔
یَرْوِیْہِ = روایت کرتا ہے۔ ضَالٌّ = گمراہ۔ اِسْتَھْدُوْنِی = مجھ سے ہدایت مانگو۔
جَائِعٌ = بھوکا۔ عَارٍ = ننگا۔ اِسْتَکْسُوْنِیْ = مجھ سے کپڑا مانگو۔ صَعِیْدٌ = میدان۔
کَسَوْتُہٗ = میں نے اسے کپڑا پہنایا۔ کَسَا۔ یَکْسُوْ = کَسْوًا سے ہے۔
مَازَادَ = نہیں بڑھایا۔ اَفْجَرُ = سب سے زیادہ بدکار۔ اُحْصِیْھَا = میں انہیں گن کر رکھتا ہوں۔
مُخِیْطٌ = سوئی۔ تُخْطِئُوْنَ = تم غلط کرتے ہو۔
اُوَفِّیْکُمْ = میں تمہیں واپس لوٹاؤں گا یا پورا پورا دوں گا۔
یَلُوْمَنَّ = ملامت کرتا ہے۔ مَسْئَلَتَہٗ = جس چیز سے متعلق سوال کیا جائے۔

## قدرت خداوندی

### تشریح:

یہ حدیث قدسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی بیکراں قدرت و طاقت کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اور اس کی قدرت اتنی وسیع ہے کہ اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر جملہ مخلوق اپنی حاجات، ضروریات اور خواہشات پوری کرنے کے لیے اس سے درخواست کرے تو وہ تمام حاجات پوری کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور اس کے خزانوں میں ذرہ برابر کمی واقع نہیں ہو سکتی۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ ہی سے تمام حاجات طلب کریں۔ اس کے علاوہ کسی کو پکارنا نہیں چاہیے۔ کیونکہ وہ رازق و مالک ہے اور ہماری دعاؤں کو سننے اور قبول کرنے والا ہے۔ گناہوں کی بخشش و مغفرت کے لیے بھی اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ بڑا غفور و رحیم ہے اور صرف اسی کی ذات انسان کے تمام گناہوں کو معاف کر سکتی ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی ہر لحاظ سے بے نیاز ہے۔ اگر ساری کائنات اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار کرے اور متقی اور پرہیزگار بن جائے تو اللہ تعالیٰ کی بزرگی اور بڑائی میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر تمام مخلوقِ خدا سے بغاوت اور سرکشی کا مظاہرہ کرے تو اس کی سلطنت میں کوئی کمی وقوع پذیر نہیں ہوتی۔ مختصر یہ کہ تمام دنیا مجتمع ہو کر نہ اس کی ذات کو کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔ نیز خداوند تعالیٰ کی ذات ہی انسان کو ہدایت و رہنمائی بخشتی ہے اور اس کی عطا کردہ توفیق ہی سے انسان نیکی اور بھلائی کے کاموں کی طرف مائل ہوتا ہے۔



پھر ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت تمہارے اعمال کی جزا و سزا دے گا۔ اس لیے آپس میں ظلم و ستم، جنگ و جدال اور ایک دوسرے کی آبرو ریزی نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ نیز اگر کوئی نیکی و بھلائی کرو تو اس پر شکر خداوندی بجا لاؤ اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ستائش بیان کرو اور اگر کوئی تکلیف یا نقصان پہنچے تو یہ سمجھو کہ یہ تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اس لیے اپنے ضمیر کو ملامت کرو نیز سعی و جدوجہد کے بعد انجام کو خدا کے حوالے کر دو۔ کیونکہ تمام امور کے انجام اللہ رب العزت ہی کے ہاتھ میں ہیں۔

## حدیث نمبر (۲۵)

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَیْضًا اَنَّ نَاسًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ
سے ابو ذر راضی ہوا اللہ اس سے بیشک لوگ سے اصحاب رسول
حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالُوْا لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
اللہ درود بھیجا اللہ پر اس اور سلام بھیجا انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں (صحابہ) میں سے بعض نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ذَھَبَ اَھْلُ الدُّثُوْرِ بِالْاُجُوْرِ
وسلم اے رسول اللہ کے لیے گئے والے دولت ساتھ اجر
سے کہا یا رسول اللہ مال دار کثیر ثواب لے گئے کیونکہ وہ نماز پڑھتے

یُصَلُّوْنَ کَمَا نُصَلِّیْ وَیَصُوْمُوْنَ کَمَا نَصُوْمُ وَیَتَصَدَّقُوْنَ
وہ نماز پڑھتے ہیں جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں وہ روزہ رکھتے ہیں جیسے ہم روزہ رکھتے ہیں وہ صدقہ
ہیں جیسے ہم نماز پڑھتے ہیں اور وہ روزہ رکھتے ہیں جیسے ہم روزہ رکھتے ہیں اور

بِفُضُوْلِ اَمْوَالِھِمْ قَالَ اَوَلَیْسَ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ مَا
دیتے ہیں ساتھ زائد مالوں اپنے کہا کیا نہیں ہے بنایا اللہ نے تمہارے جو
وہ صدقہ دیتے ہیں اپنے فالتو اموال کا۔ آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ نے وہ چیز

تَصَدَّقُوْنَ اِنَّ بِکُلِّ تَسْبِیْحَۃٍ صَدَقَۃً وَّکُلِّ تَکْبِیْرَۃٍ
صدقہ دیتے ہو تم ساتھ اس کے یقینا ہر بار سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے اور ہر بار اللہ اکبر کہنا
نہیں بتائی جس سے تم صدقہ دیتے ہو۔ بے شک ہر بار سبحان اللہ کے عوض صدقہ ہے

صَدَقَةٌ وَكُلِّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةٌ وَّكُلِّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةٌ

صدقہ ہے اور ہر بار الحمدللہ کہنا صدقہ ہے اور ہر بار لا الٰہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے

ہر بار اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے اور ہر بار الحمدللہ کہنا صدقہ ہے اور ہر بار لا الٰہ الا اللہ کہنا

وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ

اور حکم ساتھ نیکی صدقہ ہے اور روکنا سے برائی صدقہ ہے۔

کہنا صدقہ ہے اور نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے۔ اور

وَفِيْ بُضْعِ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيَاْتِيْ

اور میں جماع کوئی ایک تم میں سے صدقہ انہوں نے کہا اے رسول اللہ کیا آتا ہے

تمہارے جماع کرنے میں صدقہ ہے (صحابہ) بولے اے اللہ کے رسول کیا ہم میں سے

اَحَدُنَا شَهْوَتَهٗ وَيَكُوْنُ لَهٗ فِيْهَا اَجْرٌ قَالَ اَرَاَيْتُمْ

ایک ہم میں سے شہوت اسکی اور ہوتا ہے لئے اس کے اس میں ثواب کہا تمہاری کیا رائے ہے

کوئی اپنی نفسانی خواہش تکمیل بھی اس کے لیے اس میں اجر ہوگا۔ آپ نے فرمایا

لَوْ وَضَعَهَا فِيْ حَرَامٍ اَكَانَ عَلَيْهِ وِزْرٌ فَكَذٰلِكَ اِذَا

اگر رکھا اسے میں حرام کیا تھا اس پر گناہ پس اسی طرح جب

تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ حرام میں استعمال کرے تو کیا اس پر گناہ نہ ہوگا

وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ كَانَ لَهٗ اَجْرٌ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

رکھا اسے میں حلال تھا لئے اس اجر (روایت کیا اسے مسلم)

پس اسی طرح جب اس نے اسے حلال میں صرف کیا تو اس کے لیے اجر ہے (اسے امام مسلم نے روایت کیا)

## مشکل الفاظ کے معنی

دُثُرٌ = مال۔ دُثُوْرٌ = جمع ہے۔ اَهْلُ الدُّثُوْرِ = دولتمند، متمول۔ فُضُوْلٌ زائد، فضل کی جمع۔ اُجُوْرٌ = اجر کی جمع ہے۔ بُضْعٌ = جماع، شرمگاہ۔ مراد نفسانی خواہشات کی تسکین۔ بَاضَعَ۔ يُبَاضِعُ = مباشرت ہے۔ صَدَقَةٌ ہر نیک عمل۔ وِزْرٌ = بوجھ (گناہ)



# صدقہ

## تشریح:

صدقہ کا مادہ صدق ہے۔ صدقہ اس نیکی یا خیرات کو کہتے ہیں جو صمیم قلب کے ساتھ اللہ کی راہ میں کی جائے اور جس میں کسی قسم کی نمود و نمائش و ریاکاری نہ ہو۔ بلکہ خالصتاً" اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لیے نیک کام سرانجام دیا جائے۔ صدقہ کے مفہوم میں ہر وہ نیکی شامل ہے جو نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ انجام دی جائے۔ حدیث زیر نظر میں جب غریب و نادار صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ متمول و دولتمند صحابہ بدنی عبادتوں میں ہمارے کے ساجھی و شریک ہیں لیکن وہ ہمارے مقابلہ میں مالی ایثار و قربانی کے بدولت زیادہ اجر و ثواب لے جاتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے انتہائی سہل و آسان صدقات بھی مہیا فرما دیئے ہیں۔ آپ نے ان کی مثالیں بھی پیش فرمائیں۔ مثلاً زبان سے ذکر الٰہی کرنا اور وہ کلمات ادا کرنا جن سے خدا کی کبریائی عظمت و بزرگی کا اظہار ہو۔ سب صدقہ میں شامل ہیں۔ اسی طرح امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی صدقہ ہے۔ حدیث زیر نظر میں عصمت و عفت کی حفاظت کو بھی صدقہ کے زمرہ میں شامل کیا گیا ہے۔ یہاں تک جائز و حلال ذریعہ سے جب انسان اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کرتا ہے تو اس کا وہ فعل بھی صدقہ ہے۔ مزید تشریح حدیث نمبر 23 میں ملاحظہ کیجئے۔

### حدیث نمبر (۲۶)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

سے ابو ھریرہ راضی ہوا اللہ سے اس کہا کہا رسول اللہ درود بھیجا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سُلَامٰى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ

اللہ پر اس اور سلام بھیجا ہر جوڑ سے آدمی اوپر اس صدقہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے جسم کے ہر جوڑ پر صدقہ واجب ہے

كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيْهِ الشَّمْسُ تَعْدِلُ بَيْنَ اثْنَيْنِ صَدَقَةٌ

ہر روز طلوع ہوتا ہے میں اس سورج تو انصاف کرتا درمیان دو صدقہ

جاتا ہے ہر روز جبکہ سورج طلوع ہوتا ہے تو دو آدمیوں کے درمیان انصاف

وَتُعِيْنُ الرَّجُلَ فِيْ دَآبَّتِهٖ فَتَحْمِلُهٗ عَلَيْهَا اَوْتَرْفَعُ عَلَيْهَا

اور تو مدد کرتا مرد میں سواری اسکی پس تو اٹھاتا ہے اسکو اس پر یا اٹھاتا ہے اسکو اسپر

کرے تو یہ صدقہ ہے اور تو جب کسی شخص کو اسکی سواری میں مدد دیتا ہے پھر لاے اسپر

مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَّالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ وَّبِكُلِّ خُطْوَةٍ

سامان اسکا صدقہ اور پاکیزہ بات صدقہ اور ہر قدم

سوار کرتا ہے یا اسکا سامان سواری پر اٹھا کر رکھتا ہے تو یہ صدقہ ہے اور کلمہ طیبہ

تَمْشِيْهَا اِلَى الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَّتُمِيْطُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ

تو چلتا ہے اسکو طرف نماز صدقہ اور تو ہٹانا تکلیف دہ چیز سے راستے

صدقہ ہے اور ہر وہ قدم جو نماز کیطرف جانے کے لیے اٹھاتا ہے صدقہ ہے اور راستے

صَدَقَةٌ ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَمُسْلِمٌ)

صدقہ ۔ ( روایت کیا اسے بخاری اور مسلم نے )

تکلیف دینے والی چیز کا ہٹانا بھی صدقہ ہے (اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے ۔

## مشکل الفاظ کے معنی.

سُلَامٰى = انگلیوں کے پورے یہاں مراد جسم کے تمام جوڑ۔ تَعْدِلُ = تو انصاف کرتا ہے۔ عَدَلَ يَعْدِلُ = عَدْلاً سے ہے۔ دَابَّةٌ = چوپایہ سواری۔ خُطْوَةٌ = قدم۔ اَمَاطَ يُمِيْطُ = تو ہٹاتا ہے "اَمَاطَ" سے ہے۔ اَذٰى = تکلیف دہ چیز۔ تُعِيْنُ = تو امانت مدد کرتا ہے۔

## ہر نیکی کا صدقہ ہے

### تشریح:

انسان جو بھی اچھا اور نیک کام، خلوص اور نیک نیتی سے کرتا ہے وہ صدقہ کے مفہوم میں شامل ہے۔ کسی حاجت مند کو اپنی جیب سے کچھ دینا ہی صدقہ نہیں ہے۔ بلکہ ہر اچھا کام صدقہ ہے۔ یہاں تک کہ سلام کرنا، کسی کی خیر خواہی اور خندہ پیشانی سے پیش آنا بھی صدقہ ہے۔ حدیث زیر نظر میں انسان کے تمام اعضاء پر صدقہ واجب قرار دیا گیا ہے۔ یعنی ہر عضو پر کچھ فرائض و ذمہ داریاں ہیں۔ انسان جب ان فرائض و ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی اور شریعت کے مطابق ادا کرتا ہے تو وہ صدقہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ معمولی سی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا بھی صدقے میں شامل



ہے۔ دو آدمیوں میں صلح کرانا، کسی کو اس کی سواری پر چڑھانے میں مدد کرنا، اس کا ساز و سامان اٹھانے میں مدد کرنا وغیرہ ہاتھوں کا صدقہ ہے۔ اسی طرح سے کسی سے کشادہ روئی اور خندہ پیشانی سے گفتگو کرنا زبان کا صدقہ ہے۔ نماز کے لیے چل کر مسجد تک جانا پاؤں کا صدقہ ہے۔ مختصر یہ کہ مومن کا ہر عمل صدقہ ہے۔ بشرطیکہ وہ صمیم قلب اور خلوص نیک سے کیا جائے۔

مزید تشریح حدیث نمبر 23 اور 25 کے تحت دیکھئے۔

## حدیث نمبر(۲۷)

عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ الْبِرُّ حُسْنُ

سے نواس بن سمعان راضی ہوا اللہ سے اس سے نبی کہا نیکی اچھے

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا

الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِيْ نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ

اخلاق اور گناہ جو کھٹکے میں دل تیرے اور تو ناپسند کرے کہ مطلع ہوں

نیکی حسن خلق ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے۔ اور تو لوگوں کا

عَلَيْهِ النَّاسُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَّعَنْ وَّابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ رَضِيَ

پر اس لوگ روایت کیا اسے مسلم اور سے وابصہ بن معبد راضی ہوا

کا اس سے مطلع ہونا ناپسند کرے۔ اسکو امام مسلم نے روایت کیا اور حضرت وابصہ

اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ

اللہ سے اس کہا میں آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پس کہا

بن معبد سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

جِئْتَ تَسْئَلُ عَنِ الْبِرِّ ؟ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اسْتَفْتِ قَلْبَكَ

تو آیا تو سوال کرتا ہے بابت نیکی میں نے کہا ہاں کہا پوچھ دل تیرا

پاس آیا تو آپ نے فرمایا تو نیکی اور گناہ کے بارے میں پوچھنے آیا میں نے کہا ہاں

اَلْبِرُّ مَا اطْمَاَنَّتْ اِلَيْهِ النَّفْسُ وَاطْمَاَنَّ اِلَيْهِ الْقَلْبُ وَ

نیکی جو مطمئن ہو پر اس جان اور مطمئن ہو پر اس دل اور

آپ نے فرمایا اپنے دل سے پوچھ۔ نیکی وہ ہے جس سے تیرا ضمیر مطمئن ہو جائے

| |
|---|
| **وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِي النَّفْسِ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَاِنْ اَفْتَاكَ** |
| گناہ جو کھٹکے میں جی اور تردد ہو میں سینہ اور اگر فتویٰ دیں |
| اور دل اسکی طرف مائل ہوکر مطمئن ہوجائے اور گناہ وہ ہے جو تیرے جی میں |
| **النَّاسُ وَاَفْتَوْكَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ رَوَيْنَاهُ فِي مُسْنَدَي** |
| لوگ اور فتویٰ دیا حدیث حسن ہم نے اُسے مسند |
| کھٹکے اور تیرے سینے میں شک پیدا کرے اور اگرچہ لوگ تجھے اس کے برعکس فتویٰ دیں اور |
| **الْاِمَامَيْنِ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ وَالدَّارِمِيِّ بِاِسْنَادٍ حَسَنٍ.** |
| امام احمد بن حنبل اور دارمی سند عمدہ |
| بار بار تجھے فتویٰ دیں (ہم نے اسے مسند امام احمد اور دارمی میں عمدہ سند سے روایت کیا ہے |

## مشکل الفاظ کے معنی

**بِرٌّ** = نیکی اچھائی بھلائی۔ **حَاكَ** چبھن پیدا کرے، کھٹکے۔ **حَاكَ يَحُوْكُ** کھٹکا ہے۔
**حُسْنٌ** = اچھائی۔ **خُلُقٌ** = عادت۔ **اِثْمٌ** = گناہ۔ **مَا** = جو۔ **كَرِهْتَ** = تو ناپسند کرے۔
**اَنْ يَطَّلِعَ** کہ خبردار ہوں، مطلع ہوں آگاہ ہوں۔ **اِسْتَفْتِ** = تو فتویٰ لے تو پوچھ۔
**اَفْتَوْكَ** = لوگ تجھے فتویٰ دیں۔ **نَعَمْ** = ہاں۔

## نیکی اور گناہ کی پہچان

### تشریح:

حدیث زیر نظر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی حکیمانہ انداز میں نیکی اور بدی میں فرق بیان فرمایا ہے اور دونوں کی جامع تعریف فرمائی ہے۔ جس کی روشنی میں ہر شخص اپنے اعمال کے اچھے یا برے ہونے کے متعلق فیصلہ کر سکتا ہے۔ اگرچہ قرآن حکیم اور احادیث نبوی میں نیکی اور برائی سے متعلق واضح اور صریح احکامات موجود ہیں لیکن بعض حالات میں ناواقفیت یا اشتباہ پیدا ہونے کی وجہ سے انسان اچھے اور برے کام سے متعلق فیصلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں نیک اعمال اور بد اعمال کو پرکھنے کا ایک معیار پیش فرمایا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ نیکی دراصل حسن خلق یا خوش خلقی کا دوسرا نام ہے۔ گویا آپ نے خوش



خلقی کو تمام نیکیوں کا مجموعہ قرار دیا ہے۔ حسن خلق بڑا جامع لفظ ہے۔ اس میں خندہ پیشانی، صبر و تحمل، غیض و غضب سے اجتناب، ترک غرور و تکبر، صدق و صفا، خلوص، حسن معاشرت، لطف سیرت، صلہ رحمی وغیرہ سب شامل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صلحائے امت نے حسن اخلاق کو زہد و عبادت پر ترجیح دی ہے۔ ایک اور حدیث میں یہ لفظ آتے ہیں "مومنین میں کامل ترین ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق خوب ترین ہیں" ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا کہ اعمال کے ترازو میں حسن اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں ہوگی۔ یعنی نیکیوں والے پلڑے میں حسن اخلاق کا وزن دوسری تمام نیکیوں سے زیادہ ہوگا۔

اس کے برعکس برائی یا گناہ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برائی یا گناہ وہ عمل ہے جس پر دل رضامند نہ ہو۔ بلکہ کرتے وقت دل میں خلش، چبھن اور الجھن پیدا کرے۔ یعنی دل خود گواہی دیتا ہے کہ وہ فعل قبیح اور برا ہے اور ایسا کام کرنے والا شخص شرمندگی اور خوف کی وجہ سے چاہتا ہے کہ لوگ اس کام سے واقف اور باخبر نہ ہونے پائیں۔ ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا "جس چیز کے بارے میں شک ہو اسے چھوڑ دو اور جس میں شک نہیں وہ کرو۔ یہ جب صورت حال ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ جو فعل سرانجام دیا جا رہا ہے وہ برا ہے۔ یاں اگر ضمیر مردہ ہو جائے اور انسان گناہ کرتے کرتے دل کی آواز کو بالکل دبا ڈالے تو یہ اور بات ہے۔

## حدیث نمبر (۲۸)

| |
|---|
| **عَنْ اَبِيْ نَجِيْحٍ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ** |
| سے ابو نجیح عرباض بن ساریہ راضی ہوا اللہ سے اس |
| حضرت ابو نجیح عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے |
| **وَعَظَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْعِظَةً وَّجِلَتْ** |
| کہا ہمیں نصیحت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت ڈر گئے |
| انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نصیحت کی کہ جس سے دل |
| **مِنْهُ الْقُلُوْبُ وَذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ** |
| اس سے دل اور بہہ نکلے سے اس آنکھیں تو کہا ہم نے اے رسول اللہ |
| دہل گئے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے ہم نے کہا اے اللہ کے رسول |

Scanned with CamScanner

كَاَنَّهَا مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا قَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى

گویا وہ وعظ الوداعی پس وصیت کریں کہا میں وصیت کرتا تمہیں ساتھ تقویٰ

گویا یہ الوداع کہنے والے کی نصیحت ہے پس آپ ہمیں نصیحت کیجئے۔ آپ نے فرمایا

اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ تَاَمَّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ

اللہ عزوجل اور سننا اور اطاعت کرنا اور اگر امیر ہو اوپر تمہارے غلام

میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی نصیحت کرتا ہوں اور اطاعت (امیر) کی خواہ تمہارا

فَاِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيْرًا

پس یقیناً جو جو زندہ رہے گا میں سے تم بعد میرے پس دیکھے گا اختلاف بہت

امیر غلام ہی کیوں نہ ہو اور یقیناً تم میں سے جو شخص (میرے بعد) زندہ رہے گا تو وہ جلد

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ

پس لازم تم پر سنت میری اور سنت خلفاء راشدین ہدایت یافتہ

بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا پس تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین

عَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ

دانتوں سے پکڑ لو اسے داڑھوں اور بچو تم اور نئی باتوں پس یقیناً

کی سنت لازم ہے اسے اپنے دانتوں سے مضبوط پکڑے رکھنا اور خبردار نئی نئی باتوں

كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ

ہر بدعت گمراہی (روایت کیا اسے ابوداؤد اور ترمذی اور کہا

سے بچو۔ دین میں ہر نئی بات گمراہی ہے۔ (اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت

حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

حدیث حسن صحیح

کیا ہے اور حدیث حسن صحیح کہا ہے۔

## مشکل الفاظ کے معنی

وَعَظَنَا = ہمیں وعظ فرمایا۔ اَلْعُيُوْنُ = آنکھیں عین کی جمع ہے۔ مَوْعِظَةً = وعظ،



نصیحت مُوَدِّعٍ = الوداع کہنے والا، بچھڑنے والا وَجِلَتْ = دہل گئے۔ اُوْصِيْكُمْ = میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ ذَرَفَتْ = بہہ نکلیں۔ اَلسَّمْعُ = سننا۔ عبد = غلام۔ فَسَيَرٰى = پس وہ دیکھے گا۔ تَاَمَّرَ = حکمران ہو گیا۔ عَضُّوْا = دانتوں سے پکڑو۔ يَعِشْ = زندہ رہے گا۔ اَلنَّوَاجِذِ = داڑھیں، آخری دانت ناجذ کی جمع ہے۔ مُحْدَثَاتٌ = نئی باتیں۔

## تقویٰ، اطاعت امیر، سنت نبوی و سنت خلفائے راشدین

### تشریح:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر موثر اور رقت آمیز انداز میں صحابہ کرام کو خطبہ دیا کہ اسے سن کر ان کے دل لرزنے اور کانپنے لگے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور وہ سب یہ محسوس کرنے لگے کہ شاید یہ آپ کا آخری خطبہ ہے۔ چنانچہ آپ نے مندرجہ ذیل امور کے متعلق نصیحتیں فرمائیں۔:

1۔ تقویٰ 2۔ امیر کی اطاعت 3۔ سنت نبوی اور سنت خلفائے راشدین کی پیروی 4۔ بدعت سے پرہیز۔

**1۔ تقویٰ:** حدیث زیر نظر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی نصیحت تقویٰ اور پرہیزگاری کے متعلق فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی تمام عبادات دنیوی معاملات، اخلاقیات اور روحانیت کا مقصود و منشا یہ ہے کہ ایک مسلمان کے دل میں خدا خوفی یا خدا ترسی کی روح پیدا ہو جائے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ تقویٰ تمام نیکیوں کی جان اور تمام اخلاق کی روح اور اصل الاصول ہے۔ اگر تقویٰ نہ ہو تو تمام معاملات بے روح اور بے جان ہو جاتے ہیں۔ اللہ سے ڈرتے رہنے ہی میں ایک مسلمان کی دنیوی اور اخروی فلاح و نجات کا راز مضمر ہے۔ جس شخص میں خدا خوفی اور خدا ترسی ہوگی وہ ہر قسم کے گناہوں اور آلودگیوں سے اپنے دامن کو محفوظ رکھے گا اور اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی اور رضامندی سے ہم کنار ہوگا۔ مزید تشریح حدیث نمبر 11 اور 18 کے تحت دیکھیے۔

**2۔ اطاعت امیر:** اسلامی ریاست میں اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور انسان کا کام صرف اللہ تعالیٰ کے احکام نافذ کرنا ہے۔ چنانچہ احکام خداوندی کے نفاذ کے لیے خلیفہ یا امیر یا امام کا انتخاب لازمی ہے۔ تاکہ امت میں یک جہتی برقرار رہے اور وہ کسی قسم کی بدنظمی کا شکار نہ ہو جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے امت مسلمہ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ امیر کی اطاعت کرے۔ اس حدیث میں بھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی وصیت فرمائی

Scanned with CamScanner

کہ اپنے امیر کی اتباع کرنا خواہ وہ غلام ہی کیوں نہ ہو۔ نماز، حج، اور دیگر عبادات، امیر کی اطاعت کا درس دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ (النساء)

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہو"۔

اطاعت امیر کے ضمن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات ملاحظہ فرمائیں:

1- "جس شخص نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"۔

2- "اگر تمہارے اوپر کسی نکٹے غلام کو حاکم بنایا جائے اور وہ تم پر کتاب اللہ کے موافق حکمرانی کرے تو اس کی اطاعت کرو اور اس کا حکم مانو"۔

3- "حاکم کے حکم سنو اور اطاعت کرو۔ اگرچہ تمہارا حاکم کسی حبشی غلام کو بنا دیا جائے، جس کا انگور کی مانند چھوٹا سا سر ہو"۔

اگر امیر یا حاکم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہیں کرتا اور اسلامی قوانین اور حدود اللہ سے تجاوز کرتا ہے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری فرض نہیں ہے۔ کیونکہ مذکورہ بالا آیت میں امیر یا حاکم کی اطاعت اللہ اور رسول کے زیر اثر اور اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ اللہ اور رسول کا اطاعت شعار ہو۔ نیز قرآن حکیم میں ایک مقام پر آتا ہے

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ

"نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ و سرکشی کے امور میں تعاون نہ کرو"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت روا نہیں"۔

ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا:

"تم پر ایسے لوگ بھی حاکم بنیں گے جن کی بعض باتوں کو تم پسند کرو گے اور بعض ناپسند کرو گے۔ جس نے ان کے برے افعال پر تنقید کی، وہ بری الذمہ ہوا اور جس نے ان کو ناپسند کیا وہ بھی بچ گیا۔ مگر جو ان پر راضی ہوا اور ان کی پیروی کرنے لگا، وہ پکڑا جائے گا"۔



آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "گناہ میں اطاعت نہیں چاہیے۔ اطاعت فقط نیکی میں واجب ہے"۔

**3-سنت نبوی اور خلفائے راشدین کی پیروی:** قرآن حکیم اور احادیث نبوی کی تعلیمات سے ثابت ہوتا ہے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی اطاعت لازمی ہے۔ چنانچہ حدیث میں تیسری نصیحت یہ ہے کہ سنت رسول اور خلفائے راشدین کے طریق پر عمل کیا جائے اور وقوع پذیر ہونے والے حادثات کی پیشین گوئی کرتے ہوئے آپؐ نے سنت رسول اور سنت خلفائے راشدین کے ذریعہ سے ان حادثات سے محفوظ رہنے کی ہدایت فرمائی۔ خلفائے راشدین کا اتباع فی الحقیقت سنت نبوی کی پیروی کے مترادف ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی بھی اطاعت کرو گے ہدایت پاؤ گے" حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی زندگیاں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق تھیں اور ان کے رگ و ریشے میں تعلیمات نبوی سرائت و پیوست ہو چکی تھیں۔ اسی بنا پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو اپنا شعار بنا لو فلاح یاب ہو گے" مزید تشریح حدیث نمبر 5 کے تحت دیکھئے۔

**4-بدعت سے بچنا:** آپ نے آخری نصیحت یہ فرمائی کہ بدعت (دین میں نئی بات) سے بچنا اس لیے کہ دین میں ہر نئی بات گمراہی ہوتی ہے۔ تشریح حدیث نمبر 5 کے تحت دیکھئے۔

## حدیث نمبر (۲۹)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

سے معاذ بن جبل راضی ہوا اللہ سے اس کہا میں نے کہا اے رسول اللہ

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ

اَخْبِرْنِيْ بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَ يُبَاعِدُنِيْ عَنِ النَّارِ

مجھے بتایئے ساتھ عمل داخل کرے مجھے جنت اور دور کرے مجھ سے آگ

مجھے ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں لے جائے اور آگ سے دور ہٹا دے

قَالَ لَقَدْ سَاَلْتَ عَنْ عَظِيْمٍ وَ اِنَّهُ لَيَسِيْرٌ عَلٰى مَنْ يَّسَّرَهُ

کہا یقیناً سوال کیا تو نے بابت بڑا اور بیشک وہ البتہ آسان پر جو آسان کیا

آپؐ نے فرمایا تو نے ایک بڑا عمل پوچھا ہے اور وہ یقیناً اس شخص پر آسان

Scanned with CamScanner

اللہ عَلَیْہِ تَعْبُدُ اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا وَّتُقِیْمُ الصَّلٰوۃَ

اللہ پر اس تو عبادت کرے اللہ اور نہ تو شریک کرے ساتھ اسکے کچھ اور قائم کرے نماز

ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے آسان کیا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے کسی کو اسکے

وَتُؤْتِی الزَّکٰوۃَ وَتَصُوْمُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَیْتَ ثُمَّ

اور دے زکوٰۃ اور روزہ رمضان اور حج گھر (اللہ کا) پھر

ساتھ شریک نہ کرے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور رمضان کے روزے رکھے

قَالَ اَلَا اَدُلُّکَ عَلٰی اَبْوَابِ الْخَیْرِ الصَّوْمُ جُنَّۃٌ وَّ الصَّدَقَۃُ

کہا کیا نہ بتاؤں تجھے پر دروازے بھلائی روزہ ڈھال اور صدقہ

اور بیت اللہ کا حج کرے پھر آپ نے فرمایا کیا میں بھلائی کے دروازوں کیطرف تیری

تُطْفِیُٔ الْخَطِیْئَۃَ کَمَا یُطْفِیُٔ الْمَآءُ النَّارَ وَصَلٰوۃُ الرَّجُلِ فِیْ

بجھاتا ہے خطا جیسے بجھاتا ہے پانی آگ اور نماز آدمی (کی) میں

رہنمائی نہ کروں روزہ ڈھال ہے اور صدقہ خطا کو بجھاتا ہے جس طرح پانی آگ کو

جَوْفِ اللَّیْلِ ثُمَّ تَلَا تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ

وسط رات پھر تلاوت کی آیت تتجافی جنوبھم عن المضاجع

بجھاتا ہے اور رات کے وسط میں آدمی کی نماز پھر آپ نے تلاوت کی ان کے پہلو

حَتّٰی بَلَغَ یَعْمَلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُکَ بِرَاْسِ الْاَمْرِ وَ

یہاں تک پہنچا یعملون پھر کہا کیا نہ بتاؤں تجھے ساتھ سرا دین اور

بستروں سے جدا رہتے ہیں یعملون تک پہنچے۔ پھر فرمایا کیا میں تمہیں دین کی جڑ اور اس کا ستون

عَمُوْدِہٖ وَذِرْوَۃِ سَنَامِہٖ؟ قُلْتُ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! قَالَ

عمود اُس کا اور چوٹی کوہان اُسکی میں نے کہا کیوں نہیں اے رسول اللہ کہا

اور اسکے کوہان سے خبردار نہ کروں۔ میں نے کہا ہاں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا

رَاْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَعَمُوْدُہُ الصَّلٰوۃُ وَذِرْوَۃُ سَنَامِہٖ

سرا دین اسلام ہے اور عمود اُسکا نماز اور چوٹی کوہان اس کا

دین کا سرا اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی چوٹی جہاد



الْجِھَادُ ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُکَ بِمِلَاکِ ذٰلِکَ کُلِّہٖ؟ قُلْتُ

جہاد پھر کہا کیا نہ بتاؤں تجھے ساتھ شیرازہ بندہ سب اس کا میں نے کہا

ہے۔ پھر فرمایا کیا میں تجھے ان تمام کے سردار سے خبردار نہ کروں۔ میں نے کہا

بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَاَخَذَ بِلِسَانِہٖ وَقَالَ کُفَّ عَلَیْکَ ھٰذَا!

کیوں نہیں اے رسول اللہ پس پکڑی زبان اپنی اور کہا روک اپنے پر یہ

ہاں اے اللہ کے رسول۔ آپ نے اپنی زبان پکڑی پھر فرمایا اسکو اپنے تک روکے رکھ

قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ وَاِنَّا لَمُؤَاخَذُوْنَ بِمَا نَتَکَلَّمُ بِہٖ فَقَالَ

میں نے کہا اے نبی اللہ اور ہم پوچھے جائیں گے ساتھ جو کلام کرتے ہیں اس کے تو کہا

میں نے کہا اے اللہ کے نبی کیا ہم سے ان باتوں کے عوض جو ہم بولتے ہیں مواخذہ کیا جائیگا۔

ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ وَھَلْ یَکُبُّ النَّاسَ فِی النَّارِ عَلٰی وُجُوْھِھِمْ

کھودے تجھے ماں تیری اور کیا اوندھا گرائے گا لوگوں میں آگ پر چہروں ان کے

تو آپ نے (بطور محبت) فرمایا تیری ماں تجھے کھوئے انسانوں کو ان کی زبان سے ادا کی

اَوْ قَالَ عَلٰی مَنَاخِرِھِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِھِمْ۔ رَوَاہُ

یا کہا پر نتھنوں ان کے سوائے فصلیں زبانیں ان کی (روایت کیا

باتیں ہی ان کے چہروں کے بل یا نتھنوں کے بل جہنم میں ڈالیں گی۔ (اسے

التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔

اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حدیث حسن صحیح کہا ہے۔

امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور حدیث حسن صحیح کہا ہے۔

## مشکل الفاظ کے معنی

یُبَاعِدُنِیْ = مجھے دور رکھے۔ اَدُلُّکَ = میں تمہیں بتاؤں، میں تمہاری رہنمائی کروں۔
جُنَّۃٌ = ڈھال۔ تُطْفِیُٔ = بجھاتا ہے۔ جَوْفُ اللَّیْلِ = رات، کا پیٹ، مراد آدھی رات کا وقت۔ مَضَاجِعُ = بستر مَضْجَعٌ کی جمع ہے۔ عَمُوْدٌ = ستون۔ مِلَاکٌ = سارا، سردار۔
تَتَجَافٰی = جدا رہتے ہیں۔ ذِرْوَۃٌ = چوٹی یا سرا۔ سَنَامٌ = اونٹ کا کوہان۔
ذِرْوَۃُ سَنَامِہٖ = اس کی انتہائی بلندی۔ کُفَّ = روک، بند کر۔

**تَكِلَتْكَ** = تجھے کھوئے، تجھے گم کردے، تجھے روئے۔ **ثَكِلَ** = يَثْكِلُ سے ہے۔
**يَكُبَّ** = منہ کے بل گرائے گا، اوندھا گرائے گا۔ **مَنَاخِرُ** = منخر کی جمع ہے۔
**حَصَائِدُ** = فصلیں، کھیتیاں۔ **حَصِيْدٌ** یا **حَصِيْدَةٌ** کی جمع ہے۔

## ارکان اسلام، نوافل، جہاد، حفاظت زبان

### تشریح:

حدیث نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرتے ہوئے کسی کام کو سرانجام دینے کا عزم و ارادہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس شخص میں اس قدر جذبہ قوت بخشتا ہے کہ وہ کام آسان ہو جاتا ہے۔ حدیث زیر نظر میں وہ عظیم اور مہتم بالشان امور جن کی نصیحت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو فرمائی درج ذیل ہیں۔

1- توحید 2- نماز 3- زکوٰۃ 4- رمضان کے روزے 5- حج بیت اللہ بشرطیکہ استطاعت ہو

ان امور سے متعلق تشریح حدیث نمبر 2 اور 3 میں گزر چکی ہے، وہاں دیکھیے۔ فرداً فرداً مزید تشریح کے لیے عنوان "سورۃ البقرہ سے متعلق اہم سوالات" کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

مذکورہ بالا فرائض کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نفل عبادات کے متعلق بھی ذکر فرمایا اور انہیں بھلائی کے دروازے سے موسوم کیا۔

1- نفلی روزے 2- صدقہ 3- تہجد

**نفلی روزے:** نفلی روزے کے متعلق آپ نے فرمایا کہ یہ انسان کے لیے ڈھال ہیں۔ یعنی جس طرح ڈھال انسان کو محفوظ رکھتی ہے۔ بعینہ روزے برائیوں سے باز رکھتے ہیں۔ روزہ انسان میں تقویٰ، پرہیزگاری اور طہارت و پاکیزگی پیدا کرتا ہے۔ نفسانی خواہشات پر غالب آنے کا علاج محسن انسانیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا کہ روزے رکھے جائیں۔ نفل روزے انسان کو مزید پرہیزگاری کا درس دیتے ہیں۔

**صدقہ:** یہاں صدقہ کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ صدقہ انسان کے گناہوں کو اس طرح دھو ڈالتا ہے جس طرح پانی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ صدقہ کے عنوان پر مزید تشریح حدیث نمبر 23 میں ملاحظہ فرمایئے۔

**تہجد:** آپ نے پچھلی رات کے درمیانی حصہ میں نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ رات کے اس حصے میں وہی شخص بستر سے اٹھ کر بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہو سکتا ہے جسے اپنے مالک حقیقی سے خاص



لگاؤ اور مرد محبت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد کو اجر عظیم کا مژدہ سنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے راتیں اپنے پالنہار کی بارگاہ میں سجدہ ریزی اور قیام کی حالت میں گزارتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

**وَيَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا**

"اللہ کے نیک بندے راتیں اپنے پروردگار کے حضور سجدہ اور قیام کرتے ہوئے گزارتے ہیں"۔

**اسلام:** اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین کا سر اسلام ہے اور اس کا عمود نماز ہے اور اس کی انتہائی بلندی جہاد ہے۔ اسلام کے معنی کسی چیز کو کسی کے حوالے کر دینا ہے۔ مذہب اسلام کو اسلام اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایک مسلم اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے۔ اس سپردگی کے بعد نہ اس کی جان اس کی جان رہتی ہے نہ اس کی اولاد اس کی اولاد نہ اس کا مال اس کا مال بلکہ سب کچھ خدا ہی کا ہو جاتا ہے۔ وہ اس میں صرف اسی قدر تصرف کر سکتا ہے کہ جس قدر اسے اجازت دی جائے۔ یہاں اسلام سے مراد بھی یہی ہے کہ ایک مسلم اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دے۔ یعنی اس کے تمام امور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مرضی و منشا کے مطابق سرانجام پائیں۔ قرآن حکیم میں بھی ارشاد ربانی ہے

**اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً**

"اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ"۔

آپ نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا۔ ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا **اَلصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ** (نماز دین کا ستون ہے) نماز کی تشریح سابقہ حدیثوں میں گزر چکی ہے۔

**جہاد:** جہاد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی انتہا قرار دیا ہے۔ جہاد کا لفظ جہد سے نکلا ہے اور لغت میں اس کے معنی محنت اور کوشش کے ہیں۔ اسی کے قریب قریب اس کے اصطلاحی معنی بھی ہیں۔ یعنی حق کی بلندی اور اس کی اشاعت اور حفاظت کے لیے ہر قسم کی جدوجہد، قربانی اور ایثار گوارا کرنا اور ان تمام جسمانی، مالی اور دماغی قوتوں کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو ملی ہیں اس کی راہ میں صرف کرنا۔ یہاں تک کہ اس کے لیے اپنے عزیز و اقارب، اہل و عیال، خاندان و قوم کی جان تک کو قربان کر دینا اور حق کے مخالفوں اور دشمنوں کی کوششوں کو نیست و نابود کرنا۔ ان کی تدبیروں کو رائیگاں کرنا، ان کے حملوں کو روکنا اور اگر ان سے لڑنا پڑے تو جنگ کے میدان میں اتر آنا جہاد کہلاتا ہے۔ یہ اسلام کا ایک رکن ہے اور بہت بڑی عبادت ہے۔ مزید تشریح کے لیے "سورۂ بقر" کے متعلق اہم سوالات کے عنوان کے تحت سوال نمبر 15 دیکھیے۔

Scanned with CamScanner

## حدیث نمبر (۳۰)

عَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِیِّ جُرْثُوْمِ بْنِ نَاشِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ

سے ابو ثعلبہ خشنی جرثوم بن ناشر راضی ہوا اللہ سے اس

ابوثعلبہ خشنی جرثوم ابن ناشر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے

عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی

سے رسول اللہ درود بھیجا اللہ پر اس اور اسلام کہا بے شک اللہ تعالیٰ فرض کیا

رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے

فَرَضَ الْفَرَائِضَ فَلَا تُضَیِّعُوْھَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَ

فرائض پس نہ ضائع کرو ان کو اور مقرر کیا حدیں پس نہ آگے بڑھو ان سے اور

نے بہت سے فرائض لازم قرار دیئے ہیں پس انہیں ضائع نہ کرو اور کچھ حدود مقرر کی

حَرَّمَ اَشْیَاءَ فَلَا تَنْتَھِکُوْھَا وَسَکَتَ عَنْ اَشْیَاءَ رَحْمَةً

حرام کیں چیزیں نہ توڑو ان کو اور خاموشی اختیار کی سے چیزوں رحمت

ہیں تو ان کی حرمت مت توڑو اور بغیر کسی بھول کے بعض چیزوں کے بارے میں تم پر رحم

لَّکُمْ غَیْرَ نِسْیَانٍ فَلَا تَبْحَثُوْا عَنْھَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ

لئے تمہارے بغیر بھولے پس نہ بحث کرو ان سے (حدیث حسن

کرتے ہوئے خاموش رہا پس تم ان کے بارے میں بحث مت کرو (یہ حدیث

رَوَاہُ دَارَقُطْنِیُّ وَغَیْرُہٗ۔

روایت کیا اسے دارقطنی وغیرہ نے

حسن ہے اس کو دارقطنی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

## مشکل الفاظ کے معنی

لَا تُضَیِّعُوْا = تم ضائع نہ کرو۔ لَا تَعْتَدُوْا = تم تجاوز نہ کرو، تم حد سے نہ نکلو۔ لَا تَنْتَھِکُوْا = تم نہ توڑو۔ نِسْیَان = بھول۔ سَکَتَ = خاموش رہا۔ فَلَا تَبْحَثُوْا = پس بیکار بحث نہ کرو۔



# فرائض کی پابندی اور بے کار سوالات سے پرہیز

## تشریح:

حدیث زیر نظر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کی وضاحت فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرائض اور ذمہ داریاں انسان کے سپرد کی ہیں۔ ان کی ادائیگی میں وہ کسی طرح غفلت، تساہل اور سستی کا مظاہرہ نہ کرے اور نہ ہی انہیں ضائع کر کے حدود شکنی ہو، بلکہ مومن کی نشانی یہ ہے کہ وہ حقوق العباد بحسن و خوبی سرانجام دے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے حدود میں رہ کر زندگی بسر کرنے کی ہدایت کی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا

"یہ اللہ تعالیٰ کے ضابطے ہیں۔ ان سے تجاوز نہ کرو"۔

مزید تشریح کے لیے حدیث نمبر 10 اور بیکار اور لایعنی سوالات کے متعلق حدیث نمبر 9 ملاحظہ کیجئے۔

## حدیث نمبر (۳۱)

عَنْ اَبِی الْعَبَّاسِ سَھْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِیِّ

سے ابو العباس سہل بن سعد الساعدی

ابوالعباس سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ

راضی ہوا اللہ سے اس کہا آیا آدمی طرف نبی صلی اللہ

انہوں نے کہا ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ

علیہ وسلم پس کہا اے رسول اللہ رہنمائی کیجئے مجھے پر عمل

کہ اے اللہ کے رسول! میری راہنمائی کسی ایسے کام کیطرف فرمایئے کہ جب

اِذَا عَمِلْتُہٗ اَحَبَّنِیَ اللّٰہُ وَاَحَبَّنِیَ النَّاسُ فَقَالَ

جب کیا میں نے اسے چاہا مجھے اللہ اور چاہیں مجھے لوگ پس کہا

میں اس پر عمل کروں تو اللہ مجھ سے محبت کرنے لگے اور لوگ بھی مجھے چاہیں

# أزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللهُ وَازْهَدْ فِيمَا عِنْدَ

بے رغبت ہو جا میں دنیا چاہے گا تجھے اللہ اور بے رغبت ہو جا میں جو پاس

آپ نے فرمایا تم دنیا سے بے نیاز ہو جا اللہ تجھے چاہے گا اور بے رغبت ہو اس میں

# النَّاسِ يُحِبَّكَ النَّاسُ حَدِيثٌ حَسَنٌ رَوَاهُ

لوگوں چاہیں گے تجھے لوگ یہ حدیث حسن روایت کیا اسے

سے جو لوگوں کے پاس ہے لوگ تجھے چاہیں گے۔ یہ حدیث حسن روایت کی ہے

# ابْنُ مَاجَةَ۔

ابن ماجہ

ابن ماجہ نے ہ

## مشکل الفاظ کے معنی

دُلَّنِیْ = مجھے بتائیے، میری رہنمائی کیجئے۔ دَلَّ۔ یَدُلُّ = دَلَالَۃٌ سے ہے۔ اَزْھَدْ = ہو جا بے رغبت ہو جا، بے نیاز ہو جا، توجہ نہ کر۔ زَھِدَ، یَزْھَدُ = زَھَادَۃٌ سے ہے۔ یُحِبَّکَ = تجھے چاہے گا، تجھ سے محبت کرے گا۔ اَحَبَّنِیْ = مجھے محبوب رکھے گا، مجھ سے محبت کرے گا۔

## محبوب الٰہی اور محبوب خلائق بننے کا طریقہ

### تشریح:

دنیا متاع قلیل ہے۔ متاع غرور ہے، حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ حقیقی عیش آخرت کا عیش ہے۔ طالب دنیا مردود ہے، طالب عقبیٰ محبوب ہے۔ دنیا مردود ہے اور اس کے طالب کتے ہیں۔ یہ حاصل ہے ان نصیحتوں کا جو دنیا اور اس کے طالبین کے لیے قرآن مجید اور احادیث نبوی میں ملتی ہیں۔ حدیث زیر نظر میں ترک دنیا سے مراد رہبانیت نہیں ہے۔ اصطلاح شریعت میں دنیا ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو خدا سے غافل کر دے اور عقبیٰ سے بے خبر بنا دے۔ اس لحاظ سے نماز اور زکوٰۃ بھی دنیا بن سکتے ہیں۔ اگر ان میں یاد الٰہی اور اتباع شریعت کی بجائے اپنی دین داری کی نمائش اور فخر کا شوق کارفرما ہو۔ اس کے برعکس تجارت، صنعت و حرفت وغیرہ دینداری کے کام بن سکتے ہیں۔ اگر یہ رضائے الٰہی کے مطابق نوع انسانی کی خدمت کے لیے اختیار کیے جائیں اور انسان خدا سے غافل ہو کر ان میں اور دنیا کے مال و متاع کا حریص ہو جائے تو یہ دنیا داری



ہے۔ لیکن اگر ایک شخص احکام الٰہی کی پابندی کرتے ہوئے بیوی بچوں اور گھریلو امور میں مصروف رہتا ہے اور شریعت کے مطابق تمام حقوق ادا کرتا ہے تو یہ عین دین داری ہے۔ چنانچہ انسان کو دنیوی زندگی میں اپنے آپ کو اتنا محو نہیں کرنا چاہیے کہ وہ یاد الٰہی سے غافل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو دنیا میں رہتے ہوئے اس کی یاد کو برقرار رکھتے ہیں۔ حدیث کی مزید وضاحت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات نقل کیے جاتے ہیں۔

1. دنیا میں کسی پردیسی کی طرح یا کسی راہ گیر کی طرح زندگی بسر کرنا۔
2. دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔
3. خدایا! زندگی تو اصل میں آخرت کی زندگی ہے۔ پس تو انصار اور مہاجرین کی بخشش فرما دے۔
4. ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ لوگوں میں زاہد ترین شخص کون ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا جو قبر اور اس کے امتحان کو نہ بھولا ہو۔ جس نے دنیا کی زینت کو ترک کیا۔ جس نے باقی کو فانی پر ترجیح دی۔ جس نے فردا کو اپنے ایام میں شامل نہ کیا اور اپنے کو مردوں میں خیال کیا۔

حدیث کے دوسرے جزو میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خلق خدا کی نظروں میں عزیز بننے کا طریقہ بیان فرمایا ہے کہ لوگوں کے مال و متاع کی طرف ہرگز میلان نہ کرو اور ان سے کچھ لینے کی طمع نہ کرو۔ اس طرز عمل سے نہ صرف تم خدا کے محبوب بن جاؤ گے بلکہ مخلوق بھی تم سے محبت کرے گی۔ کیونکہ ایسا شخص دوسرے افراد کے حقوق غصب نہیں کرتا۔ بلکہ وہ لوگوں سے قبول کرنے کی بجائے انہیں کچھ دیتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر امت کے لیے ایک آزمائش ہوتی ہے اور میری امت کے لیے مال کی آزمائش ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایک بلند مقصد رکھنے والی قوم کے نزدیک کامیاب زندگی دولت و عیش کی فراوانی کا نام نہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک کامیاب زندگی وہ ہے جو ان کے بلند نصب العین پر قربان ہو جائے اور قربان ہو کر آخرت کی پائیدار زندگی کے لازوال روحانی عیش کا حقدار بنا دے۔ کسی جماعت کو اگر نوع انسانی کی بے لوث خدمت کے راستے پر گامزن کرنا ہو اور دنیا کی مسلسل ناکامیوں میں بھی اسے بلند ہمت رکھنا ہو تو اس کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں کہ اس کے افراد میں آخرت کی اہمیت اور دنیا کے مقابلے میں عقبیٰ کی ترجیح کے اسلامی عقیدہ کی روح پھونکی جائے۔

Scanned with CamScanner

## حدیث نمبر (۳۲)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ سَعْدِ بْنِ مَالِكِ بْنِ سِنَانِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ

سے ابو سعید سعد بن مالک بن سنان الخدری راضی ہوا

ابوسعید بن مالک بن سنان الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا ضَرَرَ

اللہ سے اس بے شک رسول اللہ درود بھیجا اللہ نے اس پر اور سلام بھیجا کہا نہیں ضرر دینا

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی کو نقصان نہ دو

فِی الْاِسْلَامِ وَلَا ضِرَارَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَهْ

اور نہ ضرر اٹھانا (حدیث حسن روایت کیا اسے ابن ماجہ

اور نہ کسی سے نقصان اٹھاؤ (حدیث حسن ہے، اسکو ابن ماجہ

وَالدَّارَقُطْنِیُّ وَغَيْرُهُمَا مُسْنَدًا وَرَوَاهُ مَالِكٌ فِی الْمُوَطَّا

اور دارقطنی وغیرہ مسنداً اور روایت کیا اسے مالک نے موطا

اور دارقطنی وغیرہ نے روایت کیا مسند طور پر اور امام مالک نے اسے

مُرْسَلًا عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيٰى عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى

مرسلاً سے عمرو بن یحیٰی سے باپ اپنے سے نبی صلی اللہ

موطا میں مرسل طور سے روایت کیا حضرت عمرو بن یحیٰی نے اپنے والد سے

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَسْقَطَ اَبَا سَعِيْدٍ وَلَهٗ طُرُقٌ يُقَوِّیْ

علیہ وسلم اور اس کے کئی طریقے قوت پاتے ہیں

انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اس کی کئی سندیں ہیں جو ایک

بَعْضُهَا بَعْضًا۔

بعض، بعض سے)

سے قوت پاتی ہیں۔



# ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچاؤ

**تشریح:**

اسلام امن و سلامتی کا علمبردار ہے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ معاشرہ میں افراد ایک دوسرے کو اذیت دیں اور سوسائٹی میں شر و فساد بپا ہو' بلکہ وہ اس امر کی تعلیم دیتا ہے کہ لوگ آپس میں امن و سکون کی زندگی بسر کریں اور ایک دوسرے کے دکھ درد کا خیال رکھیں اور جہاں تک ممکن ہو سکے' دکھی انسانیت کی مدد کریں اور ان کی تکالیف اور مصائب و آلام کے ازالہ کرنے کی کوشش کریں۔ جس طرح ہر لمحہ ایک شخص اپنے آرام اور فائدہ کا خیال رکھتا ہے اسی طرح اسے دوسرے لوگوں کی بھلائی اور نفع رسانی سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ مختصر یہ کہ روحانی' جسمانی' اخلاقی' معاشرتی کسی لحاظ سے بھی ایک شخص دوسرے شخص کو نقصان نہ پہنچائے' بلکہ زندگی کے تمام معاملات میں اس کی بھلائی اور خیر خواہی کا خواہش مند ہو اور ہر ممکن مدد کرے تاکہ معاشرہ میں افراد ایک اکائی کی حیثیت سے زندگی بسر کر سکیں۔

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طرف کسی کو نقصان نہ پہنچانے کی ہدایت کی تو دوسری طرف آپ نے یہ تلقین فرمائی کہ خود بھی نقصان نہ اٹھاؤ۔ یعنی عزت نفس حفاظت دین اور خودداری کو برقرار رکھنے کے لیے انتقام لینا ضروری ہے۔ قرآن حکیم میں آتا ہے **وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ** (تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے) اسلام عیسائیت کی اس تعلیم کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا کہ اگر کوئی تمہارے دائیں رخسار پر تھپڑ رسید کرے تو تم اپنا بایاں گال بھی اس کے سامنے پیش کر دو۔ بلکہ اسلام اعتدال اور میانہ روی کو پسند کرتا ہے۔ چنانچہ بعض حالات میں انتقام لینا یا سزا دینا انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ بعض طبائع معاف کرنے سے الٹا اثر قبول کرتی ہیں۔ وہ ریشہ دوانیوں اور شرارتوں میں مزید دلیر ہو جاتی ہیں۔ اس لیے ایسے افراد کو معاف نہیں کرنا چاہیے۔ یہود مدینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی دشمن اور کینہ ور تھے۔ آپ حتی الامکان ان سے عنایت اور حسن سلوک سے پیش آتے رہے۔ لیکن وہ آپ کو نقصان و ایذا دینے سے باز نہ آئے۔ چنانچہ آپ نے مجبوراً ایسی سزا دی جس کے وہ مستحق تھے۔

## حدیث نمبر (۳۳):

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

سے ابن عباس راضی ہوا اللہ ان دونوں سے یقیناً رسول اللہ درود بھیجا

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ

Scanned with CamScanner

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعَى

اللہ پر اس اور سلام کہا اگر دیا جائے لوگوں پر دعویٰ ان کا ضرور دعویٰ کریں

علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگوں کو ان کے دعوے پر ہی دے دیا جائے

رِجَالٌ اَمْوَالَ قَوْمٍ وَدِمَاءَهُمْ لٰكِنِ الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِيْ

لوگ مال لوگوں اور خون ان کا لیکن ثبوت پر مدعی

تو بعض آدمی لوگوں کے اموال اور خون پر دعویٰ کریں لیکن دعویٰ کرنے والے پر ثبوت

وَالْيَمِيْنُ عَلٰى مَنْ اَنْكَرَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَغَيْرُهٗ

اور قسم پر جو انکار کرے (حدیث حسن اسے روایت کیا بیہقی وغیرہ

دینا ضروری ہے اور قسم اس پر جو انکار کرے۔ حدیث حسن روایت کیا اسے بیہقی نے

## مشکل الفاظ کے معنی

يُعْطٰى = عطا کیا جائے۔ فعل مضارع مجہول ہے۔ اَعْطٰى = عطا کرنا ہے۔

بَيِّنَة = گواہی۔ اِدَّعٰى حق یا باطل کا دعویٰ کرنا۔

يَمِيْن = قسم۔ مُدَّعِي = دعویٰ کرنے والا۔

## مدعی اور مدعیٰ علیہ کی ذمہ داری

### تشریح:

اسلام کے دوسرے نظاموں کی طرح عدالتی نظام بھی کاملیت اور جامعیت کا حامل ہے اور انسانی زندگی کے ہر شعبے پر حاوی و محیط ہے۔ اسلامی عدل میں شاہ و گدا، رنگ و نسل، حسب و نسب، قبیلہ و خاندان، غلام و آزاد، دین و مذہب اور مرد و عورت کی کوئی قید نہیں۔ قانون کی نگاہ میں سب مساوی اور برابر ہیں۔ چونکہ عدالتی معاملات میں عدل و انصاف کی خاص طور پر ضرورت ہوتی ہے اس لیے عدالتی کاروبار کے ہر ضابطہ سے متعلق قرآن حکیم میں احکام موجود ہیں۔ مقدموں کے گواہوں کو حکم ہوتا ہے کہ وہ ہر حالت میں بلا رو رعایت سچی گواہی دیں۔ گواہی دیتے وقت اللہ کی خوشنودی و رضا جوئی کا خیال رکھیں۔ ذاتی مفاد یا امیر کا ڈر اور غریب سے ہمدردی سچی گواہی سے نہ روکے۔ کیونکہ اللہ کا حق سب سے مقدم ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فریق مقدمہ دوست یا قرابت دار ہو تو لوگوں کا ایمان متزلزل ہو جاتا ہے۔ لیکن اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ایسی



حالت میں سچائی اور انصاف سے انحراف کیا جائے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ (المائدہ: ۷)

"اے ایمان والو! خدا کے لیے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کے لیے آمادہ ہو جاؤ"۔

ایک اور مقام پر آتا ہے:

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (انعام:119)

"اور جب تم بات کہو تو عدل ملحوظ رکھو چاہے قرابت دار ہی کیوں نہ ہو"۔

حدیث زیر نظر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایک شخص کسی دوسرے پر مال یا قصاص وغیرہ کا دعویٰ دائر کرے تو اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں قاضی یا حاکم وقت کے سامنے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں بطور گواہ پیش کرے۔ قرآن حکیم میں آتا ہے:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ

"اور مردوں میں سے دو گواہوں کی شہادت لاؤ، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں"۔

ہر قسم کے معاملات میں گواہی کی بڑی اہمیت ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کو کبیرہ گناہ قرار دیا ہے۔ نیز آپ نے فرمایا مسلمان جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

اِجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ

"جھوٹی گواہی مت دو"۔

حضور نے ساتھ ہی یہ فرمایا کہ مدعیٰ علیہ کو انکار کی صورت میں قسم کھانی ہوگی۔ یعنی یہ کہ اس پر جو الزام عائد کیا گیا ہے وہ غلط اور بے بنیاد ہے۔ ورنہ وہ مجرم قرار دیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ صرف وہی شخص جھوٹی قسم کھائے گا جو بے باک اور نڈر ہوگا۔ کیونکہ جھوٹی قسم کھانا ایک سنگین جرم ہے۔ اسی طرح کسی کے خلاف جھوٹا دعویٰ دائر کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ قرآن پاک میں جھوٹی قسم کھانے والوں کے لیے سخت، دردناک عذاب کی سزا بیان ہوئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (77:3)

Scanned with CamScanner

”بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں تو ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اللہ قیامت کے روز نہ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا' بلکہ ان کے لیے تو سخت دردناک عذاب ہے“۔

مذکورہ بالا پابندیاں عائد کرنے کا مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمایا کہ اگر ہر شخص کو بغیر ثبوت مہیا کیے دعویٰ دائر کرنے کی اجازت دے دی جائے تو لوگ بلا وجہ اپنے حریفوں اور مخالفوں کو پریشان کرنے اور ان کے اموال اور خونوں کے متعلق مقدمہ کر دیا کریں گے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرتی نظام درہم برہم ہو جائے گا اور لوگ امن و سکون کی زندگی بسر نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ اس شر و فساد کے استیصال کے لیے اسلام نے یہ قانون بنایا کہ دعویٰ دائر کرنے کی صورت میں مدعی پر دو گواہ ثبوت مہیا کرنے کی ذمہ داری ہوگی اور مدعیٰ علیہ سے انکار کی صورت میں قسم لی جائے گی۔ اس ضمن میں اسلام نے مدعی گواہوں اور مدعیٰ علیہ کو یہ تلقین کہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ؐ کی رضا جوئی کو ملحوظ خاطر رکھیں۔ ذاتی مفاد' امیر کا ڈر یا رشتہ داری سے ہمدردی پیش نظر نہ ہو کیونکہ اللہ کا حق سب سے مقدم اور اولیٰ ہے۔

## حدیث نمبر (۳۴)

| |
|---|
| عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ |
| سے ابو سعید خدری راضی ہوا اللہ سے اس کہا میں نے سنا |
| ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں |
| رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا |
| رسول اللہ درود بھیجا اللہ پر اس اور اسلام وہ کہتا ہے جو دیکھے سے تم برائی |
| نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا تم میں سے جو شخص |
| فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ |
| پس بدل دے لیے ساتھ ہاتھ اپنے پھر اگر نہ طاقت رکھتا ہو تو زبان اپنی پھر اگر نہ طاقت رکھتا |
| برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے اگر وہ اس کی استطاعت نہ رکھتا۔ |
| فَبِقَلْبِہٖ وَذٰلِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ) |
| پس دل اس کا اور وہ کمزور ترین ایمان (روایت کیا اسے مسلم) |
| ہو تو اپنی زبان سے منع کرے اگر یہ بھی نہ کر سکے تو اپنے دل میں اسے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے |



## مشکل الفاظ کے معنی

فَلْیُغَیِّرْہُ = پس اسے بدل دے' پس اسے روک دے۔ مُنْکَرًا = بری بات' برا کام۔
لَمْ یَسْتَطِعْ = طاقت نہ رکھتا ہو' استطاعت نہ رکھتا ہو۔ اَضْعَفُ = ضعیف ترین' کمزور ترین۔

## امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تعلیم

### تشریح:

دنیا میں نیکی کی تبلیغ کرنا اور برائی سے باز رکھنا ہی قیام عدل اور صراط مستقیم ہے اور ہر دور و ہر زمانہ کی ایک ناگزیر صورت ہے۔ مسلمانوں کا مشن اصلی اور مقصد تخلیق بھی یہی ہے۔ اسلام کی ترقی کا راز اور امم سابقہ کی گمراہیوں کا سبب اس فرض دینی کی پیروی و عدم پیروی پر موقوف ہے۔
قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ (آل عمران)

”تم بہترین امت ہو۔ جو لوگوں کے لیے پیش کی گئی ہو اور تم اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو“۔

مذکورہ بالا آیت میں مسلمانوں کو بہترین امت اس بنا پر کہا گیا ہے کہ اس کا کام نیکی کو فروغ دینا اور برائی کو مٹانا ہے۔ اسی کار نبوت کی وجہ سے اسے فضیلت کا تمغہ عطا ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا اور آخری پیغام بھی یہی تھا کہ تم لوگوں کو خدا کی طرف بلاؤ جو کچھ میں تمہیں بتاؤں اسے دوسروں تک پہنچاؤ۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً

”مجھ سے سن کر آگے پہنچاؤ خواہ ایک ہی آیت ہو“۔

اللہ تعالیٰ سورۂ عصر میں فرماتا ہے:

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

”قسم ہے زمانے کی بے شک انسان خسارے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے اور دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے صبر کی فہمائش کرتے رہے۔

اس سورۂ مبارکہ سے ظاہر ہے کہ صرف ایمان لانا اور نیک عمل کرنا ہی خسارے سے بچنے کے لیے کفایت نہیں کرتا بلکہ ایک دوسرے کو حق پر چلنے کی تلقین کرتے رہنا اور ایک دوسرے کو صبر یعنی ثابت قدمی کی نصیحت کرتے رہنا بھی ضروری ہے۔

حدیث زیر نظر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کو برائی کرتے دیکھو تو اول اسے طاقت سے روکنے کی کوشش کرو' اگر کسی کو ایسا کرنے کی طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرو اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو کم از کم دل سے اسے برا جانو۔ لیکن یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔ کامل ترین درجہ یہ ہے کہ برائی کو دست و بازو کے زور سے مٹا دیا جائے۔ مزید تشریح کے لیے مندرجہ ذیل احادیث ملاحظہ کیجئے۔

1- لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہو مبادا وقت آ جائے تم دعا کرو اور وہ قبول نہ ہو' تم سوال کرو اور سوال پورا نہ کیا جائے۔ تم اپنے دشمن کے خلاف مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں"۔

2- آپ نے ایک دوسری جگہ فرمایا: "اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی آدمی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ جماعت یا قوم باوجود قدرت کے اس شخص کو اس گناہ سے نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے عذاب مسلط ہو جاتا ہے"۔

3- "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے (دو باتوں میں سے ایک ضرور ہوگی)۔ (یعنی یا تو) تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (یعنی نیک باتوں کا حکم اور بری باتوں کی ممانعت) کرتے رہو گے (اور یا) عنقریب خداوند تعالیٰ تم پر عذاب نازل فرمائے گا اور اس وقت تم خدا سے دعا کرو گے اور تمہاری دعا قبول نہ کی جائے گی"۔

4- "جب زمین پر گناہ کیے جائیں تو جو شخص ان کو دل سے برا سمجھے وہ اگرچہ وہاں موجود ہو اس شخص کی مانند سمجھا جائے گا جو وہاں موجود نہیں اور جو شخص وہاں موجود نہ ہو اور ان گناہوں کو برا خیال نہ کرے وہ اس شخص کی مانند ہو گا جو وہاں موجود ہو۔ (یعنی گناہوں کو برا سمجھنے والا گناہ گاروں کے زمرہ سے خارج سمجھا جائے گا اور برا نہ سمجھنے والا گنہ گاروں میں شامل خیال کیا جائے گا)"۔

5- "لوگو! جب تم کسی امر منکر (خلاف شرع) کو دیکھو اور اس کی اصلاح اور تبدیلی کی کوشش نہ کرو تو قریب ہے کہ خداوند تعالیٰ تم کو اپنے عذاب میں مبتلا کر دے"۔

6- "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے عمل مشروع اور عمل غیر مشروع کو قیامت کے دن پیدا کیا جائے گا اور (آدمیوں کی شکل میں) ان لوگوں کے سامنے کھڑا کیا جائے گا جنہوں نے ان پر عمل کیا ہو گا عمل مشروع اپنے لوگوں کو



خوش خبری سنائے گا اور انجام کی بھلائی کا وعدہ دے گا اور عمل منکر یہ کہے گا۔ (یعنی اپنے لوگوں سے) مجھ سے دور ہو جاؤ اور یہ لوگ اس سے جدا ہونے کی قوت نہ رکھیں گے۔ اس سے چمٹے رہیں گے"۔ (احمد۔ بیہقی)

مذکورہ بالا قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سوسائٹی میں امن و سکون اس وقت برقرار رہ سکتا ہے۔ جبکہ بھلائیاں اور نیکیاں غالب ہوں۔ اگر برائیوں کے استیصال کا کوئی انتظام نہ ہو اور لوگ گناہ کو روکنے پر قدرت رکھنے کے باوجود اس کا انسداد نہ کریں تو سارا معاشرہ اس مرض کا شکار ہو جاتا ہے۔ بنی اسرائیل پر ان کی بدکاریوں کے باعث ذلت و مسکنت مسلط کی گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لوگوں کا یہ حال ہو جائے کہ وہ برائی کو دیکھیں اور اسے بدلنے کی کوشش نہ کریں۔ ظالم کو ظلم کرتے ہوئے پائیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں۔ تو بعید نہیں کہ اللہ اپنے عذاب میں سب کو لپیٹ لے۔ خدا کی قسم تم کو لازم ہے کہ بھلائی کا حکم دو اور برائی سے روکو' ورنہ اللہ تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو تم میں سب سے بدتر ہوں گے اور وہ تم کو سخت تکلیفیں پہنچائیں گے۔ پھر تمہارے نیک لوگ خدا سے دعا مانگیں گے مگر وہ قبول نہ ہوں گی"۔

## حدیث نمبر (۳۵)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

سے ابو ہریرہ راضی ہوا اللہ اس سے کہا کہا رسول اللہ درود بھیجا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلعم

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا

پر اس اور اسلام نہ حسد کرو اور نہ بولی بڑھاؤ اور نہ بغض رکھو اور نہ پیٹھ پھیرو

نے فرمایا تم آپس میں حسد نہ کرو اور تم صرف قیمت بڑھ جانے کیلئے بولی نہ دو اور آپس میں بغض

وَلَا یَبِعْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَیْعِ بَعْضٍ وَّکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا اَلْمُسْلِمُ

اور نہ سودا کوئی تم میں سے پر سودا کوئی اور ہو جاؤ بندے اللہ بھائی بھائی مسلمان

نہ کرو اور ایک دوسرے سے انحراف نہ کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع کرے

| |
|---|
| اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يَخْذُلُهٗ وَلَا يَكْذِبُهٗ وَلَا يَحْقِرُهٗ |
| بھائی مسلمان نہ ظلم کرتا ہے بس پر اور نہ اکیلا چھوڑتا اسے اور نہ جھوٹ بولتا اس سے اور حقیر |
| اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے اور نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے |
| اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا وَيُشِيْرُ اِلٰى صَدْرِهٖ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ بِحَسْبِ امْرِئٍ |
| جانتا اسے تقویٰ یہاں اور اشارہ کیا طرف سینہ اپنے تین بار کافی ہے آدمی |
| نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اسے حقیر جانتا ہے آپ نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ |
| مِنَ الشَّرِّ اَنْ يَّحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ |
| سے شر کر جانتا حقیر بھائی اپنے مسلمان، ہر ... پر مسلمان حرام |
| فرمایا تقویٰ یہاں ہے کسی آدمی کے لیے اتنی ہی برائی کافی ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے |
| دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) |
| خون اس کا اور مال اس کا اور عزت اس کی روایت کیا اسے مسلم نے |
| ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر خون اور اس کا مال اور اس کی آبرو حرام ہے اسے امام مسلم نے روایت کیا |

بے یارو مددگار چھوڑتا ہے۔

## مشکل الفاظ کے معانی

لَا تَحَاسَدُوْا = ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔ تَحَاسَدَ' يَتَحَاسَدُ' تَحَاسُدًا" سے ہے۔
لَا تَنَاجَشُوْا = ایک دوسرے سے قیمت بڑھانے کے لیے بولی نہ دو۔ تَنَاجَشَ' يَتَنَاجَشُ' تَنَاجُشًا" سے ہے۔
لَا تَبَاغَضُوْا = ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو۔ تَبَاغَضَ' يَتَبَاغَضُ' تَبَاغُضًا" سے ہے۔
لَا يَبِعْ = نہ بیع کرے' نہ خریدے' نہ سودا کرے۔ بَاعَ يَبِيْعُ - بَيْعًا" سے ہے۔
لَا تَدَابَرُوْا = ایک دوسرے سے قطع تعلق نہ کرے۔ ایک دوسرے سے منہ مت موڑو۔ یہ تدابر مصدر سے فعل نہی حاضر ہے۔
لَا يَخْذُلُهٗ = اسے بے یارو مددگار نہ چھوڑے۔ هٰهُنَا = یہاں اس جگہ۔
مَرَّاتٍ - مَرَّةً = کی جمع' معنی مرتبہ - دفعہ۔ بِحَسْبِ = کافی ہے۔ شَرٌّ = برائی۔ عِرْضُهٗ = اس کی عزت۔



# اخوت اسلامی کی تعلیم

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی اخوت و بھائی چارہ کے رشتہ سے وابستہ رہنے کی ہدایت فرمائی ہے اور مسلمانوں کے باہمی حقوق و فرائض کی نشاندہی فرمائی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔ دوسرے کی خوشحالی و فارغ البالی کا زوال چاہنے کو حسد کہتے ہیں۔ یہ خواہش بھی حسد کے زمرہ میں شامل ہے کہ دوسرے کی خوشحالی چھن کر مجھے مل جائے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسد نیکیوں اور بھلائیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے' جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ چنانچہ آپؐ نے اس قبیح عادت سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔

پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر ایک مسلمان کوئی چیز خرید رہا ہو تو محض اس چیز کی قیمت بڑھانے کے لیے یا عزت و ناموس کی خاطر یا ضد کی بنا پر دوسرا مسلمان بولی نہ بڑھائے۔ اگر خریدنے کا ارادہ ہو تو بولی بڑھا سکتا ہے۔ اس طرح دکاندار کی ذمہ داری ہے کہ فروخت شدہ شے کو امانت تصور کرے اور زیادہ نفع کے لالچ میں کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت نہ کرے۔ ایسا کرنے سے امت مسلمہ کی صفوں میں اتحاد و یگانگت کی روح برقرار نہیں رہتی بلکہ باہمی عداوت و دشمنی' نااتفاقی و ناچاقی وغیرہ کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔

اس ضمن میں آپؐ نے مزید فرمایا کہ ایک دوسرے سے بغض نہ کرو۔ یعنی بغض و عناد کے محرکات و اسباب سے احتراز کرنے کی تلقین فرمائی۔ ایک مسلمان کے دل میں دوسرے مسلمان کی طرف سے بغض و کینہ ہونا ایسی برائی ہے جس کے دور کرنے کے لیے خدا سے گڑگڑا کر دعا مانگنی چاہیے۔ قرآن پاک میں آتا ہے: "اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے کینہ مت ڈال تو مہربان رحم والا ہے"۔ نیز ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے روگردانی اور انحراف کا رویہ نہ برتے بلکہ مسلمان آپس میں بھائیوں کی طرح ہو جائیں تاکہ ان میں باہمی تعاون و توافق کی فضا پیدا ہو اور اسلام اپنی مرکزی حیثیت کو پورے استحکام کے ساتھ دنیا کے گوشہ گوشہ میں قائم کر سکے۔

نیز آپؐ نے فرمایا: "ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرتا اور نہ ہی اسے بے یارو مددگار چھوڑتا ہے اور نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے"۔ یعنی حتی الوسع اس کی حاجات و ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کسی طرح اس کی حق تلفی نہیں ہونے دیتا۔ منافقانہ طرز عمل سے کام نہیں لیتا بلکہ ہمیشہ سچائی کو پیش نظر رکھتا ہے اور مسلمان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور موقع پر فرمایا: "جو

Scanned with CamScanner

شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانی دور کرے گا۔
آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ تو اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو دشمن کے حوالے کرے۔ اگر کسی مسلمان پر اس کی عدم موجودگی میں کسی قسم کی زیادتی ہو رہی ہو تو اس کا نائب بن جائے اور اسے اس ظلم سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ اس مدد کرنے والے مسلمان کی ایسے موقع پر مدد کرے گا' جہاں وہ مدد کا محتاج ہو گا"۔

اس کے بعد آپؐ نے اپنے سینہ مبارک کی طرف تین بار اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ "تقویٰ یہاں ہے"۔ یعنی تقویٰ کا مرکز دل ہے اگر دل میں تقویٰ پیدا ہو جائے تو ایک شخص خود بخود برائی سے باز رہتا ہے اور نیکی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: "ایک مسلمان کی جان و مال' عزت و آبرو کو نقصان نہ پہنچائے اور ہر معاملہ میں اس کی خیر خواہی اور بھلائی کے لیے کوشاں رہے"۔

یہ وہ تعلیم تھی جس نے قوم کی منتشر صفوں میں اتحاد و الفت کے روح پرور گلشن کھلا دیے۔ اور مدت سے بچھڑے ہوئے افراد کو شیر و شکر کر دیا۔ اگر آج بھی ان تعلیمات پر عمل کیا جائے تو امت مسلمہ کے افراد میں اتحاد و یگانگت اور مہر و محبت کی روح جاری و ساری ہو سکتی ہے۔

## حدیث نمبر (۳۶)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

سے ابو ہریرہ راضی ہوا اللہ سے اس سے نبی درود بھیجا اللہ پر اس کے اور سلام بھیجا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰہُ

جو دور کیا سے مومن تکلیف سے تکلیف دنیا دور کیا اللہ

سے روایت کیا آپ نے فرمایا جس نے ایک مومن سے دنیا کے غموں سے ایک غم دور کیا۔

عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰی مُعْسِرٍ يَسَّرَ

سے اس تکلیف سے تکلیف دن قیامت اور جس نے آسانی کی پر تنگدست آسانی کی

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی سختیوں سے ایک سختی دور کرے گا اور جس نے کسی تنگ حال پر

اللّٰہُ عَلَیْہِ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰہُ فِی

اللہ اس پر میں دنیا اور آخرت اور جو چھپایا مسلمان پردہ پوشی اس کی اللہ میں

آسانی کی اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس پر آسانی کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کے عیب



الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰہُ فِی عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِی عَوْنِ

دنیا اور آخرت اور اللہ میں مدد بندہ جو تھا بندہ میں مدد

کو چھپایا اللہ اس کے عیبوں پر دنیا اور آخرت میں پردہ ڈال دے گا اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں

اَخِيْهِ وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰہُ لَهٗ بِهٖ

بھائی اپنے اور جو چلا راستہ طلب کرتا ہے میں اس علم آسان کیا اللہ اس کے لیے

لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہتا ہے جو شخص حصول علم کے راستے پر چلا اللہ تعالیٰ نے اس کے

طَرِيْقًا اِلَی الْجَنَّةِ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِی بَيْتٍ مِّنْ بُيُوْتِ اللّٰہِ يَتْلُوْنَ

راستہ طرف جنت اور نہیں جمع ہوا گروہ میں گھر میں گھروں اللہ تلاوت کرتے

لیے جنت کا راستہ آسان کر دیا اور جب لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہوتے ہیں اللہ کی کتاب

كِتٰبَ اللّٰہِ وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ

کتاب اللہ کی اور پڑھاتے ہیں اس کو آپس میں مگر اُتری ان پر سکینت

کی تلاوت کرتے ہیں اور باہم اُسے پڑھاتے ہیں تو ان پر تسکین اُترتی ہے اور اللہ کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے

وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَذَكَرَهُمُ

اور ڈھانپ دیا ان کو رحمت اور گھیر لیا ان کو فرشتوں اور یاد کیا انہیں

اور فرشتے ان پر سایہ فگن ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے مقربین میں کرتا ہے

اللّٰہُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ وَمَنْ بَطَّاَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ

اللہ میں جو پاس اس کے اور جو پیچھے کیا ساتھ اس کے عمل اس کا نہیں جلدی کیا اسے نسب کا

اور جس کا عمل سست ہو تو اس کا نسب اُسے کامیاب کرنے میں جلدی نہیں کرے گا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا

## مشکل الفاظ کے معانی

وَنَفَّسَ = اس نے دور کیا۔ كُرْبَةً = سختی' غم' تکلیف۔
مُعْسِرٌ = تنگ حال' مفلس' تنگ دست' قلاش۔ سَتَرَ = پردہ' خوف و حیا۔
يَتَدَارَسُوْنَ = وہ درس دیتے ہیں۔ حَفَّتْهُمْ = اس نے ان پر سایہ کیا ہے۔
يَسَّرَ = آسان کرنا۔ بَطَّاَ = تاخیر کی۔ تساہل کیا۔
غَشِيَتْهُمْ = اس نے انہیں ڈھانپ لیا۔ يَلْتَمِسُ = وہ تلاش کرتا ہے۔

# اخوت، فضیلت علم، قرآن خوانی اور عمل کی اہمیت

**تشریح:** اخوت اسلامی کی بنیاد اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

"تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔ پس تم اپنے بھائیوں کے درمیان صلح رکھو اور اللہ سے ڈرو تاکہ وہ تم پر رحم کرے"۔

اس نعمت کا ذکر کرتے ہوئے ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا۔

"اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو تم پر اس نے کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے"۔

یہ وہ تعلیم تھی جس نے قوم کی منتشر صفوں میں اتحاد و الفت کے روح پرور گلشن کھلا دیے اور مدت سے بچھڑے ہوئے افراد کو گلے ملا دیا۔ اسی نازک آبگینہ کی حفاظت کے اصول و قواعد بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث زیر نظر میں فرمایا جس نے ایک مومن سے دنیا کی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف کو دور کیا، اللہ تعالیٰ روز قیامت کی سختیوں میں سے اس کی ایک سختی دور کرے گا۔ جس نے کسی تنگدست شخص پر آسانی کی اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس پر آسانی کرے گا اور جس نے کسی مسلمان کے عیوب پر پردہ پوشی کی اللہ دنیا و آخرت میں اس کے عیوب پر پردہ ڈال دے گا اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد میں رہتا ہے، جب تک وہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہر مسلمان دوسرے مسلمان کی مصیبت میں پشت پناہی کرنے لگے اور دوسرے کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھے تو معاشرہ میں امن و امان قائم ہو سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کی پریشانی دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانی دور کرے گا۔ آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے۔ پس اگر اسے تکلیف میں دیکھے، تو اس کی تکلیف دور کرے، اس کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم رکھے۔ آپؐ نے ایک موقع پر فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ یعنی نہ اس کی زبان اور نہ اس کے ہاتھ سے کسی دوسرے مسلمان کو دکھ اور تکلیف



پہنچے بلکہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے مکمل وفاداری اور خلوص کا مظاہرہ کرے اور رشتہ اخوت کو اس کی زندگی کے بعد بھی برقرار رکھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرے گا۔

ایک مرتبہ ایک قبیلے کے لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی حالت اس قدر خراب تھی کہ کسی کے بدن پر سالم کپڑا نہ تھا۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر آپؐ بے چین ہو گئے۔ پھر حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا۔ جب لوگ جمع ہوئے تو آپؐ نے انہیں اس قبیلے کی امداد کی ترغیب دی۔ چنانچہ ہمیں تمام صورتوں میں اپنے تنگ دست اور مصیبت زدہ بھائیوں کی مدد کرنی چاہیے۔ الغرض مالی، روحانی، جسمانی، اخلاقی، معاشرتی ہر لحاظ سے ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی مدد کرے۔ محمد بن قاسم کا سندھ پر حملہ ایک مسلمان عورت کی فریاد کا نتیجہ تھا، جو اس نے ہندوؤں کی زیادتی سے متاثر ہو کر کی تھی۔ ہندوستان اور پاکستان کی جنگ میں دنیا کے اسلامی ممالک نے پاکستان کی مدد اور حمایت کا جو اعلان کیا وہ اسلامی اخوت اور بھائی چارے کی بنا پر تھا۔

پھر آپؐ نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کے عیبوں پر پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے عیوب پر پردہ ڈال دے گا۔ یعنی ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے عیوب و نقائص اجاگر نہ کرے۔ اس کے احوال و کوائف کی ٹوہ میں نہ لگا رہے، اس کی جاسوسی نہ کرے، اس کے حالات معلوم کرنے کے لیے خواہ مخواہ سوالات نہ کرتا رہے بلکہ اس کے عیوب و خامیوں پر پردہ پوشی کرے۔ جو شخص دنیا میں مسلمانوں کی پردہ داری کرے گا، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کے گناہوں کو چھپائے گا۔ سورۂ ہمزہ میں آتا ہے: ہر وہ شخص جو عیب چینی کرتا ہے (اور لوگوں پر) آوازے کستا ہے، اس کے لیے بڑی تباہی ہے۔

حدیث کے دوسرے حصہ میں علم کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حصول علم کے راستہ پر چلا اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس علم کے ذریعہ جنت کا راستہ آسان کر دے گا۔ ایک اور موقع پر آپؐ کا ارشاد ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ (ابن ماجہ)

"علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے"۔

طلب علم کے لیے دور دراز کا سفر کرنے کی ترغیب دلاتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ۔

"تم علم طلب کرو خواہ تم کو اس کے لیے چین کیوں نہ جانا پڑے"۔

Scanned with CamScanner

زندگی کے ہر لحہ میں علم کے حصول کی ترغیب دلاتے ہوئے آپؐ کا ارشاد ہے:

**اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ۔**

"جھولے (بچپن) سے لے کر لحد (قبر) میں جانے تک علم کی طلب میں مشغول رہو"۔

علم کی فضیلت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سب سے پہلی وحی جو نبی کریمؐ پر نازل ہوئی' اس میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی کہ انسان کو ہم نے قلم سے کام لے کر علوم کے محفوظ کرنے کا سبق دیا۔ وحیِ الٰہی کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

**اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ○** (العلق:5۔1)

"آپ پڑھیے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا کیا
جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ آپؐ (قرآن) پڑھا کیجئے
اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے تعلیم دی'
جس نے انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جنہیں وہ نہیں جانتا تھا"۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو علم کی عظیم المرتبت نعمت سے نوازا اور اس کی بنا پر تمام فرشتوں پر آپ کو فضیلت عطا کی اور انسانوں کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا اور اسے اتنے قلمی تصرفات عطا کیے کہ تمام کائنات اس کے لیے مطیع و مسخر ہو کر رہ گئی۔ علم وہی قابل ستائش ہے جس پر انسان عمل پیرا ہو سکے اور جو دین و ملت کی فلاح و بہبود کے لیے ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعاؤں میں بے نفع علم سے پناہ طلب کرتے تھے۔

حدیث زیرِ نظر میں قرآن حکیم کو مسجد میں بیٹھ کر باہم پڑھنے پڑھانے کی بھی ہدایت کی گئی ہے اور اس کا اجر و ثواب گھر میں بیٹھ کر پڑھنے سے کہیں زیادہ ہے۔ اجتماعی طور پر قرآن پاک ایک دوسرے کو سننے سنانے سے اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں' دلوں کو سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے اور اللہ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس شخص سے زیادہ برگزیدہ اور خوش قسمت کون ہوگا' جسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔ ایسے لوگوں پر فرشتے سایہ فگن رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو انبیاء کرام اور مقرب فرشتوں کی مجالس میں یاد کرتا ہے۔

اگرچہ انفرادی طور پر گھر میں بیٹھ کر قرآن حکیم کی تلاوت کرنا بھی بہت بڑا ثواب ہے لیکن اجتماعی طور پر مسجد میں بیٹھ کر پڑھنے میں اور بھی زیادہ اجر و ثواب ہے۔ نیز مسجد میں یکسوئی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے مسلمانوں کو بھی درس دیا جا سکتا ہے۔ اس طریق سے قرآن حکیم کی اشاعت و تعلیمات کو فروغ دینے میں زیادہ مدد مل سکتی ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت باعث ثواب



اور ذریعہ نجات ہے اور ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "تم میں سے بہترین آدمی وہ ہے جس نے قرآن پڑھا اور پڑھایا"۔ (بخاری) قرآن کریم کو ناظرہ پڑھنے کے علاوہ اس کے مفہوم و معانی پر فکر و تامل کرنا اور بھی زیادہ اجر و ثواب کا موجب ہے۔

آخری بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں یہ بیان فرمائی کہ جس نے اعمال صالحہ میں تساہل اور غفلت سے کام لیا اس کا نسب اس کے کام نہیں آئے گا۔ اسلام میں نجات کا انحصار حسب و نسب پر نہیں بلکہ ایمان و عمل صالح پر ہے۔ خاندانی شان و شوکت' دولت و ثروت کی کثرت' بارسوخ ہونا' کسی نبی یا ولی کی اولاد ہونا' حاکم وقت ہونا وغیرہ کسی شخص کی نجات کا ذریعہ نہیں ہو سکتے بلکہ صرف ایمان اور نیک اعمال ہی کے باعث نجات ہو سکتی ہے۔ اسلام میں بزرگی و فضیلت کا معیار صرف تقویٰ اور پرہیزگاری ہے' حسب و نسب کی کوئی حیثیت نہیں۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے:

**اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ**

"تم میں سے اللہ کے نزدیک معزز ترین وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے"۔

حضرت نوحؑ نے طوفانی عذاب کے وقت اللہ سے اپنے بیٹے کی نجات کے متعلق سفارش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو سفارش سے روک دیا۔ قرآن حکیم میں آتا ہے: "حضرت نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا اور کہا اے پروردگار! میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے تو بہترین حاکموں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح! یہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے' یہ بدکردار ہے۔ پس تجھ کو ایسا سوال نہ کرنا چاہیے جس کے بارے میں تجھے علم نہ ہو۔ میں بلاشبہ تجھ کو نصیحت کرتا ہوں کہ تو نادانوں میں سے نہ بن"۔ حضرت نوحؑ پر یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ وعدۂ نجات کا منشا نسل و خاندان نہیں ہے بلکہ ایمان اور نیک عمل ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کی تبلیغ کا اعلانیہ آغاز کیا تو فرمایا: "اے قریش سے نسبت رکھنے والو! اے بنو عبدالمطلب! اے عباسؓ! اے پھوپھی صفیہؓ! اے فاطمہؓ! بنت محمدؐ! اللہ تعالیٰ سے اپنے تئیں خرید لو۔ میں اللہ کے مقابلہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا"۔

## حدیث نمبر (۳)

**عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ**

سے ابو عباس راضی ہوا اللہ ان دونوں سے سے رسول اللہ درود بھیجا اللہ پر اس

حضرت عبداللہ بن عباس (اللہ ان دونوں سے راضی ہو) سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا رسول اللہ

وَسَلَّمَ فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَ

اور سلام میں جو روایت کرتا ہے رب اپنے کہا بیشک اللہ لکھیں نیکیاں اور

صلی اللہ علیہ وسلم سے ان روایات میں جو آنحضورؐ نے اپنے رب کی طرف سے بیان کی ہیں۔ آپؐ

السَّيِّئَاتِ ثُمَّ بَيَّنَ ذٰلِكَ فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا

برائیاں پھر بیان کیا اسکو پس جو ارادہ کیا ساتھ نیکی پس نہ عمل کیا اس کا

نے فرمایا یقیناً اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھیں پھر اس بات کو واضح کیا (لکھنے والے فرشتوں)

كَتَبَهَا اللّٰهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً وَإِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا

لکھ دیا اسے اللہ پاس اپنے نیکی پوری اور اگر ارادہ کیا ساتھ اس پس عمل کیا اسکو

کو جس نے ایک نیکی کا ارادہ کیا پھر اُسے نہ کرسکا تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے پاس ایک

كَتَبَهَا اللّٰهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلٰى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ إِلٰى

لکھا اسے اللہ پاس اپنے دس نیکیاں طرف سات سو گنا طرف

کامل نیکی لکھ لیتا ہے اور اگر اس کا قصد کیا اور عمل بھی کر لیا تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس دس نیکیوں سے

أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ وَإِنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ

گنی بہت اور اگر ارادہ کیا بدی کا پھر نہ کیا عمل اس پر لکھا اُسے اللہ

سات سو نیکیوں تک لکھ لیتا ہے بلکہ اس سے بھی کئی گناہ زیادہ اور اگر اس نے ایک بدی کا قصد کیا

عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً وَإِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهُ اللّٰهُ

پاس اپنے نیکی کامل اور اگر ارادہ کیا اس کا اور عمل کیا اس پر لکھا اسے اللہ

مگر اس کا ارتکاب نہ کیا تو بھی اللہ اُسے اپنے پاس ایک کامل نیکی لکھ لیتا ہے اور اگر اس نے

سَيِّئَةً وَاحِدَةً رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

برائی ایک روایت کیا اسے بخاری اور مسلم

بدی کا قصد کیا پھر اُسے کر گزرا تو اللہ تعالیٰ صرف ایک ہی بدی اس کے نام لکھتا ہے (اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا)

## مشکل الفاظ کے معانی

حَسَنَاتٌ = نیکیاں بھلائیاں۔ سَيِّئَاتٌ = برائیاں۔



هَمَّ = ارادہ کیا' قصد کیا۔ بَيَّنَ = ظاہر کیا۔ واضح کیا۔ بَيَّنَ۔ "تَبْيَانًا" سے ہے۔

ضِعْفٌ = چند در چند۔ کئی گناہ۔ سَبْعِمِائَةٍ = سات سو۔

# نیکی اور برائی

**تشریح:** جب ایک شخص کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو پہلے اس کا خیال دل میں آتا ہے۔ پھر یہ خیال مقصد اور ارادہ کی صورت اختیار کر لیتا ہے پھر یہ ارادہ عمل کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور وہ کام واقع ہو جاتا ہے۔ خیال اور ارادہ کا تعلق دل سے ہے اور عمل کا تعلق اعضا ظاہری سے۔ خیالات و وساوس کا کوئی اعتبار نہیں۔ وہ ایک اضطراری چیز ہوتے ہیں' جن میں بندوں کے عمل کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ چنانچہ حدیث زیر نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ خیالات پر کوئی گرفت نہیں مگر یہی خیالات جب مقصد و ارادہ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں تو دل کا عمل بن جاتے ہیں اور جب نیکی یا بدی کی صورت میں ان کا صدور ہوتا ہے تو جسم کا عمل بن جاتے ہیں۔ عمل کی ان دونوں صورتوں پر جزا یا سزا مرتب ہونی چاہیے۔

لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر بڑا ہی فضل و کرم ہے کہ جب بندہ کسی بدی کا ارادہ کرتا ہے تو اگرچہ یہ بدی عمل قلب کے طور پر صادر ہو جاتی ہے پھر بھی اگر وہ اسے ترک کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو نہیں لکھتا بلکہ اس کے ترک گناہ کے نیک عمل کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں تحریر فرما دیتا ہے۔ پھر جب بندہ کسی بدی کا ارتکاب کر ہی لیتا ہے تو اس کے نامہ اعمال میں صرف ایک بدی کا گناہ لکھا جاتا ہے۔ اس پر بھی اسے توبہ کی مہلت دی جاتی ہے۔ اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ گناہ بھی معاف کر دیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس جب کوئی بندہ کسی نیک کام کا ارادہ کر لیتا ہے اور کسی وجہ سے اسے نہیں کر پاتا تو اس نیک ارادہ کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔ پھر اگر وہ کسی نیک کام کو کر گزرتا ہے تو اس کے نامہ اعمال میں کم از کم دس نیکیوں سے لے کر سات سو نیکیوں بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ تک کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔ ثواب کے یہ درجات' نیکی کرنے والے کے حسن نیت' اخلاص اور آداب عمل پر منحصر ہوتے ہیں جس کا عمل جس قدر مخلصانہ اور سنت کے مطابق ہوگا' اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا۔

یہ امر ذہن نشین رہے کہ بدی سے باز رہنے کی صورت میں گناہ کا نہ لکھا جانا اسی حالت میں ہے جبکہ ایک شخص اپنے ارادے سے بدی سے باز رہے لیکن اگر کسی مجبوری سے اس کا ارتکاب نہ کر سکے۔ حالانکہ اس بدی کو کرنے کا اس کا اپنا ارادہ پختہ ہو تو پھر اس بدنیتی کا گناہ اس کے نامہ

اعمال میں لکھا جائے گا۔ کیونکہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے کے مقابل آجائیں اور کوئی ایک دوسرے کو قتل کردے تو دونوں دوزخ میں جائیں گے"۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! قاتل تو بہرحال قاتل ہے' مقتول کیوں دوزخ میں جائے گا؟" حضورؐ نے ارشاد فرمایا: یہ اپنے حریف کے قتل پر حریص تھا۔ (مگر اتفاقاً" قابو نہ پاسکا۔ (کذا قال الباقلانی)

## حدیث نمبر (۳۸)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

سے ابو ہریرہ راضی ہوا اللہ سے اس کہا کہا رسول اللہ درود بھیجا اللہ پر اس

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَالَ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ

اور سلام بھیجا بے شک اللہ تعالیٰ کہا جو دشمنی کرے میرے ولی پس خبر دی ہے سا تھ جنگ

کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے میرے دوست سے عداوت کی تو میں اسے اپنی طرف سے

وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهٗ عَلَیْهِ

اور نہ قرب چاہا میری طرف میرے بندے کسی چیز سے زیادہ محبوب مجھے سے جو فرض کیا میں نے اس پر

جنگ کی خبر دیتا ہوں اور اگر میرا بندہ اس چیز کے ذریعے جو مجھے محبوب ہے اور جسے میں نے

وَلَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ

اور نہیں بس کرتا بندہ میرا قریب ہوتا ہے میرے ساتھ نوافل یہاں تک چاہتا ہے پس جب چاہا میں نے

اس پر لازم قرار دیا ہے میرا قرب حاصل کرتا ہے نوافل کے ذریعے حتیٰ کہ میں اس سے محبت

کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ

ہو گیا کان اس کا جو وہ سنتا ساتھ اس اور آنکھ اس کی جو وہ دیکھتا ہے ساتھ اس اور ہاتھ

کرنے لگتا ہوں پھر جب میں اسے چاہنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور

الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا وَلَئِنْ سَاَلَنِیْ

جو وہ پکڑتا ہے ساتھ اس اور ٹانگ اس کی جو چلتا ہے وہ ساتھ اس اور اگر سوال کیا مجھ سے

اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس



لَاُعْطِیَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

تو ضرور عطا کروں اسے اور اگر پناہ مانگی اس نے مجھ سے تو ضرور پناہ دوں گا اسے (روایت کیا ؟ بخاری)

کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ کچھ مجھ سے مانگتا ہے تو میں ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ میری

پناہ چاہتا ہے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں (اس کو امام بخاری نے روایت کیا)

## مشکل الفاظ کے معانی

**نَوَافِلُ** = جمع ہے نَفْل کی۔ **اَبْصَرَ** = اس نے دیکھا۔ **یُبْصِرُ** = وہ دیکھتا ہے۔ **عَادٰی** = اس نے دشمنی کی۔ **اٰذَنْتُ** = میں نے اعلان کیا' میں نے اذان دی۔ **عَادٌ** = لڑائی۔ **یَبْطِشُ** = وہ پکڑتا ہے۔ **رِجْلٌ** = پاؤں۔ **اِسْتَعَاذَنِیْ** = وہ مجھ سے پناہ مانگے۔

## فرائض و نوافل کی اہمیت

**تشریح:** جیسا کہ حدیث نمبر 22 کی تشریح میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو فرائض سب سے زیادہ محبوب و پسندیدہ ہیں۔ جو شخص ان کو سرانجام دینے میں کامیاب و کامران ہو جائے' وہ انجام کار جنت کا مستحق ہو جاتا ہے لیکن اگر وہ عائد کردہ فرائض کے علاوہ نوافل پر بھی عمل پیرا ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی قربت کا حصہ وافر نصیب ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا اس حد تک محبوب ہو جاتا ہے کہ اس کے ہر عمل میں اللہ تعالیٰ کی شان نظر آتی ہے اور ایسے شخص کی عزت' رعب اور محبت لوگوں کے دلوں میں جاگزین ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خود اس کی قوت سماعت' قوت باصرہ' قوت دست و بازو اور چلنے پھرنے کی قوت بن جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس حد تک کسی شخص کا مدد و معاون ہو تو دنیا کی کوئی طاقت نبرد آزما نہ ہو سکتی اور اسے شکست نہیں دے سکتی۔ حدیث زیر نظر میں یہاں تک آتا ہے کہ ایسا مطیع و فرمانبردار شخص اللہ تعالیٰ سے جو سوال بھی کرتا ہے وہ اسے شرف قبولیت بخشتا ہے اور ہر قسم کے گناہ سے پناہ دیتا ہے۔ ایسے شخص سے عداوت و دشمنی رکھنے والے کو باری تعالیٰ اپنا دشمن گردانتا ہے اور اس کے خلاف جنگ تک کرنے کو جائز قرار دیتا ہے۔

چنانچہ اس حدیث طیبہ کی روشنی میں ہمیں اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے اور اس کی مرضی و منشا کے مطابق زندگی کے ڈھانچہ کو استوار کرنا چاہیے تاکہ ہم آخرت کی ابدی و سرمدی نعمتوں سے ہمکنار ہو سکیں۔

Scanned with CamScanner

## حدیث نمبر (۳۹)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

سے ابن عباس راضی ہوا اللہ سے اس بیشک رسول اللہ درود بھیجا اللہ پر اس

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِيْ عَنْ اُمَّتِيْ الْخَطَاءَ وَالنِّسْيَانَ وَ

اور سلام کہا بے شک اللہ معاف کیا میرے لیے سے میری امت غلطی اور بھول اور

نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے میری خاطر میری امت سے بھول چوک درگزر کی۔

مَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ حَدِيْثٌ حَسَنٌ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ

جو مجبور کیا گیا اس پر (حدیث حسن روایت کیا اسے ابن ماجہ و بیہقی)

اور جس بات پر وہ مجبور کیے گئے (حدیث حسن ہے اسے ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا۔

## مشکل الفاظ کے معانی

تَجَاوَزَ = درگزر کیا۔ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ = اور جس بات پر انہیں مجبور کیا گیا۔ خَطَاء = غلطی۔ نِسْيَانَ = بھول۔

## سہو اور مجبوراً عمل سے درگزر

تشریح: دنیا کے بے شمار مذاہب میں سے اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو انسان کے فطری تقاضوں سے کلی ہم آہنگی اور مطابقت رکھتا ہے۔ وہ جملہ انسانی ضروریات کو پیش نظر رکھتا ہے اور ان کا علاج تجویز کرتا ہے۔ وہ کسی شخص پر اس کی استطاعت و طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں ایک مقام پر آتا ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔

اللہ تعالیٰ ہر نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ مکلف نہیں ٹھہراتا۔

حدیث زیر نظر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری خاطر اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ سے بھول چوک کو معاف و درگزر کیا ہے۔ اور اس بات سے بھی نظر انداز کیا جس کے کرنے پر انہیں مجبور کیا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات میں سے ایک احسان یہ ہے کہ امت



کے وہ گناہ یا برائیاں درگزر ہو جاتی ہیں جو سہواً یا مجبوراً سرزد ہوتی ہیں۔ بعض اوقات انسان حالات سے تنگ آ کر گناہ کا مرتکب ہوتا ہے مگر اس کی نیت ایسا کرنے کی نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایسا شخص جب صمیم قلب سے بارگاہ ایزدی میں ندامت کے آنسو بہاتا ہے اور آئندہ کے لیے اس گناہ کے نہ کرنے کا عزم صمیم کرتا ہے' تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔ اس طرح اگر اس سے کوئی برائی سہواً سرزد ہوتی ہے اور اس میں اس کی مرضی کو کوئی دخل نہیں ہوتا تب بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ایسی لغزشیں اور خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں۔ گویا ہر عمل کے سرانجام دینے میں انسان کا نیک نیت ہونا ضروری ہے۔

## حدیث نمبر (۴۰)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

سے ابن عمر راضی ہوا اللہ سے اس کہا پکڑا رسول اللہ درود بھیجا اللہ پر اس

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے

وَسَلَّمَ بِمَنْكِبِيْ فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ

اور سلام میرے دونوں کندھے تو کہا رہ میں دنیا گویا تو اجنبی یا گزرنے والا

کاندھے پکڑ کر فرمایا کہ دنیا میں اس طرح زندگی بسر کر گویا تو ایک پردیسی یا مسافر ہے۔

سَبِيْلٍ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُوْلُ اِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا

راستہ اور تھا ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتا جب تو شام کرے پس نہ

اور ابن عمرؓ کہا کرتے تھے کہ جب تو شام کرے تو صبح کا انتظار نہ کر اور جب تو صبح کرے

تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ

انتظار کر صبح اور جب صبح کرے پس نہ انتظار کر شام اور پکڑ سے

تو شام کا انتظار نہ کر اور اپنی صحت سے اپنے مرض کا سامان کر اور اپنی زندگی سے

صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

تندرستی تیری لیے مرض تیرا اور سے زندگی تیری لیے موت تیری (روایت کیا اسے بخاری

موت کا سامان کر۔ (اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

## مشکل الفاظ کے معانی

**بِمَنْکِبِیْ** = میرے دونوں مونڈھوں سے۔ میرے دونوں شانوں سے۔ **غَرِیْبٌ** = اجنبی، پردیسی۔ **عَابِرُ سَبِیْلٍ** = راستہ عبور کرنے والا، راہرو، راہ گیر، مسافر۔ **اَمْسَیْتَ** = تو شام کرے۔ **اَصْبَحْتَ** = تو نے صبح کی۔

## انسان دنیا میں مسافر ہے

**تشریح:** مشہور محقق حافظ ابن حجر نے حدیث زیر نظر کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے کہ پردیسی، پردیس میں کھاتا ہے۔ پیتا بھی ہے۔ رات کو آرام بھی کرتا ہے۔ فرصت کے لمحوں میں سیر و تفریح بھی کرتا ہے لیکن وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے مقصد سے غافل نہیں ہوتا۔ اسے ہر آن جو خیال دامن گیر رہتا ہے، وہ یہ ہوتا ہے کہ میں جس کام کے لیے اپنے گھر سے چلا ہوں، میں نے جس کے لیے اپنے اہل و عیال کو چھوڑا ہے، گھر کے آرام اور احباب کی محبت کو خیرباد کہا ہے، وہ کام کہیں رہ نہ جائے۔ پردیسی، پردیس کی ہر چیز کے ساتھ عارضی تعلق رکھتا ہے۔ کہیں اپنے دل کو اٹکا کر نہیں بیٹھ رہتا۔

بس اسی طرح ہر انسان کو دنیا کی اس عارضی زندگی میں رہنا چاہیے۔ پردیسی یا مسافر کو پھر بھی ایک قیام و قرار ہوتا ہے۔ وہ آرام و سکون حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن راہ گیر تو قیام و قرار سے قطعاً محروم رہتا ہے۔ شرب و طعام اور ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لیے چند لمحے کا قیام بھی اسے ناگوار ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث زیر نظر کی روشنی میں ہر انسان کو چاہیے کہ وہ اسی طرح زندگی گزارے اور مقصد سے غافل نہ ہو۔ ہر تعلق و مشغولیت کو مفید مقصد ہونے کی حد تک برداشت کرے۔ وسائل کو مقاصد کا درجہ نہ دے اور راہ کی کسی منزل پر قناعت نہ کرے۔

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں

انسان کا اصل وطن یہ دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے۔ اسے اس دنیا سے اس طرح گزر جانا چاہیے، جس طرح مسافر راستہ سے گزر جاتا ہے۔

حدیث طیبہ میں حضرت ابن عمرؓ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ انسان زندگی کے طویل ہونے کی حرص نہ کرے بلکہ ہر لحہ و ساعت دنیا سے کوچ کرنے کے لیے پابرکاب رہے۔ کسی آن بھی مستقبل پر بھروسہ نہ کرے کیونکہ عین ممکن ہے کہ اسے آنے والی صبح یا شام نصیب نہ ہو۔ انسان یہ امر بھی ذہن نشین رکھے کہ تندرستی کے بعد بیماری اور زندگی کے بعد موت یقینی ہے، جس کے لیے اسے ہر



دم تیار رہنا چاہیے۔

### حدیث نمبر (۴۱)

عَنْ اَبِیْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا

سے ابو محمد عبد اللہ بن عمرو بن العاص راضی ہوا اللہ ان سے

حضرت ابو محمد عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ

کہا کہا رسول اللہ درود بھیجا اللہ نے اس پر اور سلام نہیں مومن کوئی تم میں سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص (کامل) مومن نہیں

حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ۔ حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ رُوِّیْنَاهُ

یہاں تک کہ ہو جائے خواہش اس کی تابع لیے جو لایا میں اسے (حدیث صحیح روایت کیا اسے

ہوتا جب تک اسکی خواہش میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہو (حدیث صحیح

فِیْ کِتَابِ الْحُجَّةِ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ۔

میں کتاب الحجہ ساتھ اسناد صحیح

اس کو کتاب الحجہ میں صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا)

## مشکل الفاظ کے معانی

**هَوَاهُ** = اس کی خواہش۔ **تَبَعًا** = تابع، تحت۔ **مَا جِئْتُ بِهٖ** = جو کچھ میں لایا۔

## رسولؐ خدا کی کامل اطاعت

**تشریح:** خدا کا بھیجا ہوا رسول سراپا بندگی ہوتا ہے اور خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کا کامل نمونہ اور مجسمہ ہوتا ہے، اس لیے اسکی اطاعت و فرمانبرداری بھی بعینہ خدا کی اطاعت و فرمانبرداری ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

"اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی"۔

اور رسول کو بھیجا اسی غرض سے جاتا ہے کہ خدا کے حکم سے اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی

Scanned with CamScanner

جائے اور اس طرح مخلوق خدا پر اپنے خالق و مالک کی اطاعت و فرمانبرداری کا طریقہ اور راستہ واضح اور آسان ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ

"اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا۔ مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے"۔

اسی لیے قرآن حکیم میں بے شمار مقامات پر اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کو ضروری اور لازمی قرار دیا گیا اور ہر انسان کی رشد و ہدایت اور فوز و فلاح اس پر موقوف اور منحصر کر دی گئی۔ حدیث زیر نظر میں بھی ایمان کی تکمیل کے لیے بنیادی شرط یہ بیان ہوئی ہے کہ ایک مسلمان اپنی تمام خواہشوں، آرزوؤں، تمناؤں اور ارادوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات احکامات اور ارشاداتؐ کے تابع کر دے۔ ان سے سر مو انحراف نہ کرے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یا فیصلہ سامنے آ جائے تو اپنی پسند و ناپسند کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سر تسلیم خم کر دے۔ قرآن حکیم میں خود اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر فرمایا:

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ۔ (آل عمران:3)

"آپ کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا"۔

اس مقصد کے حصول کے لیے ایک مسلمان کو اپنی دنیوی لذتوں اور آرام و آسائش غرض ہر قسم کی قربانی دینے سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ اگر یہ جذبہ اس میں موجزن ہے تو اس کا ایمان بے شک کامل ہے۔ ورنہ اس حدیث کی روشنی میں اسے اپنے ایمان کی تکمیل کی فکر دامن گیر ہونی چاہیے۔ مزید تشریح حدیث نمبر 5 اور 28 کے تحت ملاحظہ کیجئے۔

## حدیث نمبر (۴۲)

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

سے انس راضی ہوا اللہ سے اس کہا سنا میں نے رسول اللہ درود بھیجا اللہ

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِي

پر اس اور سلام بھیجا وہ کہتا ہے کہا اللہ تعالیٰ اپنے بیٹے آدم بیشک تو جو پکارا تو نے مجھے

صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم کے بیٹے



وَرَجَوْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ عَلَى مَا كَانَ مِنْكَ وَلَا أُبَالِي يَا ابْنَ آدَمَ

اور آس رکھی تو نے مجھ سے بخشش کی میں نے تری ہر جو ہوا سے تجھ اور نہ پرواہ کرتا اے ابن آدم

جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے اچھی امید رکھتا رہے گا میں تجھ کو بخشوں گا تیرے

لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي غَفَرْتُ

اگر پہنچ جائے تیرے گناہ بادل آسمان پھر مغفرت چاہی مجھ سے مغفرت کی

گناہ جو بھی ہوں اور میں کچھ پرواہ نہیں کرتا ہوں اے انسان! اگر تیرے گناہ آسمان

لَكَ يَا ابْنَ آدَمَ إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الْأَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ

تیری اے ابن آدم بیشک اگر تو جاہے آئے تک بھگ زمین خطائیں پھر

کے بادلوں کو پہنچ جائیں پھر (بھی) تو مجھ سے مغفرت طلب کرے میں تجھے بخش دوں گا۔ اے انسان

لَقِيتَنِي لَا تُشْرِكُ بِي شَيْئًا لَأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً۔

ملاقات کی تو نے مجھ سے نہیں شرک کیا تو نے ساتھ میرے کچھ البتہ آیا میں پاس تیرے تک بھگ اس کے مغفرت

اتنے گناہ کر کے میرے پاس آئے جن سے ساری زمین بھر جائے پھر مجھ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ میرے ساتھ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ)

روایت کیا اسے ترمذی اور کہا حدیث حسن صحیح

کسی کو شریک نہ بنایا تو میں اتنی ہی بڑی مغفرت سے تجھ کو نوازوں گا جس سے زمین بھر جائے (اسکو ترمذی نے روایت کیا۔

## مشکل الفاظ کے معانی

عَنَانُ = جمع ہے عَنَانَۃ بمعنی بادل کا گالہ + خَطَایَا = جمع ہے خَطِیْئَۃٌ بمعنی غلطی۔

رَجَوْتَنِیْ = تو مجھ سے امید رکھے۔ لَا اُبَالِیْ = میں پرواہ نہیں کرتا۔

قُرَابٌ = بھری ہوئی۔ بَلَغَتْہُ = پہنچے۔

عَنَانَ السَّمَاءِ سے مراد جہاں تک نظر آسمان کی طرف کام کرے۔

لَوْ اَتَیْتَنِیْ = اگر تو میرے پاس آئے۔ دَعَوْتَنِیْ = تو نے مجھے پکارا۔

نوٹ:- اس کی تشریح حدیث نمبر 18 کے تحت کی جا چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ کیجئے

Scanned with CamScanner

# عربی قواعد

## فعل ماضی۔ مضارع۔ امر اور نہی

**فعل کی تعریف:** فعل وہ کلمہ ہے جو تنہا اپنے معنی بتائے اور جس میں کسی کام کا کرنا یا ہونا گزشتہ، موجودہ یا آئندہ زمانہ میں سمجھا جائے۔

## فعل کی اقسام:

1- **ماضی:** جس سے کسی کام کا گزرے ہوئے زمانہ میں ہونا یا ہو چکنا مراد ہوتا ہے۔ جیسے **کَتَبَ** (اس نے لکھا)

2- **مضارع:** جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کام اب تک پورا نہیں ہوا بلکہ ہو رہا ہے یا ہوگا۔ جیسے **یَکْتُبُ** (وہ لکھتا ہے یا وہ لکھے گا)

**نوٹ:-** یہاں یہ بات یاد رہے کہ اردو میں موجود آئندہ زمانے کو ظاہر کرنے کے لیے دو افعال مستعمل ہیں۔ اگر کوئی کام موجودہ زمانہ میں ہو رہا ہو تو اس کے لیے فعل حال اور آئندہ زمانہ میں ہونے والے کام کے لیے فعل مستقبل کا استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عربی میں حال اور مستقبل کے لیے ایک ہی فعل مستعمل ہے جسے مضارع کہتے ہیں اور جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

3- **امر:** بعض علماء صرف، امر کو فعل کی تیسری قسم قرار دیتے ہیں۔ امر وہ فعل ہے جس کے ذریعے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے۔ جیسے **اُکْتُبْ** (تو لکھ)

4- **نہی:** گو بعض علماء نے صرف، نہی کو فعل کی چوتھی قسم قرار دیا ہے مگر درحقیقت یہ فعل مستقل فعل نہیں بلکہ فعل مضارع کی ایک قسم ہے۔ نہی اس فعل کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی کام کے کرنے سے روکا جائے۔ جیسے **لَا تَکْتُبْ** (تو نہ لکھ)

**چند ضروری امور:** فعل کی ہر قسم کا مطالعہ کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند بہت ضروری امور کو ذہن نشین کر لیا جائے۔ جو درج ذیل ہیں:

1- **اصلی حروف اور زائد حروف:** عربی فعلوں میں حروف اصلی تین یا چار ہوتے ہیں۔ جیسے **کَرُمَ** (وہ بزرگ ہوا) یا **اَکْرَمَ** (اس نے تعظیم کی) بعض اوقات اصلی حروف کے ساتھ زائد حروف بھی مل جاتے ہیں۔ لیکن اصلی اور زائد حروف سب مل ملا کر چھ تک ہوتے ہیں۔ گردانوں کے ہیر پھیر سے اگر کچھ اور حروف بڑھ جائیں تو وہ کسی شمار میں نہیں۔



2- **ثلاثی افعال:** جن افعال میں اصلی حروف تین ہوں، وہ ثلاثی کہلاتے ہیں۔ جیسے **کَتَبَ** (اس نے لکھا)

3- **رباعی افعال:** جن افعال میں اصلی حروف چار ہوں، وہ رباعی کہلاتے ہیں۔ جیسے **زَلْزَلَ** (اس نے ہلایا)

4- **فعل مجرّد:** وہ فعل جو محض اصلی حروف سے مرکب ہو، مجرّد کہلاتا ہے۔ جیسے **نَصَرَ** (اس نے مدد کی)

5- **فعل مزید فیہ:** وہ فعل جس میں زائد حروف بھی ہوں، مزید فیہ کہلاتا ہے۔ جیسے **نَصَّرَ** (اس نے نصرانی بنایا) **نَصَّرَ** میں چار حروف ہیں کیونکہ جس حرف پر تشدید آتی ہے وہ دوہرا حرف ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے **نَصَّرَ** میں **نَصَرَ** کے مقابلہ میں ایک حرف کی زیادتی ہے۔ یہ زیادتی دو حروف کی بھی ہوتی ہے جیسے **اِنْتَصَرَ** (وہ غالب آیا) یہاں **نَصَرَ** کے مقابلہ میں "الف" اور "ت" کی زیادتی ہے۔ اسی طرح تین حروف کی بھی زیادتی ہوتی ہے۔ مثلاً **اِسْتَنْصَرَ** (اس نے مدد طلب کی) اس مثال میں "الف"۔ "س" اور "ت" زائد حروف ہیں۔

6- **افعال کا وزن معلوم کرنے کا طریقہ:** "ف"۔ "ع" اور "ل" کو میزان سمجھا جاتا ہے، جس سے ہر کلمہ کو تولا جاتا ہے۔ چونکہ ہم فعل کی تفصیلات معلوم کرنا چاہتے ہیں اس لیے مثالیں بھی فعل ہی کی استعمال کریں گے۔ اگر ہم **نَصَرَ** کو "ف"۔ "ع" اور "ل" کے مقابلہ میں رکھیں تو "ن' ص' ر" کی حرکات "ف' ع' ل" کو دے دیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ **نَصَرَ** کا وزن **فَعَلَ** ہے۔ **اِنْتَصَرَ** کو اس میزان میں تولنے سے جو وزن نکلتا ہے وہ **اِفْتَعَلَ** ہے اور اس طرح **اِسْتَنْصَرَ** کا وزن **اِسْتَفْعَلَ** ہے۔ وزن پہچاننے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ فعل کا مادہ معلوم ہو جاتا ہے اور فعل مجرد اور فعل مزید فیہ میں تمیز آسان ہو جاتی ہے۔

**فعل ماضی:** اب ہم سب سے پہلے فعل ماضی کی تفصیلات معلوم کریں گے۔

**ماضی معروف کا وزن:** اصلی تین حروف والی ماضی کا وزن۔

1- **فَعَلَ** جیسے **کَتَبَ** (اس نے لکھا)

2- **فَعِلَ** جیسے **سَمِعَ** (اس نے سنا) **یا**

3- **فَعُلَ** جیسے **کَرُمَ** (بزرگ ہوا) ہے۔

اور اصلی چار حروف والی ماضی معروف کا وزن **فَعْلَلَ** جیسے **تَرْجَمَ** (اس نے ترجمہ کیا)

**نوٹ:-** یہاں یہ بات یاد رہے کہ اگر فعل کی نسبت اپنے فاعل کی طرف ہو …

معروف کہتے ہیں۔ جیسے **کتب خالد** (خالد نے لکھا)

**فعل ماضی معروف کے صیغے:** پہلے ہم تین حروف والی ماضی کے تمام صیغوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ عربی زبان میں اردو اور فارسی کی نسبت چند صیغے زائد ہیں۔ عربی میں واحد اور جمع کے علاوہ تثنیہ کا صیغہ بھی مستعمل ہے' جو دو کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح مذکر اور مونث کے لیے بھی الگ الگ صیغے ہیں۔ کل چودہ صیغے مستعمل ہیں جن کی تفصیل درج ہے۔

## فعل ماضی مطلق معروف کی گردان

| | | |
|---|---|---|
| كَتَبَ | اس مرد نے لکھا | واحد مذکر غائب |
| كَتَبَا | ان دو مردوں نے لکھا | تثنیہ " " |
| كَتَبُوْا | ان سب مردوں نے لکھا | جمع " " |
| كَتَبَتْ | اس عورت نے لکھا | واحد مونث غائب |
| كَتَبَتَا | ان دو عورتوں نے لکھا | تثنیہ " " |
| كَتَبْنَ | ان سب عورتوں نے لکھا | جمع " " |
| كَتَبْتَ | تو ایک مرد نے لکھا | واحد مذکر حاضر |
| كَتَبْتُمَا | تم دو مردوں نے لکھا | تثنیہ " " |
| كَتَبْتُمْ | تم سب مردوں نے لکھا | جمع " " |
| كَتَبْتِ | تو ایک عورت نے لکھا | واحد مونث حاضر |
| كَتَبْتُمَا | تم دو عورتوں نے لکھا | تثنیہ " " |
| كَتَبْتُنَّ | تم سب عورتوں نے لکھا | جمع " " |
| كَتَبْتُ | میں نے لکھا | واحد مذکر و مونث متکلم |
| كَتَبْنَا | ہم نے لکھا | تثنیہ و جمع مذکر و مونث متکلم |

**نوٹ:** جمع مذکر غائب کے صیغے میں "الف" لکھا جاتا ہے مگر پڑھنے میں نہیں آتا۔ واحد مذکر متکلم اور واحد مونث متکلم ایک ہی صیغہ ہے۔ اسی طرح تثنیہ مذکر' متکلم تثنیہ' مونث متکلم اور جمع متکلم اور جمع مونث متکلم ان تمام کے لیے ایک صیغہ مستعمل ہے۔

**ماضی معروف کے اوزان اور گردان میں مطابقت:** ہم پڑھ چکے ہیں کہ تین حروف والی ماضی معروف کے تین وزن ہیں۔ اوپر والی گردان پہلے وزن یعنی فَعَلَ کے مطابق ہے۔ دوسرے دو اوزان فَعِلَ اور فَعُلَ ہیں۔ فَعِلَ کے وزن پر آنے والے افعال کی گردان میں تمام



صیغوں میں درمیانی حرف پر زیر آئے گی۔ جیسے سَمِعَ۔ سَمِعَا۔ سَمِعُوْا وغیرہ آخر تک ان تمام صیغوں میں "م" درمیانی کلمہ ہے' جس کے نیچے زیر آئی ہے۔ باقی تمام حرکات گزشتہ گردان کے مطابق ہوں گی۔ اسی طرح فَعُلَ کے وزن پر آنے والے افعال کی گردان میں تمام صیغوں میں درمیانی حرف پر پیش آئے گی۔ جیسے کَرُمَ۔ کَرُمَا۔ کَرُمُوْا وغیرہ آخر تک ان تمام کلموں میں "ر" درمیانی کلمہ ہے جس پر پیش آئی ہے۔ باقی حروف کی حرکات گزشتہ گردان کے مطابق ہیں۔ یہ تو ثلاثی مجرد کے افعال کا بیان تھا۔ ثلاثی مزید فیہ' رباعی اور رباعی مزید فیہ کے افعال کی حرکات اور گردانیں اسی اصول کے مطابق رکھی جا سکتی ہیں۔

**فعل ماضی مجہول:** فعل ماضی مجہول' فعل ماضی معروف سے بنتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ فعل معروف کے پہلے حرف کو پیش اور دوسرے کو زیر دی جاتی ہے۔ آخری حرف کی حرکت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ جیسے كَتَبَ (اس نے لکھا) سے كُتِبَ (وہ لکھا گیا)۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ مجہول وہ فعل ہوتا ہے جس کی نسبت مفعول کی طرف ہو اور اس کے ساتھ فاعل کا ذکر نہ کیا جائے۔ جیسے كُتِبَ۔ مَكْتُوْبٌ ( ایک خط لکھا گیا) میں فاعل کا ذکر نہیں ہے۔ گردان' فعل ماضی معروف کی طرح ہو گی۔

ذیل میں ہم فعل ماضی کے چند صیغے درج ذیل کرتے ہیں' جو سورۃ البقرۃ کے پہلے 20 رکوع میں استعمال ہوئے ہیں:

| فعل ماضی | ترجمہ | صیغہ |
|---|---|---|
| اُنْزِلَ | وہ اتارا گیا | واحد مذکر غائب (ماضی مجہول) |
| رَزَقْنَا | ہم نے روزی دی | جمع متکلم |
| كَفَرُوْا | انہوں نے کفر کیا | جمع مذکر غائب |
| خَتَمَ | اس نے مہر لگا دی | واحد مذکر غائب |
| قِيْلَ | کہا گیا | واحد مذکر غائب (ماضی مجہول) |
| قَالُوْا | انہوں نے کہا | جمع مذکر غائب |
| اٰمَنَ | وہ ایمان لایا | واحد مذکر غائب |
| لَقُوْا | وہ ملے | جمع مذکر غائب |
| خَلَوْا | وہ تنہا ہوئے | جمع مذکر غائب |
| اِشْتَرَوْا | انہوں نے خریدا | جمع مذکر غائب |
| رَبِحَتْ | اس نے نفع دیا | واحد مونث غائب |
| اِسْتَوْقَدَ | اس نے آگ جلائی | واحد مذکر غائب |

Scanned with CamScanner

| | | |
|---|---|---|
| اَضَاءَتْ | اس نے روشن کر دیا | واحد مونث غائب |
| اَظْلَمَ | اس نے اندھیرا کیا | واحد مذکر غائب |
| اَنْزَلَ | اس نے اتارا | واحد مذکر غائب |
| نَزَّلْنَا | ہم نے اتارا | جمع متکلم |
| اُعِدَّتْ | وہ تیار کی گئی | واحد مونث غائب (ماضی مجہول) |
| رُزِقُوْا | ان کو رزق دیا گیا | جمع مذکر غائب (ماضی مجہول) |
| اَرَادَ | اس نے چاہا | واحد مذکر غائب |
| اِسْتَوٰى | اس نے توجہ کی | واحد مذکر غائب |
| عَلَّمَ | اس نے سکھایا | واحد مذکر غائب |
| اَبٰى | اس نے انکار کیا | واحد مذکر غائب |
| اِسْتَكْبَرَ | اس نے تکبر کیا | واحد مذکر غائب |
| وٰعَدْنَا | ہم نے وعدہ کیا | جمع متکلم |
| اِسْتَسْقٰى | اس نے پانی مانگا | واحد مذکر غائب |
| سَاَلْتُمْ | تم نے مانگا | جمع مذکر حاضر |
| اِعْتَدَوْا | انھوں نے زیادتی کی | جمع مذکر غائب |
| اَحَاطَتْ | اس نے گھیر لیا | واحد مونث غائب |
| سَمِعْنَا | ہم نے سنا | جمع متکلم |
| اُشْرِبُوْا | ان کو پلایا گیا | جمع مذکر غائب (ماضی مجہول) |
| كَانَتْ | وہ تھی | واحد مونث غائب |
| اِتَّبَعُوْا | نھوں نے پیروی کی | جمع مذکر غائب |
| سُئِلَ | وہ سوال کیا گیا | جمع مذکر غائب (ماضی مجہول) |
| ضَلَّ | وہ گمراہ ہوا | واحد مذکر غائب |
| اَسْلَمَ | وہ تابعدار ہوا | واحد مذکر غائب |
| لَيْسَتْ | وہ نہیں ہے | واحد مونث غائب |
| اِبْتَلٰى | اس نے آزمایا | واحد مذکر غائب |
| سَفِهَ | وہ بیوقوف بنا | واحد مذکر غائب |
| اُوْتِيَ | اسے دیا گیا | واحد مذکر غائب (ماضی مجہول) |
| اِعْتَمَرَ | اس نے عمرہ کیا | واحد مذکر غائب |



| | | |
|---|---|---|
| مَاتُوْا | وہ مر گئے | جمع مذکر غائب |
| بَثَّ | اس نے بکھیرا | واحد مذکر غائب |
| تَبَرَّاَ | وہ بیزار ہوا | واحد مذکر غائب |

**ماضی قریب:** بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ فعل ماضی مطلق کے ہر صیغے سے پہلے لفظ **قَدْ** لگا دیا جائے۔ جیسے **قَدْ كَتَبَ** (اس ایک مرد نے لکھا) **قَدْ شَرِبَ** (اس ایک مرد نے پیا) گردان ماضی فعل مطلق معروف کی طرح ہوگی۔

**ماضی بعید:** ماضی مطلق سے پہلے لفظ **كَانَ** لگانے سے ماضی بعید بن جاتی ہے لیکن ماضی مطلق کے ہر صیغہ کے پیشتر **كَانَ** کی ماضی مطلق کی بھی گردان ہوگی۔ مثلاً **كَانَ ضَرَبَ** (اس ایک مرد نے مارا) صیغہ واحد مذکر غائب۔ **كُنْتُمْ ضَرَبْتُمْ** (تم سب مردوں نے مارا) صیغہ جمع مذکر غائب)

**ماضی منفی:** ماضی مطلق مثبت کے صیغوں پر **مَا** بڑھانے سے ماضی منفی بن جاتی ہے۔ جیسے **مَا جَلَسَ** (وہ نہیں بیٹھا) **مَا فَتَحَ** (اس نے نہیں کھولا) وغیرہ۔

Scanned with CamScanner

# فعل مضارع

**فعل مضارع معروف:** جس فعل میں موجودہ اور آئندہ دونوں زمانے سمجھے جائیں وہ مضارع کہلاتا ہے۔ ماضی کی طرح مضارع بھی تین وزن پر آتا ہے۔ جو یہ ہیں:-
(1) یَفْعَلُ (2) یَفْعِلُ (3) یَفْعُلُ جیسے فَتَحَ کا مضارع یَفْتَحُ (وہ کھولتا ہے یا کھولے گا) ضَرَبَ کا مضارع یَضْرِبُ (وہ مارتا ہے یا مارے گا) اور کَرُمَ کا مضارع یَکْرُمُ (وہ بزرگ ہوتا ہے یا ہوگا) ہوتا ہے۔ مضارع کے بھی چودہ صیغے مستعمل ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

## گردان مضارع معروف

| | | |
|---|---|---|
| یَفْتَحُ | وہ کھولتا ہے | واحد مذکر غائب |
| یَفْتَحَانِ | وہ دو مرد کھولتے ہیں | تثنیہ مذکر غائب |
| یَفْتَحُوْنَ | وہ سب کھولتے ہیں | جمع مذکر غائب |
| تَفْتَحُ | وہ کھولتی ہے | واحد مونث غائب |
| تَفْتَحَانِ | وہ دو عورتیں کھولتی ہیں | تثنیہ مونث غائب |
| یَفْتَحْنَ | وہ سب کھولتی ہیں | جمع مونث غائب |
| تَفْتَحُ | تو کھولتا ہے | واحد مذکر حاضر |
| تَفْتَحَانِ | تم دو کھولتے ہو | تثنیہ مذکر حاضر |
| تَفْتَحُوْنَ | تم سب کھولتے ہو | جمع مذکر حاضر |
| تَفْتَحِیْنَ | تو کھولتی ہے | واحد مونث حاضر |
| تَفْتَحَانِ | تم دو عورتیں کھولتی ہو | تثنیہ مونث حاضر |
| تَفْتَحْنَ | تم سب کھولتی ہو | جمع مونث حاضر |
| اَفْتَحُ | میں کھولتا ہوں' میں کھولتی ہوں | واحد مذکر' مونث متکلم |
| نَفْتَحُ | ہم کھلوتے ہیں' ہم کھولتی ہیں | تثنیہ و جمع مذکر' مونث متکلم |

**فعل مضارع مجہول:** مضارع معروف کو مجہول بنانا ہو تو علاماتِ مضارع (ی' ت' ا' ن) کو پیش اور آخری حرف سے پہلے حرف کو زبر دی جاتی ہے۔ جیسے یَضْرِبُ (وہ مارتا ہے) سے یُضْرَبُ (وہ مارا جاتا ہے یا مارا جائے گا) یَفْتَحُ (وہ کھولتا ہے) سے یُفْتَحُ (وہ کھولا جائے گا) وغیرہ۔



اب ہم ذیل میں فعل مضارع کے چند صیغے درج کرتے ہیں جو سورۃ البقرۃ کے پہلے 20 رکوع میں استعمال ہوئے ہیں:-

| فعل مضارع | ترجمہ | صیغہ |
|---|---|---|
| یُؤْمِنُوْنَ | وہ ایمان لاتے ہیں | جمع مذکر غائب |
| یُقِیْمُوْنَ | وہ قائم کرتے ہیں | جمع مذکر غائب |
| یُنْفِقُوْنَ | وہ خرچ کرتے ہیں | جمع مذکر غائب |
| یُوْقِنُوْنَ | وہ یقین رکھتے ہیں | جمع مذکر غائب |
| یَقُوْلُ | وہ کہتا ہے | واحد مذکر غائب |
| یُکَذِّبُوْنَ | وہ جھوٹ بولتے ہیں | جمع مذکر غائب |
| یَعْلَمُوْنَ | وہ علم رکھتے ہیں | جمع مذکر غائب |
| یَسْتَهْزِئُ | وہ مذاق کرتا ہے | واحد مذکر غائب |
| یَمُدُّ | وہ ڈھیل دیتا ہے | واحد مذکر غائب |
| تَتَّقُوْنَ | تم ڈرتے ہو | جمع مذکر غائب |
| یُضِلُّ | وہ گمراہ کرتا ہے | واحد مذکر غائب |
| یَهْدِیْ | وہ ہدایت کرتا ہے | واحد مذکر غائب |
| یُوْصَلَ | وہ جوڑا جاتا ہے | واحد مذکر غائب (مضارع مجہول) |
| تَکْفُرُوْنَ | تم کفر کرتے ہو | جمع مذکر حاضر |
| تُرْجَعُوْنَ | تم لوٹائے جاؤ گے | جمع مذکر حاضر (مضارع مجہول) |
| یُفْسِدُ | وہ فساد مچائے گا | واحد مذکر غائب |
| نُسَبِّحُ | ہم پاکی بیان کرتے ہیں | جمع متکلم |
| تَکْتُمُوْنَ | تم چھپاتے ہو | جمع مذکر حاضر |
| یَحْزَنُوْنَ | وہ غمگین ہوں گے | جمع مذکر غائب |
| تَتْلُوْنَ | تم پڑھتے ہو | جمع مذکر حاضر |
| تَعْقِلُوْنَ | تم سمجھتے ہو | جمع مذکر حاضر |
| یَظُنُّوْنَ | وہ یقین کرتے ہیں | جمع مذکر غائب |
| یُقْبَلُ | وہ قبول کیا جائے گا | واحد مذکر غائب (مضارع مجہول) |
| یُؤْخَذُ | وہ پکڑا جائے گا | واحد مذکر غائب (مضارع مجہول) |

| | | |
|---|---|---|
| يُنْصَرُوْنَ | وہ مدد کیے جائیں گے | جمع مذکر غائب (مضارع مجہول) |
| تَشْكُرُوْنَ | تم شکر کرتے ہو | جمع مذکر حاضر |
| تَهْتَدُوْنَ | تم ہدایت پاتے ہو | جمع مذکر حاضر |
| نُؤْمِنُ | ہم ایمان لائیں گے | جمع متکلم |
| يَفْسُقُوْنَ | وہ نافرمانی کرتے ہیں | جمع مذکر غائب |
| تُنْبِتُ | وہ اگاتی ہے | واحد مونث غائب |
| يَقْتُلُوْنَ | وہ قتل کرتے ہیں | جمع مذکر غائب |
| يَعْتَدُوْنَ | وہ زیادتی کرتے ہیں | جمع مذکر غائب |
| اَعُوْذُ | میں پناہ مانگتا ہوں | واحد متکلم |
| تُؤْمَرُوْنَ | تم کو حکم دیا جاتا ہے | جمع مذکر حاضر |
| تَسْقِيْ | وہ پلاتی ہے | واحد مونث غائب |
| تُحْيِيْ | وہ زندگی بخشتا ہے | واحد مونث غائب |
| يَخْرُجُ | وہ نکلتا ہے | واحد مذکر غائب |
| تَطْمَعُوْنَ | تم توقع رکھتے ہو | جمع مذکر حاضر |
| تَعْبُدُوْنَ | تم عبادت کرتے ہو | جمع مذکر حاضر |
| يُرَدُّوْنَ | وہ لوٹائے جائیں گے | جمع مذکر غائب (مضارع) |
| يَسْتَفْتِحُوْنَ | وہ فتح و نصرت کی دعائیں مانگتے ہیں | جمع مذکر غائب |
| يَشَآءُ | وہ چاہتا ہے | واحد مذکر غائب |
| يَوَدُّ | وہ چاہتا ہے | واحد مذکر غائب |
| يُعَلِّمُوْنَ | وہ سکھاتے ہیں | جمع مذکر غائب |
| يَخْتَصُّ | وہ خاص کرتا ہے | واحد مذکر غائب |
| تُرِيْدُوْنَ | تم چاہتے ہو | جمع مذکر حاضر |
| يُبَيِّنُ | وہ ظاہر کرتا ہے | واحد مذکر غائب |
| يَدْخُلُ | وہ داخل ہوگا | واحد مذکر غائب |
| يَحْكُمُ | وہ فیصلہ کردے گا | واحد مذکر غائب |
| يَخْتَلِفُوْنَ | وہ اختلاف کرتے ہیں | جمع مذکر غائب |
| تُسْئَلُ | تجھ سے سوال کیا جائے گا | واحد مذکر حاضر |
| يَنَالُ | وہ پائے گا | واحد مذکر غائب |



| | | |
|---|---|---|
| يَرْفَعُ | وہ بلند کرتا ہے | واحد مذکر غائب |
| نَعْبُدُ | ہم عبادت کرتے ہیں | جمع متکلم |
| نُفَرِّقُ | ہم تفریق کرتے ہیں | جمع متکلم |
| يَتَّبِعُ | وہ پیروی کرتا ہے | واحد مذکر غائب |
| يَنْقَلِبُ | وہ لوٹتا ہے | واحد مذکر غائب |
| يُقْتَلُ | وہ مارا جاتا ہے | واحد مذکر غائب (مضارع مجہول) |
| اَتُوْبُ | میں توبہ قبول کرتا ہوں | واحد متکلم |
| يُنْظَرُوْنَ | ان کو مہلت دی جائے گی | جمع مذکر غائب (مضارع مجہول) |
| يَنْفَعُ | وہ نفع دیتا ہے | واحد مذکر غائب |
| يَنْعِقُ | وہ چلاتا ہے | واحد مذکر غائب |
| تَخْتَانُوْنَ | تم خیانت کرتے ہو | جمع مذکر حاضر |
| تُحْشَرُوْنَ | تم جمع کیے جاؤ گے | جمع مذکر حاضر |
| يَشْرِيْ | وہ فروخت کرتا ہے | واحد مذکر غائب |
| تُرْجَعُ | وہ پھیری جاتی ہے | واحد مونث غائب |

**ماضی استمراری:** مضارع کے پہلے لفظ **کَانَ** لگانے سے ماضی استمراری کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے **کَانَ یَکْتُبُ** (وہ لکھتا تھا یا لکھا کرتا تھا) ماضی استمراری میں فعل کا لگاتار بار بار ہوتا پایا جاتا ہے۔ مضارع کے ہر صیغے سے پہلے **کَانَ** کی ماضی مطلق کی گردان بھی ہوگی۔

**ماضی شکیہ:** ماضی شکیہ جس میں شک وشبہ کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اس کے بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ ماضی مطلق سے پہلے **لَعَلَّ** لگاتے ہیں۔ مثلاً **لَعَلَّ ذَھَبَ** (شائد وہ گیا ہوگا) **لَعَلَّ** اسم ناصب ہے اس لیے **لعل** کے بعد آنے والے اسم پر نصب (زبر) آنا لازمی ہے۔ مثلاً **لعل زَیْدًا خَرَجَ مِنَ الْمَدْرَسَۃِ** (شاید زید مدرسہ سے نکلا ہوگا)۔

**ماضی تمنائی:** ماضی مطلق سے پہلے **لَیْتَ یا لَیْتَمَا** (کاش) لگانے سے ماضی تمنائی بن جاتی ہے۔ مثلاً **لَیْتَ الْقَاضِیَ اَنْصَفَ** (کاش قاضی انصاف کرتا) ماضی تمنائی میں کسی آرزو یا تمنا کی خواہش کی جاتی ہے۔

**ماضی شرطیہ:** ماضی مطلق پر لفظ **لَوْ** (اگر) لگانے سے ماضی شرطیہ بن جاتی ہے۔ مثلاً **لَوْ زَرَعْتَ لَحَصَدْتَ** (اگر تو بوتا تو ضرور کاٹتا) **لَوْ** کے بعد **کَانَ** یا اس کا کوئی صیغہ بھی بڑھا سکتے ہیں۔ اس کے بعد ماضی بھی اور مضارع بھی لا سکتے ہیں۔ لیکن معنی میں تھوڑا سا فرق پیدا ہو جاتا

Scanned with CamScanner

ہے۔

**فعل امر:** جس فعل میں کسی کام کے متعلق کوئی حکم دیا جائے یا درخواست و فرمائش کی جائے اسے فعل امر کہا جاتا ہے۔ عام طور پر حکم اسے دیا جاتا ہے جو حاضر ہو اس لیے اسے "امر حاضر" سے تعبیر کرتے ہیں۔

فعل امر حاضر، مضارع (ت) کو حذف کرنے کے بعد اس کی جگہ الف لگا دیا جائے اور آخری حرف کو ساکن کر دیا جائے۔ اگر تیسرے حرف کی علامت پیش ہو تو "الف" پر پیش لگایا جائے۔ بصورت دیگر الف کے نیچے زیر لگائی جائے۔ جیسے تَفْتَحُ (واحد مذکر حاضر) سے واحد مذکر حاضر کا صیغہ تَفْتَحُ بنتا ہے۔ "ت" کو حذف کرنے کے بعد اس کی جگہ "الف" لگایا جائے اور آخری حرف "ح" کو جزم دی جائے۔ تیسرے حرف "ت" کی علامت زبر ہے، اس لیے "الف" کے نیچے زیر دی جائے۔ اس طرح امر حاضر کا صیغہ واحد مذکر اِفْتَحْ (تو کھول) بنے گا۔ اس طرح یَضْرِبُ سے امر حاضر اِضْرِبْ ۔ اور یَکْتُبُ سے اُکْتُبْ۔ امر حاضر کے چھ صیغے ہوتے ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے:۔

## گردان فعل امر حاضر معروف

| | | |
|---|---|---|
| اُکْتُبْ | تو لکھ | واحد مذکر حاضر |
| اُکْتُبَا | تم دو مرد لکھو | تثنیہ مذکر حاضر |
| اُکْتُبُوْا | تم سب لکھو | جمع مذکر حاضر |
| اُکْتُبِیْ | تو ایک عورت لکھ | واحد مونث حاضر |
| اُکْتُبَا | تم دو عورتیں لکھو | تثنیہ مونث حاضر |
| اُکْتُبْنَ | تم سب عورتیں لکھو | جمع مونث حاضر |

سورۃ البقرۃ سے فعل امر حاضر کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

| فعل امر حاضر | ترجمہ | صیغہ |
|---|---|---|
| اُعْبُدُوْا | تم سب عبادت کرو | جمع مذکر حاضر |
| اُدْعُوْا | تم بلا لاؤ | جمع مذکر حاضر |
| اِتَّقُوْا | تم سب ڈرو | جمع مذکر حاضر |
| بَشِّرْ | تو خوشخبری دے | واحد مذکر حاضر |
| اُسْجُدُوْا | تم سب سجدہ کرو | جمع مذکر حاضر |



| | | |
|---|---|---|
| اُسْکُنْ | تو رہا کر | واحد مذکر حاضر |
| کُلَا | تم دونوں کھاؤ | تثنیہ مذکر حاضر |
| اِهْبِطُوْا | تم سب اترو | جمع مذکر حاضر |
| اُذْکُرُوْا | تم سب یاد کرو | جمع مذکر حاضر |
| اَوْفُوْا | تم سب پورا کرو | جمع مذکر حاضر |
| اٰمِنُوْا | تم ایمان لاؤ | جمع مذکر حاضر |
| اِرْکَعُوْا | تم سب جھکو | جمع مذکر حاضر |
| اِسْتَعِیْنُوْا | تم مدد لو | جمع مذکر حاضر |
| تُوْبُوْا | تم سب توبہ کرو | جمع مذکر حاضر |
| کُلُوْا | تم سب کھاؤ | جمع مذکر حاضر |
| اُدْعُ | تو دعا کر | واحد مذکر حاضر |
| خُذُوْا | تم سب پکڑو | جمع مذکر حاضر |
| اِسْمَعُوْا | تم سب سنو | جمع مذکر حاضر |
| اِصْفَحُوْا | تم درگزر نہ کرو | جمع مذکر حاضر |
| کُنْ | ہو جا | واحد مذکر حاضر |
| اِجْعَلْ | تو کر دے | واحد مذکر حاضر |
| اُرْزُقْ | تو روزی دے | واحد مذکر حاضر |
| اِبْعَثْ | تو بھیج | واحد مذکر حاضر |
| اَسْلِمْ | تو حکم برداری کر | واحد مذکر حاضر |
| اِسْتَبِقُوْا | تم سبقت کرو | جمع مذکر حاضر |
| اِتَّبِعُوْا | تم پیروی کرو | جمع مذکر حاضر |
| قَاتِلُوْا | تم لڑو | جمع مذکر حاضر |
| اَخْرِجُوْا | تم نکالو | جمع مذکر حاضر |
| اَنْفِقُوْا | تم خرچ کرو | جمع مذکر حاضر |
| اَحْسِنُوْا | تم نیکی کرو | جمع مذکر حاضر |
| تَزَوَّدُوْا | تم زاد راہ لے لو | جمع مذکر حاضر |
| اَفِیْضُوْا | تم پھرو | جمع مذکر حاضر |
| اِسْتَغْفِرُوْا | تم بخشش چاہو | جمع مذکر حاضر |

Scanned with CamScanner

**فعل امر غائب:** فعل امر غائب مضارع غائب سے بنتا ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ مضارع کا صیغہ واحد غائب لے کر اس سے پہلے لام مکسور (لِ) لگا دیں اور آخری حرف کو جزم دیں۔ مثلاً یَضْرِبُ سے لِیَضْرِبْ (اسے مارنا چاہیے) نون اعرابی گر جاتی ہے۔

## گردان فعل امر غائب معروف

| | | |
|---|---|---|
| لِیَضْرِبْ | اس ایک آدمی کو مارنا چاہیے | واحد مذکر غائب |
| لِیَضْرِبَا | ان دو آدمیوں کو مارنا چاہیے | تثنیہ مذکر غائب |
| لِیَضْرِبُوْا | ان سب آدمیوں کو مارنا چاہیے | جمع مذکر غائب |
| لِتَضْرِبْ | اس ایک عورت کو مارنا چاہیے | واحد مونث غائب |
| لِتَضْرِبَا | ان دو عورتوں کو مارنا چاہیے | تثنیہ مونث غائب |
| لِتَضْرِبْنَ | ان سب عورتوں کو مارنا چاہیے | جمع مونث غائب |
| لِاَضْرِبْ | مجھے مارنا چاہیے | واحد متکلم مذکر یا مونث |
| لِنَضْرِبْ | ہمیں مارنا چاہیے | جمع متکلم مذکر یا مونث |

**فعل نہی حاضر:** یہ وہ فعل ہے جس میں کسی کام کے نہ کرنے کا حکم دیا جائے۔ یعنی کسی کام سے روکا جائے۔ عام طور پر مخاطب یا حاضر کو نہی کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں اسے فعل نہی حاضر کہا جاتا ہے۔

فعل نہی کے بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ مضارع حاضر کے صیغوں سے پہلے **لَا** لگا دیا جائے اور آخر میں جزم دے دی جائے۔ جیسے تَكْتُبُ (تو لکھے گا) سے **لَا تَكْتُبْ** (تو نہ لکھ) پوری گردان درج ذیل ہے:

## گردان نہی حاضر

| | | |
|---|---|---|
| لَا تَكْتُبْ | تو ایک مرد نہ لکھ | واحد مذکر حاضر |
| لَا تَكْتُبَا | تم دو مرد نہ لکھو | تثنیہ مذکر حاضر |
| لَا تَكْتُبُوا | تم سب مرد نہ لکھو | جمع مذکر حاضر |
| لَا تَكْتُبِىْ | تو ایک عورت نہ لکھ | واحد مونث حاضر |
| لَا تَكْتُبَا | تو دو عورتیں نہ لکھو | تثنیہ مونث حاضر |
| لَا تَكْتُبْنَ | تم سب عورتیں نہ لکھو | جمع مونث حاضر |



اب ذیل میں سورۃ البقرۃ سے فعل نہی حاضر کی چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

| فعل نہی حاضر | ترجمہ | صیغہ |
|---|---|---|
| لَا تُفْسِدُوْا | تم فساد نہ کرو | جمع مذکر حاضر |
| لَا تَجْعَلُوْا | تم نہ بناؤ، تم نہ ٹھہراؤ | جمع مذکر حاضر |
| لَا تَقْرَبَا | تم دونوں قریب نہ جاؤ | تثنیہ مذکر حاضر |
| لَا تَكُوْنُوْا | تم سب نہ ہو جاؤ | جمع مذکر حاضر |
| لَا تَشْتَرُوْا | تم سب نہ بیچو | جمع مذکر حاضر |
| لَا تَلْبِسُوْا | تم نہ ملاؤ، تم گڈمڈ نہ کرو | جمع مذکر حاضر |
| لَا تَقُوْلُوْا | تم نہ کہو | جمع مذکر حاضر |
| لَا تَتَّبِعُوْا | تم پیروی نہ کرو | جمع مذکر حاضر |
| لَا تَاْكُلُوْا | تم نہ کھاؤ | جمع مذکر حاضر |
| لَا تَعْتَدُوْا | تم زیادتی نہ کرو | جمع مذکر حاضر |
| لَا تَحْلِقُوْا | تم نہ مونڈو | جمع مذکر حاضر |
| لَا تُقَاتِلُوْا | تم نہ لڑو | جمع مذکر حاضر |

**فعل نہی غائب:** مضارع غائب سے پہلے **لَا** بڑھا کر لامِ کلمہ کو جزم دینے سے نہی غائب بناتے ہیں۔ **لَا يَنْصُرْ** (وہ مدد نہ کرے)

## واحد اور جمع

تعداد ظاہر کرنے کے لیے عربی زبان میں اس کی تین اقسام ہیں۔

1- واحد جو ایک چیز کو ظاہر کرے۔ جیسے **كِتَابٌ** (ایک کتاب) **وَلَدٌ** (ایک لڑکا)

2- تثنیہ جو دو چیزوں کو ظاہر کرے۔ جیسے **كِتَابَانِ** (دو کتابیں) **وَلَدَانِ** (دو لڑکے)

3- جمع جو دو سے زیادہ ظاہر کرے۔ جیسے **كُتُب** (بہت سی کتابیں) **اَوْلَادٌ** (دو سے زیادہ لڑکے)

**تثنیہ:** تثنیہ بنانے کا عام قاعدہ یہ ہے کہ واحد کے آخر میں "الف اور ن" یا "ی" اور "ن" کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح سے کہ "الف یا ی" سے پہلے حرف پر زبر دیا جاتا ہے۔ اور "ن" کو زیر دی جاتی ہے۔ مثلاً **رَجُلٌ** (ایک مرد) سے تثنیہ **رَجُلَانِ یا رَجُلَيْنِ** (دو مرد) ہوگا۔

Scanned with CamScanner

**جمع:** جمع کی دو قسمیں ہوتی ہیں:-

1- جمع سالم　　2- جمع مکسر

**1- جمع سالم:** یہ وہ جمع ہے جس کے واحد کے آخر میں کچھ اضافہ اس طرح کیا جائے کہ واحد کی صورت قائم رہے۔ جیسے **ظَالِمٌ** (ایک ظالم مرد) سے **ظَالِمُوْنَ** (بہت سے ظالم مرد)

اس مثال میں واحد کے تمام حروف یعنی "ظ' الف' ل" اور "م" کے ساتھ "الف" اور "ن" کا اضافہ کرنے سے جمع بن گئی ہے۔ جمع میں ان حروف کے اعراب بھی وہی رہیں گے جو واحد میں تھے۔

**جمع سالم بنانے کا طریقہ:** اگر واحد مذکور ہو تو اس کے آخر میں "واو رن" یا "ی اور ن" کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح سے "واو رن" کی صورت میں "ی" سے پہلے حرف کو زیر دی جاتی ہے اور "ن" کو زبر۔ جیسے **عَالِمٌ** سے **عَالِمُوْنَ یا عَالِمِیْنَ**۔ اور اگر واحد مونث ہو تو اس کے آخر میں "الف" اور "ت" کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح سے کہ "الف" سے پہلے حرف پر زبر دیا جاتا ہے اور "ت" کو دو پیش یا دو زیر دی جاتی ہیں۔ جیسے **عَالِمَةٌ** سے **عَالِمَاتٌ یا عَالِمَاتٍ**۔

**2- جمع مکسر:** یہ وہ جمع ہے جس میں واحد کے حروف کی صورت میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ اس کے بنانے کا کوئی قاعدہ مقرر نہیں ہے۔ محض اہل زبان سے سن لینے پر موقوف ہے۔ کبھی تو کچھ حروف گھٹا بڑھا دیئے جاتے ہیں اور کبھی محض حرکات و سکنات میں تبدیلی ہو جاتی ہے جیسے **کِتَابٌ** سے **کُتُبٌ**' **نَهْرٌ** سے **اَنْهَرٌ** اور **خَشَبٌ** (لکڑی) سے **خُشُبٌ** وغیرہ۔ جمع مکسر کے بہت سے اوزان مقرر ہیں۔ ذیل میں ہم چند ایسے اوزان تحریر کریں گے جن کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ جہاں ممکن ہوا سورۃ البقرۃ سے مثالیں بھی دی جائیں گی:

(1) **اَفْعَالٌ** جیسے
**اَبْصَارٌ** جو **بَصَرٌ** کی جمع ہے۔
**اَنْدَادٌ** جو **نِدٌّ** (مدمقابل) کی جمع ہے۔
**اَزْوَاجٌ** جو **زَوْجٌ** (جوڑا) کی جمع ہے۔
**اَوْلَادٌ** جو **وَلَدٌ** (لڑکا) کی جمع ہے۔

(2) **فُعُوْلٌ** جیسے
**قُلُوْبٌ** جو **قَلْبٌ** (دل) کی جمع ہے۔
**عُجُوْلٌ** جو **عِجْلٌ** (بچھڑا) کی جمع ہے۔
**عُیُوْنٌ** جو **عَیْنٌ** (چشمہ) کی جمع ہے۔
**بُیُوْتٌ** جو **بَیْتٌ** (گھر) کی جمع ہے۔



**وُجُوْهٌ** جو **وَجْهٌ** (چہرہ) کی جمع ہے۔

(3) **فِعَالٌ** جیسے
**دِیَارٌ** جو **دَارٌ** (گھر) کی جمع ہے۔
**رِیَاحٌ** جو **رِیْحٌ** (ہوا) کی جمع ہے۔
**رِقَابٌ** جو **رَقَبَةٌ** (گردن_ غلام) کی جمع ہے۔
**عِبَادٌ** جو **عَبْدٌ** (بندہ) کی جمع ہے۔

(4) **فُعُلٌ** جیسے
**کُتُبٌ** جو **کِتَابٌ** (کتاب) کی جمع ہے۔
**فُرُشٌ** جو **فِرَاشٌ** (بستر) کی جمع ہے۔
**سُبُلٌ** جو **سَبِیْلٌ** (راستہ) کی جمع ہے۔
**سُحُبٌ** جو **سَحَابٌ** (بادل) کی جمع ہے۔
**نُسُکٌ** جو **نَسِیْکَةٌ** (قربانی کا جانور) کی جمع ہے۔

(5) **اَفْعُلٌ** جیسے
**اَنْفُسٌ** جو **نَفْسٌ** (جان) کی جمع ہے۔
**اَعْیُنٌ** جو **عَیْنٌ** (آنکھ) کی جمع ہے۔
**اَشْهُرٌ** جو **شَهْرٌ** (مہینہ) کی جمع ہے۔
**اَبْحُرٌ** جو **بَحْرٌ** (سمندر) کی جمع ہے۔

(6) **فُعَلَاءُ** جیسے
**سُفَهَاءُ** جو **سَفِیْهٌ** (بیوقوف) کی جمع ہے۔
**شُهَدَاءُ** جو **شَهِیْدٌ** (گواہ) کی جمع ہے۔
**خُلَفَاءُ** جو **خَلِیْفَةٌ** (نائب) کی جمع ہے۔
**عُلَمَاءُ** جو **عَالِمٌ** (عالم) کی جمع ہے۔

(7) **اَفْعِلَاءُ** جیسے
**اَنْبِیَاءُ** جو **نَبِیٌّ** (نبی) کی جمع ہے۔
**اَصْدِقَاءُ** جو **صَدِیْقٌ** (دوست) کی جمع ہے۔
**اَقْرِبَاءُ** جو **قَرِیْبٌ** (قریبی) کی جمع ہے۔
**اَوْلِیَاءُ** جو **وَلِیٌّ** (دوست) کی جمع ہے۔

(8) **فُعْلَانٌ** جیسے
**بُلْدَانٌ** جو **بَلَدٌ** (شہر) کی جمع ہے۔
**فُرْسَانٌ** جو **فَارِسٌ** (سوار) کی جمع ہے۔
**قُضْبَانٌ** جو **قَضِیْبٌ** (شاخ) کی جمع ہے۔

(9) **فَعَالِلُ** جیسے
**زَلَازِلُ** جو **زَلْزَلَةٌ** (بھونچال) کی جمع ہے۔
**کَوَاکِبُ** جو **کَوْکَبٌ** (ستارہ) کی جمع ہے۔

(10) **فَعَالِیْلُ** جیسے
**شَیَاطِیْنُ** جو **شَیطان** (شَیْطَانٌ) کی جمع ہے۔

مَسَاكِيْنُ جو مِسْكِيْنٌ (مسکین) کی جمع ہے۔
سَلَاطِيْنُ جو سُلْطَانٌ (بادشاہ) کی جمع ہے۔

(11) فَعَالِلَةٌ جیسے — مَلٰئِكَةٌ جو مَلَكٌ (فرشتہ) کی جمع ہے۔
تَلَامِيْذَةٌ جو تِلْمِيْذٌ (شاگرد) کی جمع ہے۔
اَسَاتِذَةٌ جو اُسْتَاذٌ (استاد) کی جمع ہے۔

(12) مَفَاعِلُ جیسے — قَوَاعِدُ جو قَاعِدَةٌ (بنیاد، دیوار) کی جمع ہے۔
مَسَاجِدُ جو مَسْجِدٌ (مسجد) کی جمع ہے۔
مَنَاسِكُ جو مَنْسَكٌ (طریقہ) کی جمع ہے۔

(13) مَفَاعِيْلُ جیسے — مَفَاتِيْحُ جو مِفْتَاحٌ (چابی) کی جمع ہے۔
مَكَاتِيْبُ جو مَكْتُوْبٌ (خط) کی جمع ہے۔

(14) اَفْعِلَةٌ جیسے — اَطْعِمَةٌ جو طَعَامٌ (کھانا) کی جمع ہے۔
اَسْلِحَةٌ جو سِلَاحٌ (اسلحہ) کی جمع ہے۔

## مذکر اور مونث

(1) مذکر۔ (2) مونث۔ جیسے مَلِكٌ (بادشاہ) مذکر ہے اور مَلِكَةٌ (ملکہ) مونث ہے۔

### اسمائے مونث کی پہچان:

1- اسم مذکر کے آخر میں "ت اور ہ" لگانے سے اسم مونث بن جاتا ہے۔ جیسے اِبْنٌ (بیٹا) سے اِبْنَتُہٌ (بیٹی) حَسَنٌ (خوبصورت مرد) سے حَسَنَتُہٌ (خوبصورت عورت) وغیرہ۔

2- بعض اسمائے مونث فَعْلٰى اور فَعْلَاءُ کے وزن پر آتے ہیں۔ جیسے حُسْنٰى (بہت خوبصورت عورت) اور زَهْرَاءُ (آب و تاب والی) وغیرہ۔

3- بعض اسمائے مونث ایسے ہیں۔ جن میں مذکورہ بالا تینوں علامتوں میں سے کوئی بھی علامت نہیں ہوتی۔ لیکن اس کے باوجود انہیں مونث تسلیم کیا جاتا ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

(الف) جو اسم کسی عورت پر بولا جائے جیسے اُمٌّ (ماں) عَرُوْسٌ (دلہن) مَرْيَمُ (نام عورت) وغیرہ۔

(ب) ملکوں کے نام جیسے مِصْرُ (ملک مصر) اَلشَّامُ (ملک شام) اَلرُّوْمُ (ملک روم) وغیرہ۔

(ج) جسم انسانی کے وہ اعضاء جو جوڑا جوڑا ہیں۔ جیسے يَدٌ (ہاتھ) اُذُنٌ (کان) عَيْنٌ (آنکھ) وغیرہ۔



(د) بہت سے دیگر الفاظ جو عربی لغت کی کتابوں میں مونث تصور کے جاتے ہیں۔ ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

اَرْضٌ (زمین) حَرْبٌ (لڑائی) خَمْرٌ (شراب) دَارٌ (گھر) رِيْحٌ (ہوا) سُوْقٌ (بازار) شَمْسٌ (سورج) نار (آگ) نَفْسٌ (جان)

4- بعض اسموں کے آخر میں "ۃ" ہوتی ہے۔ مگر ان کا استعمال مذکر کی مانند ہے کیونکہ وہ مردوں کے لیے بولے جاتے ہیں۔ مثلاً طَرَفَةٌ (ایک شاعر کا نام) خَلِيْفَةٌ (نائب۔ بادشاہ) عَلَّامَةٌ (بہت بڑا عالم)

اب ہم ذیل میں سورۃ البقرۃ میں سے چند اسماء مذکر اور مونث کی پہچان کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| كِتَابٌ | (کتاب | مذکر | اَلضَّلٰلَةُ | (گمراہی) | مونث |
| غِشَاوَةٌ | (پردہ) | مونث | تِجَارَةٌ | (تجارت) | مونث |
| عَذَابٌ | (سزا) | مذکر | جَنَّةٌ | (باغ) | مونث |
| لَيْلَةٌ | (رات) | مونث | نِعْمَةٌ | (نعمت) | مونث |
| صَعِقَةٌ | (بجلی کی کڑک) | مونث | شَفَاعَةٌ | (سفارش) | مونث |
| طَيِّبَةٌ | (پاک چیز) | مونث | فِتْنَةٌ | (آزمائش) | مونث |
| قَرْيَةٌ | (بستی) | مونث | زَوْجَةٌ | (بیوی) | مونث |
| زَوْجٌ | (خاوند) | مذکر | ذِلَّةٌ | (ذلت) | مونث |
| وَلَدٌ | (لڑکا) | مذکر | مَسْكَنَةٌ | (محتاجی) | مونث |
| بَيْتٌ | (گھر) | مونث | مَوْعِظَةٌ | (نصیحت) | مونث |
| اُمَّةٌ | (جماعت) | مونث | بَقَرَةٌ | (گائے یا بیل) | مذکر۔مونث |
| حُجَّةٌ | (دلیل) | مونث | بِكْرٌ | (بچھیا) | مونث |
| فُلْكٌ | (کشتی) | مذکر۔مونث | صَفْرَاءُ | (زرد رنگ) | مونث |
| حَسَنَةٌ | (نیکی) | مونث | قَوْلٌ | (بات) | مذکر |
| بِرٌّ | (نیکی) | مذکر | عِزَّةٌ | (عزت یا غلبہ) | مونث |

# ضمیمہ

# برائے طلباء و طالبات
# فیڈرل بورڈ اسلام آباد

## فقہ اسلامی کے نامور فقہی ائمہ اربعہ

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (القرآن)

"اور جسے حکمت و دانائی عطا کی گئی، بیشک اسے بہت بھلائی عطا کی گئی"۔

مَنْ تَفَقَّهَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ كَفَاهُ اللّٰهُ هَمَّهٗ وَ رَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الحدیث)

"جو اللہ تعالیٰ کے دین میں مہارت حاصل کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی دور کرے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جو اس کے وہم و گمان میں نہ ہو"۔

**فقہ :** فقہ کے لفظی معنی فہم و ادراک کے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فقہ کی وضاحت ان اشارات سے کی ہے۔ مثلاً

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (الحدیث)

"اللہ تعالیٰ جس کے لیے بھلائی کا ارادہ کر لیتے ہیں، اسے دین کی سوجھ بوجھ عطا فرماتے ہیں"۔

آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن عباس کے حق میں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الدِّيْنَ وَ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ

"اے اللہ اس کو دین کا علم عطا فرما اور دین میں فہم و ادراک عطا کر"۔

چنانچہ شرعی اصطلاح میں فقہ مخصوص فہم سے حاصل کردہ اس علم کو کہتے ہیں جو قرآن مجید اور احادیث نبوی ﷺ اور اجماع خلفائے راشدین سے ماخوذ ہو۔

امام ابو حنیفہؒ کی نسبت فقہ کی تعریف یہ ہے: **هُوَ مَعْرِفَةُ النَّفْسِ مَا لَهَا وَمَا عَلَيْهَا** یعنی کل علوم دینیہ کی معرفت۔ گویا فقہ شریعت کے ان (دینی اور دنیوی) عملی احکام کا علم ہے جو تفصیلی دلائل سے ثابت ہوں۔



## آئمہ فقہ

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور نظام زندگی ہے۔ عقائد و نظریات اور عبادات سے لے کر زندگی کے اخلاقی و معاشرتی اور معاشی و سیاسی مسائل تک میں وہ ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن مجید نے زندگی کے لیے جن اصولوں اور قوانین کی تعلیم دی ہے ان کی وضاحت اور توضیح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشاد و عمل سے فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی احکام کی وضاحت و تشریح بھی فرماتے تھے اور ان کی روشنی میں لوگوں کے سوالات کے جوابات بھی دیتے تھے۔ نزول احکام میں قلت تکلیف اور عدم حرج کا لحاظ رکھا گیا یعنی لوگوں پر کم سے کم بار ڈالا جائے اور زندگی میں تنگی کی بجائے آسانی و فراخی پیدا کی جائے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم بھی احکام کی وضاحت میں اس کا لحاظ فرماتے۔

صحابہ کرام کے عہد میں اجتہاد کی ضرورت خاص طور سے پیش آنے لگی۔ جس کی اجازت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کے سامنے جب کوئی مسئلہ آتا تو وہ سب سے پہلے کتاب اللہ کی طرف رجوع کرتے۔ اگر کتاب اللہ میں اس بارے میں کوئی واضح حکم نہ ملتا تو سنت رسولؐ میں اس کو تلاش کیا جاتا۔ اگر سنت رسول میں بھی انہیں اس بارے میں کوئی رہنمائی نہ ملتی تو وہ کتاب و سنت کی روشنی میں اس مسئلے پر غور کرتے۔ پھر اگر کسی امر میں ان کے درمیان اتفاق ہو جاتا تو وہ اجماع شرعی حجت کی حیثیت اختیار کر لیتا۔ اجماع نہ ہونے کی صورت میں صحابہ میں مفتیان کرام اپنے اپنے اجتہاد سے مسئلہ کا استنباط کرتے۔ عام طور پر لوگ اپنے اپنے شہر کے مفتیان کرام کی پیروری کرتے۔

اسلامی فتوحات کی وجہ سے جب اسلام کا دائرہ نہایت وسیع ہو گیا اور ایسے واقعات پیش آنے لگے کہ جن میں اجتہاد کی ضرورت تھی اور جب اجتہاد و استنباط سے کام لیا تو اس سلسلے میں ان کے درمیان اختلافات بھی پیدا ہوئے۔ ان اختلافات کو کم کرنے کے لیے ضروری تھا کہ احکام و قوانین کی باقاعدہ تدوین کی جائے اور فقہ کے اصول و ضوابط مرتب کیے جائیں۔

دوسری صدی ہجری میں فقہ کے مشہور آئمہ کا دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں اہل سنت میں فقہ کے چھ بڑے بڑے امام پیدا ہوئے، جن کے ناموں پر اوزاعی، مالکی، حنفی، شافعی، حنبلی اور ظاہری مکاتیب فکر نے رواج پایا۔ ان میں سے اوزاعی اور ظاہری مکتبہ فکر تو مرور زمانہ کے ساتھ ختم ہو گئے لیکن باقی چاروں مذاہب (مسلک) دنیا کے مختلف حصوں میں ابھی تک رائج ہیں۔ ذیل میں ہم ان فقہی مذاہب اور ان کے آئمہ کا ایک اجمالی سا تذکرہ کرتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

# امام المحدثین والفقہاء ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ

**اسم گرامی:** آپؒ کا اسم گرامی نعمانؒ تھا۔ آپؒ تابعین میں سے ہیں۔

**کنیت:** امام اعظمؒ کی کنیت ابو حنیفہ تھی۔ امامؒ صاحب کی یہ کنیت حقیقی نہیں وصفی تھی یعنی ابوالملۃ الحنفیہ۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ارشاد فرمایا:

**فَاتَّبِعُوْا مِلَّۃَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا** (آل عمران:10)

سو ابراہیمؑ کے طریقہ کی پیروی کرو جو ایک خدا کے ہو رہے تھے۔

اسی بنا پر امام اعظمؒ نے اپنی کنیت ابو حنیفہ اختیار کی۔

**القابات:** سراج امت، امام اعظم، الامام، الحافظ، احد الاسلام، شیخ الاسلام، سید الحفاظ، الحافظ الکبیر، الفرد، کثیر الحدیث وغیرہ وغیرہ۔ (تذکرۃ الحفاظ)

**ولادت:** بعض ائمہ کے نزدیک امام ابو حنیفہؒ کی ولادت باسعادت 40 ہجری میں ہوئی لیکن بعض کے نزدیک 61 ہجری میں ہوئی لیکن بروایت ابو داؤد الطیالسیؒ، امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا: میں 80 ہجری میں پیدا ہوا۔ صحابی رسول اکرم عبداللہؓ بن انیس جب 94 ہجری میں کوفہ میں آئے تو میں چودہ برس کا تھا کہ میں نے ان سے یہ حدیث لی۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**حُبُّکَ الشَّیْئَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ** کسی چیز کی محبت تجھ کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

**آباؤ اجداد:** آپؒ کے آباؤ اجداد نے کابل (ان دنوں اہل فارس (ایران) کے زیر نگین تھا) سے ہجرت کی اور کوفہ میں آباد ہوئے۔ اس طرح آپؒ فارسی النسل کوفی ہیں۔

شجرۂ نسب اس طرح سے ہے: نعمان (ابو حنیفہؒ) بن ثابت بن نعمان (زوطی) بن ماہ (المرزبان)

ماہ اور المرزبان دراصل القاب ہیں، اصل نام نہیں۔ ماہ اور المرزبان دونوں ہم معنی ہیں یعنی بزرگ و سردار اور وہ کسی کی غلامی میں نہ تھے۔

**آپ کے لیے حضرت علیؓ کی دعا:** جب امام ابو حنیفہ کے والد بزرگوار ثابت پیدا ہوئے تو آپ کے دادا زوطی ان کو حضرت علیؓ خلیفہ چہارم کی خدمت اقدس میں لائے تو آپ نے بزرگانہ شفقت فرمائی اور ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور یقیناً امام ابو حنیفہؒ حضرت علیؓ کی دعا کا ہی نتیجہ تھے۔

**آپ کے حق میں حضور اکرم ﷺ کی پیشین گوئی:** ایک روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اگر علم ثریا تک بھی پہنچ جائے تو اہل فارس میں سے



ایک شخص اس کو حاصل کر لے گا"۔ نیز ایک موقع پر فرمایا: **ھو سراج امتی** یعنی وہ میری امت کے چراغ ہوں گے۔ "کشف المحجوب" میں ہے کہ ایک رات امام اعظمؒ نے خواب دیکھا کہ آپؒ رسول پاک ﷺ کی ہڈیوں کو قبر اطہر و انور میں اکٹھا کر رہے ہیں اور ان میں سے بعض کو چن رہے ہیں۔ اس کی تعبیر امام محمد بن سیرین نے یہ بتائی کہ آپؒ حضور اکرم ﷺ کے علم اور سنت کی حفاظت اور اس کی توسیع و اشاعت کی بدولت بلند مرتبہ پر فائز ہوں گے۔ اس میں مہارت تامہ حاصل کریں گے۔ صحیح کو ضعیف سے جدا کریں گے۔

صاحب "کشف المحجوب مزید فرماتے ہیں: حضور اکرمؐ نے خواب میں فرمایا "اے ابو حنیفہ، قضاء القدر نے تمہیں میری سنت کے زندہ کرنے کا سبب بنا دیا ہے۔ تم گوشہ نشینی نہ کرو۔

صاحب کشف المحجوب مزید فرماتے ہیں "میں ملک شام میں حضرت بلالؓ کے روضہ اقدس پر سو رہا تھا کہ اپنے آپ کو مکہ مکرمہ میں موجود پایا اور دیکھا کہ حضور اکرمؐ ایک بوڑھے شخص کو بچوں کی طرح اٹھائے باب شیبہ سے اندر تشریف لائے۔ میں نے دوڑ کر قدم بوسی کی اور میرے تعجب پر فرمایا کہ یہ تمہارے ملک کے مسلمانوں کے امام "ابو حنیفہ" ہیں۔

حضرت یحییٰؒ بن معاذ نے خواب میں پیغمبر پاکؐ کی زیارت کرتے ہوئے عرض کیا "یا رسول اللہ! **اَیْنَ اَطْلُبُکَ** یعنی آپؐ کو میں کہاں تلاش کروں۔ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا "**عِنْدَ عِلْمِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ**" یعنی ابو حنیفہ کے علم کے پاس مجھے تلاش کرو!

**ذریعہ معاش:** امام ابو حنیفہ کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ آپؒ ایک خاص قسم کا ریشمی کپڑا بنایا کرتے اور اسی کی تجارت فرماتے۔ بات کی سچائی اور معاملے کی صفائی میں معروف تھے۔

## تحصیل علم

**کوفہ کی علمی حیثیت:** کوفہ حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے محرم 17 ہجری بمطابق 638ء حیرہ کے قریب دریائے فرات کے مغربی کنارے بابل شہر کے کھنڈرات کے مخالف کنارے پر بسایا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس شہر کو چھاؤنی کے طور پر تعمیر کروایا اور یہاں یمن سے بارہ ہزار، نزار سے آٹھ ہزار باشندوں کو لا کر آباد کیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں کوفہ کی صورت حال یکسر بدل گئی۔ جناب فاروق اعظمؓ نے کوفہ کو رمح اللہ (اللہ تعالیٰ کا نیزہ، کنز الایمان (ایمان کا خزانہ) اور جمجمۃ العرب (عرب کا سر) قرار دیا اور جب خط لکھتے تو اس عنوان، الیٰ راس الاسلام (مدینہ منورہ) الیٰ راس العرب (کوفہ) سے لکھتے۔ 40 ہجری میں جب امیر المومنین خلیفہ چہارم حضرت علیؓ نے مرکز اسلام مدینہ کو خیرباد کہہ کر کوفہ کو دارالخلافہ بنایا تو سینکڑوں صحابہ کرامؓ مدینہ سے کوفہ منتقل ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ میں سے ایک ہزار پچاس افراد قدسی جن میں سترہ یا چوبیس اصحابؓ بدر اور تین

سو اصحابؓ بیعت رضوان شامل تھے' ان حضرات محترمؒ کی موجودگی میں کوفہ علم و فضل کا گہوارہ بن گیا۔

ام سفیانؒ بن عینیہ (المتوفی 198 ہجری) کا مقولہ ہے کہ "حلال و حرام یعنی فقہ کا مرکز کوفہ ہے"۔ امام عجلیؒ کے مطابق "کوفہ ڈیڑھ ہزار جلیل القدر حضرات صحابہ کرامؓ کے نقش پا سے بابرکت ہو چکا تھا"۔

## تحصیل علم کی تحریک

**حفظ قرآن مجید:** قرآن مجید امامؒ صاحب نے مشہور قاری امام القراۃ عاصمؒ الکوفی سے حفظ کیا۔ امام عاصمؒ کا قول ہے **اَتَیْتَنَا صَغِیْرًا وَّ اَتَیْنَاکَ کَبِیْرًا** یعنی آپؒ ہمارے پاس چھوٹے آتے تھے اور ہم آپؒ کے بڑے ہونے پر آئے۔ امام عاصمؒ مشہور قاری حفصؒ کے استاد ہیں جن کی قرات کی روایت سے ہم قرآن مجید پڑھتے ہیں۔

**تعلیم حدیث:** ایک دن بازار جا رہے تھے کہ آپؒ کی ملاقات کوفہ کے مشہور امام شعبیؒ سے ہو گئی۔ مشہور تابعی امام شعبیؒ کی ترغیب سے (جنہوں نے پانچ سو حضرات صحابہ کرامؓ کے دیدار سے آنکھوں کو منور کیا تھا اور ان سے فیضان حاصل کیا تھا) علم حدیث اور علم دین حاصل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا اور اس وقت کے جلیل القدر محدثین عظامؒ اور فقہائے کرام سے علم حاصل کر کے بلند مقام حاصل کر لیا تھا۔

آپؒ کا سن مبارک چودہ سال (94 ہجری میں) تھا کہ صحابیؓ رسولﷺ اکرم عبداللہؓ بن انیس سے کوفہ میں یہ حدیث سنی۔ "**حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَ يُصِمُّ** (کسی چیز کی محبت آپ کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے)" پندرہ سال کے سن مبارک (95 ہجری) میں مشہور صحابی خادم رسولﷺ اللہ حضرت انسؓ بن مالک کی زیارت سے بصرہ میں مشرف ہوئے۔ سولہ سال کی عمر (96 ہجری) میں مسجد الحرام مکہ مکرمہ میں حج کے موقع پر صحابیؓ رسول اکرمﷺ حضرت عبداللہؓ بن الحارث بن جزی الزبیدی کے حلقہ درس حدیث میں بیٹھے اور یہ حدیث سنی "**مَنْ تَفَقَّهَ فِي دِيْنِ اللّٰهِ كَفَاهُ اللّٰهُ هَمَّهٗ وَ رَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ** یعنی جو اللہ تعالیٰ کے دین میں مہارت حاصل کر لیتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کی پریشانی دور کرے گا اور اس کو وہاں سے رزق دے گا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہو گا۔

## شیوخ حدیث

امام اعظمؒ' امام ابو حنیفہؒ نے کئی ایک صحابہ کرام کی زیارت سے اپنا قلب و نظر روشن کیا۔ "درمختار" نیز "خلاصۃ الکمال فی اسماء الرجال" کے مطابق ان نفوس قدسیہؓ کی تعداد 26 ہے۔ ان



میں سے حضرت انس بن مالک' حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ' حضرت سہیل بن سعد' حضرت عدی' حضرت ابو طفیل' حضرت عامر بن واثلہ' حضرت جابر بن عبداللہ' حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین قابل ذکر ہیں۔ نیز ان مذکورہ حضراتؓ میں سے پہلے چھ حضراتؓ سے احادیث کی روایت بھی کی ہے۔

صحابہ کرامؓ کے بعد جن اکابر تابعین سے تحصیل علم الحدیث کیا' ان کی تعداد تقریباً چار ہزار ہے۔ حدیث کے بارے میں امامؒ موصوف کی شرائط بڑی سخت اور کڑی تھیں۔ چنانچہ امام سفیان ثوریؒ (المتوفی 161 ہجری) فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ صرف وہی حدیثیں لیتے تھے جو ان کے نزدیک صحیح اور ثقات سے مروی ہوتی تھیں۔

## علم الکلام کی طرف توجہ

علم الکلام کی تحصیل کے لیے قدرتی ذہانت اور مذہبی معلومات کا ہونا ضروری ہے اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کو قدرت نے اس سے مالا مال فرمایا تھا۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ نے اس فن میں وہ کمال حاصل کیا کہ بڑے بڑے اساتذۂ فن ان سے جی چراتے تھے۔ بصرہ میں اباضیہ' صفریہ' حشویہ وغیرہ فرقوں سے اکثر بحثیں ہوئیں لیکن ہمیشہ غالب و کامران رہے۔

## فقہ سے دلچسپی

امام اعظمؒ علم الکلام کے ان مناظروں سے اکتا گئے کیونکہ صحابہ کرامؓ ان بحثوں سے ہمیشہ دور رہے' حالانکہ ان باتوں کی حقیقت' جن میں یہ خارجی الجھے ہوئے تھے' ان حضراتؓ سے زیادہ کون سمجھ سکتا تھا۔ آپ کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ایک دن ایک عورت نے آ کر مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے طریق پر طلاق دینا چاہتا ہے' کیونکر دے۔ خود تو نہ بتا سکا' عورت کو ہدایت کی کہ امام حمادؒ بن سلیمان سے' جن کا حلقہ درس قریب ہی ہے' جا کر پوچھے۔ یہ بھی کہہ دیا کہ حضرت حمادؒ جو کچھ بتائیں' مجھ سے کہتی جانا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئی اور کہا "حضرت حمادؒ نے یہ جواب دیا"۔ مجھ کو سخت عبرت ہوئی اور تہیہ کر لیا کہ فقہ جو مذہبی علم کی جان ہے' کو ضرور حاصل کیا جائے۔

**حضرت حمادؒ بن سلیمان کی شاگردی:** کوفہ میں فقہ کے امام حضرت حمادؒ بن سلیمان تھے۔ بس ان کے درس میں شمولیت اختیار کی۔ حضرت حمادؒ بن سلیمان' حضرت انسؓ بن مالک خادم رسول اللہ اور بڑے بڑے تابعین کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے۔ آئمہ فن حضرت معمرؒ بن کرام (المتوفی 155 ہجری) اور شعبہؒ بن الحجاج مصری بھی اس درس گاہ کے فیض یافتہ تھے۔

استاد محترمؒ کسی خاص مسئلہ پر زبانی گفتگو کرتے' جس کو شاگرد زبانی یاد کر لیتے یا کبھی لکھ بھی لیا

Scanned with CamScanner

کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ پہلے دن بائیں صف میں بیٹھے کیونکہ مبتدیوں کے لیے یہ امتیاز عموماً قائم رکھا جاتا تھا لیکن امام ابو حنیفہؒ کی محنت و لگن اور ذہانت کے پیش نظر حکم ہوا کہ ابو حنیفہؒ سب سے آگے بیٹھا کریں۔

پھر زمانے نے وہ وقت بھی دیکھا جب حضرت حمادؒ بن سلیمان کو تعزیت کے لیے ایک مرتبہ بصرہ جانا پڑا تو وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کو اپنا جانشین مقرر فرما گئے۔ چنانچہ تلامذہ اور ارباب حاجت نے امام ابو حنیفہؒ کی طرف رجوع کیا۔

امام موصوف کا قول ہے کہ بہت سے ایسے مسائل درپیش آئے، جن میں استاد سے میں نے کوئی روایت نہ سنی تھی، اس لیے اپنے اجتہاد سے جوابات دیے۔ دو ماہ بعد جب امام حمادؒ تشریف لائے تو کل ساٹھ مسائل میں سے بیس میں غلطیاں نکالیں، باقی کی نسبت فرمایا کہ تمہارے جوابات صحیح ہیں۔

حضرت حمادؒ بن سلیمان (المتوفی 120 ہجری) کے انتقال کے بعد کوفہ میں فقہ میں سب سے ممتاز حیثیت کے مالک آپؒ ہی تھے۔

## امام ابو حنیفہؒ کی فقاہت:

امام موصوفؒ فقہ کے مہمات میں مصروف ہوئے اور دقیق فقہی مسائل کا کافی ذخیرہ فراہم کر دیا، جو ان کی دقت نظر، جدت ذہن، حاضر دماغی اور وسعت خیالی کے شاہد عدل ہیں۔

حضرت امام شافعی (المتوفی 202 ہجری) فرماتے ہیں کہ تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحابؒ سے خوشہ چینی کریں۔ علامہ ابن خلدون کے مطابق فقہ میں امام موصوفؒ کا پایہ اتنا بلند تھا کہ کوئی دوسرا ان کا نظیر نہیں ہو سکا اور ان کے ہم عصروں، حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے بھی ان کی فقاہت کا اقرار کیا ہے۔

امام یحییٰؒ بن سعید القطان (المتوفی 233 ہجری) بھی امام ابو حنیفہؒ کی رائے کے مطابق فتویٰ صادر کیا کرتے تھے۔

محمدؒ بن فضل بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ امام موصوف ایک حدیث کی تحقیق کے لیے مشہور محدث حضرت خصیبؒ کے پاس گئے تو حضرت خصیب نے ان کو آتے دیکھا، تو اٹھ کر استقبال کیا، تعظیم سے اپنے برابر جگہ دی۔

مکۃ المکرمہ کے مشہور محدث عمروؒ بن دینار، ابو حنیفہؒ کے ہوتے ہوئے حلقہ درس میں اور کسی طرف خطاب نہیں کرتے تھے۔ بروایت عبداللہ بن مبارکؒ، امام مالکؒ کے پاس ایک بزرگ تشریف لائے تو امامؒ نے ان کی بہت تعظیم کی اور اپنے برابر جگہ دی۔ ان کے جانے کے بعد امامؒ نے فرمایا "یہ ابو حنیفہ عراقی تھے جو اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں



تو کر سکتے ہیں"۔

**تدریس:** کوفہ میں مسند تدریس سنبھالی تو قرآن و سنت سے مستنبط فقہی احکام کی تعلیم کے حلقہ درس میں جلیل القدر تابعین آپؒ سے دینی مسائل میں فتویٰ لیتے تھے اور آپؒ پر اعتماد کرتے تھے۔ فقہ میں مندرجہ ذیل تلامذہ نے فقہی امام کے طور پر شہرت عام اور خواص پائی۔ یعقوب بن ابراہیم انصاری ملقب بہ امام قاضی ابو یوسفؒ (المتوفی 182 ہجری) اور امام محمدؒ بن الحسن (المتوفی 189 ہجری) المشہور امام محمدؒ، امام زفرؒ (المتوفی 158 ہجری) امام الحسنؒ بن زیاد 204 ہجری ہیں۔

## علمی مجلس شوریٰ:

امام ابو حنیفہؒ نے ہزاروں شاگردوں میں سے چالیس آئمہ منتخب کیے جو مجتہدین تھے ان کو علمی مجلس شوریٰ کا ممبر بنایا، جس کے سیکرٹری امام ابو یوسفؒ تھے۔

امام ابو حنیفہؒ دینی مسائل اس مجلس میں پیش فرماتے اور بحث و مناظرہ اور تحقیق و تفتیش کے بعد وہ مسائل منضبط ہوتے۔ مجلس شوریٰ کی تاسیس امام ابو حنیفہؒ کا ایک منفرد عمل تھا۔

**مذہب حنفی کی تاسیس:** حنفی مذہب کی تاسیس (i) امام صاحبؒ کی کتابیں اور فتاویٰ۔ (ii) علمی مجلس شوریٰ کے فیصلے اور نامور شاگردوں کی تصانیف اور آراء پر مبنی ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا پیشہ صرف اور صرف خدمت رسول اکرمؐ جس کے فیض رحمت سے آپؓ بہت بڑے عالم اور فقیہ بنے۔ عہد عثمانی میں مدرس مسجد نبویؐ مقرر کیے گئے، ان کے شاگردوں حضرت علقمہؒ نخعی، مسروق الہمدانیؒ، قاضی شریحؒ اور ان کے شاگردوں ابراہیم النخعیؒ عامر الشعبیؒ، حمادؒ بن ابی سلیمان پھر ان کے شاگرد رشید امام ابو حنیفہؒ نعمان بن ثابت نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی وہ اسلامی تعلیمات لوگوں کو سکھائیں جو اس جلیل القدر صحابیؓ رسولؐ خدا نے اپنی ساری زندگی حضور اکرمؐ کی خدمت اقدس میں صرف کر کے سیکھی تھی اور یہی اسلامی تعلیم مذہب حنفی کے نام سے مشہور ہوئی۔

"گویا مذہب حنفی کوئی نیا مذہب نہیں بلکہ رسول اکرمؐ کا وہ دین ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر نازل فرمایا"۔

## اجتہاد و فتویٰ کا طریقہ:

(i) امام ابو حنیفہؒ کسی مسئلے کا جواب قرآن مجید سے اخذ کرنے کی کوشش کرتے۔

(ii) کتاب اللہ سے جواب نہ ملنے کی صورت میں سنت رسول اکرمؐ کی طرف رجوع فرماتے اور اس بات پر نظر رکھتے کہ حضور اکرمؐ کا آخری عمل کیا تھا، یا آخری رائے کیا تھی۔

Scanned with CamScanner

جب حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کا عامل نامزد کر کے آپؐ نے بھیجنا چاہا تو حضرت معاذؓ کا امتحان ہوا کہ اے معاذؓ ذرا یہ تو بتاؤ لوگوں کے درمیان فیصلہ کیسے کرو گے، تو جواب میں انہوں نے یہ دو ذرائع قرآن و سنت کے یکے بعد دیگرے ذکر فرمائے۔ پھر پوچھا، اگر قرآن و سنت خاموش ہوں تو پھر۔ عرض کی کہ اجتہاد یعنی قیاس کروں گا۔ حضور اکرمؐ خوش ہوئے اور دعا دی۔ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث بھی قیاس سے افضل ہے گویا امام موصوفؒ کا طریقہ اجتہاد حضور اکرمؐ کی سنت کے عین مطابق تھا۔

(iii) اگر احادیث نبویہؐ سے فیصلہ نہ ہو سکتا تو پھر فقہائے صحابہ کرامؓ و تابعینؒ کے اقوال اور فیصلے تلاش کرتے (یعنی اجماع امت) ہاں البتہ تابعین کے بارے میں ارشاد فرمایا کرتے **هُمْ رِجَالٌ وَنَحْنُ رِجَالٌ** یعنی وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں کیونکہ وہ خود بھی تابعیؒ تھے، چنانچہ آپؒ کا ارشاد ہے۔

1- **اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبِیْ**۔ یعنی میرے مذہب کا دارومدار صحیح حدیث پر ہے۔

2- **اُتْرُکُوْا قَوْلِیْ بِخَبَرِ الرَّسُوْلِ وَاَقْوَالِ الصَّحَابَةِ**۔ میرے قول کو حدیث نبویؐ اور اقوال صحابہؓ کے مقابلے میں ترک کر دو۔

3- کسی معاملے پر فقہاء کا اجماع ہوتا تو اسی کو قبول کر لیتے۔

4- اگر کسی طرف سے جواب نہ ملتا تو قیاس کی طرف آتے۔ قیاس میں وسعت کی بنا پر ہی آپؒ پر الزام لگا کہ یہ قیاس کو نص پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور ان کا اپنا قول ہے کہ ہم پر الزام ہے کہ ہم نص پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ نص کی موجودگی میں قیاس نہیں، چنانچہ قیاس و اجتہاد کی بنا پر ہی آپؒ کے مسلک کو اہل الرائے کا مذہب کہا گیا۔

5- امام اعظمؒ دین میں جھگڑے اور نزاع کو ناپسند کرتے تھے لیکن فقہی معاملات میں رائے کو مستحسن جانتے تھے۔

## فقہ حنفی کی خصوصیات:

فقہ حنفی اپنی مندرجہ ذیل خصوصیات کی وجہ سے مقبول خاص و عام ہے۔

### (i) شرف اولیت و تقدم:

امام ابو حنیفہ کی طبیعت ابتدا سے ہی مجتہدانہ تھی اور خارجی سے علم الکلام اور علم مناظرہ نے اس کو اور چار چاند لگائے۔ کاروباری عملی زندگی نے معاملات فہمی کا ذوق و شعور بخشا۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہ کی ترغیب اور تفصیل کا کام کیا۔ قیاس کے اصول وضع کیے تاکہ قاضی صاحبان جو غلطیاں کرتے ہیں، ان کا خاتمہ کیا جا سکے۔ یہ کام بائیس سالہ محنت شاقہ کے بعد چالیس



افراد پر مشتمل مجلس شوریٰ نے سرانجام دیا۔

### (ii) شورائیت:

مسلک حنفی محض رائے اور اجتہاد کو فوقیت دینے کی بجائے ایسے علوم و فنون کے ماہرین اور محققین کے مشوروں سے مرتب و مدون ہوا، جن کا علم و فضل، دانائی و پارسائی، فہم و فراست مسلمہ تھی۔

### (iii) کثرت مسائل:

امام اعظمؒ کی چالیس افراد پر مشتمل "مجلس تدوین فقہ" نے باہمی تحقیق و تفتیش، بحث و مباحثہ کے بعد 38 ہزار مسائل عبادات اور 45 ہزار مسائل معاملات پر مشتمل "کتب ابی حنیفہ" کے نام سے فقہی مجموعہ تیار کیا۔

### (iv) تقدیری مسائل کا پیشگی حل:

اس فقہ میں آئندہ پیش آنے والے امکانی مسائل کا حل پیش کیا ہے۔ حضرت قیسؒ بن ربیع کے مطابق امام ابو حنیفہؒ امکانی مسائل سب لوگوں سے زیادہ جانتے تھے۔ ان سے پہلے کسی فقیہ نے یہ انداز تحقیق و تفتیش نہ اپنایا تھا۔

### (v) شرف قبولیت:

فقہ حنفی کو مقبولیت خواص و عام ہوئی۔ اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ شیخ محمد طاہر صاحب مجمع البحار کے مطابق "اگر مذہب حنفی میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت کا راز پوشیدہ نہ ہوتا تو نصف یا قریباً نصف مسلمان اس کے پیروکار نہ ہوتے"۔

### (vi) اسلامی حکومتوں کا قانون:

فقہ حنفیہ کو بلاد مشرق و مغرب میں قانونی حیثیت حاصل ہے۔

**سرکاری عہدوں سے انکار اور عقوبتیں:** ہشام نے 125 ہجری میں وفات پائی۔ اس کے بعد ولید بن یزید، یزید الناقص، ابراہیم بن ولید، مروان الحمار یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ مروان الحمار نے یزید بن عمر بن ہبیرہ کو عراق کا گورنر بنایا تو اس نے امام موصوفؒ کو لیاقت و دیانتداری اور خواص و عوام میں شہرت کی بنا پر میر منشی اور افسر خزانہ کے سرکاری عہدہ جات پیش کیے، جن کو قبول نہ کرنے کی پاداش میں دس درے روزانہ کی سزا ملنے پر بھی مسلسل انکار سے تنگ آ کر یہ حکم واپس لے لیا گیا۔

132 ہجری میں بنو امیہ کی حکومت ختم ہو گئی اور بنو عباس کا دور حکومت آیا۔ ابوالعباس

Scanned with CamScanner

السفاح کے بعد 136 ہجری میں اس کا بھائی المنصور عباسی تخت نشین ہوا۔

**سادات اور علویوں کی حمایت اور عقوبتیں:** السفاح اور المنصور سادات اور علویوں کی دشمنی میں اس قدر دور نکل گئے کہ حضرت محمدؒ بن ابراہیمؒ کو زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ ان مظالم سے تنگ آکر 165 ہجری میں محمد نفسؒ ذکیہ نے مدینہ میں خروج کیا اور جرات و دلیری سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ اس کے بعد ان کے بھائی ابراہیمؒ نے علم بغاوت بلند کیا اور شجاعت و بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ حضرت امام اعظمؒ نے ابراہیمؒ کی ہر ممکن مدد و تائید کی جس سے المنصور عباسی آپؒ کے خلاف ہوگیا۔

المنصور عباسی آپؒ کی طبیعت اور حالات و واقعات سے باخبر تھا۔ اس نے امام موصوف کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کیا اور قسم دلائی کہ آپؒ اس عہدے کو ضرور قبول کریں، لیکن آپؒ کے انکار پر 146 ہجری میں آپؒ کو قید کر دیا گیا۔ بلاشبہ اس قید کے پیچھے سیاسی اسباب میں سے سادات و علویوں کی حمایت کرنا بھی شامل تھی۔

## قید میں تدریس:

امام ابو حنیفہ قید و بند کی صعوبتوں میں بھی علم کی شمع روشن کیے ہوئے تھے۔ امام محمدؒ جو فقہ حنفی میں امام موصوفؒ کے دست و بازو ہیں، نے قید خانے میں ہی تحصیل علم جاری رکھا۔

**وصال امام ابو حنیفہؒ:** رسول پاکؐ کا ارشاد ہے اَشَدَّ النَّاسِ بَلَاءِ الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَ مِثْلُ یعنی سب سے زیادہ تکالیف انبیاء علیہم السلام پر وارد ہوتی ہیں، پھر جو ان کے قریب ہو اور جو اس کے قریب ہو۔ چنانچہ 150 ہجری کو امام موصوفؒ کو بے خبری میں زہر دے دیا گیا۔ جب آپؒ کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں خدا تعالیٰ کو پیارے ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

قاضی شہر حسن بن عمارہ نے غسل دیا۔ پہلی بار نماز جنازہ میں تقریباً 50 ہزار لوگوں نے شرکت کی۔ یہاں تک چھ مرتبہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ آخر پر آپؒ کے صاحبزادے حماد بن ابو حنیفہؒ نے نماز جنازہ ادا فرمائی۔ حضرت الخطیبؒ کے مطابق عصر کے بعد دفن کرنے سے بیس دن تک لوگ نماز جنازہ پڑھتے رہے۔

**تصانیف:** الفہرست میں ابن ندیم نے امام ابو حنیفہؒ کی چار کتابوں "الفقہ الاکبر"۔ "عثمان البستی کے نام خط"۔ "العالم والمتعلم"۔ "الرد علی القدرنیہ" کے نام گنوائے ہیں۔ باقی تصانیف زمانے کی دستبرد سے محفوظ نہ رہ سکیں۔



# امام مالک بن انسؒ اصبحی

**اسم گرامی:** آپؒ کا اسم گرامی مالک تھا اور آپؒ تبع تابعین میں سے ہیں۔

**کنیت:** آپؒ کی کنیت عبداللہ تھی۔

**القابات:** آپؒ کا لقب "شیخ الکل" "امام دار الہجرۃ"

**آباؤ اجداد:** آپؒ کے آباؤ اجداد یمن سے ترک وطن کر کے قبول اسلام کے بعد مدینۃ النبی میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپؒ کا سلسلہ نسب یوں ہے امام ابو عبداللہ مالک بن انس بن مالک بن ابی عامرؒ بن عمرو بن الحارث الاصبحی ہے۔ پردادا ابو عامرؒ بن عمرو جلیل القدر صحابی رسول اللہ ہیں۔ آپؓ نے غزوہ بدر کے علاوہ باقی تمام غزوات میں حضور اکرمؐ کا ساتھ دیا۔

امام مالکؒ یمن کے آخری خاندان شاہی یعنی "حمری شاخ" "اصبح سے تعلق رکھتے تھے۔

**تحصیل علم:** امام مالکؒ نے ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو علم کی آغوش میں پایا خود گھر اور گھر سے باہر تمام شہر علماء و فضلاء کا گہوارہ تھا۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ حضرت عبداللہؓ بن عباس، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت زید بن ثابت (کاتب وحی) کی درسگاہیں اسی شہر میں آباد تھیں۔

اس طرح امام مالکؒ کے اساتذہ اور مشائخ میں زیادہ تر مدینہ طیبہ کے بزرگان دین شامل تھے۔ آپ کے اساتذہ کی تعداد 300 تابعین اور 600 تبع تابعین بتائی جاتی ہے اور علم فقہ میں آپؒ کے استاد مکرم ربیعہ بن فرخ الرائی اور نافعؒ مولیٰ عبداللہ بن عمر تھے۔

**فقہائے سبعہ:** حضرت ابوبکر بن حارث (المتوفی 94 ہجری)، خارجہ بن زید (المتوفی 99 ہجری)، سالمؒ بن عبداللہ (المتوفی 101 ہجری)، سعید بن مسیب (المتوفی 101 ہجری)، عبیداللہ بن عتبہ (المتوفی 102 ہجری)، سالم بن عبداللہ (المتوفی 106 ہجری)، سلیمانؒ بن یسار (المتوفی 107 ہجری) فقہا سبعہ کہلائے۔ صحابہ کرامؓ کے بعد تمام فتاویٰ مسائل اور مقدمات و قضایا انہیں کے فیصلے سے طے پاتے تھے۔ ان کی اجتماعی مجلس عدالت العالیہ تھی۔

**تدریس:** اپنے عظیم المرتبت اور مشائخ سے علم الحدیث کی سند لینے کے بعد درس و تدریس کی طرف مائل ہوئے اور اس قدر کمال حاصل کیا کہ فتاویٰ میں ایک ضرب المثل بن گئے۔ **لا یفتی و مالک فی المدینۃ** یعنی امام مالکؒ کے ہوتے ہوئے دوسرا کوئی فتویٰ دینے کا مجاز نہیں۔

**درس حدیث:** سترہ برس کی عمر سے درس حدیث دینا شروع کیا۔ درس حدیث کے لیے خاص اہتمام فرماتے۔ غسل کرتے، عمدہ لباس زیب تن کرتے، خوشبو لگاتے، انگیٹھی میں عود و لوبان سلگاتے رہتے۔ نہایت عجز و انکساری، انہماک سے درس دیتے۔ یہاں تک کہ پہلو بھی نہ

بدلتے۔ ایک مرتبہ درس کے دوران چہرہ کا رنگ سرخ و زرد ہونا شروع ہوا مگر درس کا تسلسل نہیں توڑا۔ بعد از درس قمیص ہٹا کر دیکھا تو ایک بچھو ڈنک مارنے میں مصروف تھا۔ فرمایا کہ اس تکلیف پر میرا صبر کرنا محض رسول اکرمؐ کی تعظیم کی وجہ سے تھا۔

**تلامذہ:** حضرت امام مالکؒ نے مدینہ میں مستقل سکونت اختیار فرمائی۔ سوائے حج اور زیارت بیت اللہ کے مدینہ منورہ سے باہر نہ گئے۔ چنانچہ امام مالک نے ان کے مشائخ معاصرین اور عام تلامذہ سبب قسم کے لوگوں نے احادیث روایت کی ہیں۔

**مشائخ:** مشائخ میں ابن شہابؒ الزہری، یحییٰؒ بن سعید انصاری اور یزیدؒ بن عبداللہ بن الہاد شامل ہیں۔

**معاصرین:** معاصرین میں امام اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ، ورقاء بن عمر الشعبہ بن الحجاج، ابن جریج، ابراہیمؒ بن طہمانؒ، لیثؒ بن سعد اور ابن عیینہ شامل ہیں۔

**علماء کی نظر میں آپ کا مقام:** امام شافعیؒ فرماتے ہیں امام مالکؒ علماء کے درمیان میں ایک روشن ستارہ ہیں۔ اگر امام مالکؒ اور سفیانؒ بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز مقدس سے علم رخصت ہو جاتا۔ امام ابو حنیفہؒ بھی آپ کی علمی عظمت اور ثقاہت سے بہت متاثر تھے۔

اسحاقؒ بن ابراہیم فرماتے ہیں جس چیز پر حضرات سفیانؒ ثوری، امام مالکؒ اور امام اوزاعی متفق ہوں وہ سنت ہے۔ خواہ اس باب میں صریح نص وارد ہو یا نہ ہو۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ متعدد خصائل میں یکتائے روزگار تھے۔ اول طول عمر و علو روایت، دوم ذہن ثاقب اور وسعت علم، سوم ان کی روایات کی حجیت پر اتفاق آئمہ، چہارم دین داری، تقویٰ اور اتباع سنت، پانچواں فقہ اور فتویٰ میں تقدیم۔

**آل علیؓ سے محبت کی سزا:** مدینہ منورہ میں آل علیؓ کے ایک بزرگ حضرت محمدؒ بن عبداللہ کی بیعت کا فتویٰ کمال جرات و بہادری سے دیا۔ جس کی پاداش میں عباسی خلیفہ منصور نے گورنر مدینہ جعفر بن سلیمان کے ذریعے ستر کوڑے لگوائے۔ مشکیں اس زور سے کس دی گئیں کہ ہاتھ بازو سے جدا ہو گیا۔ اونٹ پر تذلیل و تشہیر کے لیے سوار کروایا۔ لیکن آپؒ بلند آواز سے اعلان فرماتے لوگو! جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے۔ جو نہیں جانتا وہ جان لے میں ابو عامر مالکؒ بن انس اصبحی ہوں۔ میرا مسلک یہ ہے کہ طلاق مکرہ یا جبری طلاق کوئی چیز نہیں۔ جب گورنر مدینہ تک خبر پہنچی تو آپؒ کو اونٹ سے اتارنے کا حکم جاری کیا۔

**طریق فتویٰ و اجتہاد:**

1- امام مالکؒ اپنے اجتہاد میں قرآن مجید کے بعد احادیث نبویؐ پر اعتماد کرتے ہیں۔ وہ صحیح



السند حدیث خواہ وہ خبر واحد ہی ہو سے مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔

2- امام موصوفؒ ان احادیث کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں جن پر اہل مدینہ عمل پیرا اور متفق ہوں۔

3- اگر پھر بھی مسئلہ حل نہ ہو تو مستند یا ثقہ صحابہ کرامؓ کے اقوال پر عمل کرتے۔

4- نص قطعی کی عدم موجودگی میں قیاس کے ذریعے اجتہاد کرتے جس کا مقصد معاشرتی مفاسد کو دور کر کے شرعی مقاصد کی حفاظت کرنا ہے۔

**مذہب مالکی کی تاسیس:** شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی تالیف میں لکھتے ہیں "امام مالکؒ اپنی فقہ کی بنیاد کتاب اللہ کے بعد اولاً" حدیث نبویہ، ثانیاً" حضرت عمر فاروقؓ کے فیصلوں، ثالثاً" عمرؒ بن عبدالعزیز کے فتاویٰ پر اور رابعاً" فقہائے مدینہ کی آراء پر رکھتے ہیں"۔

**عشق مصطفیٰؐ:** آپؒ کو مدینتہ الرسولؐ کا انتہائی ادب و احترام تھا۔ ذرے ذرے کو عقیدت کی نظر سے دیکھتے۔ رسول اکرمؐ کے نقش پا کی بے حرمتی کے خیال سے ہمیشہ گلیوں کے کنارے کنارے اور دیواروں کے ساتھ ساتھ چلتے۔ صرف فریضہ حج ادا کرنے کے لیے مکہ تشریف لے گئے۔ اس خیال سے مدینہ سے باہر نہ جاتے کہ دیار نبیؐ سے دور موت نہ آ جائے۔ یہاں تک کہ رفع حاجت کے لیے حدود مدینہ سے باہر جاتے اور فوری واپس مدینہ آ جاتے۔ ادب و احترام کی مثال آپ تھے۔ کتاب کا ورق بہت آہستہ آہستہ الٹتے مبادا اوراق الٹنے کی آواز سرکار مدینہؐ تک نہ پہنچ جائے اور بے ادبی کا مرتکب ہو جاؤں۔ مسجد نبویؐ میں درس کے دوران آواز پست رکھتے اور اونچی آواز سے سوالات کرنے والوں کو جواب نہ دیتے۔ حتیٰ کہ اونچی آواز سے بولنے پر ایک مرتبہ خلیفہ منصور کو ڈانٹ دیا۔

## فقہ مالکی کی امتیازی خصوصیات

**متوقع مسائل میں سکوت:** امام ابو حنیفہؒ کے برعکس امام مالکؒ ایسے واقعات و مسائل کے بارے میں فتویٰ جاری نہیں کرتے تھے جو ابھی پیش نہیں آئے۔ آپؒ کا ارشاد ہے "جو واقعہ رونما ہوا اس کے بارے میں سوال کرو اور جو پیش نہ آئے۔ اس کے بارے کچھ مت دریافت کرو"۔

**مجلس شوریٰ پر فقہ کی بنیاد:** حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور حکومت میں مدینہ میں ایک علمی مجلس شوریٰ قائم ہو چکی تھی۔ جس میں تابعین میں سے جید علماء و فقہاء و مشائخ کے فیصلے موجود تھے۔ امام مالکؒ نے اپنی فقہ کی بنیاد اسی مجلس شوریٰ کے فقہی فیصلہ جات "فقہ مدینہ" پر رکھی۔

Scanned with CamScanner

**عالم اسلام میں مقبولیت:** فقہ مالکی اسلامی مرکز علم و عرفان مدینۃ النبی سے ابھری جو سارے حجاز میں پھیلتی ہوئے عالم اسلام میں پھیل گئی۔ جب کہ فقہ حنفی آدھی دنیا میں پھیلی اور افریقہ واندلس میں اس کا کوئی پیروکار نہیں اس کے برعکس فقہ مالکیؒ کے مقلدین اور متبعین تقریباً دنیا کے ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔

**خواص کی فقہ:** فقہ مالکیؒ کو عوام و خواص میں جو مقبولیت حاصل ہے اس کی بنا پر اسے "خواص کی فقہ" کا نام دیا جاتا ہے۔ کیونکہ آپؒ کے تلامذہ اور استفادہ کرنے والوں میں امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام نسائیؒ، امام محمدؒ بن حسن شیبانیؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ بن حنبل اور امام ذہبیؒ جیسے لوگ شامل ہیں۔

**تالیف موطا امام مالکؒ:** فن حدیث میں سب سے پہلے جو کتاب مدون ہوئی وہ موطاء امام مالکؒ ہے۔ امام شافعی کے قول کے مطابق "کتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر اس سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں"۔ موطاء امام مالکؒ کی تدوین حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اشارے پر ہوئی۔

**دیگر تصانیف:** موطاء امام مالکؒ کے علاوہ رسالہ مالک الی الرشید، احکام القرآن، المدونۃ الکبریٰ، رسالہ مالک الی ابن مطرف، اسالہ مالک الی ابن وہب، کتاب الاقضیہ تفسیر القرآن اور کتاب السنائل زیادہ مشہور ہوئیں۔

**سفر آخرت:** صفر 179 کے آخری عشرے میں تین ہفتے شدید بیمار رہے۔ مرض کی شدت میں تخفیف نہ ہوئی۔ بالآخر جسم کی حرارت آہستہ آہستہ سرد ہونے لگی۔ خدا تعالیٰ کے حضور گریہ جاری تھا متحرک تھے کہ 86 سال کی عمر میں ربیع الاول کے دوسرے عشرہ میں جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مدینہ کے والی عبداللہ بن محمد ہاشمی خود جنازہ میں شریک ہوا اور امام موصوفؒ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔



# امام ابو عبداللہ محمدؒ بن ادریس شافعیؒ

**اسم گرامی:** آپؒ کا اسم گرامی محمدؒ ہے۔ آپ تبع تابعین میں سے ہیں۔

**کنیت:** آپؒ کی کنیت ابو عبداللہؒ ہے۔

**القاب:** آپؒ کا لقب ناصر الحدیث، ناصر السنۃ

**ولادت:** آپؒ صوبہ عسقلان کے گاؤں غزہ میں 150 ہجری میں پیدا ہوئے۔

**آباؤ اجداد:** چاروں فقہی اماموں میں سے امام شافعی کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ القریشی، الہاشمی اور المطلبی ہیں۔ سلسلہ نسب عبدالمطلب پر حضور اکرم سے مل جاتا ہے۔ سلسلہ نسب اس طرح سے ہے۔

ابو عبداللہ محمدؒ بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب بن عبد مناف ان میں ایک بزرگ شافع کی وجہ سے شافعی کہلائے۔

آپ کے والد محترم ادریس بن العباس مدینہ منورہ کے قریب ایک قصبہ "تبالہ" کے رہنے والے تھے۔ پھر مدینہ منورہ چلے آئے۔ معاشی کش مکش کی وجہ سے شام پہنچ کر عسقلان میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ کے والد محترم آپ کی ولادت سے چند دن پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ اس طرح یتیمی میں ہی آنکھ کھولی۔

**دعا و بشارت نبی رحمت عالمؐ:** حضور اکرمؐ نے پروردگار کی خدمت میں دعا فرمائی "اَللّٰھُمَّ اِھْدِ قُرَیْشًا فَاِنَّ عَالِمَھَا یَمْلَأُ طَبَقَ الْاَرْضِ یعنی اے پروردگار قریش کو ہدایت دے بے شک قریش کا ایک عالم تمام روئے زمین کو علم سے بھر دے گا"۔ حافظ ابو نعیم کے مطابق اس دعا کے مصداق حضرت امام شافعی ہی ہیں۔

آپؒ فرماتے ہیں کہ "خواب میں نبی اکرمؐ کو خانہ کعبہ میں نماز پڑھاتے دیکھا۔ فراغت کے بعد میں، حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بھی کچھ سکھایئے۔ آپؐ نے اپنی آستین سے میزان (ترازو) نکال کر عطا فرمائی اور فرمایا "تیرے لیے میرا یہ عطیہ ہے"۔ اس کی تعبیر یہ بتلائی گئی کہ حضور اکرمؐ کی سنت مطہرہ کی نشر و اشاعت میں امام ہو گے۔

**تحصیل علم:** بچپن سے ہی ذہانت و متانت خدا تعالیٰ کی طرف سے ودیعت تھی۔ چنانچہ سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ پھر دس سال کی عمر میں والدہ محترمہ نے مکۃ المکرمہ تحصیل علم کے لیے بھیجا۔ آپ مکہ المکرمہ میں مسلم بن خالد زنجی میں تین سال رہے اور فقہ و حدیث کی تکمیل کی۔ پھر ان کی اجازت سے امام مالکؒ کی خدمت اقدس میں مدینہ تشریف لے

Scanned with CamScanner

آئے۔ تین سال ان کی خدمت میں حاضر رہے۔ امام صاحب نے نصیحت فرمائی "اے محمدؒ بن ادریس خدا سے ڈرتے رہنا۔ عنقریب تمہاری شان بڑی نمایاں ہوگی"۔

**علوم دینیہ کی طرف توجہ کی وجہ:** دینی علوم کی توجہ کا واقعہ امام شافعیؒ خود بیان کرتے ہیں کہ "میں اشعار سے شغف رکھتا تھا اور عرب بدوؤں سے سماع کرتا تھا۔ ایک دن میں ذوق و شوق سے لبید کے اشعار پڑھ رہا تھا کہ ناگاہ ایک حبی نے مجھے نصیحت کی کہ اشعار میں پڑکر کیوں وقت برباد کرتے ہو جاؤ فقہ کا علم حاصل کرو"۔ امام موصوف فرماتے ہیں "میرے دل پر اس بات کا بڑا اثر ہوا اور میں نے مکہ المکرمہ جاکر ابن عینیہ سے نوٹ لینے شروع کردیے۔ پھر مسلمؒ بن خالد زنجی کی مجلس میں آیا"۔

**اساتذہ و مشائخ:** امام شافعی کو اپنے زمانہ میں بہترین افاضل اور یگانہ روزگار افاضل سے استفادہ کا شرف حاصل ہوا۔ مثلاً مسلمؒ بن خالد زنجی، امام مالکؒ بن انس، ابراہیم بن سعد، سعیدؒ وغیرہ۔

فقہ میں آپؒ کے اساتذہ یوں تو کافی ہیں مگر امام ابو حنیفہؒ کے ایک شاگرد رشید امام محمدؒ بن حسن شیبانی علامہ حصکفیؒ کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام شافعیؒ خود فرماتے ہیں **اَمَنَّ النَّاسِ عَلَیَّ فِی الْفِقْهِ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ** جس شخص کا فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان ہے وہ امام محمد بن حسن شیبانی ہیں"۔

**تلامذہ اور شاگرد:** یوں تو امام موصوفؒ کے تلامذہ، شاگردوں اور آپؒ سے احادیث روایت کرنے والوں کی تعداد بے شمار ہے مگر ربیع بن سلیمان کے مطابق میں نے ایک وقت میں حدیث و فقہ کی تحصیل کرنے والوں کی سات سو سواریاں کھڑی دیکھیں۔ ان میں مندرجہ ذیل زیادہ مشہور و معروف ہیں۔

حضرت امام احمدؒ بن حنبل، امام حمیدیؒ استاد محترم امام بخاریؒ، حرملہؒ بن یحیٰ، سلیمانؒ بن داؤد ہاشمی، ابو ثورؒ ابراہیم بن خالد بن یمان کلبی بغدادی، ابو علی حسینؒ بن علی کرابیسی، احمدؒ بن یحیٰ بن عبدالعزیز بغدادی، یوسفؒ بن یحیٰ بوبطی مصری، ربیع بن سلیمان، اسماعیلؒ بن یحیٰ مزنی، ابو ابراہیمؒ اسحٰقؒ بن راہویہ، ابو الولید موسیٰؒ بن جارود مکی، یونس بن عبدالاعلیٰ، ابو یحیٰ محمدؒ بن سعید بن غالب عطار شامل ہیں۔

**سادات اور آل علیؓ کے حامیان پر عقوبتیں:** ہارون الرشید نے اپنے سابقہ خلفاء منصور و مہدی کی طرح سادات اور آل علیؓ یعنی فاطمی اور علوی سادات پر ظلم و ستم جاری رکھا۔ یمن میں امام شافعیؒ کا بڑا اثر و رسوخ تھا۔ حق بات کی تلقین کرنا آئمہ محدثین اور مشائخ



کرامؒ کا شعار رہا ہے۔ چنانچہ آپؒ عمال کو ہمیشہ رشوت و ظلم، جانبداری اور کسی آڑ کی وجہ سے فیصلے کرنے سے روکتے تھے۔ در پردہ ایسے بد طینت اور بد نفس عمال بھی آپؒ کے خلاف سازشوں میں حصہ لیتے رہتے تھے۔ عامل یمن نے خلیفہ ہارون الرشید کو لکھا اگر آپ کو یمن کی خیریت مطلوب ہو تو امام شافعیؒ کو ملک بدر کر کے سزا دیجئے۔ اس شخص کا یہاں بہت اثر و رسوخ ہے۔ یہ ملک میں سادات کا خاندان خلافت کا خواب دیکھ رہا ہے اور چونکہ امام شافعیؒ خود بھی ہاشمی قریشی ہیں اس لیے خیال ہے کہ سادات کو ان کی مکمل حمایت حاصل ہوگی"۔

چنانچہ خلیفہ ہارون الرشید نے حماد بربری کو حکم دیا کہ "تمام سادات کو مع حضرت امام شافعیؒ کو گرفتار کر کے رقہ میرے پاس بھیج دو" حکم کی تعمیل ہوئی۔ ہارون الرشید نے حکم دیا کہ "دس دس سید روزانہ قتل کرتے رہو" چنانچہ ہارون الرشید کے سامنے روزانہ دس شہید کیے جاتے۔ ایک دن آپؒ کی باری قتل تھی کہ آپؒ نے ہارون الرشید کے سامنے ایک پرمغز تقریر فرمائی۔ ہارون الرشید کانپ اٹھا اور آپ کی رہائی کا حکم جاری کیا۔

**مقام و مرتبہ:** امام شافعی کی علمی خدمات اور عبادت و ریاضت ان کی جلالت شان کے پیش نظر ان کی معاصرین اور متاخرین نے فراخ دلی سے خراج تحسین پیش کیا ہے۔

امام احمدؒ بن حنبل کا قول ہے تیس سال سے میری کوئی رات ایسی نہیں گزری جس رات میں میں امام شافعی کے لیے دعا نہ کرتا ہوں۔

ابو عبید فرماتے ہیں "میں نے امام شافعیؒ سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا"۔

امام مسلم کا قول ہے امام شافعی کا شمار ان فقہائے عظام میں ہے جو لائق اتباع ہیں۔

## فقہ شافعی کی خصوصیات

**مقبولیت:** مقبولیت کے اعتبار سے مذہب حنفی کے بعد مذہب شافعی کا درجہ ہے۔ شافعی فقہ کا ذوق و شوق سے مطالعہ ہوتا ہے۔ مشرق وسطیٰ، افریقہ، وسط ایشیا کے بعض حصوں میں اس وقت بھی شافعی مذہب کو ہی اقتدار حاصل ہے۔

**فقہ حنفی اور مالکی کا حسین امتزاج:** مذہب شافعیؒ کا مسلک عراقی (حنفی) اور حجازی (مالکی) مسلک کے بین بین ہے۔ بلکہ ان پر ناقدانہ نظر کر کے محاکمہ کیا اور جداگانہ فقہی مسلک کی بنیاد رکھی۔ اس طرح فقہ شافعی، فقہ حنفی اور مالکی کا ایک حسین امتزاج ہے۔

**حدیث و سنت سے مذہب شافعی میں استدلال:** یوں تو دیگر مذاہب میں بھی حدیث و سنت کا پایہ مسلم ہے اور انہیں نہایت وقعت دیتے ہیں مگر حدیث سے حجیت کے ضمن میں

امام شافعیؒ احادیث کی قبولیت کے لیے بمقابلہ مالکی یا حنفی مذہب کے آسان شرائط عائد کرتے ہیں۔ ان کے ہاں خبر واحد کی قبولیت کی شرط صرف یہی کافی ہے کہ راوی ثقہ اور معتبر ہو اور اس سلسلہ میں رسول اکرمؐ تک پہنچتا ہو۔ یعنی متصل السند ہو۔ منقطع وغیرہ نہ ہو۔

**ادبی محاسن:** قرآن مجید و حدیث کے بعد امام شافعیؒ اپنی فقہ میں لغت و ادب کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ ان کی فقہی تصانیف ایجاز و اختصار اور فصاحت و بلاغت کا ایک بے مثل شاہکار ہے۔

**اجماع شرعی حجت ہے:** مذہب شافعی میں کتاب و سنت کے بعد اجماع کا درجہ ہے اور شرع میں اسے حجت تسلیم کرتے ہیں۔ آپؒ کی فقہ میں اہل مکہ کے عمل کو خصوصی مقام حاصل ہے۔ جس طرح امام مالک کی فقہ اہل مدینہ کے عمل کو باعث حجت تسلیم کرنے سے ان کے نزدیک اجماع عمل میں سنت کے قائم مقام ہے۔

**قیاس میں استدلال:** مذہب شافعیؒ میں قیاس یا اجتہاد کو شرعی دلیل ہونے کی حیثیت میں ایک مستقل درجہ حاصل ہے۔ اگر ان کی زیادہ توجہ کتاب و سنت کے نصوص پر رہی۔ ان کے نزدیک عمروؓ بن العاص کی روایت کے مطابق مجتہد کو دوہرا اجر ملتا ہے اور اگر اس سے غلط اجتہاد ہو جائے تو پھر بھی اسے ایک اجر ملتا ہے۔

## طریق فتویٰ و اجتہاد

1- امام شافعیؒ کے نزدیک اجتہاد میں قرآن مجید کے بعد احادیث مبارکہ کا ذکر آتا ہے۔

2- احادیث سے استنباط کے لیے وہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کی طرح کڑی شرائط کی بجائے نرم شرائط رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک خبر واحد بھی قابل دلیل ہے۔ بشرطیکہ راوی ثقہ ہو اور سند متصل ہو۔

3- ان کے نزدیک اجماع صحابہ و امت بھی قابل عمل ہے۔ اور یہ اجماع سنت کا قائم مقام ہوتا ہے۔

4- مذہب شافعیؒ میں قرآن و حدیث اور اجماع کے بعد قیاس یا اجتہاد کو شرعی دلیل ہونے کی حیثیت میں ایک مستقل درجہ حاصل ہے۔

5- مذہب شافعیؒ میں مندرجہ بالا دلائل کے علاوہ کسی دلیل شرعی کو حجت تسلیم نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ مذہب حنفی میں مصلحت عامہ کے پیش نظر قیاس کو چھوڑ کر "استحسان" کو اور مذہب مالکیہ میں قیاس کو چھوڑ کر "مصالح مرسلہ" کو اختیار کیا جاتا ہے، امام شافعیؒ ان دونوں دلائل کا رد بڑی شدومد سے پیش کرتے ہیں۔



## تصانیف:

آئمہ مجتہدین میں سے امام شافعیؒ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے خود اپنے مذہب کی تدوین کی۔ اس کے اصول و ضوابط مرتب کیے، خود بھی کتابیں تصنیف کیں اور تلامذہ کو بھی املا کرائیں۔ ان کتب میں "کتاب الرسالہ"۔ "ادلہ احکام"۔ "کتاب الام"۔ "کتاب المبسوط"۔ "اختلاف الحدیث" زیادہ مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ امام شافعیؒ کی روایات کی جمع وہ مسند شافعی ہے، جو ان احادیث کا مجموعہ ہے، جنہیں خود امام موصوفؒ نے اپنے شاگردوں کے سامنے مع سند بیان کیا۔ اس میں ترتیب نہ مسانید کے اعتبار سے ہے نہ ابواب کے لحاظ سے، بلکہ اس میں کیف ما اتفق احادیث کو جمع کر دیا گیا ہے، اسی وجہ سے اس مجموعہ میں احادیث کا تکرار بہت زیادہ ہے۔

## وصال امام شافعیؒ:

امام شافعیؒ پوری زندگی ملت اسلامیہ کی خدمت کرتے رہے۔ خونی بواسیر کی بیماری سے بہت کمزور نحیف ہو چکے تھے۔ 54 سال کی عمر میں بیمار رہ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

30 رجب جمعرات 204 ہجری عصر کے وقت طبیعت اور زیادہ بگڑ گئی۔ مغرب کی نماز ادا فرمائی تو عالم نزع طاری ہونا شروع ہو گئی۔

آپؒ نے فرمایا، مشہور عابد ادریس مصری سے کہو کہ وہ میری مغفرت کی دعا کریں۔ خود بھی گڑگڑا کر مالک حقیقی کے حضور مغفرت و بخشش کی دعا کرتے رہے۔ اسی عالم میں عشاء کی نماز سے فراغت کے بعد اپنے پروردگار کے حضور گریہ زاری میں ہی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

**انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

## تجہیز و تکفین:

انتقال کے بعد حضرت امام مزنیؒ نے غسل دیا۔ جنازہ شب جمعہ ہی کو تیار کر لیا گیا لیکن جمعۃ المبارک کو بعد نماز جمعہ سب سے پہلے آپ پر جنازہ سیدہ نفیسہؒ بنت حسن بن زید بن حسن بن حضرت علیؓ نے پڑھی۔ حضرت نفیسہؒ حضرت اسحٰقؒ بن حضرت امام جعفر صادقؒ کے عقد میں تھیں۔ اس کے بعد، بعد عصر عوام و خواص نے نماز جنازہ ادا کی۔ نماز عصر سے پہلے قاہرہ کے باہر قرافۃ الصغریٰ کے قبرستان میں جو جبل مقطم کے پاس ہے دفن کر دیا گیا۔

# امام احمد بن حنبلؒ

**نام و نسب :** امام احمد بن حنبلؒ ربیع الاول 164 ہجری میں پیدا ہوئے۔ امام احمد عربی نژاد تھے۔ والد اور والدہ دونوں قبیلہ شیبان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزار بن معد بن عدنان میں جا کر مل جاتا ہے۔ آپ کے والد کا نام محمد بن حنبل تھا اور دادا حنبل بن ہلال تھے جو بصرہ سے خراسان منتقل ہو گئے تھے۔ آپ کے والد کا انتقال آپ کی ولادت کے تھوڑی ہی مدت بعد ہو گیا۔

**حصول علم :** آپ نے تعلیم کے سلسلے میں علم حدیث کو اختیار کیا۔ لیکن صرف روایت کے علم پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تفقہ فی الدین کو پیش نظر رکھا۔ سب سے پہلے آپ نے بغداد کے شیوخ حدیث سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ 186 ہجری میں حصول علم کے سلسلے میں بغداد سے بصرہ اور وہاں سے حجاز پہنچے۔ امام شافعیؒ کے علم و فضل سے آپ حد درجہ متاثر تھے۔ آپ نے حجاز میں ہی امام شافعی کی شاگردی اختیار کی۔ آپ نے پانچ حج کیے جن میں سے تین حج پیدل کیے۔

**مسند درس و تدریس :** امام احمد بن حنبل جب تک چالیس سال کی عمر کو نہ پہنچ گئے درس حدیث اور افتاء سے گریز کرتے رہے۔ یہاں تک کہ 204 ہجری میں درس و تدریس کا کام باقاعدہ طور پر شروع کر دیا۔ مسند درس پر بیٹھنے کے زمانے تک آپ کے علم و تقویٰ کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی اور طالب علم اور فتویٰ طلب کرنے والے عالم اسلام کے مختلف حصوں سے آپ کے پاس آنے لگے تھے۔ آپ کے درس میں پانچ پانچ ہزار سامعین کا ہجوم ہوتا تھا۔ جو طالب علم آپ سے حدیث لکھتے تھے ان کی تعداد پانچ سو تھی۔

امام احمد بن حنبلؒ کی زندگی کے عظیم ترین کارناموں میں سے دو کارنامے بڑے زبردست ہیں۔

ایک یہ کہ آپ نے کتاب و سنت کی ٹھیٹ پیروی کا مسلک دنیا کے سامنے پیش کیا۔

دوسرے یہ کہ انہوں نے حق کی حمایت میں سلاطین و امراء کو پرکاہ کے برابر وقعت نہ دی۔

آپ نے جو جنگ چار خلفائے بنو عباس سے لڑی وہ محض مسئلہ خلق قرآن کی کلامی یا اعتقادی یا فقہی نوعیت کے لیے نہیں تھی بلکہ اس اصل الاصول کے لیے تھی جو دین حق کی بنیاد ہے اور خدا کے دین کی تعبیر کرنے کا معیار کتاب و سنت ہے۔ سوال یہ نہیں تھا کہ قرآن مخلوق ہے یا نہیں بلکہ یہ تھا کہ خلفائے بنو عباس کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ ایک عقیدہ اختیار کریں اور پھر اسے حکماً مسلمانوں پر مسلط کریں۔ دین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہو چکا ہے۔ اس کی تعبیر کتاب و سنت کی روشنی میں کی جا سکتی ہے۔ کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ ایک بات طے کرے اور پھر لوگوں سے



کہے کہ اسے مانو ورنہ تم مشرک یا کافر ہو۔ اسی نقطہ نظر کی بنا پر مامون، معتصم اور واثق باللہ کے ہاتھوں آپ کو شدید ترین اذیتیں پہنچیں۔ کوڑے کھانے پڑے اور قید و بند کی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ جب کہ خلیفہ متوکل کے زمانے میں انعام و اکرام کا دور شروع ہوا تو امام صاحب کی آزمائش اور زیادہ سخت ہو گئی مگر آپ اس میں بھی کامیاب نکلے۔

**وفات :** آپ نے 204 ہجری میں بروز جمعہ بغداد میں وفات پائی۔ مقبرہ باب حرب میں دفن کیے گئے۔ نماز جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی تعداد بہ اختلاف روایات 5 لاکھ تا 8 لاکھ بیان کی جاتی ہے۔ اسی منظر سے متاثر ہو کر 20 ہزار غیر مسلم (یہودی، مجوسی، نصاریٰ) نے اسلام قبول کیا۔

امام احمد بن حنبلؒ اپنی پوری زندگی میں صحابہ کے متبع تھے۔ ان کا علم، ان کا عمل، ان کی سیرت، ان کے اخلاق، ان کی زندگی کا ہر پہلو صحابہ کے رنگ میں رنگا ہوا تھا اور وہ ہر اس بحث سے متنفر تھے جو صحابہؓ کی دلچسپیوں کے محور سے ہٹی ہوئی ہو۔

**حنبلی فقہ :** امام احمد بن حنبلؒ کی فقہ انتہائی سادہ ہے۔ ان کا طریقہ اصحاب حدیث سے ملتا جلتا ہے۔ جس میں درایت اور عقل و جدل سے بہت ہی کم کام لیا گیا ہے۔ ان کا اصول یہ تھا کہ

- ○ قرآن اور حدیث پر عمل کا دارومدار رکھا جائے۔ درایت، تفقہ اور قیاس سے حتی الامکان انہوں نے احتراز ہی کیا ہے۔ بلکہ تعامل مدینہ کے اصول کو بھی حجت قرار نہیں دیتے۔
- ○ مرفوع و موقوف احادیث کو ہر موقع پر معمول بہ قرار دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث مختلفہ کی صورت میں حنبلی فقہ میں ہمیں جوابات بھی مختلف ملتے ہیں۔
- ○ امام احمد بن حنبلؒ قیاس سے انتہائی مجبوری کی حالت میں ہی کام لیتے ہیں۔ امام صاحب نے درحقیقت امت کے سامنے مصالحت کی راہ پیش کی ہے۔ تقریباً ہر اختلافی پہلو کے جواز کی گنجائش اپنی وسیع معلومات کی روشنی میں آپ نے پیدا کی۔ یہی وجہ ہے کہ فقہی اختلاف اگر خطرناک صورت اختیار کرنے سے محفوظ رہے تو اس میں امام احمد بن حنبلؒ کا بڑا دخل ہے۔

حنبلی مذہب سب سے پہلے عراق سے شروع ہوا۔ یہاں سے ماوراء النہر پہنچا۔ بغداد میں ایک دور میں یہ مذہب سب پر غالب تھا لیکن حنبلیوں کی شدت پسندی اور تنگ نظری نے اس کو محدود کر دیا۔ آج کل حجاز میں حنبلی مذہب ہی سرکاری مذہب ہے اور سعودی عرب کا پورا نظام حکومت اس نظام کے تحت چل رہا ہے۔

Scanned with CamScanner

# امام حضرت زیدؓ بن علیؓ بن حسینؓ

**اسم گرامی:** آپؒ کا اسم گرامی حضرت زیدؒ تھا۔

**شجرۂ نسب:** حضرت زیدؒ بن امام زین العابدین علیؒ بن حضرت امام حسینؓ بن حضرت علیؓ بن ابوطالب بن عبدالمطلب بن ہاشم۔

**ولادت باسعادت:** آپ کی تاریخ ولادت بعض راویوں کے نزدیک 75 ہجری یا 78 ہجری بیان کی گئی ہے لیکن ناجی حسن ابوزہرہ اور ابراہیم بن الوزیر نے 80 ہجری پر اتفاق کیا ہے۔[(1)]

**تعلیم و تربیت:** حضرت زیدؒ حضرت امام زین العابدین علیؒ جیسے والد اور باقر العلوم محمد باقرؒ جیسے بھائی کی شفقت و رحمت کے زیر سایہ پروان چڑھے۔ آپؒ امام محمد باقرؒ سے درس لیتے رہے اس کے علاوہ اس دور کے دوسرے مدنی علماء فقہاء و محدثین سے مستفید ہوئے۔

**قرآن مجید سے لگاؤ:** آپ کو قرآن مجید سے غیر معمولی شغف تھا۔ آپؒ ناسخ و منسوخ اور متشابہات کے علوم میں کمال مہارت رکھتے تھے۔[(2)] فقہ میں ان کے ہم عصران سے استفادہ کرتے تھے اور بالاختلاف تمام فقہا ان کی حیثیت کو مسلم مانتے تھے۔[(3)]

قرآن مجید سے لگاؤ کا یہ عالم تھا کہ جب ہشام بن عبدالملک (م 125 ہجری) نے آپ کو پانچ ماہ قید کر دیا تو آپؒ قید خانے میں سورۃ الفاتحہ۔ سورۃ البقرہ کی تفسیر بیان کرتے رہے۔[(4)] قرآن مجید سے اس لگاؤ اور قرآن فہمی کی وجہ سے آپ کو حلیف القرآن کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ آپؒ کا ارشاد ہے ''میں تیرہ سال تک تنہائی میں قرآن مجید کی تلاوت اور اس میں تدبر کرتا رہا۔'' تدبر القرآن میں آپؒ اس نتیجہ پر پہنچے کہ (i) اب رزق کی کوشش ضروری نہیں۔ (ii) فقہ و عبادت اللہ کا ایک فضل ہے۔

تدبر القرآن کی وجہ سے ان میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور قرآنی فکر و عمل کا جذبہ پیدا ہوا جسے عام کرنے کیلئے تقاریر فرمائیں۔ اس سلسلہ میں مدینہ سے دمشق تشریف لے گئے۔ آپؒ کی حق گوئی، بلند ہمتی، فصاحت و بلاغت حاضر جوابی اور اپنا مدعا بیان کرنے کی صلاحیتوں نے لوگوں کو اپنا گرویدہ کر لیا۔[(5)] یہاں تک کہ ہشام آپؒ سے خوف زدہ تھا چنانچہ اس نے والی عراق کو لکھا ''لوگوں کو حضرت زیدؒ کے پاس آنے جانے سے روکو کیونکہ ان کی زبان تلوار سے زیادہ تیز اور نیزے سے زیادہ دل دوز ہے۔''[(6)]

---

(1) العدائق امور یہ فی مناقب الائمہ الزیدیہ 75 ہجری۔ تہذیب حسائر 78 ہجری۔ ثورۃ زید الامام زید صفحہ 25

(2) طوسی الفہرست۔ (3) ابوزہرہ۔ الامام زید صفحہ 70۔ (4) تاریخ الکوفہ صفحہ نمبر 332۔

(5) ثورۃ زید صفحہ نمبر 38,37۔ (6) الامام زید صفحہ 83۔

**عبادت و ریاضت میں خشوع و خضوع:** عبادت و ریاضت میں اس قدر خشوع و خضوع تھا کہ ایک روز چھوڑ کر مسلسل روزے رکھتے اور کثرت عبادت میں شب و روز اس قدر مصروف رہتے کہ نماز میں اتنا طویل سجدہ کرتے کہ بے ہوش ہو جاتے اور لوگ سمجھتے کہ آپ کا وصال ہو گیا ہے۔[(1)]

**ہشام کا معاندانہ رویہ:** واقعہ کربلا میں کوفہ والوں کے کردار اور رویہ سے مایوس ہو کر حضرت زین العابدین علیؒ اور دیگر اکابرین اہل بیت خلافت کے حصول کے سلسلہ سے کنارہ کش ہو کر عبادات میں مشغول ہو گئے۔ البتہ حضرت زیدؒ کے دل میں خلافت کے حصول کی خواہش پیدا ہوئی جس کا ذکر کبھی کبھار زبان اقدس پر بھی آ جاتا۔ چنانچہ عراقیوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر انہیں حکومت کے خلاف لا کھڑا کیا۔[(2)]

ہشام کو آپؒ کے خیالات کا علم تھا چنانچہ اس کے دل میں آپ کی طرف سے خطرہ بھی تھا آپؒ ایک ذاتی جھگڑے کے سلسلہ میں ہشام کے پاس دمشق تشریف لے گئے تو ہشام نے ان کے مرتبے کا کوئی لحاظ نہ رکھا اور کئی روز کتراتا رہا۔ بالآخر ملاقات ہوئی دوران گفتگو تلخ کلامی ہو گئی ہشام نے طعن کیا ''تم لونڈی زادہ ہو کر خلافت کی خواہش رکھتے ہو حضرت زیدؒ نے جواب دیا ''تم لونڈی ہونے کی وجہ سے میری ماں کا درجہ گھٹاتے ہو حالانکہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی لونڈی (حضرت ہاجرہ) کے بطن پاک سے تھے۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کو نہ صرف نبوت سے نوازا بلکہ انہی کی نسل میں حضور اکرمؐ پیدا ہوئے۔ ایسی باتیں زبان پر لاتے ہوئے خدا کا خوف کیا کرو۔''

ہشام نے متکبرانہ لہجے میں جواب دیا ''تمہارے جیسا شخص مجھے خدا کا خوف دلاتا ہے۔''

حضرت زیدؒ نے جواب دیا ''نہ کوئی آدمی اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ وہ کسی کو خدا کے خوف سے ڈرا سکے اور نہ کوئی اتنا بڑا کہ وہ اس کو نہ سن سکے۔ جو شخص زندگی کو محبوب رکھتا ہے اسے ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔[(3)]

یہ سن کر ہشام محفل سے اٹھ کر چلا گیا۔ ہشام نے جابرانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے آپ کو قید کر لیا اور خالد بن عبداللہ والی کوفہ کے عائد کردہ الزامات کی صفائی پیش کرنے کے لیے کوفہ بھیج دینے کا حکم دیا۔ 120 ہجری میں خالد کو معزول کر کے یوسف بن عمر کو والی کوفہ مقرر کیا گیا۔ نئے والی نے خالد کو قید کر کے الزامات کی تحقیق شروع کی تو اس لپیٹ میں حضرت زیدؒ بھی آ گئے۔[(4)]

حضرت زیدؒ اور یوسف بن عمر کے درمیان گفتگو ہوئی تو حضرت زیدؒ بے گناہ ثابت ہوئے۔

آپؒ نے کوفہ میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا۔

**کوفہ والوں سے بیعت:** ہشام بن عبدالملک نے یوسف بن عمر والئی کوفہ کو ہدایت کی کہ

---

(1) ثورۃ زید صفحہ نمبر 35 از ناجی حسن۔ (2) الفخری صفحہ 118 ' تاریخ اسلام از معین الدین ندوی حصہ اول' دوم صفحہ نمبر 568 (3) ایضاً (4) ثورۃ زید صفحہ نمبر 40

حضرت زیدؓ کو ایک لمحہ کے لیے تنہا نہ چھوڑ نا ایسے شریں کلام اور حاضر جواب آدمیوں کی جانب عراقی بہت جلد مائل ہو جاتے ہیں۔ ہشام کا خطرہ صحیح نکلا۔ جب آپ کوفہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہونے لگے تو کوفیوں نے روک کر کہا " آپ کہاں جاتے ہیں ایک لاکھ تلواریں آپؓ کی حمایت میں موجود ہیں۔ حضرت زیدؓ نے ان کو فرمایا " تم نے میرے دادا حضرت امام حسینؓ کے ساتھ جو کچھ کیا تم جانتے ہو"۔ لیکن انہوں نے قسمیں کھا کر وفا کرنے کا یقین دلایا۔ ہم اپنی جانیں دے کر آپ کو کامیاب کروائیں گے ان لوگوں کی زبردست یقین دہانی پر آپؓ نے حکومت سے ٹکر لینے کا فیصلہ کیا اس سلسلہ میں اپنے چچا زاد بھائی ابوجعفر سے مشورہ کیا تو انہوں نے فرمایا " آپ ان کوفیوں پر ہرگز یقین نہ کریں یہ بڑے دھوکہ باز ہیں۔ وہاں آپؓ کے باپ دادا شہید کیے گئے آپؓ کے باپ دادا پر حملہ ہوا۔ ہمارے اہل بیت کو گالیاں دی گئیں۔" لیکن حضرت زیدؓ ان کے بہکاوے میں آگئے اور مدینہ کی روانگی کا ارادہ چھوڑ دیا۔ چند دنوں میں عراق کے دوسرے شہروں کے علاوہ صرف کوفہ میں ہی 15 ہزار افراد نے بیعت وفا کی۔ (1)

بیعت وفا اس طرح تھی "میں تمہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کی طرف بلاتا ہوں اس کے علاوہ ظالموں کے خلاف جہاد۔ کمزوروں کی مدافعت۔ حقداروں کو ان کے جائز حقوق دلانے۔ سرکاری مالگزاری کی مساوی تقسیم۔ اہل بیت کی امداد کی طرف ان لوگوں کے خلاف جو ہمارے مخالف ہیں اور جنہوں نے ہمارے حقوق دیدہ دانستہ بھلا دیئے ہیں بیعت کی دعوت دیتا ہوں۔" (2)

یکم صفر 122 ہجری سے ایک ہفتہ قبل 218 مشعل برداروں نے حضرت زیدؓ کے حق میں یا منصور امت کے نعرے لگاتے ہوئے جلوس نکالا۔ صبح کے وقت سرکاری فوج سے زبردست مقابلہ ہوا آپؓ نے جامع مسجد میں قلعہ بندی فرمائی۔ آپؓ نے ارشاد فرمایا "الحمد للہ میرا دین کامل ہے اگر میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض پورا نہ کرتا تو قیامت کے روز حضور اکرمؐ کے سامنے حوض کوثر پر شرمندہ ہونا پڑتا۔ (3)

**وصال:** دوسرے روز دارالرزق میں مورچہ بنا کر لڑائی جاری رکھی حکومت کے تجربہ کار تیر اندازوں نے سلیمان بن کیسان الکلبی کی زیر قیادت حملہ کیا تو ایک تیر حضرت زیدؓ کو بھی پیشانی میں لگا۔ جانثار آپؓ کو تجھے لے گئے جہاں آپؓ نے صفر 122 ہجری میں شہادت پائی۔ (4)

**تجہیز و تکفین:** شہادت کے بعد آپؓ کو سنجہ یا عباسیہ میں دفن کر کے اس پر نہر کا پانی جمع کر دیا مگر ایک نبطی غلام نے مخبری کر کے نعش حکومتی کارندوں کے حوالے کر دی۔ یوسف بن عمر آپ کا سر مبارک تن سے جدا کر کے ہشام کے پاس لے گیا۔

1- تاریخ اسلام۔ معین الدین ندوی صفحہ 563 2- تاریخ طبری جلد نمبر 6 صفحہ 264 3- الفخری 4- اسلامی انسائیکلو پیڈیا قاسم محمود صفحہ 919



**نتیجہ:** حضرت امام زید بن علی کی شہادت نے بنو امیہ کی حکومت کے خاتمہ کی بنیاد رکھ دی لوگ امویوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔

**نکاح:** حضرت زید نے کوفے کے یعقوب بن عبداللہ بن عبداللہ السلمی الفرقدی کی بیٹی اور عبداللہ بن ابی الحسن الازدی کی بیٹی سے نکاح کیا۔

**اولاد:** حضرت زیدؓ کے چار صاحبزادے (1) عیسیٰ (2) محمد (3) حسین (4) یحییٰ تھے۔(1)
آپ کی تحریک کو حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ نے اپنے خون دے کر آگے بڑھایا۔

**تالیفات:** آپ کی مشہور تالیفات مندرجہ ذیل ہیں۔
(1) المجموع فی الفقہ (2) المجموع فی الحدیث (3) تفسیر الغریب من القرآن (4) کتاب القوق (2) (5) کتاب الصفوق (3)

## فرقہ زیدیہ

فرقہ زیدیہ شیعوں کی ایک شاخ ہے جو حضرت زیدؓ بن امام زین العابدین علیؓ کو اپنا امام تسلیم کرتے تھے حضرت امام زید نے اپنے ماننے والوں کو بتایا "میں تمہیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ، ظالموں سے جہاد، کمزوروں کی حمایت، حقداروں کو ان کا جائز حق دلانے، سرکاری مالگزاری کی مساوی تقسیم کروز گیری کی موقوفی۔ اہل بیت کی امداد کی دعوت دیتا ہوں" اور انہیں ان باتوں پر بیعت کیا۔

بیعت کرنے والوں کو آپ مزید کہتے کہ تم لوگ میرے دشمن سے لڑو گے ظاہر و باطن میں میرے خیر خواہ ہو گئے۔(4)

بعض شرپسندوں نے آپ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں سوال کیا تو آپؓ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے اور انہیں مغفرت دے میں ان کے معاملہ میں جو سخت سے سخت بات کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ کے بعد خلافت کے ہم زیادہ حق دار تھے مگر قوم نے ان کو دوسروں پر ترجیح دی اور ہمیں ہٹا دیا مگر اس بنا پر وہ ہمارے نزدیک کفر کے درجہ تک نہیں پہنچے۔ یہ دونوں امیر المومنین ہوئے انہوں نے لوگوں میں انصاف کیا۔ کتاب اللہ اور رسول اللہؐ کی سنت پر کاربند رہے۔(5)

چنانچہ حضرت امام زید بن علی کی شہادت کے بعد ان کا احترام کرنے والے اور ماننے والے افراد نے فرقہ زیدیہ کی بنیاد رکھی یہ لوگ زیدی کہلاتے ہیں یہ پہلے تینوں خلفائے راشدین حضرت ابوبکر

1- الامام زید صفحہ 229 2- الامام زید صفحہ 232،3- ثمرۃ زید صفحہ 201 4- تاریخ طبری جلد نمبر 6 صفحہ 264
5- تاریخ طبری جلد نمبر 6 صفحہ 280

صدیقؓ۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کو جائز اور برحق مانتے ہیں یہ لوگ یمن کے علاقے میں بڑی تعداد میں آباد ہیں۔

**رافضہ:** حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کو برحق ماننے کی وجہ سے کوفیوں نے بعض میں آکر آپؓ کی بیعت توڑ دی اور دعویٰ کر دیا کہ ابوجعفر محمدؒ باقر بن علی حضرت امام زید بن علی کے بھائی اصل امام تھے چنانچہ حضرت ابوجعفر محمد باقرؒ کو امام تسلیم کر لیا۔ اسی بنا پر حضرت زید بن علی نے ان کو روافض کا نام دیا۔

**امام ہونے کے لیے شرائط:** زیدیہ کے نزدیک حضرت امام حسینؓ کے بعد حسنی و حسینی سادات میں جو شخص مندرجہ ذیل شرائط امامت پر پورا اترتا ہوا امام ہوگا۔ وہ عاقل و بالغ اور مرد ہو۔ زندہ ہو مسلمان عادل۔ مجتہد۔ صاحب تقویٰ۔ سخی ہو۔ سیاستدان ہو۔ منتظم ایسا جو حقوق میں تبدیلی نہ کرے۔ رعایا کے معاملات خود انجام دے۔ صحیح الرائے۔ بہادر۔ جرأت مند ہو۔ سامعہ و باصرہ کے لحاظ سے تندرست و درست ہو۔ نیز زیدیہ کے نزدیک امام کے لیے جہاد کرنے والا اور فقیہ ہونا ضروری ہے وہ حضرت امام زیدؒ کو اصول و فروع کا سرچشمہ مانتے تھے۔ (1)

**عقائد:** توحید میں فرق زیدیہ کے بیشتر عقائد سبعیہ۔ اثنا عشریہ و معتزلہ کے مطابق ہیں مثلاً ذات الٰہی کو منزہ عن الجسم والجسمات اور صفات کو عین ذات مانتے ہیں رویت کی نفی کرتے ہیں۔ عدل کے قائل ہیں وہ وعدہ وعید میں شفاعت کو خلاف وعدہ کہتے ہیں ان کے خیال میں جس کی جو سزا ہے وہ اسے ضرور ملے گی۔ اصحاب کبائر کی شفاعت ماننے سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ وعید باطل ہو جائے گا۔

ان کے نزدیک امام برحق حضرت علیؓ۔ پھر حضرت امام حسنؓ۔ پھر حضرت امام حسینؓ ہیں پھر حضرت زیدؒ بن علی ہیں۔ لیکن بعض کے نزدیک امام برحق حضرت علیؓ۔ حضرت امام حسنؓ۔ حضرت امام حسینؓ۔ حضرت زین العابدین علی اور ان کے بعد حضرت زیدؒ بن علیؒ بالترتیب ہیں ان کے بعد حسنی۔ حسینی سادات میں جو امام کی شرائط پر پورا اترتا ہو اور صاحب سیف ہو۔

یہ بھی ممکن ہے کہ بیک وقت دو امام ہوں۔ (2)

چھٹی صدی میں زیدیوںؒ کی اکثریت اور معتزلہ کے عقائد میں بال برابر اختلاف نہیں تھا زیدی فقہ میں عام طور پر امام اعظم امام ابوحنیفہؒ اور بعض مسائل میں امام شافعیؒ سے متفق ہیں۔ (3)

زیدیوں کے فلسفہ دعوت پر عہد حاضر کے ایک فاضل زیدی بزرگ ابراہیم بن علی بن وزیر نے ''العرفان'' میں قلم اٹھایا ہے جس کے مطابق ''حضرت زید بن علی نے اپنی دعوت کے مرکزی نکتے یہ قرار دیے ہیں'' (1) مسلمانوں کے معاملات شوریٰ سے طے ہوں۔ استبداد بدعت اور شہنشاہیت کا

(1) ناجی حسن ثورۃ زید؛ اسلامی انسائیکلوپیڈیا از سید قاسم محمود صفحہ 919 (2) اشعری کتاب المقالات والفرق؛ اسلامی انسائیکلوپیڈیا سید قاسم محمود صفحہ 919 (3) ابو زہرہ۔ الامام زید



مقابلہ کیا جائے۔ (2) شوریٰ کا انکار اور استبداد۔ اگر حکومت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو یکسر نظر انداز کر دے تو امام کو حکومت سے ٹکر لینے کی اجازت ہوگی۔ (3) امام عادل قرآنی معاشرہ اور نظام کا ذمہ دار ہوگا۔

**زیدیوں کے فرقے:** کتب تاریخ میں زیدیوں کے پندرہ فرقے درج کیے گئے ہیں۔ جارودیہ۔ سلیمانیہ۔ بتریہ۔ یعقوبیہ۔ نعیمیہ۔ مطرفیہ۔ زیدیہ۔ امامیہ۔ ابرائیہ۔ عقبیہ۔ جریریہ۔ صالحیہ۔ صباحیہ۔ محمدیہ۔ طالقانیہ۔ اس کے علاوہ دمریہ۔ رکبیہ۔ خشبیہ۔ حلسفیہ اور قاسمیہ جیسے فرقے بھی ہیں۔

# امام جعفر صادق

**اسم گرامی:** آپؒ کا اسم گرامی جعفر صادق ہے۔ آپ تبع تابعین میں سے ہیں۔

**کنیت:** ابوعبداللہ، ابواسماعیل

**ولادت:** آپؒ کی ولادت باسعادت 17 ربیع الاول 83 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔

**آباؤ اجداد:** آپؒ کا سلسلہ نسب والد محترم کی طرف سے کچھ یوں ہے۔ جعفر صادقؒ بن محمد باقرؒ بن علیؒ زین العابدینؒ بن الحسینؓ بن علیؓ بن ابوطالب بن عبدالمطلب ہے۔

والدہ محترمہ کی طرف سے جعفر صادق بن ام فروہ فاطمہؒ بنت قاسم بن محمدؒ بن ابوبکر صدیقؓ ہے۔ اس طرح آپ نجیب الطرفین قریشی ہیں۔

**ابتدائی تربیت:** آپؒ چودہ سال تک اپنے دادا امام زین العابدین اور چونتیس سال تک والد محترم امام محمد باقرؒ اور ستائیس سال تک اپنے نانا محترم قاسمؒ کے زیر سایہ تربیت حاصل کرتے رہے۔

1- **ابتدائی تعلیم:** آپؒ جب پیدا ہوئے اس وقت مدینہ منورہ علم و عرفان کا مرکز بنا ہوا تھا اور تمام بلاد اسلامیہ کے علماء فضلاء اس مرکز میں جمع تھے۔ چنانچہ اس علمی ماحول میں آپ نے آنکھ کھولی۔

امام جعفر صادق نے طریقت میں اپنے والد کے توسط سے حضرت علیؓ سے اور والدہ کی طرف سے بتوسط حضرت قاسم بن محمد ابوبکرؓ سے فیض حاصل کیا تھا۔

Scanned with CamScanner

**2-تدریس:** چنانچہ آپ علم و فضل سے آراستہ ہو کر مسند ارشاد و نصیحت پر فائز ہوئے۔ بلاد اسلامیہ کے علماء و فضلاء آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فیض حاصل کرتے رہے۔

**3-سیاست سے کنارہ کشی:** حضرت امام جعفر صادق نے اپنی تمام صلاحیتوں کو علم پھیلانے اور نیکی و تقویٰ کو عام کرنے میں صرف کیا۔ آپ ساری عمر سیاست سے کنارہ کش رہے اور اپنا سارا وقت عبادت اور خدمت خلق میں صرف کیا۔ آپ حکام وقت سے بھی الجھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عباسی خلیفہ منصور کو آپ کے بارے میں یہ گمان تھا کہ آپ عباسیوں کی حکومت سے ناخوش ہیں۔ لیکن آپ نے کبھی کسی بھی امر خلافت میں کوئی تنازعہ نہیں کیا یہی وجہ ہے کہ فقہی مذہب کے اعتبار سے اثنا عشری شیعہ اپنے آپ کو جعفریہ کہتے ہیں۔ جس طرح حنفی' شافعی' مالکی اور حنبلی کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

آپ اہل مدینہ اور اہل عراق دونوں سے کسب علم کے قائل تھے اور بے تعصبی ان کا شیوہ تھا۔

**4-علم الکلام:** امام جعفر صادق کو علم کلام میں بھی ایک بلند مقام حاصل تھا۔ آپ نے زنادقہ سے بھی مناظرے کیے۔ علم کیمیا' طب' فال اور جفر وغیرہ کے علوم بھی آپ سے منسوب کیے جاتے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق ایک مرتبہ آپ کو خلیفہ وقت منصور عباسی نے دربار میں بلوایا۔ جب آپ خلیفہ کے سامنے آئے تو منصور تخت سے نیچے اترا اور نہایت عجز و انکساری سے آپ کا استقبال کیا۔ تخت پر بٹھایا اور خود مودبانہ طریق سے آپ کی خدمت عالیہ میں بیٹھا اور پوچھا جناب کیا حاجت ہے؟ آپ نے فرمایا یہی کہ تو دوبارہ مجھے نہ بلائے تاکہ میں عبادت الٰہی میں مشغول رہوں۔ چنانچہ خلیفہ نے آپ کو نہایت عزت و احترام سے خلعت فاخرہ دے کر رخصت کیا۔

آپ نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ مدینہ منورہ میں بسر کیا۔ اگرچہ آپ کو کئی مرتبہ عباسیوں کے طلب و اصرار پر عراق بھی جانا پڑا اور بعض اوقات یہاں پر آپ کا قیام طویل بھی رہا لیکن عراق آپ کا وطن نہ بن سکا۔

**5-وصال:** آپ نے بعمر 65 یا 68 سال مدینہ منورہ ہی میں وفات پائی اور جنت البقیع میں اس قبے میں دفن ہوئے جس میں حضرت حسن' امام زین العابدین اور امام باقر دفن تھے۔

**اولاد:** آپ کی اولاد میں صاحبزادوں میں اسماعیل' عبداللہ' موسیٰ کاظم' اسحٰق' محمد اور عباس تھے اور لڑکیوں میں ام فروہ' اسماء اور فاطمہ المبتری تھیں۔



**ثقاہت علم و فضل:** بقول امام نووی لوگ آپ کی امامت و جلالت اور عظمت و سیادت تسلیم کرتے ہیں۔ ابن حجر مکی کے بقول تمام بلاد اسلامیہ میں آپ کے علم و حکمت کا شہرہ تھا۔

شہرستانی کے نزدیک امام جعفر صادق علم دین و ادب کا سرچشمہ' حکمت کا بحر زخار' زہد و تقویٰ میں کامل تھے اور عبادت و ریاضت میں بلند مقام رکھتے تھے۔ دنیا سے نفوذ' حب دنیا اور شہرت سے بے تعلق تھے۔ اپنے زہد و تقشف کو پوشیدہ رکھتے تھے۔

بقول عمر بن ابی المقدام آپ شجر نبوت کا ثمر شیریں تھے۔

روایت حدیث اور علم حدیث اگرچہ آپ کے خاندان کا طرہ امتیاز تھا لیکن خود امام جعفر سے بکثرت احادیث مروی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا گیا کہ جو احادیث آپ روایت کرتے ہیں ان کی سند کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد سے سنی ہیں اور بعض ان کی تحریرات سے مجھے ملی ہیں۔

امام مالک نے آپ کے بارے میں لکھا ہے کہ میں نے ایسا کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے آنحضورؐ کی کوئی حدیث بیان کی ہو اور آپ باوضو نہ ہوں۔

خود آپ کے قول کے مطابق "ابان بن تغلب نے مجھ سے 30 ہزار احادیث نقل کی ہیں"۔

**تلامذہ:** النجاشی نے "رجال" میں لکھا ہے کہ میں نے کوفے کی مسجد میں نو سو شیوخ کو حضرت امام جعفرؓ سے روایت کرتے سنا ہے۔

آئمہ حدیث و سنن کی ایک جماعت نے امام جعفر سے روایت کی ہے اور ان میں مسلم' مالک' ابوداؤد سجستانی' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' دار قطنی وغیرہ شامل ہیں۔

اہل تشیع کے یہاں اصول مذہب میں جو چار کتابیں بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں ان سب جامعین نے امام جعفر سے حدیث روایت کی ہے۔

اہل تشیع کے نزدیک ان کے رواۃ کی تعداد 4 ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ روایات کی تعداد کتنی ہوگی جب کہ رواۃ کی تعداد اتنی زیادہ ہے۔

فقہ میں بھی اہل تشیع کے نزدیک امام جعفر کا مقام بہت بلند ہے۔

Scanned with CamScanner

# امام اسماعیلؒ بن امام جعفر صادقؒ

حضور اکرم ﷺ کے وصال پاک کے بعد مسلمانوں کے ایک گروہ کا خیال تھا کہ ملوکیت کی طرح خلافت کے حقدار صرف اور صرف اہل بیت ہیں۔ یہ حضرت علیؓ کو خلافت کا جائز وارث اور مستحق تسلیم کرتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے تھے ان کا دعویٰ یہ تھا کہ امامت یا خلافت انتخابی و جمہوری ادارہ نہیں بلکہ ایک امام اپنے جانشین خود مقرر کرتا ہے۔ حضرت امام زیدؒ بن علی نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا مگر یہ واضح کیا کہ رسول اللہؐ کے بعد اگرچہ اہل بیت خلافت کے زیادہ حقدار تھے مگر قوم نے ان کو دوسروں پر ترجیح دی اور ہمیں بنا دیا اس بنا پر وہ ہمارے نزدیک کفر کے درجہ تک نہیں پہنچتے۔ یہ دونوں امیر المومنین ہوئے انہوں نے لوگوں میں انصاف کیا۔ کتاب اللہ اور سنت رسول مقبول پر کاربند رہے۔ (1)

امیر معاویہؓ خاندان اہل بیت کا بہت احترام کرتے تھے لیکن یزید بن معاویہؓ ایسا نہ تھا اس نے حضرت امام حسینؓ سے اپنے حق میں بیعت لینے کے لیے انتہائی ظلم و تعدی کا مظاہرہ کیا نتیجۃً سانحہ کربلا کا خونچکاں حادثہ عظیم پیش آیا۔ سانحہ کربلا کے بعد شیعان علی تین فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔

1- امامیہ 2- زیدیہ 3- کیسانیہ

## فرقہ امامیہ کا موقف:

فرقہ امامیہ کا موقف یہ تھا کہ خلافت صرف حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد کا حق ہے لہذا یہ منصب صرف ان میں ہی منتقل ہونا چاہئے۔ امامیہ فرقے کے راہنماؤں کا سلسلہ گیارہ اماموں تک مسلسل جاری رہا۔ اس وجہ سے یہ لوگ خود کو اثنا عشریہ کہتے ہیں۔ امام جعفر صادقؒ فرقہ امامیہ کے چھٹے امام تھے۔ (2)

حضرت امام جعفر صادقؒ نے اپنے بعد اپنے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیلؒ کو اپنا جانشین مقرر کیا مگر بعد میں ان سے ناراض ہو کر ان کی جانشینی کو ختم کر دیا۔ حضرت اسمٰعیلؒ نے اپنے والد محترم کے وصال (تقریباً 148 ہجری بمطابق 765ء) سے 5 سال قبل تقریباً 143 ہجری بمطابق 761ء) مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ ان کی جانشینی کو ختم کر کے امام جعفر صادقؒ نے اپنے دوسرے صاحبزادے موسیٰ کاظمؒ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ اس طرح فرقہ امامیہ مزید دو گروہوں میں تقسیم ہو گیا۔ (3)

اول وہ جن کا موقف یہ تھا کہ حضرت اسماعیلؒ بن جعفر صادقؒ ساتویں امام ہیں اور وہ حضرت امام جعفر صادقؒ کے وصال کے 5 سال بعد تک زندہ رہے جبکہ دوسرے گروہ نے حضرت امام اسماعیلؒ کے وصال کے بعد حضرت امام اسماعیلؒ کی جگہ ان کے بیٹے محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق کو امامت پر

1- تاریخ طبری جلد نمبر 6 صفحہ 280 2- تاریخ اسلام از بشیر احمد تمنا صفحہ 435

3- دائرہ معارف اسلامیہ 1966 صفحہ 755



فائز تسلیم کر لیا اور اس نسبت سے سبعیہ یا اسماعیلی کہلایا۔ اس کی مشہور شاخیں قرامطہ، دروزیہ، باطنیہ ہیں ایران میں یہ لوگ اسماعیلی یا آغا خانی کہلائے جبکہ ہندوستان میں (نزاری) خوجے اور بوہرے (داؤدی) وغیرہ کہلائے اس فرقے کے عقائد کی بنیاد مسیح موعود جو مہدی موعود بھی ہوں گے پر ہے۔

اسماعیلی فرقہ امام محمد بن اسماعیل بن جعفر صادقؒ کو آخری امام تسلیم کرتا ہے ان کے نزدیک امام محمد بن اسماعیل حضرت امام جعفر صادق کے وصال پاک سے کچھ عرصہ بعد غائب ہو گئے اور آپ امام مہدی موعود بن کر واپس آئیں گے۔ یہ عقیدہ تقریباً سو سال تک تسلیم کیا جاتا رہا۔ 260 ہجری بمطابق 874ء جب اثنا عشریوں کے بارہ امام پورے ہو گئے تو اسماعیلیوں نے بھی اپنے عقائد میں تبدیلی اختیار کی اور امامت کے تسلسل کو دوبارہ اجراء کر دیا۔ اس نئے اسماعیلی عقیدے کو فاطمیوں نے اختیار کیا۔ جبکہ وہ لوگ جو پرانے عقیدے پر قائم رہے قرامطہ کہلانے لگے۔ (1) اسماعیلیہ فرقہ پرنس کریم آغا خان جو انچاسویں امام ہیں کی قیادت میں آج بھی ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔

تاریخ کے ہر دور میں اسماعیلی فرقے کے عقائد مختلف نظر آتے ہیں شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس فرقے کے پیروؤں نے اپنے سیاسی مفادات کے پیش نظر عقائد میں تبدیلی کی ہو۔ تاہم اسماعیلیہ کے باطنی عقائد کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1- **تاویل:** اس سے مراد قصص القرآن اور صور عبادات کے گہرے اندرونی معاملات کا انکشاف ہے اور یہ صرف اماموں ہی کا حق ہے۔

2- **حقائق:** جو علوم و فلسفہ نے منکشف کئے ہیں۔

ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ میں کوئی ایسی صفت نہیں جن کا تصور خواص کے ذریعے سے پیدا ہو مگر اس ہستی کو عقل فعال کے ساتھ گڈمڈ کر کے مذہب اور فلسفے کا ایک معجون مرکب تیار کر کے رکھ دیا ہے جسے سمجھنے کی ضرورت کسی بھی معتقد کے لیے ضروری نہیں بلکہ یہ صرف امام کا کام ہے ضروری نہیں امام اس کو ظاہر کرے۔ عام انسان صرف اسی صورت میں فلاح پا سکتا ہے کہ وہ امام کے ساتھ اپنا قریبی تعلق قائم کرے جو شخص امام وقت کو تسلیم کئے بغیر مر جائے وہ کافر کی موت مرے گا۔

دنیا کبھی امام سے خالی نہیں رہی۔ امامت باپ سے بیٹے کو منتقل ہوتی رہتی ہے۔ (2)

## عقائد کا خلاصہ:

اسماعیلیہ فرقے کے عقائد کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

1- امام کا تقرر کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ یہ منصب خدا کی طرف امام کے بڑے بیٹے کو خود بخود منتقل ہو جاتا ہے گویا امام مامور من اللہ ہے۔

1- اسلامی انسائیکلوپیڈیا سید قاسم محمد صفحہ 168 2- اسلامی انسائیکلوپیڈیا سید قاسم محمد صفحہ نمبر 168

چنانچہ امام جعفر صادقؒ اپنے بڑے بیٹے اسماعیل کی جانشینی منسوخ کرنے کے مجاز نہیں تھے اس لئے ان کی منسوخی کے باوجود امام اسماعیل امام برحق ہیں۔

-2 امام اسماعیل فوت نہیں ہوئے بلکہ مستور ہوگئے اور آئندہ بھی ظہور کریں گے۔

-3 امام محمد بن اسماعیل آخری اور کامل امام ہیں ان کے بعد سلسلہ امامت منقطع ہوگیا۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے اسماعیلیہ واقفہ کہلائے۔

-4 امامت کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد ان کے نائب مقرر ہوتے ہیں اور ان نائبین میں امام کی روح حلول کر جاتی ہے اس عقیدے کے قائل شیعان عجم تھے جو مسئلہ تناسخ کے قائل تھے۔

-5 مذہبی احکامات کا صرف ظاہری مطلب ہی نہیں لینا چاہئے ان کا ایک باطنی مطلب بھی ہوتا ہے جو ایک راز ہے جسے امام وقت ہی جانتا ہے۔

اگر امام نہ ہو تو دنیا فوراً تباہ ہو جائے۔ امام مشیت اولیہ کا ممثل ہے جسے امر (Logos, Word) کلمہ بزبان قرآن کن کہا جاتا ہے یہ جوہر امام کی ذات میں موجود ہے جو ویسے ایک فانی ہستی ہے۔ پھر یہ جوہر بذریعہ نص باپ سے فقط بیٹے کو منتقل ہوتا ہے امام مرتبہ میں سب برابر ہوتے ہیں ان سب کا جوہر ایک ہے۔ اسماعیلیہ فرقہ حلول یا تناسخ کا قائل نہیں۔

دور محمدی شروع ہونے کے بعد سب سے پہلے امام حضرت علیؓ تھے اور ان کی اولاد ان کی جانشین حضرت امام حسنؓ۔ حضرت امام حسنؓ جنہیں مستعلیین امام اول قرار دیتے ہیں فہرست آئمہ سے خارج کر لئے گئے ہیں کیونکہ وہ محض اپنے بھائی حضرت امام حسینؓ کی جگہ عارضی طور پر کام کر رہے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدستور عقل کل ہیں لیکن نفس کل کا ممثل (حجہ) کو قرار دیا گیا (جو عہد بنی فاطمہ میں بارہ یا چوبیس داعیان مطلق میں سے ایک ہوتا تھا) عموماً حجہ امام کا قریبی رشتہ دار ہوتا ہے۔ حجہ امام کے علم کا حامل ہوتا ہے جس کی وہ مومنین کو تعلیم دیتا ہے۔

-6 اسماعیلی ظاہر و باطن میں بھی ایک فرق دیکھنے لگے اور یہ باطنیہ کہلائے۔ (1)

## اسماعیلیہ کا عروج:

اسماعیلی فرقہ تیسری صدی ہجری/نویں صدی میلادی کے آخر تک ایران، یمن، شام اور شمالی افریقہ میں تیزی سے پھیلا۔

چوتھی صدی ہجری / دسویں صدی میلادی میں اس کی تبلیغ و اشاعت میں زور آ گیا اور یہ مذہب بحراوقیانوس سے لیکر مشرق میں دور دراز کے علاقوں ماوراء النہر۔ بدخشان اور ہندوستان میں خوب

-1 دائرہ معارف اسلامیہ 1966 صفحہ 761



مستحکم ہوا۔ مصر اور ایران میں اس تحریک نے خاصی قوت حاصل کر لی۔

ہندوستان کے نزاری یا خوجے (اسماعیلی) ہندو سے مسلمان ہوئے۔ نزاریوں کی مجموعی تعداد دو لاکھ پچاس ہزار (250000) کے قریب ہے جو شام (حماء) ایران (خراسان اور کرمان) افغانستان (جلال آباد، بدخشان) روسی اور چینی ترکستان (ینجون۔ یارقند) پاکستان (چترال۔ گلگت۔ ہنزہ۔ سندھ) ہندوستان (گجرات۔ بمبئی وغیرہ) اور مشرقی افریقہ میں آباد ہیں۔

اسماعیلیوں کی دو شاخیں سلیمانی اور داؤدی ہیں جن میں یمن میں اکثریت سلیمانیوں کی ہے۔ (1)

## تعلیمی مراتب

تعلیم کا ایک نظام قائم کیا گیا ہے جس کے بنیادی مراتب حسب ذیل ہیں۔

مستجیب (نو داخل) ماذون (تعلیم دینے کا مجاز) داعی (مبلغ) اور حجہ (ایک خاص حلقے (جزیرہ) کا مامور)

سات کا ہندسہ: سات کا عدد ان کے ہاں پر اسرار اعداد میں ہوتا تھا اماموں کے ادوار سات تھے۔ سات سات ہزار سال کے بعد انبیائے عظامؑ کی دنیا میں بعثت (آدم۔ نوحؑ۔ ابراہیم۔ موسیٰ۔ عیسیٰؑ۔ ایک محمد رسول اللہ (جن میں سے ہر ایک کے ساتھ ان کا وصی تھا امام "منتظر" (" قائم") ان میں ساتویں امام ہیں وغیرہ

## فرقہ اسمٰعیلیہ کی مستند کتب:

اسمٰعیلی سوسائٹی نے نزاریوں کی فارسی تصانیف پر خصوصی توجہ دی۔

جامعہ قاہرہ کے محمد کامل حسین نے فاطمی عہد کے متون کا ایک سلسلہ شائع کیا جن کی کل تعداد بارہ ہے۔

حمید الدین الکرمانی کی عظیم تصنیف راحۃ العقل۔

پروفیسر R. Strothmann نے فاطمی عہد کے بعد یمنی دبستان سے متعلق متون کا سلسلہ شائع کیا۔

پروفیسر آصف علی اصغر فیضی نے دعائم الاسلام اور فقہ اسمٰعیلیہ کی بعض کتب طبع کیں۔

W. Ivanow کی کتاب Brief Survey of the Evolution of Ismailism (بمبئی 1952) وغیرہ(2)

-1 دائرہ معارف اسلامیہ 1966 صفحہ 758 -2 دائرہ معارف اسلامیہ 1966 صفحہ 762

Scanned with CamScanner

# سورۃ البقرۃ سے متعلق اہم امتحانی سوالات

**سوال نمبر1:** حروف مقطعات کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔

**جواب:** قرآن مجید کی بعض سورتوں کے ابتداء میں کچھ حروف ایسے ہیں کہ انہیں الگ الگ پڑھا جاتا ہے جیسے الٓمٓ، قٓ، نٓ، حٰمٓ وغیرہ۔ ان حروف کو مقطعات یعنی کٹے ہوئے، الگ الگ حروف کہتے ہیں۔ ان حروف مقطعات کی تعداد 14 ہے۔ یعنی حروف تہجی کا نصف جو کلام پاک کی 28 سورتوں کے قبل لائی گئی۔ تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔ ہر حرف کے نیچے سورت کا نمبر درج ہے۔

| الٓمٓ | الٓمٓصٓ | الٓرٰ | الٓمٓرٰ |
|---|---|---|---|
| 2، 3، 29، 30، 31، 32 | 7 | 10، 11، 12، 14، 15 | 13 |
| کٓھٰیٰعٓصٓ | طٰہٰ | طٰسٓمٓ | طٰسٓ |
| 19 | 20 | 26، 28 | 27 |
| یٰسٓ | صٓ | حٰمٓ | عٓسٓقٓ |
| 36 | 38 | 40، 41، 42، 43، 44، 45 | 42 |
| قٓ | نٓ | | |
| 50 | 68 | | |

جلالین تفسیری ادب میں ایک مشہور اور متداول تفسیر ہے۔ اس میں مذکورہ بالا حروف کے سامنے ایک فقرہ لکھا ہوا ہوتا ہے۔ "اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمُرَادِہٖ بِذٰلِکَ" یعنی ان حروف کے معانی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ تاہم بعض مفسرین اور علماء نے اس سلسلے میں مختلف موقف اختیار کیا ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

(1) بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ان حروف میں اللہ تعالیٰ نے خاص معانی اور اسرار رکھے ہیں۔ جو اللہ ہی جانتا ہے اس لیے ان میں غور و فکر کرنا بے سود ہے، اور یہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔



(2) کچھ اصحاب نے ان حروف کو متشبہات کے مماثل قرار دیا ہے۔ اور جو حکم متشبہات کا ہے وہی مقطعات کا بھی ہے۔ اس لیے بحث کرنا بے سود ہے۔

(3) تیسرا گروہ اس نقطہ نظر کا حامل ہے کہ حروف مقطعات کے معانی نبی ﷺ کو معلوم تھے مگر آپ کو یہ اجازت نہ تھی کہ آپ عام لوگوں کو اس کے معانی سے باخبر فرمائیں۔

(4) چوتھا گروہ یہ خیال رکھتا ہے کہ غور و فکر سے اس کے معانی معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ اور چونکہ یہ کلام اللہ میں اتارے گئے ہیں لہٰذا ان کے معانی معلوم کرنے کی سعی کرنی چاہیے۔

**مختلف معانی:** حروف مقطعات کے جو غور و فکر کے بعد مختلف معانی بیان ہوئے ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

(1) فرشتوں کے نام ہیں۔ اور یہ فرشتے شعبہ ہائے ایمان پر فائز ہیں۔ تلاوت کرنے والا جب ان حروف کی تلاوت کرتا ہے تو متعلقہ فرشتہ قاری پر فیضان ربانی کے دروازے کھول دیتا ہے۔

(2) حروف مقطعات قرآنی اسماء میں سے ہیں۔

(3) یہ حروف قرآنی سورتوں کے نام ہیں۔ جیسے طٰہٰ، صٓ، نٓ، یٰسٓ وغیرہ۔

(4) یہ حروف دراصل وہ قسمیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کھائی ہیں تاکہ اس کے بعد جو مضامین آئیں قارئین پر ان کی پختگی واضح ہو جائے۔

(5) حروف مقطعات صفات الٰہیہ میں سے ہیں۔

(6) ایک بزرگ کا قول ہے کہ الٓمٓ میں الف، اللہ تعالیٰ کا مخفف نام ہے یعنی وہ اللہ جس نے قرآن مجید نازل کیا۔ لام سے مراد جبرائیل امین ہیں۔ جو وحی لاتے ہیں۔ اور میم سے مراد محمد ﷺ ہیں جن پر قرآن مجید نازل ہوا۔

(7) ایک قول یہ بھی ہے کہ کلام و خطاب کے شروع میں اس طرح کے الفاظ لانا اہل عرب شعراء اور خطیب دونوں کے اسالیب بیان کا حصہ تھا۔ اس لیے ان کے لیے یہ حروف غیر مانوس نہ تھے۔ اور زمانہ جاہلیت کے عربی ادب میں اس طرح کی مثالیں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے معانی دریافت نہ کیے۔ متاخرین چونکہ اس اسلوب سے واقف نہ تھے اس لیے انہیں ان حروف کے معانی متعین کرنے میں مشکل پیش آئی۔

یہ آخری قول زیادہ مقبول ہے تاہم خلفائے راشدین حضرت عبداللہ ابن مسعود، شعبی، سفیان ثوری حاتم اور جمہور مفسرین کا مسلک یہ ہے کہ یہ حروف متشابہات میں سے ہیں۔ جن کا علم کسی خاص مصلحت کی وجہ سے عام نہیں کیا گیا۔ (قرطبی، ابن کثیر)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ "ان حروف مقطعات کے" اصل معنی تک عام لوگوں کی رسائی نہیں۔ یہ سِرٌّ بَیْنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ یعنی خدا تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے درمیان اسرار و رموز کی باتیں ہیں جنہیں ان کے علاوہ حتمی طور پر کوئی نہیں جانتا اس لیے حروف مقطعات آیات

Scanned with CamScanner

متشابہات میں شامل ہیں جن کے مفہوم میں عقل کا عمل دخل ایک بیکار کوشش ہے اور ان میں مغز ماری انسان کو جہالت میں مبتلا کر سکتی ہے۔

**سوال نمبر2** :متقین کی صفات سورۃ بقرہ کی روشنی میں بیان کیجیے۔

**جواب**: اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی ابتداء ہی میں فرمایا "ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ" کہ یہ کتاب متقین کے لیے ہدایت ہے۔ اور پھر اس کے بعد متقین کی وہ صفات بیان کر دیں جو ہدایت قرآنی کے حصول کے سلسلے میں ضروری تھیں اور وہ حسب ذیل ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ○ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ○ (البقرہ2: 3'4)

(1) ایمان بالغیب۔
(2) اقامت صلوٰۃ۔
(3) انفاق فی سبیل اللہ۔
(4) ایمان بالکتب۔
(5) ایمان بالآخرۃ۔
(6) یقینی فوز و فلاح کی ضمانت۔

اب ان صفات کی تشریح حسب ذیل ہے۔

**(1) ایمان بالغیب**: متقین کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ غیب سے مراد کیا ہے؟ غیب شہود کی ضد ہے۔ یہ غاب' یغیب کا مصدر ہے۔ یعنی وہ چیزیں جو انسان کے حواس ظاہری سے پوشیدہ ہوں وہ غیب ہیں۔ اور ایمان بالغیب کا مطلب یہ ہے کہ وہ دینی امور جو حواس انسانی کے تحت نہیں آتے' ان کے اسرار و رموز اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہوتے اور پیغمبر اسلام ان کی خبر دیتے ہیں۔ متقین محض محسوسات کے غلام اور مادیت کے پرستار نہیں ہوتے وہ تو پیغمبر اسلام کے خبر دینے پر یقین کرتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں۔ اور کوئی بحث و کرید نہیں کرتے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا وجود' ملائکہ' جنت' دوزخ' حشر وغیرہ۔

الغرض پیغمبر ﷺ کی دعوت پر مشاہدۂ حق کا مطالبہ نہیں کیا جاتا بلکہ آپ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے تمام امور پر یقین و ایمان لانا ایمان بالغیب ہے۔

**(2) اقامتِ صلوٰۃ**: متقین کی دوسری اہم صفت جو قرآن مجید نے یہاں بیان فرمائی ہے وہ قیام صلوٰۃ ہے۔ نماز ارکان دین میں سے ایک اہم رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء اور ان کی امتوں پر نماز فرض فرمائی اور حضرت محمد ﷺ اور آپ کی امت پر دن اور رات میں پانچ نمازوں کو فرض کیا۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ۔ فَمَنْ اَقَامَھَا فَقَدْ اَقَامَ



الدِّیْنَ وَمَنْ تَرَکَھَا فَقَدْ ھَدَمَ الدِّیْنَ"۔

ترجمہ: یعنی نماز دین اسلام کا ستون ہے جس نے اسے قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا' اور جس نے اسے چھوڑا اس نے گویا دین کو گرا دیا۔

○ مُتّقین کے لیے اقامتِ صلوٰۃ کیوں ضروری ہے اور اسے متقین کی صفت کے طور پر قرآن مجید نے کیوں بیان کیا ہے۔ یہ ایک اہم سوال ہے۔ دراصل اہل تقویٰ یعنی "اللہ کی مرضی کے مطابق چلنے والے اور اللہ کی ناراضگی سے بچنے والے" کے لیے نماز کا قیام وہ بنیادی ذریعہ ہے کہ جس کے ذریعہ وہ تقویٰ کے معیار پر قائم رہ سکتے ہیں۔ اللہ کی عبادت کا سب سے اہم اور براہ راست طریقہ نماز ہے۔ اسی ذریعے سے اللہ سے مناجات ممکن ہے۔ نیکی' بزرگی' طہارت وغیرہ سے متعلق جس قدر صفات انسان کو حاصل ہو سکتی ہیں وہ نماز ہی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے فرمایا۔

"اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ" (العنکبوت:45) کہ نماز بے حیائی اور برائی سے بچاتی ہے۔

نماز نہ صرف برائی اور بے حیائی سے بچاتی ہے بلکہ متقین میں عمدہ صفات بھی نماز ہی پیدا کرتی ہے۔ نماز کے سبب متقین کو اوقات کی پابندی نصیب ہوتی ہے۔ خلوص' یکسوئی' تلاوت کلام پاک' جسم و لباس کی طہارت' نظافت و صفائی۔ بدن کی چستی اور عزم و ہمت جیسی ساری عمدہ صفات نماز کے سبب انسان کو حاصل ہوتی ہیں جو اہل تقویٰ کے لیے ضروری ہیں۔

**(3) انفاق فی سبیل اللہ**: سورہ البقرہ کے ابتدائی رکوع میں متقین کی تیسری صفت وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ بیان کی گئی ہے یعنی وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں وہ مال خرچ کرتے ہیں جو خداوند کریم نے ان کو عطا کر رکھا ہے۔ یہ وصف متقین کے لیے اس لیے بھی ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ حرص و ہوس کا بندہ نہیں ہوتا اس کے برعکس وہ اپنی محنت اور عرق ریزی سے مال و دولت کو جائز و حلال طریقے سے کماتا ہے جو عین عبادت ہے اور دولت کے حصول کے لیے ناجائز ذرائع کو قطعاً استعمال نہیں کرتا جو گناہ کبیرہ اور حرام ہے۔ اور جو خدا تعالیٰ نے اس کو دے رکھا ہے' اس پر قناعت کرتا ہے اور خود ضرورت مند اور حاجت مند ہونے کے باوجود دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں اور پروردگار کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق افراط و تفریط سے بالاتر ہو کر ان کی حاجات کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ گویا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ وَلَوْ کَانَ بِھِمْ خَصَاصَۃٌ (الحشر: 9) کی عملی تفسیر ہوتے ہیں۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے مطابق رزق میں بڑی وسعت پائی جاتی ہے۔ اس میں ہر قسم کی نعمتیں خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی مثلاً مال' صحت' اولاد' علم و حکمت' فہم و فراست سبھی شامل ہیں اور متقین ان خداداد نعمتوں سے مخلوق خدا کو نفع پہنچانے میں بخل سے کام نہیں لیتے اور وہ یہ عمل ظاہری نام و نمود یا احسان مندی کے لیے بلکہ محض خداوند کریم کی رضامندی اور خوشنودی کے حصول کے لیے کرتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

**(4) آسمانی کتب پر ایمان:** سورۃ البقرہ کے ابتدائی رکوع میں متقین کی چوتھی صفت **وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ** بیان کی گئی ہے یعنی وہ ایسے لوگ ہیں جو صرف اسی پیام ہدایت خواہ وہ قرآن مجید کی صورت میں ہو یا حدیث نبویؐ کی شکل ہو' پر ایمان رکھتے ہیں۔ کیونکہ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے **اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ** یعنی آگاہ رہو کہ مجھے قرآن مجید اور اس کی مانند ایک اور چیز یعنی حدیث مبارکہ دی گئی ہے بلکہ وہ ان کتب سماویہ و صحائف جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے جیسے توریت' زبور و انجیل۔ مصحفِ آدم و مصحفِ ابراہیم وغیرہ سب کے من جانب اللہ تعالیٰ اور برحق ہونے پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ انبیاء علیھم السلام کی جماعت کا کوئی فرد کوئی بات اپنی طرف سے بنا کر پیش نہیں کر سکتا بلکہ شریعت کی ہدایات اور حکم من جانب اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور خاص طور پر قرآن مجید جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوئی اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ سورۃ البقرہ کے آخر میں اس صفت خاص کو یوں بیان کیا گیا۔

**"اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ"** (البقرہ:285:2)۔

"ایمان لایا رسول جو کچھ اس پر اس کے رب کی طرف سے نازل ہوا۔ اور سارے ایمان والے بھی' سب اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان لائے' ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے ساتھ کوئی فرق نہیں کرتے"۔

اس آیت میں واضح طور پر متقین کی اس صفت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ وہ سب رسولوں اور سب کتابوں پر مکمل ایمان رکھتے ہیں۔

**(5) آخرت پر ایمان:** متقین کی پانچویں اور اہم صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ عقیدہ آخرت پر مکمل ایمان رکھتے ہیں۔ عقیدۂ آخرت کو اسلام میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ عقیدہ آخرت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ جہان فانی ہے۔ سارے انسان اس جہان میں بغرض امتحان آئے ہیں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ کے فرشتے اسے لکھ لیتے ہیں۔ موت برحق ہے۔ موت زندگی کا خاتمہ نہیں بلکہ انسان کا اس جہان سے ایک دوسرے جہان منتقل ہوتا ہے کیونکہ موت تو صرف بدن پر طاری ہوتی ہے اور روح اس سے آزاد رہتی ہے۔ جب یہ بدن سے جدا ہوتی ہے تو ایک نئی دنیا میں قدم رکھتی ہے جسے آخرت کہتے ہیں۔ اس لیے جونہی ایک شخص یہاں سے دوسرے جہاں منتقل ہوتا ہے اس کا حساب کتاب شروع ہو جاتا ہے۔ ایک دن قیامت قائم ہو گی۔ وہ دن یوم الدین' یوم الحشر اور یوم الحساب ہو گا۔ ہر شخص کو اس کا نامہ اعمال دیا جائے گا۔ اور اس کے مطابق اس کا فیصلہ ہو گا۔ نیک لوگ جنت میں جائیں گے اور بدکار جہنم میں' یہ یوم آخرت کا تصور ہے۔ اس پر ایمان لانا مسلمان کے لیے ضروری ہے اور متقین اس پر کامل یقین رکھتے ہیں۔

**(6) یقینی کامیابی کی سند:** متقین کی جو صفات مذکور ہوئیں قرآن مجید نے انہیں بیان کرنے



کے بعد یہ سند عطا فرمائی ہے۔

**"اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ"** (البقرہ 5:2)۔

یعنی یہ متقین لوگ اللہ کی جانب سے ہدایت پر ہیں اور یہ لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔

فلاح کا مفہوم عربی لغت میں بڑا جامع اور وسیع ہے۔ امام زبیدیؒ کے مطابق فلاح سے مراد دنیا و آخرت میں ہر قسم کی کامیابی و کامرانی ہے۔

## سوال نمبر3: منافقین کا کردار سورۃ بقرہ کی روشنی میں بیان کیجئے۔

**(1) منافق کی تعریف:** جو زبان سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے لیکن دل سے کافر ہو۔ اس کا ظاہر اور ہو اور باطن اور' قول و فعل سے متضاد شخصیت کا مالک ہو۔ قرآن مجید نے اس کیفیت کو یوں بیان کیا ہے۔

**"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا ھُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ"** (البقرہ: 8:2)

اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لائے ہیں۔ حالانکہ وہ ایمان والے نہیں۔

سورۃ المنافقون میں ان کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

**"اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْھَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰہِ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ"** (المنافقون:1:63)

جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ بھی گواہی دیتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ یہ بھی گواہی دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔

**(2) منافق کی علامات:** احادیث میں منافق کی چار علامتیں بیان ہوئی ہیں۔ اور وہ حسب ذیل ہیں۔

(1) امانت میں خیانت (2) بات بات میں جھوٹ (3) عہد میں غداری (4) جھگڑے میں گالی گلوچ۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس میں یہ چار نشانیاں ہوں وہ پکا خالص منافق ہو گا۔ اور جس میں ان علامتوں میں سے جس قدر علامتیں پائی جائیں گی وہ اسی قدر منافقت میں گرفتار ہو گا۔

**عہد نبویؐ میں منافقین:** جب تک رسول اللہ ﷺ مکہ میں رہے۔ آپ کا سامنا کافروں سے تھا جو ظاہر و باہر اسلام اور مسلمانوں کے دشمن تھے اور انہوں نے اسلام دشمنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

Scanned with CamScanner

لیکن جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپؐ کا سامنا ایک عجیب دشمن سے ہوا۔ یہ دشمن منافقین تھے جو بظاہر ایمان لے آئے تھے مگر حقیقت میں مسلمانوں کے انتہائی دشمن تھے۔

قبیلہ بنو خزرج کا ایک شخص عبداللہ ابن ابی ابن سلول تھا۔ یہ شخص اپنے قبیلے کا سردار تھا۔ اسے عنقریب مدینہ والوں کا سردار بنایا جا رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس کی سرداری جاتی رہی۔ اس نے انتقاماً منافقت کی راہ اختیار کرلی۔ تاکہ آپؐ سے اپنی سرداری کے چھن جانے کا بدلہ لے سکے۔ اس کی منافقت کا پردہ بارہا کھلا تاہم وہ مرتے دم تک باز نہ آیا۔ یہ شخص اسلامی تاریخ میں رئیس المنافقین کے لقب سے جانا جاتا ہے۔ اس نے اپنے سارے ساتھیوں سے کہا کہ وہ بظاہر مسلمانوں کے ساتھ رہیں مگر موقع پا کر انہیں نقصان پہنچائیں۔ چنانچہ عہد نبویؐ کے مدنی دور میں ان منافقین نے ہر موقعہ پر مسلمانوں کے ساتھ غداری کی اور انہیں نقصان پہنچانے کی پوری کوشش کی۔ اس میں یہودی برابر شریک رہے۔

**نفاق کی تین صورتیں:** سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات میں منافقین کے بارے میں قرآن مجید نے تین اہم امور کی نشاندہی کی ہے جو حسب ذیل ہے۔

(ا) **چرب زبانی:** منافقین نے مسلمانوں سے واضح طور پر کہا وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔ مگر یہ ان کی چرب زبانی تھی وہ نہ تو اللہ پر ایمان رکھتے تھے۔ نہ رسول اللہ ﷺ کو نبی و رسول مانتے تھے۔ اور نہ ہی وہ آخرت کے دن پر ایمان رکھتے تھے۔ وہ محض مسلمانوں سے نفع حاصل کرنے اور ان کی گرفت سے بچنے کے لیے دعوئ ایمانی کا اظہار کرتے رہے۔

(ب) **دھوکہ دہی:** منافقین اپنے اس طرز عمل سے یہ خیال کرتے تھے کہ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ اور مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں اور یہ کہ وہ اس طرز عمل سے فائدے میں رہیں گے۔ قرآن مجید نے ان پر واضح فرمایا کہ وہ کسی کو دھوکہ نہیں دے رہے وہ تو صرف اپنے آپکو فریب دے رہے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دنیا و آخرت سے متعلق فلاح و سعادت کی دعوت کو بالائے طاق رکھ کر جو یہ روش اختیار کی ہے وہ کسی طرح ان کے حق میں سودمند نہیں ہو سکتی۔ اور پھر اللہ تعالیٰ ساری کائنات کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے اسے کون فریب دے سکتا ہے۔

(3) **اندرونی مرض:** قرآن مجید نے یہاں ان کے نفاق کی وجہ بتائی کہ ان کے دل میں بیماری ہے۔ جو کھوٹ اور نفاق اور کفر ہے۔ اور یہ بیماری ان کے غلط طرز عمل نے ان کے دلوں میں پیدا کی ہے۔ کیونکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے اور نہ ہی اس پر یقین رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ڈھیل دے رکھی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے نفاق میں دشمنی کی حد تک بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور جس قدر مسلمانوں کو ترقی و کامیابی نصیب ہوتی ہے ان کا غیض و غضب اسی قدر بڑھ جاتا ہے۔



**تاریخی استشہاد:** منافقین مدینہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دشمنی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

○ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ احد کے لیے نکلے تو منافقین اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ الگ ہو گئے۔

○ جنگ خندق 5ھ میں جب فاقوں اور بے خوابی نے انہیں آزمائش میں ڈالا تو گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا بہانہ کر کے الگ ہو گئے۔

○ غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اور مسلمانوں کے بارے میں انتہائی نازیبا کلمات کہے جسے قرآن مجید نے محفوظ فرمایا۔

"لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ" (المنفقون:8:63)

اب جب ہم مدینہ جائیں گے تو ہم عزت والے (نعوذ باللہ) ان کمتروں کو مدینہ سے نکال دیں گے"۔

قرآن مجید نے جواب دیا۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (المنفقون: 8:63)

اور عزت ساری اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے رسول ﷺ کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافقین اس سے بے خبر ہیں۔

ان تمام شواہد سے منافقین کا گھٹیا کردار واضح ہو جاتا ہے۔ منافقین صرف جنگ کے موقع پر ہی بے وفائی اور غداری ہی نہ کرتے بلکہ وہ مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوشش میں دن رات مصروف رہتے یہاں تک کہ انہوں نے اس مقصد کے لیے 9ھ میں مدینہ میں ایک مسجد کا قیام کیا جسے قرآن مجید میں مسجد ضرار کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔

"وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ (التوبہ:9:107)

وہ لوگ جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں اور ان کے درمیان پھوٹ ڈالیں اور اس شخص کے لیے جائے پناہ ہو جو اللہ اور اس کے رسول مقبولؐ کے ساتھ پہلے لڑ چکا ہے۔

الغرض منافقین کی زندگی میں کوئی مقرر رستہ نہیں ہوتا۔ وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ ان کے دل تذبذب اور ڈانواں ڈول رہتے ہیں۔ کبھی قدم بڑھاتے ہیں اور کبھی رک جاتے ہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں سے مذاق کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کی اپنی زندگی ہی ایک فریب اور تمسخر ہے۔

قیامت کے روز بھی منافقین پر عجیب گزرے گی۔ جنت کا رستہ دوزخ کے اوپر ایک پل (پل صراط) سے ہو کر جائے گا۔ پل صراط کا راستہ اہل دوزخ کے لیے نہایت تاریک ہے اور اہل ایمان کے آگے آگے نور ہو گا اور وہ آسانی سے پار ہو جائیں گے۔ جب کہ کفار دوزخ میں گر پڑیں گے۔

Scanned with CamScanner

منافقین جیسا کہ وہ قولاً صاحب ایمان لیکن قلباً کافر، ان سے معاملہ بھی ایسا ہی ہو گا یعنی پل صراط سے گزرتے ہوئے شروع میں روشنی کی رہنمائی مل جائے گی اور خوشی خوشی پل پر تیزی سے گزریں گے لیکن جب دوزخ کے دوسرے کنارے پہنچیں گے تو آن واحد میں یہ نور و روشنی بجھ جائے گی اور وہ دوزخ کے آخری کنارے کی گہرائیوں میں جا گریں گے۔ جیسے کہ ارشاد خداوندی ہے۔

"اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ" (النساء:4:145)

بے شک منافقین آگ کے سب سے زیریں درجہ میں ہوں گے۔

**سوال نمبر4: سورۃ بقرہ کی روشنی میں قصہ آدم و ابلیس تفصیل سے لکھیے؟**

قرآن مجید نے سورۃ البقرہ کی ابتداء میں آدم و ابلیس کے قصہ کو بیان کیا ہے۔ سورۃ البقرہ کے علاوہ بھی کئی ایک مقامات پر یہ تذکرہ پایا جاتا ہے۔ یہاں یہ واقعہ قدرے تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ جو حسب ذیل ہے۔

(1) **خلافت ارضی:** سب سے اہم بات جو اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمائی ہے وہ آدم کی زمین پر خلافت و نیابت ہے۔

"اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً"۔

میں زمین پر اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں۔

زمین پر اللہ کا نائب اور خلیفہ ہونے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں اس طرح رنگ جائے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق اپنی زندگی ڈھال لے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور اس کی ذات و صفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے تاکہ اس طرح انسان کو اس پوری کائنات میں وہ شرف اور فضیلت عطا کی جائے جو اس سے پہلے کسی اور مخلوق کو حاصل نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ فرشتوں کو اس پر اعتراض ہوا کہ اتنے بڑے منصب والا اور اختیار والا انسان کس طرح جادہ اعتدال پر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا "اِنِّيْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ"۔

(2) **تعلیم آدم:** جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا اور اسے منصب خلافت ارضی سے نوازا تو اسے اس منصب کی اہلیت اور لیاقت سے بھی مشرف فرمایا۔ ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ اسے تعلیم کے زیور سے آراستہ فرماتا۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

"وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا"۔

کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو "علم الاسماء" عطا فرمایا کہ کائنات کی تمام چیزوں کی شناخت اور ان کے پکارنے کا طریقہ عطا فرمایا جن کا جاننا نیابت الٰہی کے لیے ضروری تھا۔

انسان سے قبل فرشتوں کو صرف یہ معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کیسے کی جاتی ہے۔ فرشتے ضروریات زندگی سے بے نیاز تھے۔ لہٰذا انہیں یہ جاننے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کائنات کا نائب بنایا۔ اس کے ساتھ انسانی حوائج و ضروریات



کو منسلک کیا۔ تو اسے ان کا علم بھی عطا فرمایا۔ یہ علم کا عطا ہونا انسان کے شرف اور تفضل کا باعث تھا۔ اور اس صفت علم کی وجہ سے انسان کو فرشتوں پر تفوق و برتری حاصل ہوئی۔

(3) **امتحان:** جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو نائب بنایا۔ اور اس پر فرشتوں نے اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور آدم علیہ السلام کا ایک امتحان پسند فرمایا۔ فرشتوں کو اللہ کی حمد و تقدیس کا فریضہ سونپا گیا تھا۔ اور وہ اسے ہی سب کچھ سمجھتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو علم اشیاء کائنات عطا فرمایا تو پھر فرشتوں کو جمع فرمایا۔ اور کائنات کی مختلف اشیاء ان کے سامنے رکھیں۔ اور فرمایا۔

"اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ" (البقرہ2:31)

کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔

فرشتے اس سلسلے میں سوائے معذرت کے کچھ نہ کہہ سکے کہ ہمیں اس کے سوا کچھ علم نہیں کہ جو تو نے ہمیں دیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے کہا کہ وہ فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتائیں تو انہیں علم الاشیاء حاصل تھا۔ انہوں نے سب چیزوں کے نام، خواص سبھی کچھ بتا دیے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر آدم کی برتری واضح فرمائی اور کہا۔ اِنِّيْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ کہ میں خوب جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے۔

(4) **حکم سجدہ:** اللہ تعالیٰ نے فرشتوں پر آدم کی علمی برتری ثابت فرما دی تو انہیں حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے صرف اطاعت کا مادہ رکھا ہے۔ وہ قرآن مجید کے فرمان کے مطابق:

"لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ" (التحریم:66:4)

کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی سرتابی کی مجال نہیں رکھتے، بلکہ جو کچھ انہیں حکم دیا جاتا ہے وہ کر گزرتے ہیں۔

اسی عادت کے تحت سب فرشتوں نے سجدہ کیا۔ وہ حکم پروردگار کے سامنے جھکے۔ انہوں نے آدم علیہ السلام کی برتری اور تفوق کو بسرو چشم قبول کیا۔ لیکن ان فرشتوں میں ایک جن بھی موجود تھا جس کا نام سریانی میں عزازیل اور عربی میں حرث اور لقب ابلیس تھا جو اپنے نام کے مفہوم کے اعتبار سے "مایوس" تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک خاکی مخلوق اس پر برتری و فضیلت حاصل کر گئی ہے تو اس نے حکم الٰہی ماننے سے انکار کر دیا۔

(5) **انکار و استکبار:** قرآن مجید نے ابلیس کے بارے میں واضح طور پر فرمایا کہ "اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ" اس نے نہ صرف انکار کیا بلکہ بڑائی جتلانے لگا"۔

اس کائنات کی پہلی مخلوق جس نے انکار و تکبر کی راہ اختیار کی وہ ابلیس ہے۔ قرآن مجید نے اس کے بارے میں واضح کیا کہ وہ جنّ تھا۔ وہ عبادت و ریاضت کے ذریعہ فرشتوں میں شامل ہو گیا تھا۔ اس کے دل میں برتری اور بڑائی کے ایسے خیالات تھے جس نے اسے بارگاہ ایزدی کے تقرب

Scanned with CamScanner

سے محروم کردیا۔ اس کا کہنا تھا۔

"اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ" (الاعراف:12:7)

میں اس (آدمؑ) سے بہتر ہوں مجھ کو آپ نے آگ سے پیدا کیا اور اس (آدمؑ) کو مٹی سے پیدا کیا۔

ابلیس کی یہ سوچ اور یہ خیال اس قدر مذموم تھا کہ بارگاہ رب العزت سے حکم صادر ہوا۔

"فَاخْرُجْ مِنْھَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ ○ وَّاِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَۃَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ"

تم یہاں سے دفع ہو جاؤ تم مردود ہو اور تجھ پر میری لعنت قیامت تک رہے گی۔

(6) **آدمؑ کی آزمائش:** آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی حوا کو خلافت ارضی کے اعزاز میں جنت میں ٹھہرایا گیا۔ اور اجازت دی گئی کہ یہاں کی ہر چیز کو خوب جی بھر کر کھائیں۔ صرف ایک پابندی لگائی کہ فلاں درخت کے پاس نہ جائیں ورنہ ظالموں میں شمار ہوں گے۔

محققین کا اجتماعی فیصلہ ہے کہ اس امر کے تعین میں کوئی قرینہ نہیں کہ وہ شجر ممنوعہ کیا چیز تھی۔ قرآن مجید اور احادیث نبویہؐ اس کی تفصیل و تعین میں خاموش ہیں۔ لہٰذا ہمیں بھی بلاوجہ کرید و قیاس آرائی سے گریز کرنا چاہیے۔

بہرحال شیطان ابلیس جو آدم علیہ السلام کا دشمن تھا اور وہ آدم ہی کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہوا تھا۔ آدم و حوا کے پیچھے لگ گیا اور انہیں بہلا پھسلا کر اپنے مذموم ارادے میں کامیاب ہو گیا۔ جب نافرمانی ہوگئی تو جنت سے چلے جانے کا حکم ہوا اور فرمایا گیا۔

"فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ" (البقرہ2:38)

(زمین پر اترنے کے بعد ہم آپ کو بھلائیں گے نہیں بلکہ آپ کو اور انہی کی نسل کو راہ ہدایت پر رکھنے کے لیے ہدایت و ضابطہ بھیجتے رہیں گے) پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے پس جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا تو اسے نہ کوئی ڈر ہو گا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ گویا آسمانی تعلیمات پر زندگی گزارنے والا دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہو گا۔

حضرت حوا و حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ سخت نادم ہوئے کسی بندے کی توبہ یہ ہے کہ وہ گناہ پر نادم ہو کر آئندہ ویسا کرنے سے باز آجائے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی مانگے چنانچہ دونوں نے پروردگار سے دعا کی۔

"رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ" (الاعراف:23:7)

اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے آپ پر بہت ظلم کیا ہے اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔



چنانچہ اعتراف غلطی اور ندامت پر پروردگار معاف کر دیتا ہے مگر غلطی پر اکڑ و تکبر کو کبھی معاف نہیں کرتا بلکہ وہ راندۂ درگاہ اور رحمت سے محروم قرار دے کر بالآخر جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ اور حاسدوں کے حسد اور بدخواہوں کی بدخواہی کے باوجود خدا اپنے انعامات اور رحمتیں جس پر کرنا چاہتا ہے مکمل کر کے رہتا ہے اور کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ جس طرح پروردگار نے ابلیس کی مخالفت اور کوشش و خواہش کے باوجود حضرت آدمؑ کی خلافت و نیابت کو زمین پر قائم کر دکھایا۔

**سوال نمبر5:** بنی اسرائیل کا مفصل تعارف تحریر کیجیے۔

① **بنی اسرائیل کی تاریخ:** اسرائیل عبرانی زبان کا لفظ دو اجزاء اسرا (بمعنی بندہ) اور ایل (بمعنی الٰہ اور معبود) پر مشتمل ہے گویا اسرائیل کے معنی عبداللہ یعنی اللہ کا بندہ ہیں۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا خدا تعالیٰ کا عطا کردہ لقب ہے۔ آپ حضرت ابراہیمؑ کے پوتے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ حضرت یعقوبؑ کے بارہ صاحبزادے تھے۔ ان کا وطن شام رہا۔ دنیا میں توحید خداوندی کی علم برداری اکیلی قوم رہی ہے۔ اس خاندان میں نبوت چار ہزار سال تک رہی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تقریباً چار ہزار انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے چوتھے بیٹے کا نام یہودا تھا۔ اسکی نسل یہود کہلائی اور بالآخر خدا تعالیٰ نے ان کو عزت و شرف سے نوازا تو سبھی بنی اسرائیل یہودی کہلائے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے حضرت یوسف علیہ السلام کو شاہ مصر کے دربار میں مصاحبت خاص کا شرف ملا تو حضرت یعقوب علیہ السلام مع اپنے اہل و عیال ملک شام سے مصر میں رہے۔ یہ زمانہ 1900 قبل مسیح کا تھا۔ تاوقتیکہ مصریوں (قبطیوں) میں ایک بادشاہ فرعون رعمیس ثانی برسراقتدار آیا۔ اس نے بنی اسرائیل پر اس قدر ظلم و ستم کیا کہ وہ ان کے مَردوں کو قتل کروا دیتا۔ اس طرح ان پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں حضرت موسیٰؑ (صاحب توریت) کو مبعوث کیا جو انہیں مصر سے نکال کر وادی سینا میں لے گئے۔ ان کی بدعہدیوں کی بنا پر 40 سال تک فلسطین کا علاقہ حرام قرار دیا۔ بالآخر 40 سال جنگلوں میں مارے مارے پھرنے کے بعد حضرت طالوت بادشاہ کی زیر قیادت فلسطین میں داخل ہوئے پھر حضرت داؤد علیہ السلام (صاحب زبور) اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت بنی لیکن اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے یہ پھر ذلیل و خوار ہوئے تب پروردگار نے ان پر ترس کھایا اور ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام (صاحب انجیل) کو مبعوث فرمایا۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیان انیس سو پچیس 1925 سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔

② **فضیلت عالمینی:** قرآن مجید نے بنی اسرائیل سے براہ راست خطاب فرمایا اور اسے عالمین کی فضیلت کا مرتبہ عطا فرمایا۔

بنی اسرائیل کی اس فضیلت کی وجہ وہ انعامات و نوازشیں تھیں جو اس قوم کے سوا کسی اور

Scanned with CamScanner

کے حصہ میں نہ آئیں۔ ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

**نبوت:** اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں کم و بیش چار ہزار انبیاء بھیجے۔ جو اپنی جگہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔

**وحدانیت کی علمبردار:** بنی اسرائیل واحد قوم تھی جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی علمبردار تھی۔ اور یہ ان کی فضیلت کا اعلیٰ معیار تھا۔

**پستی اور ذلت سے نجات:** بنی اسرائیل پستی اور ذلت میں گھری ہوئی قوم تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پستی سے نکالا اور یوں ارشاد فرمایا۔

"وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ" (القصص:28:5)

اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو ملک میں کمزور کر دیے گئے تھے اور ہم انہیں پیشوا بنائیں اور ہم انہیں (ملک کا) وارث بنائیں۔

**علمی برتری:** اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کتب سماوی سے نوازا۔ وہ اس حوالے سے نہ صرف اہل کتاب کہلائے بلکہ اہل علم بھی مشہور ہوئے۔ اور یہ اتنی بڑی فضیلت تھی کہ جب آپؐ نے اعلان نبوت فرمایا تو کفار مکہ بنی اسرائیل کو معیار حق سمجھتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ جو یہود کا طرز عمل ہوگا وہی درست ہوگا کیونکہ وہ اہل کتاب ہیں۔ چونکہ قرآن مجید نے ان کی اس حیثیت کو اس طرح بیان فرمایا۔

"وَآمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ" (البقرہ 2:41)

کہ جو کچھ مجھ پر اتارا گیا ہے اس پر ایمان لاؤ جو اس کی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے پاس ہے۔ اور تم اس کے پہلے انکار کرنے والے نہ بنو۔

**بعثت محمدیؐ:** قرآن مجید نے آنحضور ﷺ کی بعثت مبارکہ کو بھی یہود پر ایک احسان عظیم قرار دیا اور کہا کہ اگر تم آپؐ پر ایمان لائے تو تمہاری سابقہ فضیلت نہ صرف برقرار رہے گی بلکہ آئندہ بھی دنیا کی امامت ان کا مقدر ہوگی۔

③ **عہد و میثاق:** سورۃ البقرہ میں قرآن مجید نے اس عہد و میثاق کا ذکر بھی فرمایا ہے جو بنی اسرائیل سے ان کے انبیاء کی وساطت سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ ارشاد ہے۔

"وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ"۔

"وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ"

"أَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ" (سورۃ البقرہ)۔

قرآن مجید میں نہ صرف عہد و میثاق کا ذکر موجود ہے بلکہ اس عہد و میثاق کی تفصیل بھی بیان ہوئی ہے جو حسب ذیل ہے۔



(1) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ وہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے۔

(2) یہ بھی عہد لیا گیا کہ وہ والدین کا احترام کریں اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔

(3) رشتہ داروں، یتیموں اور محتاجوں سے بھلائی کا معاملہ کریں گے۔

(4) یہ بھی عہد لیا گیا کہ وہ لوگوں سے حسن سلوک اور عمدہ گفتگو کے ساتھ معاملہ کریں گے۔

(5) نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی کا بھی وعدہ لیا گیا۔

(6) قتل اور خونریزی اور لوٹ مار سے روکا گیا۔

(7) یہ بھی عہد لیا گیا کہ بنی اسرائیل والے کسی کو اپنوں میں سے جلاوطن نہ کریں گے۔

**خصوصی عہد:** ان تمام عہدوں اور وعدوں کے علاوہ ایک خصوصی عہد بھی تھا جو قوم بنی اسرائیل سے لیا گیا۔ اور اس عہد کے سلسلے میں یوں فرمایا گیا۔

"أَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ" (البقرہ)۔

کہ تم میرا وعدہ پورا کرو، میں تمہارے ساتھ کیا گیا وعدہ پورا کروں گا۔

اس آیت میں ایک خصوصی عہد کی طرف اشارہ ہے۔ اور وہ عہد یہ تھا کہ جب حضرت محمد ﷺ تشریف لائیں اور اعلان نبوت کریں تو تم ان کا نہ صرف ساتھ دینا، ان پر ایمان لانا بلکہ ان کی تائید و نصرت بھی کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں یہ وعدہ لیا تھا وہاں یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ اگر بنی اسرائیل حضرت محمد ﷺ کی نبوت پر ایمان لائیں گے اور آپؐ کی تائید و نصرت کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں سرخرو فرمائے گا۔ دنیاوی سیادت کے ساتھ ساتھ آخرت میں جنت کا داخلہ بھی اس عہد میں شامل تھا۔ اس عہد کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ڈر کا حوالہ دیا کہ میری قدرت اور طاقت اور عظمت سے ڈرتے رہنا اور عہد کو پورا کرنا۔ لیکن تاریخ گواہ ہے خود قرآن مجید نے گواہی دی کہ یہود نے جہاں دیگر وعدے پورے نہ کیے، بلکہ توڑ دیے۔ اس طرح یہ خصوصی عہد بھی انہوں نے بالائے طاق رکھا۔ اور نبی کریم ﷺ کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ اور آج تک امت مسلمہ کی دشمنی یہود کی اولین ترجیح ہے۔

**سوال نمبر6:** بنی اسرائیل پر انعامات خداوندی قلمبند کیجیے۔

**انعامات:** بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی لاڈلی قوم تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سر پر فضیلت عالمینی کا تاج رکھا۔ اور پھر انہیں بے شمار انعامات سے نوازا۔ ان انعامات کا ذکر قرآن مجید میں تفصیلاً آیا ہے۔ سورۃ البقرہ میں جن انعامات کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

① **پہلا انعام: ذلت و پستی سے نجات:** بنی اسرائیل ایک انتہائی کمزور قوم تھی جو ذلت و پستی کی زندگی گذار رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے نوازا۔ اس قوم میں بیشتر انبیاء کرام بھیجے۔ اور پھر انہیں نبوت کے ساتھ ساتھ بادشاہت سے بھی سرفراز کیا۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمانؑ، حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل کے

Scanned with CamScanner

اولوالعزم پیغمبر ہیں۔ جن کی وجہ سے یہ قوم تمام دنیا جہاں میں عزت اور سرخروئی سے ہمکنار ہوئی۔ ارشاد خداوندی ہے۔

"وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ" (البقرہ 2:47)

اور بیشک میں نے تمھیں دنیا کی تمام اقوام پر فضیلت دی ہے۔

② **دوسرا انعام: فرعونی ظلم سے نجات:** حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے قبل قوم بنی اسرائیل اپنی نافرمانیوں اور گمراہیوں کے سبب فرعون رعمسیس ثانی جیسے ظالم وجابر حکمران کے چنگل میں گرفتار تھے۔ فرعون بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنالیتا تھا۔ اور ان سب پر بُرا عذاب ڈھا رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ان پر فضل ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام ان میں مبعوث ہوئے اور انھوں نے فرعون کے پنجہ استبداد کو توڑا اور قوم بنی اسرائیل کو نجات دلائی۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔ وَاِذْ نَجَّیْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ (البقرہ 2:49)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم کو قوم فرعون سے نجات دی کہ وہ تمھیں انتہائی دکھ دہ عذاب دیتے تھے۔ وہ تمھارے بیٹوں (نرینہ اولاد) کو ذبح کر دیتے اور تمھاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے۔

③ **تیسرا انعام: بحر قلزم سے بحفاظت پار اتارنا:** حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چلے تاکہ فرعون کے ظلم و ستم سے انھیں بچائیں تو فرعون نے ایک لشکر جرار کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ کیونکہ وہ ان بے دام غلاموں کو کسی طور ہاتھ سے جانے دینے کو تیار نہ تھا۔ اب سامنے بحیرہ قلزم اور پیچھے فرعون کا لشکر۔ بنی اسرائیل عجب مصیبت میں گرفتار ہوئے۔ اور موسیٰؑ سے بگڑے لیکن اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کے عصا سے سمندر کو دو حصے کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل والے گذر گئے لیکن جب فرعون اور اس کے لشکری وہاں سے گذرتے ہوئے عین سمندر کے درمیان میں پہنچے تو دریا کا پانی مل گیا۔ اور سب غرق ہو گئے۔ ارشاد ربانی ہے۔

"وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (البقرہ: 2:50)۔

اور یاد کرو جب ہم نے تمھارے لیے سمندر کو پھاڑ دیا اور ہم نے تمھیں نجات دی اور آل فرعون کو غرق کر دیا اور تم دیکھ ہی تو رہے تھے۔

④ **چوتھا انعام: گوسالہ پرستی کی معافی:** بحکم خداوندی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے تاکہ انھیں تورات عطا کی جائے تو بنی اسرائیل نے ان کے بعد گائے کے بچے کو پوجنا شروع کر دیا۔ بچھڑے کی پوجا ایک کھلا شرک تھا۔ اس پر غضب یہ کہ حضرت



ہارون علیہ السلام نے قوم کو اس سے روکنا چاہا تو یہ بدنصیب قوم حضرت ہارون علیہ السلام کو شہید کرنے کے درپے ہو گئے جو ایک جرم عظیم تھا۔ اس کی سزا پوری قوم کو ملنی چاہیے تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے رحم و کرم اور عفو و درگذر کا معاملہ فرمایا۔ اور صرف اس گروہ کے لیے سزا تجویز کی جو شرک کی مرتکب ہوئی تھی۔ باقی قوم کو توبہ و استغفار سے معاف فرمایا۔ یہ ایک طرح کا انعام تھا جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر کیا۔

جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ شریعت موسوی کے مطابق ان کی سزا قتل تھی۔ چنانچہ حکم ہوا کہ ہر مشرک کو اس کا قریبی موحد عزیز قتل کرے۔ یوں تقریباً 70 ہزار مشرک قتل ہوئے اور باقی جو بچے انھیں معاف کر دیا گیا اور ان کی توبہ قبول ہوئی۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

"ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ" (البقرہ 2:51:52:54)

پھر تم نے ان کے پیچھے بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم بہت ظالم تھے ۝ مگر پھر ہم نے تمھیں معاف کر دیا شاید کہ تم شکر گزار بن جاؤ ۝ بیشک بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر بہت ظلم کیا ہے پس اب بچھڑے کو معبود بنانے سے توبہ کرو اور اپنے مشرک بھائی بندوں کو قتل کرو (تاکہ تمھیں معاف کر دیا جائے)۔

⑤ **پانچواں انعام: تورات کا ملنا:** کسی قوم کی طرف ضابطہ حیات یعنی الہامی کتاب کو نازل کرنا خدا تعالیٰ کا ایک عظیم انعام ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو طور پہاڑ پر بلایا۔ آپؑ وہاں چالیس رات مقیم رہے اور عبادت میں مشغول رہے۔ پھر آپؑ کو تورات عطا ہوئی جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لیے ایک شریعت تھی۔

تورات الواح کی صورت میں عطا کی گئی۔ اس کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزات بھی دیے گئے۔ جن کا مقصد بنی اسرائیل کی ہدایت کا واضح سامان کرنا تھا کہ وہ انھیں دیکھ کر فوراً ایمان لے آئیں۔ اور کسی تردد کا شکار نہ ہوں۔ یہ تورات اور معجزات حضرت موسیٰؑ کی قوم پر اللہ تعالیٰ کا ایک احسان عظیم اور ایک انعام ربانی تھا۔ ارشاد ربانی ہے۔

"وَاِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (البقرہ: 2:53)

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (تورات) اور فرقان (معجزات) عطا فرمائے تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔

⑥ **چھٹا انعام: موت کے بعد زندگی:** جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر آئے تو قوم کے شریر لوگوں نے کہا کہ ہمیں کیا معلوم کہ یہ تورات اللہ کی کتاب ہے۔ ہمیں وہاں لے چلو ہم اللہ سے ہمکلام ہو کر یقین چاہتے ہیں کہ واقعی یہ اللہ کی کتاب مقدس ہے۔ اللہ کی اجازت سے ستر منتخب افراد کو طور پہاڑ پر لے گئے۔ وہاں جا کر یہ لوگ اپنی بات ﷺ سے پھر گئے۔ اور کہنے لگے کہ ہم

Scanned with CamScanner

تو اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھنا چاہتے ہیں تب اللہ تعالیٰ کے غضب کے شکار ہوئے۔ جب یہ لوگ سینا کے قدموں میں پہنچے۔ دھوئیں کا بادل اٹھا' پہاڑ لرزا اور ایک ایک کڑکا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کڑک سے سب کو ختم فرما دیا۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں انتہائی عاجزی سے درخواست کی اور یہ لوگ دوبارہ زندہ ہو گئے۔ اور انہوں نے اپنی قوم کے سامنے تورات کے برحق ہونے کی گواہی دی۔ یہ واقعی اللہ تعالیٰ کا ان پر انعام تھا کہ اس نے ان کے اس فضول مطالبہ کے باوجود ان پر حق کو واضح کیا۔ اس واقعہ کو قرآن مجید میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

"وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝ (البقرہ:2:55 ، 56)

اور (یاد کرو) جب تم نے کہا' اے موسیٰؑ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ظاہرا دیکھ لیں۔ پھر کڑک نے تمہیں آلیا اور تم دیکھ رہے تھے ۝ پھر ہم نے تمہیں تمہاری موت کے بعد زندہ کر اٹھایا تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ۔

لیکن جب ان کو دوبارہ زندگی دی گئی تو انہوں نے تورات کو پھر ماننے سے انکار کر دیا جس کی پاداش میں ان پر کوہ طور اس طرح بلند کر دیا گیا جیسے ایک چھتری کہ اب گرا اب گرا۔ جب انہوں نے کوہ طور کو سروں کے اوپر مسلط پایا تو چار و ناچار تورات کے احکامات کا وعدہ کیا مگر پھر انکار کر دیا۔

⑦ **ساتواں انعام: من و سلویٰ سے میزبانی:** بنی اسرائیل ہزاروں کی تعداد میں مصر سے نکل کر صحرائے سینا یا وادی تیہہ میں آ ٹھہری۔ اس صحرا یا وادی میں یہ قوم چالیس سال تک بھٹکتی رہی۔ اور ان کا یہ بھٹکنا ایک سزا کے طور پر تھا۔ تاہم اس دوران بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمتوں کے نزول کو جاری رکھا۔ ارشاد ربانی ہے۔

"وَظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی (البقرہ:2:57)

اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور تمہارے کھانے کے لیے من و سلویٰ نازل فرمایا۔

(ا) اس وادی میں کوئی درخت' سایہ دار جگہ یا عمارت وغیرہ نہ تھی تب اللہ تعالیٰ نے دھوپ کی شدت سے بچنے کے لیے ان پر بادلوں کا سایہ فرما دیا۔

ان کے لیے غذا کا انتظام کیا گیا۔ من و سلویٰ کی صورت میں ربانی میزبانی چالیس سال جاری رہی۔ یہ ایک قدرتی غذا تھی۔

**من:** دھنیے کے بیج جیسی ایک چیز تھی جو اوس کی طرح گرتی اور زمین پر جم جاتی۔ یہ انتہائی شیریں ہوتی۔ یہ لوگ جمع کرتے اور خوب کھاتے۔

**سلویٰ:** بٹیر کی قسم کے پرندے تھے جو کثرت سے وہاں جمع ہو جاتے۔ یہ انہیں پکڑ کر ذبح کرتے اور



نوش جاں کرتے۔

تیہہ میں ان پر اس کے سوا بھی بہت سارے انعامات اتارے گئے مگر انہوں نے حسب عادت ناشکری اور ناقدری ہی کا مظاہرہ کیا۔

⑧ **آٹھواں انعام:** پانی ناپید تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنے عصا سے پتھر کو ضرب لگائیں۔ اللہ کے کرم سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ اور ہر قبیلہ والوں کے لیے الگ پانی کی سہولت مہیا ہو گئی۔

"وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ (البقرہ:2:60)

اور جب حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا پس کہا ہم نے (اے موسیٰؑ) اس چٹان پر اپنا عصا ماریے۔ پس اس سے بار چشمہ ہائے آب پھوٹ نکلے اور ہر قبیلہ نے اپنا اپنا الگ گھاٹ جان لیا۔

**سوال نمبر7** : بنی اسرائیل کی بداعمالیوں کی تفصیل بیان کیجیے۔ نیز ان کو ان پر کیا سزا دی گئی۔

**یہود کی بداعمالیوں کی سزا:** اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر جس قدر احسانات کیے۔ یہ قوم اسی قدر بگڑتی چلی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر جہاں انعام و اکرام نازل کیے وہاں ان کی بداعمالیوں کی سزا بھی تجویز کی۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

① **اپنے آپ کو قتل کرنا:** جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے۔ تو قوم نے ان کے جانے کے بعد بچھڑے کو معبود بنا کر ان کی پرستش شروع کر دی۔ شریعت موسوی کے مطابق جو لوگ شرک کے مرتکب ہوئے ان کا قتل واجب تھا چنانچہ گئو سالہ کی پرستش کی پاداش میں 70 ہزار بنی اسرائیل قتل کیے گئے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

"اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْا اِلٰی بَارِئِکُمْ فَاقْتُلُوْا اَنْفُسَکُمْ (البقرہ:2:54)

بیشک بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر بہت ظلم کیا ہے پس تم توبہ کرو اور اپنے ان لوگوں کو قتل کرو جنہوں نے شرک کیا۔

② **عذاب رجز:** جب بنی اسرائیل والے وادی سینا سے تنگ آ گئے تو انہوں نے ان اشیاء کا مطالبہ کیا جو شہروں میں ملتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت دی کہ کسی بھی شہر میں چلے جائیں انہیں یہ سب کچھ مل جائے گا۔

ان پر یہ شرط عائد کی گئی کہ وہ جب شہر کے دروازے میں داخل ہوں تو جھکتے ہوئے داخل ہوں اور لفظ حِطَّةٌ کا ورد کریں۔ جس کا معنی یہ تھا کہ اے اللہ ہمارے گناہ معاف کر دے۔

بنی اسرائیل والوں نے شہر میں داخلے کے وقت معافی اور بخشش کی دعا کی بجائے حِنْطَةٌ'

حِنْطَۃٌ' یعنی گندم گندم کہنا شروع کر دیا۔ یہ ان کے حرص ولالچ کا اظہار تھا۔ اور اللہ سے بے تعلقی کا نتیجہ تھا۔ جس سے اللہ تعالیٰ اس قدر ناراض ہوا کہ ان پر آسمان سے عذاب (رجزا) اتارا۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ رجز سے مراد طاعون کا عذاب تھا۔ جس سے ایک ہی دن میں 70 ہزار آدمی مرگئے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

"فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلاً غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ (البقرہ:2:59)

پس جنہوں نے ظلم کیا کہ انہوں نے بات کو بدل دیا اور جو کچھ ان سے کہا گیا تھا اس کے سوا کہنے لگے پس ہم نے ان پر جنہوں نے ظلم کیا آسمان سے عذاب نازل کیا۔

③ **ذلت و مسکنت**: جب بنی اسرائیل نے من و سلویٰ کی ناقدری کی اور سبزی' ککڑی' کھیوں' مسور کی دال اور پیاز مانگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ایک اعلیٰ چیز کے بدلے ادنیٰ چیز چاہ رہے ہیں۔ ان کے اس مطالبے پر انہیں شہر کا رخ کرنے کا حکم ہوا اور ساتھ ہی ان پر ذلت و مسکنت مسلط کر دی گئی۔ اور یہ لوگ اللہ کے غضب کا شکار ہوئے۔

یہاں قرآن مجید نے واضح فرمایا کہ یہ لوگ نافرمان' کفران نعمت کے مرتکب' انبیاء کے قتل کرنے والے اور صلہ رحمی کو کاٹنے والے اور اللہ کے احکام سے تجاوز کرنے والے ہیں اس لیے یہ نہ صرف ذلت اور مسکنت کے مستحق ہیں بلکہ اللہ کا غضب بھی ان کا مقدر ہے۔

④ **رفع طور**: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے تورات لے کر قوم کے پاس آئے تو قوم نے ماننے سے انکار کر دیا۔ 70 افراد کا وفد طور پہاڑ پر گیا۔ اور یہ یقین مشاہداتی طور پر لے کر آیا کہ تورات واقعی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ ان کی گواہی دینے کے باوجود قوم کے شرارتی لوگوں نے بہانہ کیا کہ چونکہ تورات کے احکام سخت ہیں اس لیے وہ عمل نہیں کر سکتے۔ بنی اسرائیل کی اس ہٹ دھرمی پر اللہ تعالیٰ نے ان پر طور پہاڑ لا کھڑا کیا۔ اور ان سے زبردستی اطاعت کرائی۔ ارشاد خداوندی ہے کہ۔

"وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ (البقرہ:2:63)

اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور تم پر کوہ طور کو (چھتری کی مانند) بلند کر دیا (اور فرمایا) جو کچھ ہم نے تم کو دیا (الہامی احکامات یعنی تورات) ان پر سختی سے کاربند ہو جاؤ۔

⑤ **شکلوں کا مسخ ہونا**: یوم السبت بنی اسرائیل کا مذہبی دن تھا۔ اس دن کاروبار کرنے کی ممانعت تھی۔ حکم یہ تھا کہ یہ دن خالص عبادت کے لیے ہے۔ بنی اسرائیل والے چونکہ بدفطرت اور نافرمان تھے۔ اس لیے وہ اس دن حیلہ بہانے سے کاروبار کی صورت پیدا کر لیتے تھے۔ چنانچہ ایلہ بستی کے لوگوں نے جو سمندر کے کنارے رہتے تھے سبت کے دن کے لیے سمندر کے قریب حوض اور نالیاں بنائی ہوئی تھیں وہ سبت کے روز شکار تو نہ کرتے لیکن حوض مچھلیوں سے بھر لیتے۔



ان کی یہ حیلہ جوئی رب کی ناراضگی کا باعث بنی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی شکلوں کو مسخ کر دیا۔ اور انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا۔ یہ ایک عبرت والا واقعہ تھا۔ اور اس میں ایمان والوں کے لیے بھی نصیحت ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

"وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ (البقرہ:2:65)

اور البتہ تم ان لوگوں کو جانتے ہو جنہوں نے تم میں سے ہفتے (سبت) کے دن کے بارے میں حد سے تجاوز کیا تھا پس ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل و خوار قسم کے بندر بن جاؤ۔

⑥ **میثاق بنی اسرائیل سے عہد شکنی اور سزا**: بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی بہت چہیتی مخلوق تھی مگر سخت نافرمان۔ خدا تعالیٰ نے ان سے بارہا عہد و پیمان لیا کہ وہ خدائی احکامات اور اپنے رسولؐ کی اطاعت کر کے ایک کامیاب و کامران زندگی بسر کریں گے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

"وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ...... يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ (البقرہ2:83-85)

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا کہ (i) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا (ii) والدین' قریبی رشتہ داروں' یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا (iii) لوگوں سے اچھی بات کہنا (iv) نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا (v) اپنے ہم قوم لوگوں کا خون نہ بہائیں گے اور نہ انہیں ان کے گھروں سے نکالیں گے (vi) کتاب پر کامل ایمان لانے کی بجائے بعض حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔

چنانچہ اسی عہد شکنی کی پاداش میں ان کے لیے دنیاوی زندگی میں سراسر رسوائی رکھ دی گئی ہے اور بالآخر روز قیامت انہیں شدید عذاب سے دوچار کیا جائے گا۔

**سوال نمبر8**: بنی اسرائیل کے جرائم تفصیل سے بیان کیجیے۔

**بنی اسرائیل کے جرائم**: بنی اسرائیل ایک سرکش اور نافرمان قوم رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر جس قدر احسانات کیے۔ یہ اسی قدر نافرمانی اور گنہگاری کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ ذیل میں اس کی نافرمانیوں کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

① **واقعہ رفع طور**: بنی اسرائیل کا یہ کہنا تھا کہ تورات کے احکام سخت ہیں اور ان پر عمل ممکن نہ ہو گا۔ ابتداء" وہ تورات کو اللہ کی کتاب ماننے پر تیار نہ تھے۔ تاہم 70 آدمیوں کی گواہی پر تورات کو اللہ کی کتاب ماننے پر تیار ہو گئے۔ لیکن پھر شرارتاً احکام کی سختی کا بہانہ کر کے نافرمانی پر مصر رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان پر طور پہاڑ کا ایک بڑا ٹکڑا ان کے سروں پر معلق کر دیا گیا۔ کہ اگر احکام کی پیروی نہ کی گئی تو تمہیں پیس کر رکھ دیا جائے گا۔ اس پر بنی اسرائیل نے

Scanned with CamScanner

احکام ماننے کی حامی بھرلی۔

یہ واقعہ ان کی نافرمانی اور ہٹ دھرمی کا ایک ثبوت ہے۔

② **واقعہ سبت**: یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے سے ہوا۔ بنی اسرائیل کے لیے ہفتہ کا دن مبارک اور مذہبی رسوم و عبادت کا دن کہلاتا تھا۔ اس دن مچھلی کے شکار پر پابندی تھی۔ دیگر کاروبار بھی بند رہتے تھے۔ اور یہ بھی طے تھا کہ جو اس کی خلاف ورزی کرے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ چنانچہ بستی ایلہ کے یہودی جو ساحل سمندر پر آباد تھے۔ انہوں نے ایک حیلہ کیا کہ سمندر کے کنارے حوض بنائے اور انہیں نالیوں کے ذریعہ سے سمندر سے ملا دیا۔ وہ ہفتہ کے روز شکار تو نہ کرتے لیکن حوض بھر لیتے اور اتوار کے روز ان کا شکار کرتے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ مذاق پسند نہ آیا۔ چنانچہ سزا کے طور پر ان کے چہرے مسخ کر دیے گئے۔ اور انہیں بندر و خنزیر بنا دیا اور وہ اسی حالت میں مرے۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ان کی شکلیں حقیقی طور پر مسخ ہوئیں اور بعض کا خیال ہے کہ مجازی طور پر ان کی عادات و اخلاق مسخ ہوئے۔

③ **واقعہ ذبح بقرہ**: قوم بنی اسرائیل میں ایک عمر رسیدہ شخص عامیل نامی قتل ہوا۔ بھتیجے نے چچا کی دولت حاصل کرنے کے لیے اور اس کی بیٹی سے شادی کرنے کے لیے اپنے چچا کو قتل کیا۔ اور لاش کسی دور جگہ پر پھینک دی اور حضرت موسیٰؑ سے قاتل کا مطالبہ کرنے لگا۔

جب حضرت موسیٰؑ نے بتایا کہ گائے ذبح کرو اور اس کا ایک حصہ مقتول کو لگاؤ وہ زندہ ہو کر قاتل بتا دے گا۔ تو بنی اسرائیل نے اسے اللہ تعالیٰ اور موسیٰؑ کی طرف سے مذاق سمجھا۔ وہ گائے کو مقدس سمجھتے تھے اس لیے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ خصوصاً گائے کی خصوصیات وغیرہ۔ جس کا اصل مقصد حکم نہ ماننا تھا۔

تاہم انہوں نے ایک انتہائی بیش قیمت گائے خریدی اور اس کا ایک حصہ ذبح کرنے کے بعد مقتول کو لگایا اور وہ زندہ ہو گیا اور اس نے اپنا قاتل بتا دیا۔

اس واقعہ سے یہودی نافرمان قوم کی ذہنیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے یہ اور بھی واضح ہوتا ہے کہ تمام بھید اللہ جانتا ہے۔ زندہ کرنا اور مارنا اللہ کے حکم کا دوسرا نام ہے۔ وہ اس امر پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ انسان انسانوں سے تو چھپا سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ سے حقیقت حال نہیں چھپائی جا سکتی۔

یہ ایک عبرت ناک واقعہ ہے۔ اور اس میں مومنوں کے لیے نصیحت بھی ہے۔

④ **تحریف آیات**: یہود کے جرائم میں ایک بڑا جرم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس میں موجود آیات کے اندر لفظی و معنوی تبدیلی تھی۔ وہ جن احکامات الٰہیہ کو نہ مانتے انہیں بدل ڈالتے۔

عہد نبویؐ میں جو یہودی موجود تھے۔ وہ نبی کریم ﷺ کو بخوبی پہچانتے تھے۔ اور تورات میں نہ صرف حضرت محمد ﷺ کا ذکر موجود تھا بلکہ آپؐ کی تمام نشانیاں بھی مذکور تھیں۔



یہودیوں نے تورات سے یہ سب کچھ بدل دیا۔ تاکہ انہیں آپ ﷺ پر ایمان نہ لانا پڑے۔

قرآن مجید نے ان کے اس رویہ پر بے حد افسوس کا اظہار فرمایا کہ یہ لوگ کس قدر نادان اور مجرمانہ ذہنیت رکھتے ہیں۔

"یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ۚ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" (البقرہ:2:79)

اپنے ہاتھوں سے اللہ کی کتاب میں ردوبدل کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

عہد نبویؐ میں یہودیوں میں بدکاری کا واقعہ پیش آیا آپ نے سنگساری کا حکم دیا۔ یہود منکر ہوئے تو آپ نے تورات منگوائی۔ یہودی علماء اس حکم کو چھپانا چاہتے تھے مگر رسول برحقؐ نے یہ حکم تورات میں چمکتا ہوا دکھا دیا۔

تحریف آیات یہودی جرائم میں سے ایک اہم جرم ہے۔

⑤ **کفران نعمت**: قوم بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات اور مہربانیاں تھیں۔ انہیں چاہیے تھا کہ اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کی روش اختیار کرتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ وادی سینا میں یہ واقعی خداوندی مہمان تھے۔ اور انہیں آسمانی دسترخوان سے نوازا جا رہا تھا۔ یہ لوگ اپنی بد فطرت سے مجبور ہوئے تو کہنے لگے کہ ہم ان کھانوں سے اکتا گئے ہیں۔ ہمیں کسی شہر میں لے جائیے وہاں سبزیاں' ترکاریاں' گندم' پیاز و مسور کی دال کھانے کو جی چاہتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ (البقرہ:2:61)

کہ تم بڑے ناشکرے ہو کہ ایک بہتر شے کے بدلے کمتر چیز مانگ رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ وہ کسی بھی شہر میں چلے جائیں انہیں وہاں یہ چیزیں مل جائیں گی۔ جہاں تک ان کے کفران نعمت کا معاملہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس گناہ کی پاداش میں ان پر ذلت و رسوائی اور محتاجی مسلط کر دی گئی۔ اور یہ مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے۔ قرآن مجید نے ان پر جو فرد جرم عائد فرمائی وہ حسب ذیل ہے۔

"ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ" (البقرہ:2:61)

یہ اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی کرتے تھے۔ انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے بہت زیادہ اللہ کے حکم سے سرتابی کرتے رہے اور احکامات الٰہیہ کی حدود سے تجاوز کرنے والے تھے۔

⑥ **قتل و تکذیب رسل**: بنی اسرائیل کے جرائم میں سے ایک بڑا جرم انبیاء کی تکذیب اور ان کا قتل کرنا بھی تھا۔ یہ قوم من چاہی زندگی گذارنا چاہتی تھی۔ رسولوں کے احکامات ماننے کی بجائے ان میں تاویل و قیاس کو زبردستی داخل کر کے بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش کرتے۔ قرآن مجید

Scanned with CamScanner

نے اس بات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

"اَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ" (البقرہ:87:2)

کہ جب کبھی تمہارے پاس کوئی رسول آیا جسے تمہارے جی نے نہ چاہا تم نے تکبر کیا۔ پھر ایک گروہ انبیاء کو جھٹلایا۔ اور ایک کو تم قتل کرتے ہو۔

تورات میں نبی آخر حضرت محمد ﷺ کے بارے میں واضح بشارتیں موجود تھیں۔ اور بعض یہودی اس کا اقرار بھی کرتے تھے۔ لیکن اہل کتاب نے مجموعی طور پر آپ ﷺ کی تکذیب کی۔ اور آپؐ کے (نعوذ باللہ) قتل کے درپے رہے۔ اور جب انہیں سمجھایا جاتا اور وہ دلائل و براہین سے لاجواب ہو جاتے تو وہ بالآخر یہ جملہ کہہ دیتے کہ:۔

"قُلُوبُنَا غُلْفٌ" (البقرہ)

کہ ہمارے دل تو ملفوف ہیں۔

⑦ **دعوت قرآنی سے انکار:** قرآن مجید نے بنی اسرائیل کو نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ بنی اسرائیل اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی سچی اور آخری کتاب ہے۔ اور نبی محترم حضرت محمد ﷺ سچے اور آخری نبی ہیں۔ تورات اس امر کی گواہ ہے۔ نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی تمام صفات اور نشانیاں اس میں موجود تھیں۔ مگر یہودی ان سب سے منحرف تھے۔

قرآن مجید نے یہاں اس حقیقت کا انکشاف بھی کیا کہ یہودی اپنے مشکل اوقات میں' اور دشمن سے مقابلے کے وقت جب اللہ سے دعا کرتے تو نبی آخر الزماں ﷺ کا واسطہ اور وسیلہ دے کر دعا کرتے تھے۔

جب قرآن مجید نے اور نبی ﷺ نے انہیں ایمان لانے کی دعوت دی تو وہ منکر ہو گئے۔ اور یہ کہنے لگے کہ ہم تو صرف اس وحی پر ایمان لائیں گے جو ہم پر اتاری گئی۔ قرآن مجید نے ان سے پوچھا کہ اگر تم اس قول میں سچے ہو تو یہ بتاؤ کہ اپنے انبیاء کو کیوں قتل کرتے آئے ہو۔ اور اپنی کتابوں میں من مانی تحریف تمہارا شیوہ کیوں رہا ہے۔ اصل یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننے سے اور نبی کریم پر ایمان لانے سے منکر ہو۔

**سوال نمبر9** واقعہ ذبح بقرۃ وضاحت سے لکھیئے۔

**واقعہ ذبح بقرۃ:** واقعہ ذبح بقرۃ بنی اسرائیل کی تاریخ کے اہم واقعات میں سے ایک ہے جو بنی اسرائیل کے سازشی ذہن انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرنے' تمسخر اڑانے' انہیں زچ کرنے اور بے جا سوالات کی تکرار کرنے کی نشاندہی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تو وہ حسب معمول حکم خداوندی کا مذاق اڑانے لگے اور عرصہ دراز تک اس کو ٹالتے رہے تفصیل اس طرح ہے۔



**1- زن و زر کا لالچ:** مفسرین کے مطابق بنی اسرائیل میں ایک شخص عامیل نامی جو بہت مالدار اور متمول تھا جس کی ایک خوبصورت بیٹی اور ایک لالچی بھتیجا یا چچا زاد تھا۔ بھتیجے کی نظر عامیل کی بیٹی کے ساتھ ساتھ اس کے مال و دولت پر تھی اور ہر وقت اس بات کے لئے متفکر اور خواہاں تھا کہ عامیل وفات پا جائے تاکہ وہ اس کی جائیداد کو حاصل کر سکے مگر اس کی امید بر نہ آتی تھی۔

**2- قتل ناحق:** بھتیجا لالچ میں اس قدر اندھا ہو چکا تھا کہ ایک بہانے سے وہ عامیل کو آبادی سے دور لے گیا اور بالآخر اس کو قتل کر کے اس کی نعش مخالف قبیلہ کے محلہ کے سامنے ڈال آیا اور صبح اٹھ کر شور مچاتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا کہ ہمارے مخالف قبیلے نے میرے چچا کو قتل کر دیا ہے اب میں اس کا اکیلا وارث ہوں مجھے اس قبیلہ سے بدلہ دلائیں۔ ارشاد خداوندی ہے

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا (البقرہ 72:2)

اور جب تم نے ایک جان کو قتل کر دیا اور پھر اس بارے آپس میں جھگڑنے لگے۔

**3- قسامہ:** حضرت موسیٰ علیہ السلام اس قبیلے کے لوگوں کے پاس گئے اور ان سے معاملہ دریافت کیا قبیلے کے تمام لوگوں نے خدا تعالیٰ کی قسم اٹھاتے ہوئے یقین دلانے کی کوشش کی ہم نے نہ تو عامیل کو قتل کیا اور نہ ہی قاتل کے بارے کچھ جانتے ہیں۔ شریعت موسوی اور شریعت محمدی میں گواہوں کی عدم موجودگی میں کسی جرم سے بریت ظاہر کرنے کا طریقہ قسم دینے کا آج بھی رائج ہے اسے قسامہ کہتے ہیں۔

**4- حکم ذبح گائے:** ملزم قبیلے کے لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ پروردگار سے عرض کریں کہ وہ حقیقت حال ظاہر کر دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے قاتل کا نام ظاہر کرنے کی بجائے قوم کو ایک آزمائش میں ڈالا اور حکم ارشاد فرمایا

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تَذْبَحُوا بَقَرَةً (البقرہ:67:2)

اس وقت کو یاد کرو جب حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک اللہ تم کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔

بعد ازاں فرمایا اور ذبح شدہ گائے کے ایک حصے کو مردہ عامیل کے جسم سے لگاؤ تو وہ زندہ ہو جائے گا اور تمہیں قاتل سے آگاہ کر دے گا اسی بات کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں محفوظ کر دیا ہے۔

وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ ○ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا (البقرہ 2:72:73)" اور اللہ تعالیٰ اس بات کو ظاہر کرنے والا ہے جو تم چھپاتے ہو۔ پس کہا ہم نے کہ اس کے بعض حصے کو (عامیل کے) بعض حصے سے لگاؤ۔

**حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کٹ حجتی:** قوم نے حکم ذبح گائے سنا تو کہا اے موسیٰؑ آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں کہیں مردہ چیز کے لگانے سے کبھی مردہ بھی زندہ ہوا کرتے ہیں یہ تو عقل و

Scanned with CamScanner

دانش کے بالکل خلاف ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ خدائی احکام سے مذاق کرنا تو جہلاء کا کام ہے اور میں خدا تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں جیسے کام کروں۔

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ۝ (البقرہ 67:2) کہا (قوم) انھوں نے کیا آپ ہم سے ہنسی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں کہ نادان بنوں۔"

قوم آپ سے کٹ حجتیاں کرتے ہوئے کہنے لگی کہ آپ پروردگار سے کہیں کہ وہ واضح کرے کہ وہ گائے کیسی ہے اگر وہ فطرتاً اطاعت پسند ہوتے اور فوراً کوئی گائے ذبح کر دیتے تو معاملہ حل ہو جاتا ہے مگر ان کے قیل و قال سے وہ ایک نئی معیبت و آزمائش میں گرفتار ہوئے اور خدا تعالیٰ نے گائے کی خصوصیات بیان کیں وہ درج ذیل ہیں۔

(i) اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ

وہ گائے نہ تو بوڑھی نہ بچھیا بلکہ ان کے درمیان یعنی نوجوان۔

(ii) اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ۝

وہ گائے کہ اس کا رنگ گہرا زرد ہے جو دیکھنے والوں کے دل کو خوش کر دیتا ہے۔

(iii) اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ

وہ گائے ایسی نہیں جو زمین کاشت کرتی ہو اور کھیتی کو سیراب کرتی ہے۔

(iv) مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا

صحیح سالم ہے یعنی بے عیب ہے اس میں کسی طرح کا کوئی داغ نہیں

**گائے کو مخصوص کرنے میں حکمت**: بنی اسرائیل کے اندر ایک نیک بخت تھا جس کا ایک چھوٹا بچہ تھا۔ حوادث زمانہ کے سوائے ایک بچھڑے گاؤ کوئی چیز مال کی جنس باقی نہ رہی اس نے بچھڑے کو پکڑ کر اور اس کی گردن پر مہر لگا کر اللہ کے نام پر جنگل میں چھوڑ دیا تاکہ اس کے بعد اس کی بیوی اور لڑکے کے کام آسکے۔ جب وہ وفات پا گیا اور اس کے بعد لڑکا جب جوان ہوا تو وہ بھی اپنے باپ کی طرح نیک بخت اور صالح بنا۔ یہ لڑکا اپنی رات یوں بسر کرتا کہ ایک تہائی رات ماں کے پاس بیٹھتا۔ ایک تہائی رات سوتا اور ایک تہائی رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا صبح جنگل سے لکڑیاں لا کر بیچتا اور آمدن کو تین حصوں میں تقسیم کرتا کہ ایک تہائی حصہ خیرات کرتا اور ایک تہائی حصہ خورد و نوش پر صرف کرتا اور ایک تہائی والدہ کو دیتا۔ ایک دن اس کی والدہ نے اس کی مشقت کو کم کرنے کے لئے بتایا کہ جنگل میں ایک زرد رنگت کی خوبصورت گائے تیرے لئے موجود ہے جس کو ہم "زرین" کہتے تھے جنگل میں جا اور اسے آواز دے اس پر سوار نہ ہونا البتہ گردن سے پکڑ کر لے آنا تاکہ ہم برکت پائیں۔ ادھر گائے جنگل میں پلتی رہی جب کوئی اسے پکڑنے کے لئے آتا تو وہ جنگل میں غائب ہو جاتی۔ ماں کے حکم کے مطابق جب لڑکا جنگل میں پہنچا اور اس نے گائے کو حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیلؑ۔ حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ کی نسبت سے پکارا تو وہ سر جھکائے لڑکے کے پاس آگئی لڑکے نے گردن سے پکڑ لیا اور اسے گھر کی طرف لے کر چلا۔ رستہ میں



لڑکے کی آزمائش شروع ہوئی کہ وہ اطاعت گزار ہے کہ نافرمان۔ گائے نے کہا کہ اے نیک بخت پیدل چل رہا ہے مجھ پر سوار ہو کہ گھر جلد پہنچ جائیں۔ لڑکے نے کہا میں اپنی ماں کے حکم کے مطابق تجھ پر سوار نہیں ہوں گا کہ کہیں اس برکت سے محروم نہ ہو جائیں جو اللہ تعالیٰ نے تجھ میں رکھی۔ گائے نے کہا کہ یہ تیری آزمائش تھی لیکن تو اپنی والدہ کے حکم کا فرمانبردار ثابت ہوا۔ اگر تو مجھ پر سوار ہوتا تو تجھے اپنی پیٹھ پہ ڈال کر بھاگ جاتی تیرے لئے میری فرمانبرداری کا راز بھی یہی ہے کہ تو اپنی ماں کا فرمانبردار ہے۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک مسافر سے ملاقات ہوئی اس نے کہا کہ اے نیک بخت نوجوان میرے پیٹ میں سخت درد ہے میں پہاڑ کی دوسری جانب اپنے مویشیوں کے پاس جانا چاہتا ہوں اگر تو مجھے سوار کرا کے لے چلے تو مزدوری میں ایک عمدہ گائے دوں گا لڑکے نے کہا کہ میں ہرگز اپنی والدہ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ میں اپنی والدہ کے حکم کے مطابق خود سوار نہیں ہوا تو تجھے کیسے سوار کرا دوں لیکن وہ بضد رہا آخر لڑکے نے پروردگار سے التجا کی کہ وہ اسے اس بدطینت۔ بدذات سے نجات دلائے اس طرح اس سے پیچھا چھوٹا۔ گائے نے بتایا کہ ابلیس تھا جو کسی حیلہ سے مجھ پر سوار ہو کر میری برکت کو ہٹانا چاہتا تھا کہ میں تمہارے لئے نفع بخش نہ ہو سکوں۔ شام کو گھر پہنچ کر راستہ کے تمام واقعات ماں کو سنائے۔ ماں نے کہا کہ یہ گائے ایسی نہیں کہ اس پر بوجھ لاد کر ذلیل کیا جائے بہتر ہے کہ اسے بیچ دیا جائے بازار جاتے وقت ماں نے کہا کہ گائے کی قیمت تین دینار ہوگی خریدار کو بتا دینا کہ قیمت ماں کو دوبارہ بتائے بغیر فروخت نہیں ہوگی۔ رستہ میں پھر آزمائش ہوئی۔ ایک فرشتہ آیا اور گائے کی خریداری کی خواہش کی۔ نوجوان نے پوچھا کہ کیا دو گے فرشتے نے کہا تین دینار۔ لڑکے نے کہا بشرطیکہ میری والدہ اس پر راضی ہو تو فروخت کروں گا۔ فرشتہ نے کہا چھ دینار مجھ سے لے لے لیکن والدہ کی رضامندی کی شرط ہٹا لے۔ لڑکے نے کہا کہ اے عزیز اگر آپ مجھے اس گائے کے بدلے خالص سونا وزن میں بھی دو تو میں اپنی والدہ کی مرضی کے بغیر فروخت نہیں کروں گا۔ فرشتے نے کہا کہ میں آدمی نہیں تیرے امتحان کے واسطے آیا تھا کہ کیا تو اپنی والدہ محترمہ کا فرمانبردار ہے یا نہیں۔ اس گائے کو گھر لے جاؤ اور بازار میں فروخت نہ کرو۔

بنی اسرائیل کے ہاں ایک آدمی ناحق قتل ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کے لئے اور گاؤ پرستی کی سزا دینے کے لئے ایک ایسی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے جو صرف اور صرف یہی گائے ہے اور گائے جب وہ تم لوگوں سے طلب کریں تو اس کی قیمت گائے کے چمڑے بھر سونا ہوگی۔ تاکہ تمام عمر فراغت و خوشحالی سے گزر سکے۔ نوجوان گائے اپنے گھر لایا اور والدہ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا اور جب گائے کی خوبیاں سن کر لوگ خریدنے کے لئے آئے تو ان سے یہی قیمت مقرر کی گئی اور اس وصولی کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلا کر لائے اور گائے لے گئے اور چار و ناچار اس قدر بھاری دولت دے کر انھوں نے گائے کو ذبح کیا حالانکہ نہ تو وہ اتنی دولت دینے اور نہ ہی گائے کو ذبح کرنے کے لئے تیار تھے ارشاد خداوندی ہے

فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ۝ پس انھوں نے اسے ذبح کیا مگر وہ ایسا کرنے کو تیار نہ تھے۔

Scanned with CamScanner

**گائے ذبح کرنے میں حیل و حجت:** بنی اسرائیل جو صدیوں سے مصریوں کے ساتھ مل کر رہے تھے وہ ان لوگوں کے اثر و رسوخ میں آ کر گائے کی پرستش کرنے لگے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم بنی اسرائیل کو لے کر بحیرہ قلزم سے پار ہو رہے تھے کہ سامری نے حضرت جبریل امین کی سواری کے پاؤں کی مٹی اٹھالی تھی۔ اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت لینے کے لئے کوہ طور پر چلہ کشی کے لئے گئے تو اس سامری نے قوم سے سونا لے کر ایک بچھڑا بنا کر اس کے منہ میں جب مٹی ڈالی تو وہ آواز نکالنے لگا۔ اور کہا کہ یہ لو تمہارا معبود ہے بس لوگ اس کی پرستش کرنے لگے اس طرح ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت گھر کر گئی قرآن اسے اس طرح بیان کرتا ہے۔

**وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ** ○ (البقرہ 2:51)

اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کر لیا تھا۔ پھر تم نے ان کے پیچھے گائے کو معبود بنا لیا اور تم سخت ظالم تھے

غیر اللہ سے ان کی محبت ان کے دلوں میں رچ بس گئی تھی۔

**وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ**

یہ محبت ان کے دلوں میں کفر کی وجہ سے ڈال دی گئی تھی کیونکہ

**فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا**۔

(خدا تعالیٰ نے ان کے دلوں میں (کفر) کا مرض بڑھا دیا جو پہلے سے موجود تھا)۔

واقعہ ذبح بقرۃ سے مندرجہ ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں۔

(i) یہودیوں کی سازشی اور مکار ذہنیت آشکار ہوتی ہے۔ (ii) غیر اللہ بالخصوص بچھڑے کی عبادت کا جذبہ یعنی شرک کی روش۔ (iii) قطع رحمی۔ (iv) قتل ناحق۔ (v) کتمان حق۔ (vi) استہزاء نبوت۔ (vii) اطاعت شعاری و فرمانبرداری میں قیل و قال اور تساہل۔ (viii) احکامات خداوندی سے انحراف کی روش۔ (ix) والدہ کی اطاعت و فرمانبرداری کے انعامات۔ (x) خدا تعالیٰ کی مشیت و قدرت کا اظہار۔

اگر خداوند کریم چاہتے تو قاتل کو بذریعہ وحی ظاہر کر سکتے تھے۔ مگر بنی اسرائیل اپنی روش کے مطابق ماننے سے صاف انکار کر دیتے اس کے ساتھ ساتھ یہ بات واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ یہ قدرت رکھتے ہیں کہ مردہ کو زندہ کر سکیں۔ جب مردہ گوشت کو عامیل کی مردہ نعش سے لگایا گیا تو وہ زندہ ہوا کہ اس کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا اس نے بھتیجے کا نام لیا اور پھر موت کی تاریک وادیوں میں پہنچ گیا۔ اس طرح اس کا بھتیجا جائیداد اور اس کی بیٹی سے بیاہ کرنے سے محروم تو رہا ہی اس کے ساتھ ساتھ قصاص میں خود بھی موت سے ہمکنار ہوا۔



**سوال نمبر 10:- واقعہ سبت سورۃ بقرۃ کی روشنی میں وضاحت سے لکھیئے۔**

واقعہ سبت بنی اسرائیل کی تاریخ کے اہم ترین واقعات میں سے ایک ہے بنی اسرائیل خداوند کریم کی بہت پیاری مخلوق تھی۔ پروردگار نے ان کو بہت سی فضیلتیں عطا کر رکھی تھیں ان کی رشد و ہدایت کے لئے چار ہزار انبیاء علیہم السلام مبعوث کئے گئے جو بیشمار معجزات سے نوازے گئے مگر تاریخ شاہد ہے کہ اس قوم نے ہمیشہ خدائی احکامات کی نہ صرف نافرمانی کی بلکہ ان کا تمسخر اڑایا۔ انبیاء علیہم السلام کی صرف تکذیب ہی نہ کی بلکہ ان کو ناحق قتل کر ڈالا خدائی احکامات کی حکم عدولی اور ان کے تمسخر کی ایک مثال واقعہ سبت بھی ہے۔

**محل وقوع:** واقعہ سبت ایلہ نامی بستی (کھجور کا باغ) میں واقع ہوا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل ایلہ نامی بستی میں آباد تھے جسے آج کل ایلات کہتے ہیں یہ بستی فلسطین کے جنوب میں عرب کی شمالی سرحد پر بحیرہ قلزم کی مشرقی خلیج کے کنارے آباد ہے آج کل اس بندرگاہ کو عقبہ کہا جاتا ہے۔

**سبت کی اہمیت:** سبت سے مراد ہفتہ کا دن ہے اقوام عالم کی ہر قوم میں کسی دن کی خاص اہمیت ہوتی ہے حضرت ابراہیمؑ کے لئے جمعۃ المبارک کا دن عبادت خداوندی کے لئے مخصوص اور متبرک تھا۔ بنی اسرائیل نے اس دن سے انحراف کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ وہ خداوند کریم سے دعا کریں اور جمعۃ المبارک کی بجائے ان کے لئے ہفتہ کے دن کو عبادت کا دن قرار دلوائیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو منع کیا کہ وہ نعمت خداوندی سے انحراف نہ کریں اور جمعہ کو ہی عبادت کا دن مقرر رہنے دیں لیکن یہ بضد ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہفتہ کا دن مقرر فرما دیا۔ اسی طرح نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے اتوار کا دن عبادت کے لئے مخصوص کروایا۔

نبی اکرم ﷺ چونکہ ملت ابراہیمی پر پیدا ہوئے اس لئے پروردگار نے مسلمانوں کے لئے جمعۃ المبارک کو محترم، معتبر بنایا اور عبادت کے لئے مخصوص کیا اور حکم دیا

**يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ** (الجمعہ 62:9)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن تمہیں نماز کے لئے پکارا جائے تو خرید و فروخت چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف جلدی آؤ

شریعت موسوی کے مطابق بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ وہ ہفتہ کے دن آرام کریں اور شکار نہ کریں۔ یہ ان کا شعار مقرر ہوا اور اس کی بے حرمتی کی سزا قتل تھی۔

**آزمائش:** جمعۃ المبارک کے دن کی عبادت (سنت ابراہیمی) سے انحراف ہفتہ کے دن کی عبادت (سنت موسوی) ان کی قوم بنی اسرائیل کے لئے ایک آزمائش بن گئی خداوند کریم نے حکم دیا کہ وہ ہفتہ کے روز مچھلی کا شکار نہ کیا کریں۔

Scanned with CamScanner

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِيْهِمْ كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (الاعراف 7:163)

اور پوچھ ان سے حال اس بستی کا جو دریا کے کنارے آباد تھی۔ جب وہ ہفتہ کے حکم میں حد سے بڑھنے لگے جب ہفتہ کے دن مچھلیاں پانی کے اوپر آجاتیں اور ہفتہ کے علاوہ باقی ایام میں نہ آتیں اس طرح ہم نے ان کو آزمایا اس لئے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔

چنانچہ ہفتہ کے دن شکار کو ان کے لئے آزمائش بنا دیا کہ ہفتہ بھر مچھلیوں کے لئے مارے مارے پھرتے اور کوئی مچھلی قابو میں نہ آتی مگر صرف ہفتہ کے دن مچھلیاں پانی کی اوپر کی سطح پر لاتعداد ہوتیں اور جالوں کے بغیر پکڑی جاتیں امت کے نیک لوگ ان کو مسلسل منع کرتے مگر وہ باز نہ آتے نیز حضرت داوٗد نے بھی ان کو منع کیا مگر بے اثر رہا۔

**حیلہ سازی:** بنی اسرائیل کو جب بار بار سمجھایا گیا تو انھوں نے ایک ترکیب کی۔ جمعہ کے روز شام کو بعض لوگ جال ڈال دیتے لیکن مچھلی باہر نہ نکالتے اور اتوار کو مچھلیاں خوب نکالتے۔ بعض لوگوں نے برلب ساحل چھوٹے چھوٹے حوض بنائے اور سمندر سے پانی اور مچھلیاں آنے کے لئے نالیاں بنائیں ہفتہ کے روز مچھلیاں اس قدر آتیں کہ حوض بھر جاتے تو یہ نالیاں بند کر دیتے اور اتوار کے روز آرام سے ان مچھلیوں کو پکڑ لیتے اور اپنے اس فعل پر بہت خوش تھے کہ بہت سی خلاف ورزی سے بھی بچ گئے اور مچھلیاں بھی خوب کھائیں گویا قرآنی آیت کے مصداق

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (البقرہ 2:9)

وہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان سے دغا بازی کرتے ہیں مگر درحقیقت وہ اپنی ذات سے ہی دغا کر رہے ہوتے ہیں مگر وہ اس بات کو نہیں سمجھتے

یہ لوگ احکام خداوندی کو توڑنے میں اس قدر جری اور نڈر بن گئے تھے کہ ان کے حق میں خالق کائنات اپنے قانون تکوینی کو اگر کسی حد تک تبدیل کر دے تو کچھ عجب نہیں۔

**بددعا اور سزا:** انھیں مسلسل سمجھانے لیکن ان کا اپنی دھن پر اڑے رہنے کی بنا پر حضرت داوٗد علیہ السلام نے ان پر لعنت فرمائی اور ان کی تباہی و بربادی کے لئے دعا فرمائی تو پروردگار نے انھیں بندر بن جانے کا حکم دیا۔ مچھلی کے گوشت سے ان کے پیٹ میں فاسد مادہ پیدا ہوا وہ جذام کا شکار ہوئے ان کی پیٹھوں میں بھی خم پیدا ہو گیا چہرے کی رنگت جل گئی اصل بال ان کے گر گئے اور شکل مسخ ہو کر تبدیل ہو گئی لیکن ان کا فہم و شعور باقی رہا البتہ قوت گویائی سلب ہو گئی یہ سب باتیں سمجھتے۔ سب کچھ دیکھتے اور روتے تھے۔ آبادی کا وہ حصہ جو ان کو چالبازیوں اور نافرمانی سے منع کرتا تھا ان کے درمیان ایک دیوار حائل تھی ایک دن انھوں نے ان کی آواز نہ سنی اور جب جھانک کر دیکھا تو ہر طرف بندر ہی بندر تھے یہ بندر اپنے اعزاء واقربا کے پاس آئے ان کے پاؤں پر سر رکھا اور رونے لگے یہ بندر تین دن کے اندر اندر سب کے سب ہلاک ہو گئے۔

**درس عبرت:** مندرجہ بالا واقعہ سے یہ درس ملتا ہے کہ۔



(i) خدا تعالیٰ کی رضا پر شاکر رہنا چاہئے۔
(ii) احکامات شرعی میں اپنی خواہش سے تبدیلی باعث وبال ہے۔
(iii) نبی کے احکامات سے انحراف میں نجات نہیں۔
(iv) دوسروں کی سزا سے عبرت حاصل کرنا چاہئے۔
(v) عہد شکنی سے بچنا ہر طرح سے ضروری ہے کیونکہ اس میں دنیا و آخرت کا خسارہ ہے۔
(vi) شرعی احکامات سے بچ نکلنے کے لئے حیلہ سازی کی اجازت نہیں۔

چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۝ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

اور البتہ (یہود و ہنود) جانتے ہو کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوا جنھوں نے ہفتہ کے دن کے بارے میں زیادتی کی پس ہم نے ان سے کہہ دیا کہ تم بندر ذلیل بن جاؤ۔ پھر ہم نے اس کو ایک عبرت بنا دیا ان لوگوں کے لئے جو اس قوم میں حاضر تھے اور جو امتیں ان کے بعد آتی رہیں۔

**سوال نمبر 11 :** قصہ ہاروت و ماروت تفصیل سے لکھیئے۔

**پس منظر:** سورۃ البقرہ میں قرآن مجید نے بنی اسرائیل کی گمراہیوں کے سلسلے میں قصہ ہاروت و ماروت بھی بیان کیا۔ اس قصہ کو بیان کرنے کا اصل منشاء ایزدی یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا رویہ بعینہٖ قرآن مجید کی اس آیت کے مصداق تھا۔

"اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ" (البقرہ:2:61)

تم ایک بہتر چیز کو چھوڑ کر ایک کمتر چیز لینے پر کیوں راضی ہو رہے ہو۔

بنی اسرائیل کے پاس تقریباً چار ہزار پیغمبر آئے۔ ان کی پاکیزہ زندگی اور ان کے عمدہ اخلاق اور ان کی روحانی تعلیمات اور ان کی ابدی زندگی کا پیغام ان لوگوں کو متاثر نہ کر سکا۔ ہاں دو فرشتے جو اللہ تعالیٰ نے محض ان کی آزمائش کے لیے بھیجے تھے۔ اور انھیں ایک سفلی اور کمتر علم یعنی جادو کا علم دے کر بھیجا تھا۔ ان کے یوں پیچھے چل پڑے جیسے حق کا صحیح علم ہے ہی ان کے پاس۔ بلکہ یوں الزام لگایا کہ دراصل حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھی جادو کا علم تھا۔ قرآن مجید نے تردید فرمائی کہ "وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ" کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے فرمانبردار تھے۔ وہ جادو کا علم نہ جانتے تھے یا سکھاتے تھے۔ ان کے پاس تو اللہ کا روحانی و نورانی علم تھا جو رشد و ہدایت کی صورت میں وہ تمام مخلوق میں تقسیم کرتے تھے۔

**ہاروت ماروت کون تھے:** قرآن مجید نے اس امر کو واضح کیا ہے کہ ہاروت و ماروت دو فرشتے تھے۔ اور یہ آزمائش کی غرض سے بنی اسرائیل کے ہاں اتارے گئے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی تفصیل قرآن مجید و احادیث میں موجود نہیں البتہ اسرائیلی ادب سے ان کے بارے میں قدرے تفصیل ملتی ہے۔

Scanned with CamScanner

قصہ مشہور ہے کہ حضرت ادریسؑ کے زمانے میں فسق و فجور جب بہت بڑھ گیا تو فرشتوں نے پروردگار سے عرض کی کہ اے خدا! کیا یہی آپ کے خلیفہ فی الارض ہیں جن پر آپ نے نظر انتخاب ڈالی تھی۔ تو پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا "اگر میں تمہیں زمین پر اتار دوں اور تمہاری سرشت میں بھی وہ ملکات رکھ دوں جو انسان میں ہیں تو تم بھی ایسی ہی حرکات کرنے لگو گے جیسی یہ انسان کر رہا ہے۔ فرشتوں نے عرض کی "سبحان اللہ! ہم ایسی حرکات کرنے والے نہیں ہیں"۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراض کی حقیقت ان پر واضح کرنے کی غرض سے ان کے منتخب کردہ دو فرشتے ہاروت و ماروت انسانی شکل عطا فرما کر زمین پر اتارے اور ان سے وعدہ لیا کہ وہ شرک، بدکاری، قتل اور شراب نوشی جیسے قبیح افعال میں ملوث نہیں ہوں گے۔

جب فرشتے زمین پر پہنچے تو زہرہ نامی ایک عورت نے جو فاحشہ تھی انہیں ورغلایا۔ اور ان سے وہ سب کام کروائے جس سے اللہ نے منع کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے جادو سیکھا اور لوگوں کو جادو سکھانا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا کے طور پر بابل شہر کے ایک کنویں میں الٹا لٹکا دیا۔ جہاں وہ قیامت تک عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

**بابل شہر میں ورود:** مفسرین کی ایک جماعت نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جن دنوں ہاروت و ماروت بابل شہر میں وارد ہوئے۔ وہاں سحر یعنی جادو کا رواج تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں انبیاء کرام کو رشد و ہدایت کے لیے بھیجا وہاں یہ دو فرشتے بھی آئے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ انبیاء کے اندر صرف خیر کی ترویج کا معاملہ ہوتا ہے۔ وہ شر سے روکتے ہیں۔ ان سے شر کا صدور ممکن نہیں ہوتا۔ جبکہ یہ دو فرشتے شر و خیر دونوں کا ملغوبہ تھے۔ وہ لوگوں کو شر سے روکتے تھے اور کہتے تھے کہ تم جادو نہ سیکھو۔ تم اپنے نبیوں کی تعلیم پر عمل کرو۔ معجزات کو دیکھ کر ایمان لاؤ لیکن بد فطرت اسرائیلی نہ انبیاء کی فہمائش سمجھتے تھے اور نہ ہی وہ ہاروت و ماروت کی وضاحت پر کان دھرتے تھے۔ وہ صرف اس امر پر اپنی توجہ مرکوز کیے ہوئے تھے کہ کس طرح اپنے شرارتی ذہن اور شر پسند طبیعت کی تسکین حاصل کریں۔ چنانچہ وہ ہاروت و ماروت سے جادو سیکھتے تھے۔

**جادو کیا ہے:** جادو کے لیے عربی زبان میں "سحر" کا لفظ آیا ہے۔ سحر سے مراد ہر وہ اثر ہے جس کا کوئی ظاہر سبب نہ ہو۔ جیسے جن، شیطان، یعنی جن اور شیطان کے عمل سے جو اثر ظاہر ہو وہ جادو ہے۔ منتر یا کفریہ کلمات سے گندے اور نجس لوگ جو انسانی دشمنی کے سلسلے میں عملیات کرتے ہیں وہ سب سحر کے زمرے میں آتے ہیں۔

**جادو کی اثر پذیری:** جس طرح بدی اور شر اپنی جگہ ایک حقیقت ہیں اسی طرح جادو بھی حقیقت ہے۔ لیکن اس سے قطع نظر یہاں واضح طور پر قرآن مجید نے ایک دعویٰ پیش کیا ہے۔ ارشاد ہے۔

"وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ" (البقرہ:2:102)۔

یعنی وہ دونوں مشیت و اذن الٰہی کے بغیر کسی کو کوئی نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتے تھے۔



قرآن مجید نے اس امر کو کئی اور مقامات پر بھی بیان کیا ہے کہ نافع و ضار اللہ ہے۔ اس کے اذن و مشیت کے بغیر نفع و نقصان کا کوئی تصور نہیں۔ البتہ قصہ ہاروت و ماروت کے ضمن میں قرآن مجید نے یہود کی بدبختی بیان کی کہ جب انہوں نے ہدایت ربانی سے منہ پھیرا تو ان کے لیے نہ صرف اخروی نجات کے دروازے بند ہو گے بلکہ دنیاوی منافع اور بھلائیاں بھی مسدود ہو گئیں۔

وہ یقیناً ہاروت و ماروت سے جو کچھ سیکھتے تھے وہ اپنے بھلے اور دوسروں کی برائی کے غرض سے سیکھتے تھے۔ مگر حقیقت میں انہیں اس سے سراسر نقصان اٹھانا پڑا۔ کیونکہ بنی اسرائیل نے جادو کو باہم معاشرتی بگاڑ کا ذریعہ بنایا۔ اور بگاڑ جب ایک شخص کا ہوتا ہے تو بالکل اس سے معاشرے کے تمام افراد متاثر ہوتے ہیں۔

**قرآن مجید کی تجویز:** قرآن مجید نے اہل کتاب کو یہاں تجویز دی ہے اور یہ مسلمانوں کے لیے بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ دنیا و آخرت کی کامیاب اور بھلائی والی زندگی جادو، شیطنت اور انسان دشمنی پر مشتمل نہیں ہوتی۔ بلکہ اللہ پر ایمان لانے، تقویٰ کی زندگی بسر کرنے اور انسانوں کی بھلائی کے کام کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

"وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ" (البقرہ:2:103)۔

مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ایمان لاتے، تقویٰ اختیار کرتے تو یہ چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر ثواب کا باعث ہوتی۔

اس سے دنیاوی زندگی میں بھی خیر نصیب ہوتی اور آخرت کی زندگی میں نجات اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی۔

ہاروت و ماروت کے واقعہ میں یہود نے جادوگری کی لعنت اور دیگر سیاہ کاریوں پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنے سازشی ذہن اور مکارانہ طرز عمل کے ذریعے ایک چال چلی اور اس جادوگری کی کفرانہ حرکت کو خالق کائنات کی معصوم مخلوق فرشتوں پر تھوپ دیا اور فرشتوں پر شراب خوری اور فحش کاری کی گھٹیا تہمت لگا کر ثابت کرنا چاہا کہ جب فرشتوں جیسی مخلوق یہ عوامل کرتی ہے تو ہمارے لیے کیوں حرام ہو سکتی ہے۔

ارشاد خداوندی کے مطابق

"وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ" (آل عمران:3:54)

اور انہوں نے چال چلی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ بہترین تدابیر کرنے والا ہے کے مصداق ان کی یہ چال اکارت گئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہاروت و ماروت کے متعلق یہودیوں کے وہ باطل چرچے جو صدیوں سے مشہور تھے کا رد پیش فرمایا۔

**سوال نمبر 12** : ناسخ و منسوخ سے کیا مراد ہے۔ نیز اس سلسلے میں قرآن نے کیا موقف بیان کیا ہے۔

① **ناسخ و منسوخ:** یہود کا یہ دعویٰ تھا کہ تورات اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔ یہ سابقہ شریعتوں کی ناسخ تو ہے۔ اس کو منسوخ کرنے والی کوئی شریعت، کوئی کتاب یا کوئی رسول نہیں آ

Scanned with CamScanner

سکتا۔ قرآن مجید نے یہود کے اس دعویٰ کی تردید کی ہے۔

"مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْ مِثْلِهَا" (البقرہ:106:2)۔

جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں۔ یا بھلا دیتے ہیں۔ ہم اس کی جگہ اس جیسی یا اس سے بہتر لاتے ہیں۔

② **نسخ کا مفہوم**: علماء نے نسخ کے کئی معنی بیان کیے ہیں۔

(1) بدل دینا (2) مٹا دینا (3) بھلا دینا (4) زائل کرنا۔

○ قرآن و سنت کی اصطلاح میں نسخ کا مفہوم یہ ہے کہ ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم نازل کیا جائے۔ تمام مفسرین کا اسی امر پر اتفاق ہے کہ آیت مذکور میں نسخ سے مراد کسی حکم کا زائل کرنا یعنی منسوخ کرنا ہے۔

③ **قرآن مجید کا موقف**: نسخ آیات یا نسخ شریعت کے بارے میں قرآن مجید کا حکم اصولی ہے۔ تمام شریعتیں اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کا نام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک انبیاء بھی بھیجے اور کتب بھی اتاریں۔ یہ اس کی مشیت کاملہ ہے کہ کب تک کون نبی رہے گا اور کونسی شریعت انسانوں کے حالات اور تقاضوں کے مطابق ہوگی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا حصہ ہے کہ کب وہ کوئی حکم بدل دے، کوئی شریعت منسوخ کردے۔ کوئی اور نبی بھیج دے۔ انسان بحیثیت انسان کے اور قوم بحیثیت قوم کے یہ حق و اختیار نہیں رکھتی کہ اللہ تعالیٰ ایک فیصلہ یا حکم نازل فرمائے اور وہ کہیں کہ ہم یہ تو نہیں مانتے اور فلاں حکم مانیں گے۔

**یہود کا غلط موقف**: بنی اسرائیل والوں کے ہاں کتب بھی اتاریں گئیں اور بے شمار رسول بھی آئے۔ انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی۔ انہیں قتل کیا اور شریعتوں اور آسمانی کتب میں معنوی و لفظی تحریف کی اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے رہے۔

اب جب اللہ تعالیٰ نے نبی آخر حضرت محمد ﷺ بنی اسمٰعیل میں مبعوث فرمائے تو یہود کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

"قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" (البقرہ:91:2)۔

کہ اگر تم اتنے ہی ایمان دار تھے تو اللہ تعالیٰ کے انبیاء کو کیوں قتل کرتے رہے۔

**شریعتِ محمدیہ ناسخ**: اس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ شریعت محمدیہ شریعت موسوی کے لیے ناسخ ہے۔ اب موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام کی شریعتوں پر عمل کرنے کا وقت ختم ہوگیا۔ اب لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی شریعت کا وقت شروع ہوگیا ہے۔

نجات اخروی اب صرف اس میں ہے۔ محمد ﷺ پر ایمان لایا جائے۔ اور قرآن مجید کے مطابق زندگی گزاری جائے۔



"وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ" (البقرہ)۔

جو شخص دین اسلام کے علاوہ کسی دین کی پیروی کرے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

تنسیخ آیات کی تعداد کچھ بھی ہو قرآن مجید ناسخ اور تنسیخ کو بڑی خوبصورتی سے پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

ہم جو کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اس کو نظرانداز کرتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے مانند دوسری آیت لاتے ہیں۔

نسخ احکام میں ہوتا ہے۔ کلیات اور عقائد دین میں نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم میں نسخ کی مندرجہ ذیل دو صورتیں واضح کی گئی ہیں۔

(ا) آیت کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہوئے۔

(ب) حکم منسوخ ہوا اور تلاوت باقی رہ گئی۔

(ج) تلاوت منسوخ ہوئی اور حکم باقی رہا۔

(د) ازالہ اوصاف۔ مثلاً۔

"اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ" (التوبہ:80:9)۔

اس آیت میں آپ کو اجازت دی گئی کہ مشرکین کے لیے بے شک دعا کریں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا خواہ آپ ستر مرتبہ ہی دعا کیوں نہ کریں۔

اس کی تلاوت تو رہی مگر بعد کے حکم نے اس کو منسوخ کردیا اور ارشاد ہوا۔

"وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ" (التوبہ:84:9)۔

ان منافقین اور کفار میں جو کوئی مرجائے تو آپ ہرگز نہ تو ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور نہ ہی ان کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا مانگیں گے۔

تیسری قسم نسخ میں تلاوت منسوخ ہوئی اور حکم باقی رہا۔ مثلاً آیت رجم وغیرہ۔ چوتھی قسم نسخ میں ایک آیت دوسری آیت کے خاص کو عام یا اس کے مطلق حکم کو مقید کردیتی ہے۔ یہ نسخ آیت ہی سے نہیں سنت سے بھی ہوتا ہے۔ اس نسخ کو تفسیر، تاویل یا بیان بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس میں حکم کو وقتی کردیا جاتا ہے یا اس کے نئے معنی کو مقرر کردیا جاتا ہے۔

**نسخ آیات**: اس آیت یعنی مَا نَنْسَخْ ......... پر بحث کرتے ہوئے مفسرین نے یہ بحث بھی کی ہے کہ کیا قرآن مجید کی بعض آیات بعض آیات کی ناسخ ہیں یا نہیں۔

(ا) متقدمین مفسرین کی ایک جماعت آیات کے مابین نسخ کی قائل ہے اور انہوں نے پانچ سو آیات کی نشاندہی کی ہے جو ناسخ و منسوخ کے زمرہ میں آتی ہیں۔

Scanned with CamScanner

(ب) بعض علماء نسخ کے قائل ہیں۔ مگر اس قدر زیادہ آیات میں نسخ کو نہیں مانتے۔ جیسے شاہ ولی اللہ۔ انہوں نے الفوز الکبیر میں ناسخ و منسوخ کے ضمن میں خوب عمدہ بحث کی ہے اور صرف پانچ آیات کے بارے میں تسلیم کیا ہے کہ وہ منسوخ ہیں۔

(ج) بعض علماء نے نسخ کے معنی تنسیخ آیات لیا ہے۔ صاحب روح المعانی کا بھی یہی موقف ہے۔ نیز امام فخرالدین رازی عدم تنسیخ کے قائل ہیں۔

(د) ابوبکر جصاص کا خیال ہے کہ نسخ آیت سے مراد قرآن مجید کی آیات نہیں بلکہ لفظ آیت سابقہ شریعت کے معنی میں استعمال ہوا۔ اس لیے نسخ آیات سابقہ شریعتوں کا نسخ یہاں مراد ہے۔

**اعتدال کی راہ:** اس تمام بحث میں ایک اعتدال کی راہ بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید سابقہ نازل شدہ جملہ شریعتوں کے لیے ناسخ ہے۔ اسی طرح یہ امر ایک حقیقت ہے کہ قرآن مجید آہستہ آہستہ تھوڑا تھوڑا نازل ہوا۔ اور ہر حالت اور تقاضے کے تحت احکامات دیئے گئے۔ اس لیے یہ چیز قرین عقل و مصلحت ہے کہ بعض آیات جو ابتدائی مدت میں نازل ہوئیں اور ایک حکمت کے تحت نازل ہوئیں۔ عین ممکن ہے کہ کچھ آیات آخری مدت میں نازل ہوئیں اور وہ ایک دوسری حکمت اور مصلحت دینی کے تحت ہوں اس لیے قرآن مجید میں نسخ آیات کا کلی طور پر انکار نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ شاہ ولی اللہ" کے انداز پر تحقیق کر کے اس کے دائرہ کو کم از کیا جا سکتا ہے۔

## سوال نمبر 13 : حضرت ابراہیمؑ کا مفصل تعارف لکھیے۔

**حضرت ابراہیم علیہ السلام:** حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے انتہائی مقرب بندے' بزرگ نبی و رسول۔ اور بنی اسرائیل کے انبیاء کے جد امجد' اور نبی آخر حضرت محمد ﷺ اور آپؐ کی پوری امت کے جد اعلیٰ ہیں۔

سورۃ البقرہ میں بنی اسرائیل کے تذکرہ کے دوران حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر مبارک کیا گیا۔ اسے مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔

### تعارف

① **ابتدائی احوال:** ابراہیم عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ تورات میں آپؑ کے نام کا تلفظ ابرام / ابراہم آیا ہے۔ آپؑ کی پیدائش کا سال 2120 ق م بتایا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا اصل وطن عراق کا ایک شہر اُر (UR) تھا۔ آپؑ کے والد کا نام تارخ بن ناخور تھا۔ تورات میں آپؑ کی عمر 75 سال لکھی ہے۔ آپؑ نے فلسطین کے علاقے میں وفات پائی۔ اور وہیں دفن ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جس گھرانے میں پیدا ہوئے وہ دنیاوی اعتبار سے ایک منصب دار کا گھر تھا۔ اور دینی اعتبار سے ایک پروہت کا گھر تھا جو بت تراشتا اور فروخت کرتا تھا۔ اور ان کی عبادت بھی کرتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے استفسار کیا تھا۔

"يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا" (مریم 19 : 42)۔



" ابا آپ ان کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی تجھے کچھ فائدہ دیتے ہیں"۔

یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ایک بت پرست معاشرہ کے اختلاف کی ابتداء تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والد کو دعوت حق دی۔ فرمایا۔

"يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا" (مریم:19:43)۔

" اے ابا میرے پاس اللہ کی طرف سے علم آیا ہے۔ جو تجھے نہیں ملا۔ تو میری پیروی کر میں تجھے سیدھی راہ پر ڈال دوں گا"۔

والد ناراض ہو گیا۔ اور اس نے گھر سے نکل جانے کو کہا اور یہ بھی کہا کہ اگر تو میرے بتوں کو برا کہنے سے باز نہ آیا تو میں تجھے پتھر مار مار کر ہلاک کر دوں گا۔

② **قوم سے براءت:** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو کچھ اپنے گھر میں کہا وہی باہر قوم والوں سے بھی کہا۔ اور اس امر کو واضح کیا۔ کہ دوستی و تعلق داری صرف حسب و نسب ہی کے حوالے سے نہیں ہوتی۔ بلکہ تعلقداری کا اصل مرکز و محور عقیدہ و ایمان ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اعلان فرمایا۔

"إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ" (الممتحنہ:60:4)۔

(اے میری قوم) میں تم سے' اور جن کی تم عبادت کرتے ہو اللہ کے سوا' بری ہوں۔ اور تم سے انکاری ہوں۔ اور میرے اور تمہارے درمیان دشمنی و عداوت ہے جب تک تم ایک خدا پر ایمان نہیں لاتے۔

③ **بت شکنی:** حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے بارہا پوچھا کہ جن بتوں کو تم پوجتے ہو۔ آخر وہ تمہارے کس کام آتے ہیں۔ کیا فائدہ پہنچاتے ہیں۔ قوم لاجواب تھی۔ لیکن اس سوال و جواب ہی کی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی قوم کے درمیان ایک نفرت اور حقارت کا معاملہ شروع ہو گیا تھا۔

ایک دن حضرت ابراہیمؑ کو موقع ملا۔ تو انہوں نے بت خانے میں جا کر سارے بت توڑ ڈالے۔ یہاں سے حضرت ابراہیمؑ کی ابتلاء کا سلسلہ شروع ہوا۔

④ **ابتلاء و آزمائش:** حضرت ابراہیمؑ سلسلہ انبیاء میں وہ بزرگ ترین نبی ہیں کہ جن کی ابتلاء کا ذکر قرآن مجید نے کیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو آزمایا اور وہ اللہ کی آزمائش پر پورے اترے۔ یہ اعلان کسی اور نبی کے بارے میں مذکور نہیں۔

"وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ" (البقرہ:2:124)۔

ابراہیم کو ان کے رب نے چند کلمات میں آزمایا' اور وہ ان پر پورے اترے۔

ذیل میں ان آزمائشوں کا مختصراً تذکرہ کیا جاتا ہے۔

**(ا) آگ میں ڈالا جانا:** ابراہیم علیہ السلام توحید کے علمبردار تھے۔ انہوں نے گھر اور گھر سے باہر برملا ایک خدا کی عبادت کا اعلان کیا اور نہ صرف اعلان کیا۔ بلکہ بتوں کے پجاریوں کی ہر آزمائش کا سامنا کرتے ہوئے سب بتوں کا توڑ دیا۔

آپؑ کو اس وقت کے بادشاہ نمرود کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے ایک بہت خوفناک آگ جلوائی اور اس میں حضرت ابراہیمؑ کو ڈالنے کا اعلان کیا۔ ابراہیم علیہ السلام تیار ہو گئے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق آگ کو حکم کیا کہ خبردار ہمارے بندے کا بال بیکا نہ ہو' ارشاد ہوا۔

"قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْداً وَسَلَاماً عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ" الانبیاء 21:69)۔

اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جا۔

**(ب) ہجرت:** دوسری اہم آزمائش آپ کی اپنے وطن سے ہجرت تھی۔ آپؑ کو حکم دیا گیا کہ اپنے اکلوتے بیٹے اسماعیل کو اور اس کی والدہ ہاجرہ کو ہمارے گھر کے پاس چھوڑ آؤ۔

بیت اللہ ان دنوں ویران تھا۔ قرآن مجید نے خود اسے وادی غیر ذی زرع کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے عین مطابق حضرت ابراہیمؑ نے اپنے لخت جگر اسماعیلؑ اور ان کی والدہ ہاجرہؑ کو بیت اللہ کے قریب چھوڑا۔

"رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ" (ابراہیم 14:37)۔

اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد کو بے آب و گیاہ وادی میں آپ کے محترم گھر کے پاس ٹھہرایا ہے۔

**(ج) ذبح پسر:** ایک اور آزمائش جو ابراہیم علیہ السلام کو رفع درجات کے سلسلے میں پیش آئی وہ اس بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم تھا جو کہ سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری کا باعث تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے سے پوچھا۔

"يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ" (الصفت 37:102)۔

بیٹا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں تمہاری کیا رائے ہے بیٹے نے جواب دیا کہ ابا جو حکم ہوا ہے اسے کیجیے میں انشاء اللہ صبر کرنے والوں میں سے ہونگا۔

حضرت ابراہیم نے بیٹے کے گلے پر چھری چلائی تو جنت سے ذبح عظیم پیش کر دی گئی اور ابراہیمؑ سے کہا گیا کہ اب بس! آپ نے تو خواب بھی سچ کر دکھایا۔

**(5) انعامات:** جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا اور وہ ساری آزمائشوں میں پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے ایسے انعامات سے نوازا۔ جو اس سے پہلے اور اس کے



بعد کسی کے حصے میں نہ آئے' یہ انعامات حسب ذیل ہیں۔

**(ا) امام الناس:** پہلا انعام یہ دیا کہ رہتی دنیا کے سارے انسانوں کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشوائی کا اعلان کیا۔

"إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً" (البقرہ)۔

کہ میں تجھے لوگوں کا امام بناتا ہوں۔

**(ب) تعمیر کعبہ:** دوسرا انعام یہ دیا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کو حکم دیا کہ وہ کعبتہ اللہ کو تعمیر کریں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام نے کعبتہ اللہ کی نئے سرے سے تعمیر کی۔

یہ تعمیر بھی تھی اور کعبہ اللہ کی آبادی بھی۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کو اس گھر کو پاک صاف کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کو بلاؤ کہ وہ دور قریب سے اس گھر کی زیارت کو آئیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ کو سارے جہان کے انسانوں کے لیے مصلیٰ قرار دیا۔ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی ہر دعا کو قبول فرمایا۔ ان کی ہر حرکت و عمل کو مناسک حج قرار دیا۔ اور سارے انسانوں کے لیے لازم قرار دیا کہ وہ ابراہیمؑ کے تعمیر کردہ اس گھر کا طواف کریں۔ اور قربانی دیں۔ تب ان کی اطاعت و فرمانبرداری کو قبول کیا جائے گا۔

**(ج) حکم اتباع:** حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مجد و شرف کا اندازہ اس امر سے کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر حضرت محمد ﷺ کو یہ حکم فرمایا کہ وہ دینِ ابراہیم ہی کی پیروی کریں۔

"وَاتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفاً" (البقرہ)۔

اور ملت ابراہیم کی پیروی کرو۔ جو صرف اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے۔

**(د) دعاؤں کی قبولیت:** تعمیر کعبہ کے دوران اور اس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے جس قدر دعائیں کیں' اللہ تعالیٰ نے سب قبول فرمائیں۔ تعمیر کعبتہ اللہ کو اس قدر قبول فرمایا کہ اسے پوری کائنات کے لیے حرم محترم بنا دیا۔ ایک بے آب و گیاہ وادی کو ہر نعمت سے بھر دیا۔

"رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَداً آمِناً وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ" (البقرہ 2:126)۔

"اے اللہ اس گھر کو اور اس شہر کو امن والا بنا۔ اور یہاں کے رہنے والوں کو پھلوں سے خوراک عطا فرما"

○ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبی آخر حضرت محمد ﷺ کی بعثت کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔

"رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ" (البقرہ 2:129)۔

"اے اللہ ان میں۔ انہی میں سے ایک رسول بھیج"

Scanned with CamScanner

**(6) ابراہیمؑ کی مدح سرائی:** قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو تعریف و توصیف فرمائی ہے جوان ہی کا حصہ خاص ہے۔

(ا) اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اپنا دوست قرار دیا۔

**"وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا"** (النساء:4:125)۔

اور اللہ نے ابراہیم کو دوست بنایا۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو نرم دل اور بردبار قرار دیا۔

**"اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ"** (التوبۃ:9:141)۔

کہ ابراہیم بڑے نرم دل اور بردبار تھے۔

(ج) حضرت ابراہیم کو راست رو اور یکسو کہا گیا۔

**"دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ"** (الانعام:6:161)۔

کہ ابراہیم ایک مضبوط دین والے یکسو راست رو تھے اور مشرکین سے نہ تھے۔

(د) ایک اور جگہ فرمایا کہ ابراہیم اپنے اندر ایک امت تھے۔ اللہ کے فرمانبردار تھے وہ یکسو تھے۔ مشرکین میں سے نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پسند و منتخب کیا۔ اور انہیں سیدھی راہ عطا فرمائی۔

**"اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ"** (النحل:16:120:121)۔

قرآن مجید نے ملت ابراہیمی کو نہ صرف ہدایت اور کامیابی کا معیار قرار دیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ عقلمندی اور دانائی کا تقاضا ہے لوگ امت مسلمہ کے لیے ابراہیم کو پیشوا بنائیں اور جو ایسا نہیں کرتا وہ دراصل اپنے آپ کو بے وقوف بنا رہا ہے۔

**"وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ"** (البقرۃ:2:130)۔

اور کون ملت ابراہیم سے منہ موڑتا ہے۔ مگر جو اپنے آپ کو بیوقوف بنائے اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں پسند کیا ہے۔ اور وہ آخرت میں نیکوکار لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔

**(و) اول مہاجر:** سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی اس وقت ان کی عمر پچھتر (75) سال کی تھی۔ حضرت قتادہؒ نے کہا کہ انہوں نے کوثا سے جو بابل کے ملک میں تھا حران کو ہجرت کی وہاں سے فلسطین کو جو شام کے ملک میں تھا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

**"وَقَالَ اِنِّىْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّىْ"** (العنکبوت 29:36)۔

اور کہا ابراہیمؑ نے میں تو وطن چھوڑ کر اپنے مالک کی طرف (جہاں اس کو منظور ہوا نکل جاؤں گا)۔



**(7) احکامات ابراہیمی:** دین اسلام میں کچھ ایسے احکام بھی ہیں جو سنت ابراہیمی کے نام سے خاص ہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں۔

(1) احکام حج (2) مونچھیں کم کرنا (3) مسواک کرنا، کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا (4) زیر ناف بال لینا (5) ختنہ کرانا (6) بغل صاف کرنا (7) جمعہ کے دن غسل کرنا۔

## سوال نمبر 14: تحویل قبلہ سے کیا مراد ہے۔ سورۃ بقرہ کی روشنی میں وضاحت سے تحریر کیجیے۔

**تحویل قبلہ:** اسلامی تاریخ میں تحویل قبلہ کا واقعہ انتہائی اہم واقعہ ہے۔ اس واقعہ سے مسلمانوں کا تشخص اجاگر ہوا۔ غیر اقوام خصوصاً یہود و نصاریٰ کی اصلیت کھل کر سامنے آئی۔ اور یہ امر بھی طے ہوا کہ جب اہل کتاب سے منصب امامت لے لیا گیا تو اب اس امر کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ مسلمان ان کے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں۔ یہ انتہائی ضروری تھا کہ نئی ابراہیمی امت کے لیے جب منصب امامت تفویض ہوا تو ان کا قبلہ بھی ابراہیمی ہونا چاہیے۔ ذیل میں تحویل قبلہ کے سلسلے میں ضروری نکات کی وضاحت و تفصیل درج کی جاتی ہے۔

① **مفہوم:** تحویل کے معنی تبدیلی کے ہیں اور قبلہ اس سمت کو کہتے ہیں جس کی طرف رخ کر کے عبادت کی جاتی ہے۔ قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ ہر امت اور ہر گروہ کا ایک قبلہ یا سمت ہوتی ہے جس کی طرف وہ رجوع کرتی ہے اور آداب بجالاتی ہے یا عبادت کرتی ہے۔ مسلمانوں کے لیے یقیناً ایک سمت مقرر کی جا رہی ہے۔ لیکن مقصود سمت کا قیدی بنانا نہیں۔ اصل کام جو کرنے کا ہے وہ نیکی اور بھلائی ہے۔ اور انسانی اعمال کا اصل قبلہ یہی ہے۔ اگر کوئی قوم کسی ایک قبلہ کو نماز کے لیے اختیار کرے لیکن اس کے اعمال نفس پرستی اور فساد، فتنہ و انتشار پر مبنی ہو رہے ہوں تو پھر قبلہ کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ بہرحال محسوس طور پر ایک قبلہ ضروری ہے۔ قرآن مجید نے فرمایا۔

**"وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ"** (البقرہ:2:148)

ہر ایک کی ایک سمت ہوتی ہے جدھر وہ رخ کرتا ہے پس تم نیکیوں کے حصول کی طرف پیش قدمی کرو۔

② **ابتدائی قبلہ:** نبی کریم ﷺ نے ابتدا بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمائی۔ مکی دور میں آپؐ حرم کعبہ میں اس طرح نماز ادا فرماتے کہ خانہ کعبہ اور بیت المقدس دونوں ہی سامنے ہوتے مگر ہجرت مدینہ کے بعد یہ بات ناممکن تھی چنانچہ آپؐ صرف بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے گویا آپؐ مکی دور پورا، اور ہجرت کے بعد کم و بیش سولہ، سترہ ماہ تک بیت المقدس ہی کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔

بیت المقدس کو دینی زندگی میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ انتہائی جلیل القدر انبیاء کرام یعنی حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس گھر کو تعمیر کرایا۔ اور پھر سارے

Scanned with CamScanner

انبیاء بنی اسرائیل اسی قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔ بے شمار انبیاء اس جگہ مدفون ہیں۔ اس اعتبار سے بیت المقدس سارے انبیاء اور ان کی امم کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کا بھی قبلہ اول ہے۔ اور یہاں ایک لطیف نکتہ بھی ہے کہ جب مسلمان سارے انبیاء پر ایمان لاتے ہیں اور انہیں برحق جانتے ہیں تو ضروری تھا کہ ان کے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کریں۔ یوں ایمان لانے کی عملی تصدیق بھی ہو جائے گی اور ایک طرح سے مسلمان سارے انبیاء کے سلسلے میں متعلق و منسلک بھی ہو جائیں گے۔

③ **انتظار**: اگرچہ نبی کریم ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرماتے رہے۔ کیونکہ اللہ کی طرف سے آپؐ کو یہی حکم تھا۔ تاہم انتظار کی ایک واضح کیفیت آپؐ میں موجود تھی۔ کہ کب انہیں قبلہ ابراہیمی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی اجازت ملے گی۔ اس اضطراب وانتظار کو قرآن مجید نے بیان فرمایا۔

"قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا" (البقرہ: 2 : 144)

یقیناً ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف متوجہ ہوتا دیکھ رہے ہیں لیجیے آپ اپنے رخ کو اس قبلہ کی طرف پھیرلیں جو آپ پسند کرتے ہیں۔

اس آیت پاک سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ نبی ﷺ اور آپؐ کے ساتھ سارے انبیاء حکم الٰہی کے اسی طرح پابند ہوتے ہیں جس طرح کہ کوئی عام شخص۔ کوئی نبی اپنی مرضی و منشاء سے کوئی فیصلہ نہیں کرتا جب تک کہ اسے حکم الٰہی کی تائید حاصل نہ ہو۔

تحویل قبلہ کا واقعہ اس امر کا ثبوت ہے کہ رسول اکرم ﷺ شدت کے ساتھ اس امر کو چاہتے تھے کہ قبلہ ابراہیمی کی طرف رخ کر کے نماز ادا کریں۔ لیکن وہ اس امر کے منتظر تھے کہ امر ربی ان کی تائید کرے تو وہ یہ قدم اٹھائیں۔ چنانچہ جب رجب یا شعبان 2ھ میں یہ حکم آیا تو آپ ﷺ بنو سلمہ کی مسجد میں ظہر کی نماز ادا فرمارہے تھے۔ دو رکعتیں پڑھ چکے تھے۔ تیسری رکعت میں وحی کے ذریعہ حکم ہوا۔

"فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" (البقرہ)۔

پس آپ اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف پھیرلیں۔

چنانچہ دوران نماز یعنی تیسری رکعت میں آپ ﷺ اور آپؐ کے صحابہ نے مسجد اقصیٰ سے رخ مسجد حرام کی طرف پھیرلیا۔ بنو سلمہ کی اس مسجد کو مسجد قبلتین یعنی دو قبلوں والی کہا جاتا ہے۔

④ **تحویل قبلہ کی حقیقت**: قرآن مجید نے تحویل قبلہ کے سلسلے میں اس بنیادی نکتہ کو واضح کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی خاص سمت کا تعین کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ تعین تو انسانوں کے مابین توافق اور یکسوئی کو برقرار رکھنے کی غرض سے ہے۔ اللہ کے نزدیک مشرق و مغرب سب اس کی ملکیت ہیں۔ ارشاد ہے۔



"قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ" (البقرہ: 2 :142)۔

کہ کہہ دیجیے مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وہ جسے چاہتا ہے۔ سیدھی راہ کی طرف ہدایت عطا فرماتا ہے۔

اس آیت کی روشنی میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اللہ کے نزدیک اصل چیز مشرق و مغرب نہیں۔ بلکہ انسان کی وہ اطاعت و بندگی کا جذبہ ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں اس کی ہدایت کا فیصلہ ہوتا ہے۔

⑤ **حکم تحویل قبلہ**: رسول اکرم ﷺ کو اس امر کا پختہ یقین تھا کہ جب بنی اسرائیل منصب امامت سے محروم ہو گئے ہیں تو ان کا قبلہ امت مسلمہ کا قبلہ نہیں رہ سکتا۔ اب تحویل قبلہ کا حکم آکر رہے گا۔ اور آپؐ کے سامنے یہ حقیقت بھی تھی کہ اہل عرب کو اسلام کی طرف مائل کرنے کا موثر ذریعہ یہ ہو گا کہ خانہ کعبہ کو قبلہ قرار دیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک حضرت محمد ﷺ کی دیرینہ آرزو کی تسکین و تکمیل کا سامان فرمایا اور منصب امامت کے ساتھ ساتھ آپؐ کو اپنے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کے قبلہ کی طرف رخ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ یہاں ایک جانب حضرت محمد ﷺ کے لیے کمال تسکین ہے۔ تو دوسری طرف ان کے لیے اور پوری امت کے لیے انتہائی فضیلت اور بلند مرتبے کا اظہار بھی ہے۔ اور یوں امت محمدیہؐ کو دیگر اہل کتاب لوگوں سے ایک انفرادی حیثیت حاصل ہو گئی اور ان دونوں کے درمیان تفریق واضح ہو گئی۔

⑥ **اہل کتاب کا اعتراض**: ابتداء یہود مطمئن تھے کہ جب مسلمان ان کے قبلے کی پیروی کرتے ہیں تو وہ ان کی شریعت کی پیروی بھی کرنے لگیں گے۔ لیکن جب تحویل قبلہ کا حکم آیا تو نہ صرف یہ کہ وہ مایوس ہو گئے۔ کہ مسلمان اب ان کے ہاتھ سے گئے۔ بلکہ ان کے اندر یہ حسد و انتقام بھی بیدار ہوا کہ مسلمانوں نے ان کے قبلے کو چھوڑ کر ان کی توہین اور دل آزاری کی ہے۔ اور اب ضروری ہے کہ مسلمانوں سے ان کا بدلہ لیا جائے۔

چنانچہ یہود نے مسلمانوں میں یہ پراپیگنڈہ پھیلایا کہ مسلمان پہلے ہی کعبۃ اللہ کی طرف کیوں نہ پھیرے گئے۔ انہوں نے بیت المقدس کو بطور قبلہ کے کیوں اختیار کیا۔ جو نمازیں انہوں نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھیں ان کا کیا بنے گا۔ اور کیا وہ ابھی تک اس تذبذب کا شکار ہیں کہ کونسا قبلہ اختیار کریں اور کونسا اختیار نہ کریں۔

⑦ **قرآن مجید کا جواب**: قرآن مجید نے ان تمام اعتراضات کا موثر جواب دیا۔

(۱) پہلی بات یہ فرمائی کہ بنی اسرائیل کی امامت ختم۔ ان کا قبلہ بھی ختم۔ ابراہیم علیہ السلام سے بنی اسماعیل کی عالمگیر امامت شروع ہوئی اس لیے بیت اللہ یعنی اللہ کے گھر کی امامت اور قبلہ اب شروع ہو چکا۔

Scanned with CamScanner

(ب) یہ مسئلہ سمت کا نہیں۔ نہ بیت اللہ اور بیت المقدس کا ہے۔ نہ یہود کا ہے نہ مسلمانوں کا۔ یہ مسئلہ فرمانبرداری کا ہے۔ اور فرمانبرداری اللہ کی فرض ہے۔ نسلی تفاخر اور مذہبی تعصب کی پیروی ضروری نہیں۔ اس لیے قرآن مجید نے واضح لفظوں میں فرمایا۔

"اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ" (البقرہ:2:143)۔

تاکہ اللہ تعالیٰ یہ جان لے کہ کون رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتا ہے اور کون ایڑیوں کے بل ضد و عناد کی پیروی میں پھر جاتا ہے۔

(ج) قرآن مجید نے تحویل قبلہ پر اعتراض کرنے والوں کو کم عقل اور بیوقوف کہا اور یہ حقیقت واضح فرمائی کہ اسلام نے کب سمتوں کی پوجا سکھائی ہے کہ یہود تلملا رہے ہیں۔ اسلام نے تو اللہ کی عبادت کا حکم دیا ہے۔ اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سکھائی ہے۔ کل حکم تھا کہ بیت المقدس کی طرف رخ کرو تو سر تسلیم خم تھا۔ آج حکم ہوا کہ بیت اللہ کو قبلہ بناؤ تو بھی اس کی نیازمندی ہے۔

لہٰذا عقلمندی اس میں نہیں کہ سمتوں کی پوجا کی جائے۔ عقلمندی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی ہر حال میں اطاعت کی جائے۔

⑧ **امت وسط کا تصور:** قرآن مجید نے امت مسلمہ کو عادل امت کا خطاب دیا ہے اور اسے رابطہ کی امت فرمایا ہے۔ اور اس کے لیے خیر امت کا خطاب بھی تجویز کیا ہے۔ یہ سب خطابات کسی نسلی تفاخر کی بنیاد پر نہیں بلکہ خیر کے اس مشن کے تحت ہیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کو ادا کرنے کی صورت میں عطا کیا گیا ہے۔ یہودیوں نے اللہ کے عہد و میثاق کو توڑا۔ شریعت میں رد و بدل کیا۔ اور انسانی بھلائی کے کاموں سے منہ پھیرا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے فضیلت عالمین کی مسند سے ہٹا دیا۔ اور اس کی جگہ حضرت محمد ﷺ کی امت کو اس منصب پر فائز فرمایا اور اس کے لیے "امتہ وسط" اور "خیر امتہ" کے القاب پسند کیے۔ مسند و منصب کی اس اہم تبدیلی کا تقاضا تھا کہ اس امت کے لیے نیا عالمگیر قبلہ تجویز کیا جاتا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو کعبتہ اللہ کی طرف رخ پھیرنے کا حکم ہوا۔

⑧ **فوائد و ثمرات:** تحویل قبلہ کا یہ حکم بہت ساری حکمتوں اور فوائد و ثمرات کا حکم تھا۔ چند ایک حسب ذیل ہیں۔

**(ا) اطاعت گذاری کی آزمائش:** یہ حکم ایمان و کفر کے امتیاز کا باعث بنا' اور یہ امر بھی واضح ہوا کہ حکم ربی پر کون اطاعت گذاری کا ثبوت دیتا ہے اور کون نفس پرستی اور گروہی سیاست کا شکار ہوتا ہے۔ یہ حکم مسلمانوں کے لیے ثابت قدمی کا امتحان تھا۔ اور اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو ایک ایسا گروہ نصیب ہوا جو مخلص اور ہر آلائش سے پاک تھا۔

**(ب) اعلائے کلمتہ اللہ:** دین ابراہیم اعلائے کلمتہ اللہ کا دین ہے۔ نبی کریم ﷺ کو تحویل قبلہ کا حکم ہوا تو گویا آپ کو یہ حکم ہوا کہ اب آپ پوری دنیا میں دین اسلام اور کلمتہ اللہ کو



بلند فرمائیں گے۔ اور یہ امر پیش نظر رہے گا کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے دین حق کے راستے میں قربانیاں پیش کیں۔ مسلمانوں کو بھی اسی معیار کی محنت اور قربانی کی ضرورت ہوگی۔

**(ج) اول گھر کی تعبیر:** قرآن مجید نے کعبۃ اللہ کو پہلا گھر بتایا کہ جو لوگوں کے لیے مرجع و ماویٰ قرار دیا گیا۔ ضروری تھا کہ اب اس کی صحیح تعبیر لوگوں کے سامنے آتی چنانچہ تحویل قبلہ سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اب قیامت تک قبلہ اور کعبہ' ماویٰ و مرجع سب کچھ یہ اللہ کا گھر ہو گا۔ جس کے بارے میں فرمایا گیا۔

"اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ" (آل عمران: 3:96)۔

بے شک وہ پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ مکہ میں ہے جو سارے جہانوں کے لیے باعث برکت اور ہدایت ہے۔

**(د) قیادت کی تبدیلی:** تحویل قبلہ کا حکم دراصل اس حکم کی عملی تعبیر تھی جو کعبتہ اللہ کی تعمیر کے وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حکم دیا گیا۔

"وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ۔۔۔" (الحج:22:27)۔

"کہ لوگوں میں اعلان حج کرو۔ لوگ اس گھر کی طرف دور قریب سے پیدل و سوار ہر طرح سے پہنچیں گے۔"

یہ اعلان حضرت ابراہیم نے فرمایا تھا۔ لیکن تحویل قبلہ سے اس کی عملی تعبیر میسر آئی۔ کہ کائنات میں کعبتہ اللہ وہ واحد مقام ہے جو مرجع خلائق ہے۔

**(ر) ہٹ دھرمی:** یہودی اپنی تورات کی مہیا کردہ معلومات کے ذریعہ اس امر سے آگاہ تھے۔ کہ حضرت محمد ﷺ آخری پیغمبر ہیں۔ اور یہ کہ تحویل قبلہ کا حکم برحق ہے۔ لیکن وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ نبی کریم ﷺ کی پیروی میں وہ اپنی مذہبی سیادت اور دنیاوی مناصب سے محروم ہو جائیں گے۔ اس لیے وہ اس کو ماننے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ قرآن مجید نے فرمایا کہ اگر آپ ہر طرح سے دلیلیں لے آئیں تب بھی وہ ایمان نہ لائیں گے۔

**(س) نیکیوں میں سبقت کا حکم:** تحویل قبلہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ اللہ کے نزدیک رخ اور سمت ہی معیار خیر و شر نہیں۔ بلکہ اس کے نزدیک قبولیت کا اصل معیار خیر کی رغبت اور شر سے نفرت ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خیر کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔ انہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سبق کو کائنات میں عام کرنا ہے۔ اور یہی ان کی عظمت کا امین اور ان کے اعلیٰ منصب کا تقاضا ہے۔

**سوال نمبر 15:** امت وسط سے کیا مراد ہے؟ اس کا منصب اور ذمہ داریاں بتایئے نیز شہادت حق کے طریقے لکھیے

**امت وسط:** امت وسط دو الفاظ کا مجموعہ ہے۔ امت کے لغوی معنی زندگی گزارنے کا راستہ'

Scanned with CamScanner

نسل، ملک، خاندان، جماعت یا قوم کے ہیں قوم کا لفظ قدیم و جدید جاہلیت کے دور میں بھی کبھی خالص تہذیبی بنیاد کے لیئے مستعمل نہیں رہا قوم کی بنیاد ہمیشہ رنگ و نسل۔ زبان و مقام رہی ہے اور ایک مخصوص مقاصد کے لوگوں کے اجتماع کے لئے استعمال ہوتی رہی قرآن مجید نے بھی سابقہ امم کی اجتماعیت کو ظاہر کرنے کے لئے قوم کا لفظ استعمال کیا ہے مثلاً وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اسی طرح قوم نوحؑ، قوم لوطؑ وغیرہ قرآن مجید نے قوم کے وزن پر چند مترادف اور استعمال کئے ہیں مثلاً ملت اور حزب لیکن ملت (طریقہ کیش) کا لفظ سابقہ امم میں سے صرف اور صرف ابراہیمؑ کے لئے استعمال ہوا ہے جیسے ملت ابراہیمی

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا

(البقرہ 2 : 135) اور کہا انھوں نے کہ یہودی یا عیسائی بنو تو ہدایت پاؤ گے (اے نبیؐ) آپؐ فرما دیجئیے بلکہ ملت ابراہیم کی راہ پر جو راست رو تھا (چلنے سے ہی ہدایت ملتی ہے) نیز ارشاد ہوا

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ (البقرہ 2:130)

اور کون ملت ابراہیم سے روگردانی کر سکتا ہے سوائے اس کے جو نادان ہو

اس طرح ملت کے علاوہ ایک لفظ حزب گروہ یا جماعت استعمال ہوا ہے اور پورے عالم انسانیت کو دو گروہوں حزب اللہ اور حزب الشیطان میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝

یہ لوگ اللہ کی پارٹی (جماعت) ہیں۔ خبردار بیشک اللہ تعالیٰ کی ہی جماعت کامیاب و کامران ہونے والی ہے

اس کے برعکس ارشاد ربانی ہے۔

اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (المجادلہ 58:19)

یہ لوگ شیطان کی پارٹی (جماعت) ہیں خبردار بے شک شیطان کی جماعت ہی نقصان اٹھانے والی ہے۔

لیکن ان تمام مترادفات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ تمام امت کے وسیع تر مفہوم کو واضح کرنے سے قاصر ہیں امت کا لفظ نسل و رنگت لسانی و گروہی اور علاقائی پابندیوں سے آزاد ہے اور ہر عمر اور قوم کا فرد اس کا ممبر بن سکتا ہے جو شہادتین کا اعتراف کرے یعنی ہر کلمہ گو

(اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ)

اس امت مسلمہ کا فرد ہے۔

گویا امت کا اصل مفہوم یہ ہوا کہ "ایک ایسا مجموعہ افراد جن کے مابین کوئی قدر مشترک ہو۔ کوئی امر جامع ہو۔ چند اصول و ضوابط ہوں جو ان کو جوڑے رکھیں"۔

**وسط کا مفہوم:** وسط سے مراد اعلیٰ۔ اشرف۔ میانہ روی، اعتدال اور عادل ہے۔

گویا امت وسط سے مراد میانہ رو گروہ ہے جو اعتدال کی روش پر قائم رہے افراط و تفریط، انتہا



پسندی سے اجتناب کرے دنیا کی دوسری قوموں کے لئے قابل تقلید نمونہ ہو اور یہ منصب صرف اور صرف امت محمدیہ کو حاصل ہے کیونکہ امت مسلمہ جس دین کی حامل ہے وہ سراسر عدل کے اصولوں پر مبنی ہے اس لئے بیشک اس دین کی پیروی کرنے والی امت فی الواقع امت وسط ہے۔

امت مسلمہ جس دین کی پیروکار ہے وہ دین کامل ہے سیدنا آدمؑ سے لے کر امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰؐ سے پہلے جتنے انبیاء کرام مذاہب لیکر آئے وہ نامکمل اور غیر محفوظ تھے لیکن حضور اکرمؐ جو دین لے کر تشریف لائے وہ انتہائی ترقی یافتہ محفوظ ترین اور کامل ہے ارشاد خداوندی ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ 5:3)

میں نے آج تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا ہے۔ مزید ارشاد خداوندی ہے

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ

اور جو کوئی دین اسلام کے بغیر کسی اور دین کی اتباع کرے گا اس سے وہ قابل قبول نہ ہو گا۔

چونکہ امت مسلمہ کو جو دین عطا کیا گیا ہے وہ دین کامل ہے اور تحریف و ترمیم یا اضافہ اور ارتقاء سے بالکل محفوظ و مصون ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کے سلسلہ کو منقطع کر دیا۔ آپؐ کا ارشاد ہے

اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ

"میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں" اور تم آخری امت ہو اس کے بعد کوئی امت نہیں چنانچہ آپؐ تمام کائنات کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف 7:158)

(اے نبیؐ) فرما دیجئے کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

اسی طرح ارشاد خداوندی ہے

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سباء 34:28)۔

مندرجہ بالا صدر تحریر کی روشنی میں اگر غور و خوض کیا جائے تو معلوم ہو گا امت وسط مسلمان۔ ایک بین الاقوامی جماعت کا نام ہے دنیا کی ساری قوموں میں سے ان اشخاص کو چھانٹ کر نکالا گیا ہے جو ایک خاص اصول کو جانتے۔ ایک خاص پروگرام کو عمل میں لانے اور ایک خاص مشن کو انجام دینے کے لئے تیار ہوں۔ یہ لوگ چونکہ ہر قوم میں سے نکلے ہیں اور ایک پارٹی بن جانے کے بعد کسی قوم سے ان کا تعلق نہیں رہا ہے اس لئے یہ بیچ کی امت ہیں۔ لیکن ہر قوم سے تعلق توڑنے کے بعد سب قوموں سے ان کا ایک دوسرا تعلق قائم کیا گیا ہے۔

**امت وسط کا منصب:** چونکہ آپؐ آخر الزمان نبیؐ ہیں اور قرآن حکیم آخری کتاب ہے اور آپؐ کی یہ امت آخری امت ہے اس لئے آپؐ کی شریعت آخری شریعت ہے اور آپؐ کی شریعت

Scanned with CamScanner

کو کامل و اکمل قرار دیا گیا ہے اور اسے تحریف و تبدل، ترمیم و اضافہ سے قطعی محفوظ و مصون قرار دے کر فرمایا کہ اس کے علاوہ اور کوئی دین قبول نہیں کیا جائے اور نجات دنیاوی و اخروی کا دار و مدار صرف اور صرف شریعت محمدی کی اتباع پر منحصر ہے۔ اب صاحب کتاب نبیؐ کے بعد کوئی اور نبی نہیں اس لئے امت وسط کا منصب یہ ہے کہ وہ شریعت محمدی کو عام کرے اس پر خود عمل کرے اور دوسروں کو عمل کرنے کی دعوت دے۔ ارشاد خداوندی ہے

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (العصر:3)

اور خود حق بات پر عمل کریں اور دوسروں کو حق بات کرنے کی تلقین کریں

اس تبلیغ کے سلسلہ میں جو مصائب پیش آئیں ان پر خود صبر کریں اور دوسروں کو صبر کرنے کی تلقین کریں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران3:110)

تم ایک بہترین امت ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور بدی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو

گویا امت مسلمہ کو ایک بہترین امت اس لئے قرار دیا ہے کہ لوگوں کی اصلاح و ہدایت کی ذمے داری اب انہیں کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے یہ انسان کا دنیا میں اہم ترین منصب ہے انبیاء اور رسولوں نے بھی یہی فریضہ سرانجام دیا تھا جو اب امت مسلمہ کو سونپا گیا ہے امت مسلمہ کے افراد نیکی کا حکم دیں اور بدی سے روکیں گے۔

حضرت رسولؐ خدا کا ارشاد ہے

اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ

(علماء انبیاء علیہم السلام کی وراثت (علم) کے وارث ہیں)۔

**نصب العین کے فقدان کے اثرات**: آج کل نئی نسل کے نوجوانوں بالخصوص غیر مسلم قوموں کے نوجوانوں کے سامنے کوئی اعلیٰ و ارفع مقصد نہیں ہے اس لئے انھوں نے اپنے سامنے جو مقصد پیش نظر رکھا وہ صرف ایک فلاحی ریاست قائم کرنا رکھا۔ گویا تمام لوگوں کا معیار زندگی بلند ہونا چاہیے۔

معیار زندگی کی بلندی صرف اور صرف دنیاوی تعیش اور مال و زر سمجھا گیا جس کے حصول کے لئے ہر جائز اور ناجائز ذرائع کو بروئے کار لانے کو درست تسلیم کر لیا گیا جس سے سماج دشمن رجحانات پیدا ہوئے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نئی نسل کے نوجوان اس دور میں واپس لوٹ جانا چاہتے ہیں جو تہذیب و تمدن سے بالکل عاری تھا۔ اور اخلاقی اور جنسی بے راہ روی کا شکار ہو رہے ہیں اس طرح انسانیت کے اعلیٰ مقام سے گر کر حیوانیت کا شکار ہو رہے ہیں۔



## امت وسط کی ذمہ داریاں

- رسول اکرم ﷺ آخری نبیؐ ہیں اب نبوت کے فرائض امت مسلمہ کے سپرد ہیں چنانچہ اس کی اہم ترین ذمہ داری دین حق کی تبلیغ ہے اور اپنے کردار و عمل (قول و فعل) سے اسلامی تعلیمات کو اجاگر کرے۔
- امت وسط کا فریضہ ہے کہ ساری دنیا کے سامنے حق کی گواہی دے۔ اس کا ہر رکن خدا کا فوجدار ہو۔
- امت وسط کا فریضہ ہے کہ وہ بلا امتیاز عدل و انصاف کے قیام کے لئے ہر وقت کمربستہ رہے اور اعتدال پسندی کی راہ اختیار کرے۔
- امت وسط کا فریضہ ہے کہ وہ دنیا میں نیکی کو پھیلائے اور برائیوں کو مٹائے کیونکہ اس وقت دنیا میں ہر طرف انتشار اور بدامنی پھیلی ہوئی ہے اور اخلاقی اقدار معدوم ہوتی جا رہی ہیں جس کی وجہ سے بے راہ روی عام ہو رہی ہے۔
- امت وسط کی ایک نہایت اہم ذمہ داری جہاد فی سبیل اللہ ہے۔
- امت وسط کا فریضہ ہے کہ وہ اخوت و محبت کے جذبات کو عام کرے۔
- امت وسط ایک عظیم نصب العین کی امین ہے جس سے دنیاوی اخروی نجات حاصل ہوتی ہے۔

**شہادت**: ارشاد خداوندی ہے

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۝ (البقرۃ2:143)

اور ہم نے تمہیں ایک امت وسط بنایا تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسولؐ خدا تم پر گواہ بنیں

مندرجہ بالا آیت میں شھیدا (گواہ) کے ہیں یہ گواہی دو قسم کی ہے () شہادت قولی () شہادت فعلی۔ شہادت قولی یہ ہے

(اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ)

اس گواہی سے وہ شخص اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ وہ مسلم معاشرے کا ایک فرد ہے۔

عملی گواہی یہ ہے کہ مسلمان اپنے پیش کردہ دین اور اس کی تعلیمات کی عملی تصویر بھی ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے اس رویہ کی مذمت کی ہے کہ دوسروں کو تو عمل خیر کی طرف بلائے اور خود اس عمل خیر پر عامل نہ ہو ارشاد خداوندی ہے

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

(تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو تم خود نہیں کرتے۔)

نیز ارشاد ہے

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ

(کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنی ذات کو بھلا دیتے ہو)

Scanned with CamScanner

قول و فعل کی یکسانیت کی یہی تصویر حضور اکرمؐ کی زندگی اقدس ہے اس لئے ارشاد خداوندی ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

یعنی اگر تم دین و دنیا میں کامیابی و کامرانی کے خواہاں ہو تو تمہارے لئے رسول اکرمؐ کی زندگی کا ہر پہلو قابل تقلید نمونہ لئے ہوئے ہے۔

**اجتماعی شہادت علی الناس:** ہر مسلمان ایک فرد نہیں بلکہ اپنی ذات میں ایک انجمن ہے کیونکہ اس کا ہر قول و فعل ذاتی نہیں بلکہ وہ دین اسلام کے ضابطہ حیات کا علمبردار ہے اس لئے ہر مسلمان کی عملی گواہی صرف انفرادی سطح پر نہیں بلکہ اسے اجتماعی سطح پر یہ گواہی دینا ہوگی۔ چنانچہ جب تک مسلمان کی انفرادی و اجتماعی زندگی۔ ملکی نظم و نسق۔ آئین۔ قوانین معیشت و معاشرت۔ تہذیب و تمدن غرض کہ اجتماعی زندگی کا ہر شعبہ اور ہر نہج اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کے مطابق نہ ہو جائے اس کی عملی گواہی کا حق ادا نہیں ہوگا ورنہ امت مسلمہ کتمان حق کی مجرم شمار کی جائے گی۔ کیونکہ ارشاد خداوندی ہے

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حکم کا اختیار نہیں۔ اس نے یہ حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی بندگی کرو گے اور یہی دین قیم ہے اور جو شخص جان کا نذرانہ پیش کر کے یہ گواہی دیتا ہے اسے شہید کا خطاب دیا گیا ہے۔

انفرادی شہادت کے علاوہ ہماری ساری اجتماعی جدوجہد کا مرکز و محور ہماری زندگی کا اجتماعی نصب العین شہادت حق اللہ کی گواہی دیتا ہے ارشاد خداوندی ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ۔

اے لوگو! کھڑے ہو جاؤ اور قسط عدل و انصاف کی گواہی دو۔

**آخرت میں شہادت:** اور پھر یہی گواہی ہے جو قیامت میں ہوگی ارشاد خداوندی ہے۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝ (النساء: 41)

(پس غور کرو کہ اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے اور (اے رسولؐ) ان لوگوں پر ہم تم کو بحیثیت گواہ کھڑا کریں گے۔

وہی لوگ جنہوں نے دنیا میں خدا کی گواہی دی ہے وہی محاسبہ آخروی کے وقت کھڑے کئے جائیں گے اللہ کی اس عدالت میں پہلے وہ گواہی دیں گے کہ اے پروردگار! تیری جو ہدایت ہم تک پہنچی تھی وہ ہم نے من و عن ان لوگوں تک پہنچا دی اور پھر یہی شہادت حضور اکرمؐ اپنی امت پر دیں گے اس کے بعد پھر امتیوں سے سوال ہوگا حق کی تبلیغ جو تم کو دی گئی اور اس پہ جو تم نے گواہی دی اس کے ساتھ تمہارا معاملہ کیسا رہا۔ بس یہی گواہی جو دنیا میں ہے اس کا ایک مظہر قیامت کے دن ہوگا۔



**تمام انبیاء و رسل شاہد و شہید ہیں:** اسی وجہ سے تمام انبیاء و رسل کیلئے یہی شہید اور شاہد کا لفظ آیا۔ ارشاد خداوندی ہے

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا (المزمل:15:73)

اے لوگو! اے قریش! ہوشیار ہو جاؤ ہم نے تمہاری طرف اپنا ایک رسول گواہ بنا کر بھیج دیا ہے جیسے کہ ہم نے فرعون کی طرف (حضرت موسیٰؑ کو گواہ بنا کر اور) رسول بنا کر بھیجا تھا۔ اسی طرح رسول اکرمؐ کی صفت شہادت کو دوسری صفت و اوصاف سے مقدم کیا گیا ہے ارشاد خداوندی ہے

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝

(الاحزاب 46:45:33)

اے نبی بے شک ہم نے آپ کو شاہد و مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا اور آپؐ پوری نوع انسانی کو اپنے اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والے ہیں اور آپؐ ایک روشن چراغ ہیں۔

**امت کی گواہی:** حضور اکرمؐ پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا اب امت محمدیہؐ اجتماعی حیثیت سے پوری نوع انسانی کے لئے بطور گواہ بنا کر کھڑی کی گئی ہے لہذا تم اپنے آپ کو دنیا کی دوسری امم و اقوام پر قیاس نہ کرو۔ ان کی ہدایت ان کی راہنمائی ان کے سامنے حق کی شہادت پیش کرنا اب تمہارا فرض منصبی ہے اور ان پر اتمام حجت کرنا تمہارا مقصد وجود ہے تم کو بحیثیت امت اسی کام کے لئے چن لیا گیا اور پسند کر لیا گیا ہے۔

قیامت کے روز مختلف اقوام و امم اپنے اپنے انبیاء کے خلاف گواہی دیں گی کہ انہوں نے ان تک ہدایت نہیں پہنچائی تو خداوند کریم ان سے کہے گا کہ کیا تمہارا کوئی گواہ ہے انبیاء علیھم السلام کہیں گے کہ ہماری امت نے تو انکار حقیقت کر دیا اب ہماری گواہ صرف اور صرف امت محمدیہ ہی ہے چنانچہ امت محمدیہ کو بلایا جائے گا تو یہ امت محمدیہ گواہی دے گی کہ ان انبیاء علیھم السلام نے تیری طرف سے ملنے والی ہدایت کو من و عن پہنچا دیا تو سابقہ امت کہیں گی کہ یہ گواہی کس طرح دے سکتی ہے کہ یہ امت ہمارے دور میں موجود تھی ہی نہیں گواہی کیسی۔ پھر اللہ تعالیٰ کہیں گے بات تو درست ہے تم یہ گواہی کیونکر دے سکتے ہو اس پر امت محمدیہ کہے گی کہ یہ بات ہمیں پیارے نبیؐ نے تیرے کلام مجید کی رو سے بتائی ہے اس پر رسول مقبولؐ فرمائیں گے ہاں یا اللہ! یہ بات میں نے ہی ان تک پہنچائی جو تیرے کلام مجید میں درج ہے۔ قرآن مجید گواہی دے گا کہ اس امت کی گواہی کو قبول کر لیا جائے یا یہ بات مجھ سے نکال دی جائے چنانچہ اس گواہی کو قبول کیا جائے گا۔

گویا گواہی کی بنیاد ایک تو یقینی شہادت ہوتی ہے دوسری اگر بات کرنے والا صادق و امین ہو تو اس کی صداقت سے متعلق بھی گواہی دی جا سکتی ہے۔

**سوال نمبر 16: حج و عمرہ کے احکام و آداب بیان کیجیے۔**

## حج و عمرہ کے احکام آداب

حج اور عمرہ دو ایسی اجتماعی عبادتیں ہیں کہ جو بیت اللہ میں ادا کی جاتی ہیں۔ ان کے خصوصی

Scanned with CamScanner

احکام اور آداب قرآن مجید اور احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔ ذیل میں مختلف عنوانات کے تحت ان کے احکام و آداب بیان کیے جاتے ہیں۔

(1) **مفہوم**: حج کے لغوی معنی قصد' ارادہ اور نیت کے ہیں۔ شرعاً اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے مقدس گھر کی مقررہ ایام (ذی الحجہ) میں مخصوص عبادات کے ساتھ زیارت کا قصد کرنا۔

عمرہ میں اگرچہ آبادی کا مفہوم بیان کیا جاتا ہے۔ تاہم عبادت کے حوالے سے عمرہ بھی بیت اللہ کی زیارت کے قصد کرنے کا مفہوم رکھتا ہے۔ حج اور عمرہ میں فرق اس قدر ہے کہ حج مخصوص ایام میں کیا جاتا ہے اور عمرہ پورے سال میں کسی وقت بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ حج میں میدان عرفات کی حاضری مناسک حج میں شامل ہے جب کہ یہ عمرہ میں نہیں ہے۔ نیز حج فرض عبادت ہے جبکہ عمرہ نفل عبادت ہے۔

(2) **فرضیت**: حج ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ نے لوگوں پر جو استطاعت رکھتے ہوں اس گھر کا حج کرنا فرض کیا ہے اور جس نے کفر کیا تو اللہ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے۔

اس فرمان الٰہی میں نہ صرف یہ کہ حج کی فرضیت بیان کی گئی ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی اس امر کو واضح کیا گیا ہے کہ استطاعت کے باوجود روگردانی کفر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ایک فرمان میں حج کی فرضیت و اہمیت کو اس طرح بیان کیا گیا۔ ارشاد نبویؐ ہے۔

"جو شخص زاد راہ اور سواری رکھتا ہو' اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو اس کا مسلمان ہو کر مرنا اور یہودی و عیسائی ہو کر مرنا برابر ہے"۔

(3) **فضیلت**: احادیث رسول اللہ ﷺ میں حج و عمرہ کی بہت زیادہ فضیلت بیان ہوئی ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

(ا) حج و عمرہ کرنے والے اشخاص اللہ کے مہمان ہیں۔ وہ جو دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے۔ اور جو ان کے گناہ ہیں اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرماتا ہے۔

(ب) حج و عمرہ کرنے والا گھر لوٹتا ہے تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہوتا ہے جیسے اس کی ماں نے اسے آج جنا ہو۔

(ج) آپؐ کا فرمان ہے جو ضعیف مرد اور عورتیں جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے۔ ان کے لیے حج کرنا جہاد کے برابر ہے۔

(د) عبداللہؓ ابن عمر سے روایت ہے کہ "جب تم حاجی سے ملو' تو اسے سلام کرو' اس سے مصافحہ کرو' اور اس سے پہلے کہ وہ گھر میں داخل ہو۔ اس سے اپنے گناہوں کی معافی کی دعا کے لیے کہو۔

ان احادیث میں حج بیت اللہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ حج بیت اللہ کے حوالے سے علماء نے قرآن مجید کی روشنی میں بیت اللہ کی تین خصوصیات بیان کی ہیں۔



○ بیت اللہ دنیا کی تمام عبادت گاہوں میں پہلی عبادت گاہ ہے۔
○ یہ مبارک اور مامون ہے' اور اس میں اللہ کی نشانیاں ہیں۔
○ یہ کائنات کے لیے ہدایت و راہنمائی کا مرکز ہے۔

(4) **حج و عمرہ کی اقسام**: ادائیگی کے اعتبار سے حج و عمرہ تین طرح سے ہے۔

(ا) **حج اِفراد**: عمرہ کے لیے ایام حج کے علاوہ احرام باندھا جائے اور ایام حج میں صرف حج کی نیت سے احرام باندھا جائے۔

(ب) **حج قِرآن**: حج اور عمرہ دونوں کی نیت سے احرام باندھا جائے۔ مکہ پہنچ کر عمرہ کے لوازم پورے کرنے کے بعد احرام نہ کھولا جائے۔ جب تک کہ مناسک حج سے فراغت حاصل نہ ہو جائے۔

(ج) **حج تمتع**: حج کے مہینوں میں عمرہ کی نیت سے احرام باندھا جائے جب عمرہ کے ارکان پورے ہو جائیں تو احرام کھول دیا جائے۔ پھر ایام حج میں مناسک حج کے لیے دوبارہ احرام باندھا جائے۔

(5) **ارکان حج**: وہ اعمال جو حج اور عمرہ کے سلسلے میں ضروری ہیں۔ دو طرح کے ہیں۔ اول جو فرائض ہیں۔ دوم جو واجبات ہیں۔

(ا) **فرائض**: حج کے تین فرائض ہیں۔ احرام' وقوف عرفات اور طواف زیارت۔

(ب) **واجبات**: واجبات چھ ہیں۔ ان کے ترک سے دم قربانی لازم آتا ہے۔ حج باطل نہیں ہوتا۔

(1) وقوف مزدلفہ (2) صفا و مروہ کی سعی (3) رمی جمار (4) قارن اور متمتع کا قربانی کرنا (5) حلق یا قصر (بالوں کا منڈوانا یا کٹوانا) (6) طواف وداع۔

(6) **عمرہ کے فرائض**: عمرہ جس کو حج اصغر بھی کہا جاتا ہے اس کے تین فرائض ہیں۔

ا۔ نیت کرنا' احرام باندھنا اور تلبیہ پڑھنا۔
ب۔ کعبتہ اللہ کا طواف کرنا۔
ج۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا۔

**عمرہ کے واجبات**: عمرہ میں بالوں کا کٹوانا واجب ہے۔

(7) **مناسک حج**: اوپر حج اور عمرہ کے فرائض اور واجبات کا اختصار کے ساتھ ذکر ہوا۔ اب جملہ مناسک حج کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(ا) **احرام**: احرام کے معنی کسی چیز کو حرام کر لینے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں حج و عمرہ کے لیے

Scanned with CamScanner

تصد کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ دو اَن سلی چادروں کا لباس پہنے۔ یہ حضرات ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی یادگار ہے جب وہ تین دن کے پا پیادہ سفر کے بعد کچھ اسی طرح کے لباس میں اللہ کے حضور حاضر ہوئے تھے۔

(ب) **تلبیہ**: احرام باندھنے کے بعد ایک دفعہ تلبیہ کہنا فرض ہے۔ اور اس سے زائد سنت۔ تلبیہ یہ ہے۔

**لَبَّیْکَ' اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ' لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ' اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ۔**

(ج) **طواف**: مکہ پہنچنے پر حاجی سب سے پہلے طواف کرے۔ اسے طواف قدوم کہتے ہیں۔ یہ مسنون ہے' فرض نہیں۔ مناسک حج کے بعد جو طواف کیا جاتا ہے اسے طواف وداع کہتے ہیں۔ یہ واجب ہے۔ ایام نحر میں قربانی اور حلق کے بعد جو طواف کیا جاتا ہے اسے طواف زیارت کہتے ہیں۔ اور یہ حج کے واجبات کا حصہ ہے۔

(د) **صفا و مروہ کی سعی**: صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا واجب ہے اور یہ سات چکر ہوتے ہیں۔

(ر) **استلام**: حضرت خلیل و اسماعیلؑ نے جس پتھر پر کھڑے ہو کر کعبۃ اللہ کو تعمیر کیا تھا۔ اس کو بوسہ دینا سنت ہے۔

(س) **وقوف**: 8 ذی الحجہ کو منیٰ جانا مسنون ہے۔ 9 کو طلوع آفتاب کے بعد عرفات جانا اور زوال سے غروب تک توبہ و استغفار کرنا فرض ہے۔ وقوف عرفات حج کا اہم رکن ہے۔ اس کے بغیر حج نہیں ہوتا۔

عرفہ کے دن (9 ذی الحجہ کو) غروب آفتاب کے بعد نماز مغرب پڑھے بغیر مزدلفہ کے لیے روانہ ہونا مسنون ہے۔ مغرب و عشا جمع کر کے وہاں پڑھنا مسنون ہے۔ مزدلفہ میں وقوف رہ جائے تو فدیہ کے طور پر ایک جانور کی قربانی ضروری ہے۔

(ص) **رمی جمار**: مزدلفہ سے حجاج دس ذی الحجہ کی صبح کو طلوع آفتاب سے پہلے منیٰ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ یہاں پتھر کے تین ستون ہیں جنہیں جمرات کہتے ہیں۔ تین دن یعنی 10' 11' 12 ذی الحجہ کو حضرت ابراہیمؑ کی یاد میں ان تین ستونوں کو پتھر مارے جاتے ہیں۔

(ع) **قربانی**: رمی سے فارغ ہو کر حاجی حسب توفیق قربانی کرتے ہیں۔

قربانی 10' 11' 12 ذی الحجہ کو کی جا سکتی ہے۔ حاجی کے لیے منیٰ میں قربانی کرنا۔ اور عمرہ کرنے والے کے لیے مکہ مکرمہ میں کوہ مروہ کے قریب قربانی کرنا مسنون ہے۔ ویسے حدود حرم اور منیٰ کا پورا میدان قربان گاہ ہے۔



(غ) **حلق راس**: قربانی کے بعد احرام کھولنے کے لیے حلق راس واجب ہے۔ اگر یہ رہ جائے تو دم لازم آتا ہے۔ حلق کا مسنون وقت 10 ذی الحج کو قربانی کے بعد ہے۔ حلق کے بعد احرام کھولنا جائز ہے۔

## (8) احکام حج و عمرہ

- حج عاقل' بالغ اور آزاد مسلمان پر فرض ہے۔ نابالغ' پاگل' غلام اور کافر پر فرض نہیں ہے۔
- حج کرنے کی استطاعت سے مراد مالی استطاعت ہے۔ روپیہ' سواری وغیرہ شامل ہے۔ تندرستی اور صحت بھی اس میں شامل ہے۔
- راستہ میں کوئی خطرہ ہو تو فرض ساقط ہو جاتا ہے۔
- بیمار اور معذور مگر مالدار جن پر تندرستی کی حالت میں حج فرض ہو چکا تھا وہ اپنی طرف سے کسی دوسرے شخص کو حج کے لیے بھیج سکتے ہیں۔
- نابالغ بچے جب اپنے والدین کے ساتھ حج پر جائیں گے تو ان کا حج ہو جائے گا۔ مگر بالغ ہونے پر جب حج فرض ہو گا تو دوبارہ حج کرنا لازم ہو گا۔
- غفلت' بیماری یا کسی عذر کی وجہ سے فرض حج ادا نہ ہو سکے تو مرنے سے پہلے حج بدل کی وصیت کرے تو تہائی مال سے وصیت پوری کی جائے گی۔

(9) **حج کے آداب**: حج کے ظاہری ارکان فقہاء و علماء نے بیان کیے ہیں۔ لیکن صوفیاء کرام نے اس کے وہ آداب بھی بتائے ہیں جو محسوس اعمال کے علاوہ ہیں۔

صوفیاء کا خیال ہے کہ حج صرف جسم ہی کا نہیں ہوتا۔ بلکہ روح کا بھی حج ہے اور یہی مقصود بالذات ہے۔ مناسک حج کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفس' باطنی صفائی۔ غیر اللہ سے بے تعلقی اور مقام فنا کا ادراک بھی ضروری ہے۔ اور یہ حج کے اہم آداب میں سے ہیں۔

امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ جب حج کا ارادہ کیا جائے تو قلب کو اللہ کے لیے ہر تعلق سے پاک کیا جائے۔ تمام کام خالق کے سپرد کیے جائیں' اس پر مکمل بھروسہ اور توکل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کو پیش نظر رکھا جائے۔ ساتھیوں سے حسن سلوک کیا جائے۔ فرائض حج کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی سنتوں کی حفاظت کی جائے۔ گناہوں سے مکمل توبہ کی جائے۔

## سوال نمبر17: جہاد فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے نیز جہاد اور قتال میں کیا فرق ہے۔

**جہاد فی سبیل اللہ**: لفظ جہاد اپنے معنی میں بے پناہ وسعت رکھتا ہے۔ دین اسلام کے سلسلے میں ہر قسم کی کوشش جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی غرض سے کی جائے۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کی

جائے اور جو کوشش مسلمانوں کی بھلائی اور پوری انسانیت کی بھلائی کے لیے کی جائے وہ جہاد کے دائرہ میں آتی ہے۔ قرآن مجید نے ارشاد فرمایا۔

"اَلَّذِیْنَ جَاهَدُوْا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا"

جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں ہم ان کے راستے ہموار کر دیتے ہیں۔

چونکہ جہاد ایک وسیع مفہوم کا حامل لفظ ہے اس لیے ذیل میں اس لفظ کے مفہوم کی وضاحت، اس کی اہمیت اور اس کی مختلف اقسام اور فضائل زیر بحث لائیں گے۔ جو حسب ذیل ہیں۔

① **مفہوم:** جہاد کا لفظ جد و جہد سے نکلا ہے اسی سے لفظ مجاہدہ ہے جو باب مفاعلہ سے آیا ہے۔ اس کے معنی میں کوشش، محنت اور بھرپور مشقت کا مفہوم شامل ہے۔ حدیث میں مجاہدہ کو جہاد اکبر اور جہاد کو جہاد اصغر بھی کہا جاتا ہے۔

جہاد کے ساتھ جب فی سبیل اللہ کی اضافت و نسبت آتی ہے تو پھر یہ جہاد رکن دین اور عبادت کے زمرہ میں آجاتا ہے۔

اصطلاح دین میں جہاد فی سبیل اللہ کا مفہوم یہ ہے کہ حق کی سربلندی کے لیے ہر طرح کی کوشش اور قربانی، حق کے دشمنوں کی ہر تدبیر کو ناکام بنانے کی کوشش جہاد سے ایک مسلمان کی عملی زندگی مکمل جہاد ہے۔

جہاد میں ہر طرح کی عملی کوشش کے ساتھ ساتھ قتال یعنی دشمن سے باقاعدہ لڑائی بھی اسی مفہوم کا حصہ ہے۔

② **اہمیت جہاد:** جہاد فی سبیل اللہ کو دین اسلام میں انتہائی اہمیت حاصل ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اسے عظمت اسلام سے تعبیر فرمایا ہے، ذیل میں جہاد کی اہمیت کے کچھ نکات درج کیے جاتے ہیں۔

(ا) **حکم الٰہی:** اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سارے مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا ہے اور یہ فرمایا کہ جہاد کرتے ہوئے اس کا حق ادا کرنا ہے۔ یعنی دین اسلام کی سربلندی اور عظمت کے لیے اس قدر کوشش کرنی ہے کہ حق ادا ہو جائے۔ ارشاد ہے۔

"وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ" (الحج 22:78)۔

اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اور اس کا حق ادا کرو۔

(ب) **اللہ کا ایمان والوں سے سودا:** قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اتنی بڑی اور عظیم ہستی نے بکمال شفقت و رحمت سارے مسلمانوں کے جان و مال کو اس جہاد کی کوشش کے عوض خرید لیا ہے۔ اور یہ وعدہ کیا ہے کہ اللہ انہیں اس کوشش و محنت کے عوض جنت عطا فرمائے گا۔ ارشاد ہے۔

"اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ



يُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ" (التوبہ 9:111)۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کی جان و مال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جان دیتے ہیں اور دشمنوں کا صفایا کرتے ہیں۔

(ج) **فساد کی بیخ کنی:** دنیا خیر و شر کی آماجگاہ ہے۔ جہاں خیر کی قوتیں کام کرتی ہیں وہاں شر و فساد بھی پھیلتا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ وہ واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعہ اللہ فتنہ و فساد کو جڑ سے اکھاڑتا ہے۔ حق کو غالب کرتا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر عام چیزوں کا کیا ذکر عبادت خانے و مساجد بھی فتنہ و فساد کی نذر ہو جائیں۔ قرآن مجید میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر آیا ہے کہ انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہوئے باطل قوت یعنی جالوت کو قتل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض انہیں حکمت دانائی عطا فرمائی اور خوب علم عطا کیا۔ یہاں قرآن مجید نے ایک لطیف مگر اہم نکتہ بیان فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ اس طرح باطل کا حق سے صفایا نہ کرائے تو زمین فساد سے بھر جائے۔

"وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ" (البقرہ 2:251)۔

کہ اگر اللہ تعالیٰ ایک کے ذریعہ دوسرے کو فنا نہ کرے تو زمین فساد سے بھر جائے۔

(د) **امر و نہی کا تقاضا:** امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دینی فرائض میں ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ بظاہر نیک کام کے لیے کہنا اور برے کام سے روکنا معمولی کام لگتا ہے لیکن حقیقت میں اس سے زیادہ مشکل کام ہی کوئی نہیں۔ باطل قوت کو جب برائی اور ظلم سے روکا جاتا ہے تو اس کی غیرت گناہ کے ساتھ اسے للکارتی ہے تب حق و باطل کا معرکہ وجود میں آتا ہے۔

جہاد کی اہمیت یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ برائی کو قوت پکڑنے سے پہلے روکا جائے اور نیکی کا راستہ ہموار کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک فرمان میں یوں فرمایا۔

"تم نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تمہاری دعائیں اور تمہارے نیک اعمال قبول کرنا چھوڑ دے"۔

(ر) **اجر عظیم:** اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی خوب قدر افزائی فرمائی ہے انہیں افضل اور فضیلت والا کہا ہے اور ان کے لیے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

"فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِیْنَ عَلَی الْقٰعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا" النساء 4:95)۔

کہ اللہ تعالیٰ نے کوشش کرنے والوں کو بیٹھے ہوؤں پر برتری دی ہے اور ان کے لیے اجر عظیم ہے۔

(س) **ترک جہاد کے نقصانات:** ترک جہاد کا مطلب ترک کوشش ہے یعنی ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانا۔ یہ تو مردہ قوموں کی علامت ہے۔ اسلام اس کی کسی طرح اجازت نہیں دیتا۔ جو قوم بھی جہاد کو ترک کرے گی پستی اور زوال اس کا مقدر ہو گا۔ نیز مختلف ابتلائیں اس کے حصے میں آئیں گی۔ وہ زمینی بھی ہوں گی، آسمانی بھی، وہ اپنوں کی طرف سے بھی ہوں گی اور غیروں کی طرف

Scanned with CamScanner

سے بھی۔ ترک جہاد کا ایک بڑا نقصان باطل قوتوں کا غلبہ ہے۔ وہ حق کے دشمن ہیں۔ حق کو اپنا وجود برقرار رکھنا ہے تو اس کے لیے ہر طرح کا جہاد جاری رکھنا ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ـــــ جس کا مفہوم یہ ہے ـــــ کہ ایک وقت آئے گا کہ مسلمانوں پر دوسری قومیں اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح کھانے کے برتنوں پر بھوکے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی تعداد کم نہ ہوگی بلکہ وہ دنیا کی محبت میں اس طرح کھو جائیں گے کہ ان سے جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ چھوٹ جائے گا۔

بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں آپ ﷺ کے فرمان کا مفہوم یہ ہے کہ تم ہر وقت جہاد کی نیت برقرار رکھو اور جب تمہیں جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا جائے تو نکل پڑو۔

**(3) جہاد کی اقسام:** جہاد فی سبیل اللہ کی بہت ساری اقسام ہیں۔ اور یہ اقسام احوال و اشخاص کی مناسبت سے ہیں۔ ذیل میں ان اقسام کو مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

**(ا) جہاد بالنفس:** انسانی نفس منہ زور ہے۔ اسے مطیع کرنا۔ اور اسے رب تعالیٰ کے حکموں کے مطابق چلانا ایک جہاد ہے۔

ترمذی شریف میں نبی اکرم حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے۔

"اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ"

"کہ مجاہد تو وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔"

حضرت جابر سے روایت ہے کہ جب ہم ایک غزوہ سے واپس ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آرہے ہیں۔

آپ ﷺ نے ایک اور فرمان میں یوں ارشاد فرمایا کہ شہ زور وہ نہیں جو اکھاڑے میں پہلوان کو پچھاڑ دے بلکہ جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے وہ زور والا ہے۔

**(ب) جہاد بالمال:** انسان مال سے بے پناہ محبت رکھتا ہے۔ وہ اس مال کے حصول میں ہر چیز قربان کر دیتا ہے۔ اس محبت والے مال کو اللہ کی راہ میں اعلائے کلمۃ الحق کی غرض سے خرچ کرنا جہاد بالمال ہے۔ قرآن مجید نے جہاد میں اللہ کی راہ میں خرچ ہونے والی اشیاء میں مال کو پہلے بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔

"اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ" (الانفال 8 : 72)

○ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ (توبہ)

○ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ (الحجرات 15:49)

یہاں جہاد میں جان سے مال کو پہلے ذکر کیا ہے جس سے جہاد بالمال کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔



**(3) جہاد بالعلم:** جہاد بالعلم میں زبان، قلم اور تحریر تینوں طرح سے جہاد کیا جاتا ہے کیونکہ علم کا اظہار یا زبان سے ہوتا ہے۔ یا قلم سے اور تحریر قلم کا حاصل ہے۔

دنیا سے جہالت کو دور کرنا بہت بڑا جہاد ہے۔ نبی کریم ﷺ وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے بکریاں چرانے والوں کو علم کی شمع عطا فرمائی اور پھر انہیں دنیا والوں کی علمی مسند نشینی نصیب ہوئی۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید وہ بہترین کتاب ہے جو علم و معرفت کی روشنی پھیلانے کا ذریعہ بنی، علماء کا خیال ہے کہ قرآن مجید نے علم کے ذریعہ جہاد کو جہاد کبیر فرمایا۔ ارشاد ہے۔

"فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا" (الفرقان:25:52)۔

کہ آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور ان سے بڑا جہاد کریں۔

**(4) مسلح جہاد:** جہاد کی ایک اہم صورت مسلح جہاد ہے جسے قتال بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلح جہاد کرنے والوں کے ساتھ اپنی محبت کا اعلان فرمایا ہے۔

"اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ"

(الصف 61:4)۔

کہ جو اللہ کی راہ میں لڑائی کرتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی دیوار ہوں اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔

مسلح جہاد مشروط ہے۔ اس کے لیے اجتماعی نظام ضروری ہے۔ جس کے تحت باقاعدہ حکمت عملی کے ساتھ جہاد کیا جا سکے۔ ضروری سامان اور تیاری بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ" (الانفال :8 :60) کی شرط لگائی ہے۔ اور لڑائی صرف اعلائے کلمۃ اللہ اور مظلوم کی دستگیری کی غرض سے ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

"مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ"۔

کہ جو لڑے، تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو۔ وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

نبی کریم حضرت محمد ﷺ اور آپؐ کے صحابہ نے مکہ مکرمہ میں تیرہ سال دعوت و تبلیغ کی محنت کی۔ لوگوں کی ایذا رسانیاں برداشت کیں۔ وہ بھی اعلیٰ درجہ کا جہاد تھا۔ پھر مدینہ گئے۔ دس سال مسلح جہاد کیا۔ ایک لاکھ مربع میل پر اسلامی سلطنت کو قائم فرمایا۔ مگر مقصد صرف اعلائے کلمۃ اللہ اور ہر طرح کے ظلم کا خاتمہ تھا۔

**(4) فضائل جہاد:** نبی کریم ﷺ نے جہاد کو اسلام کی کوہان (چوٹی) فرمایا ہے۔ اس سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ سارے اعمال پر اس کی برتری ثابت ہے۔ ذیل میں اس کی فضیلت کے کچھ نکات پیش کیے جاتے ہیں۔

**(ا) افضل عبادت:** جہاد چاہے کسی طرح کا بھی ہو۔ وہ افضل عبادت ہے۔ ایک فرمان میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بھی جہاد میں مصروف ہوتا ہے اس کی مثال اس

Scanned with CamScanner

شخص کی سی ہے جو مسلسل روزے رکھتا ہے۔ رات کو تہجد کا اہتمام کرتا ہے۔ اور مسلسل تلاوت کرتا ہے۔

منشاء نبویؐ یہ ہے کہ جہاد اپنے اندر نماز' روزہ' تلاوت وغیرہ عبادت کی جملہ فضیلتیں سمیٹے ہوئے ہے۔

(2) **جنت کے حقدار:** جو لوگ مسلح جہاد کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں مال' جان اور وقت لگاتے ہیں۔ اور سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔ وہ اللہ کے ہاں انتہائی اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت میں پہنچائے جاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کی جان' مال وقت سب کچھ جنت کے عوض خرید چکا ہوتا ہے۔ ارشاد ہے۔

**"اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ"** (التوبہ: 111:9)۔

(3) **جہنم حرام:** نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

**"مَنْ اَغْبَرَ قَدَمَاہُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَقَدْ حَرَّمَ عَلَیْہِ النَّارُ۔"**

کہ جس کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوئے اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔

(4) **دائمی زندگی:** جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اور اللہ کی راہ میں شہادت کے بلند مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ انہیں دائمی زندگی نصیب ہوتی ہے۔ ان پر موت حرام ہوتی ہے۔ فرمایا۔

**"لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ۔ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ"** ○ (البقرہ 2:154)۔

جو اللہ کی راہ میں شہادت پائیں انہیں مردہ نہ کہو وہ تو زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں۔

ایک اور آیت میں یوں ہے کہ **عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ** مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کے ہاں اسی طرح رزق دیئے جاتے ہیں جس طرح زندہ لوگ کھاتے پیتے ہیں۔

## گروپ II بہاولپور بورڈ 2001ء

1- مندرجہ ذیل قرآنی آیات میں سے کسی ایک جزو کا اردو میں بامحاورہ ترجمہ و تشریح کیجئے۔

(الف)- یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۔ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

(ب) وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْہُ اثْنَتَا عَشْرَۃَ عَیْنًا ط قَدْ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَھُمْ ط کُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰہِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِھَا وَقِثَّآئِھَا وَفُوْمِھَا وَعَدَسِھَا وَبَصَلِھَا۔



2- مندرجہ ذیل قرآنی آیات سے کسی ایک جزو کا اردو میں بامحاورہ ترجمہ و تشریح کیجئے۔

(الف) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا ط اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَھُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْھَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ ط لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔ وَلِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ ط بَلْ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط کُلٌّ لَّہٗ قٰنِتُوْنَ۔

(ب) قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْھِکَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَۃً تَرْضٰھَا فَوَلِّ وَجْھَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط وَحَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَہٗ ط وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ ط وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ۔

3- مندرجہ ذیل عنوانات میں سے کسی ایک پر مفصل مضمون لکھیے۔

(i) جمع قرآن عہد رسالت میں (ii) حفاظت قرآن عہد صحابہ میں۔

4- مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ میں سے کسی ایک کا اردو میں بامحاورہ ترجمہ و تشریح کیجئے۔

(الف) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَجَاوَزَ لِیْ عَنْ اُمَّتِی الْخَطَأَ وَالنِّسْیَانَ وَمَا اسْتُکْرِھُوْا عَلَیْہِ۔

(ب) قَالَ الدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ۔

5- مندرجہ ذیل سے میں ایک پر نوٹ لکھیے۔

(i) اہمیت حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ii) صحاح ستہ۔

6- "فَعَلَ" سے ماضی معروف کی گردان مع اعراب لکھیے۔

مندرجہ ذیل سے واحد کے جمع اور جمع کے واحد لکھیے۔

اَصَابِعُ۔ اَسبَاط۔ نِسَآءٌ۔ قُلُوْبٌ۔ مَرَضٌ۔ مِیْثَاق۔ کِتَاب۔ بَصَر۔ وَلَد۔ بَقَرَۃٌ۔

## گروپ II لاہور بورڈ 2001ء

ا- مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک پر نوٹ لکھیے۔

(ا) قرآن پاک کا تعارف۔ (ب) نزول وحی کے طریقے

۲- درج ذیل میں سے کسی دو پر نوٹ لکھیے۔

(ا) مکی سورتوں کی خصوصیات، (ب) اعجاز القرآن۔ (ج) مدنی سورتوں کی خصوصیات (د) متقین کی صفات۔

Scanned with CamScanner

۳- درج ذیل میں سے کسی دو کا با محاورہ ترجمہ اور تشریح کیجئے۔

(ا) وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

(ب) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ ۝

(ج) بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

(د) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

۴- درج ذیل میں سے کسی ایک پر نوٹ لکھیے۔

(ا) صحیح بخاری۔ (ب) صحیح مسلم۔

۵- درج ذیل احادیث میں سے دو کا با محاورہ ترجمہ اور تشریح کیجئے۔

(ا) اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔

(ب) ثُمَّ قَالَ يَا عُمَرُ اَتَدْرِيْ مَنِ السَّائِلُ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ هٰذَا جِبْرِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ۔

(ج) اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ۔

(د) يَا عِبَادِيْ كُلُّكُمْ جَائِعٌ اِلَّا مَنْ اَطْعَمْتُهٗ فَاسْتَطْعِمُوْنِيْ اُطْعِمْكُمْ۔

۶- مندرجہ ذیل میں سے صرف دس کے واحد / جمع لکھیے۔

هُوَ- هِيَ- اَنْتُمْ- مُصْلِحٌ- كَافِرٌ- صَادِقُوْنَ- فَاسِقُوْنَ- خَالِدُوْنَ- خَاسِرُوْنَ- رَاجِعٌ- عَالِمٌ- جَاهِلٌ- نَاظِرٌ- ضَارٌّ- جَنَّاتٌ- كَلِمَاتٌ- طَيِّبَاتٌ- صَالِحَاتٌ- صَلَوٰتٌ- بَقَرَاتٌ-

## گروپ II ملتان بورڈ 2001ء

1- مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک جزو قرآنی کا با محاورہ اردو میں ترجمہ کیجئے اور تفسیری وضاحت بھی کیجئے۔

(الف) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝

(ب) وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝



2- مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک جزو قرآنی کا با محاورہ اردو میں ترجمہ کیجئے۔

(الف) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ 5 ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝

(ب) وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝

3- سورہ البقرۃ کی متعلقہ آیات کے حوالے سے درج ذیل میں سے کسی ایک پر نوٹ لکھئے۔

(1) واقعہ ذبح بقرۃ (2) بنو اسرائیل کی معاشرتی اور اخلاقی حالت۔

4- کسی ایک پر مختصر نوٹ لکھئے۔

(1) اعجاز القرآن (2) وحی کی اقسام۔

5- مندرجہ ذیل احادیث میں سے کسی دو کا با محاورہ اردو میں ترجمہ و تشریح کیجئے۔

(الف) قَالَ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّهَا وَاَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ۔

(ب) قَالَ الدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِعَامَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَلِاَئِمَّتِهِمْ۔

(ج) قَالَ اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُ مَا كُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ۔

(د) مَنْ رَاٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ ذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ۔

6- مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک پر مختصر نوٹ لکھئے۔

(1) الجامع الصحیح المسلم (2) جمع و تدوین حدیث (عہد نبوی)

7- فعل "قَتَلَ" سے ماضی مطلق مجہول کی گردان مع صیغہ جات کی پہچان تحریر کیجئے۔

"قَتَلَ" From the verb ماضی مطلق مجہول

یا

مندرجہ ذیل مذکر کے مونث اور مونث کے مذکر لکھیے۔

فَاسِقٌ- نَصْرَانِيٌّ- اَنْتُنَّ- شَاعِرَةٌ- مُشْرِكٌ- مُؤْمِنَةٌ- هَا- مُصْلِحٌ- كُتُبٌ- مُفْلِحَةٌ-

Scanned with CamScanner

## فیڈرل بورڈ 2001ء

1- مندرجہ ذیل عنوانات میں سے کسی ایک پر مفصل نوٹ لکھیں۔

(i) جمع و تدوین قرآن (ii) اعجاز القرآن۔

2- درج ذیل آیات میں سے دو کا ترجمہ اور تشریح لکھیں۔

(i) قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِندَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ○ وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ○

(ii) وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ○

(iii) فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ۔

(iv) كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ○ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ○

3- درج ذیل عنوانات میں سے کسی ایک پر مفصل نوٹ لکھیں۔

(i) حضرت ابراہیم (ii) تحویل قبلہ۔

3- درج ذیل عنوانات میں سے کسی ایک پر نوٹ لکھئے۔

(i) صحاح ستہ۔ (ii) تدوین حدیث۔

4- درج ذیل احادیث میں سے کسی ایک حدیث کا ترجمہ لکھیں۔

(ا) عن عبداللہ بن عمرؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ و اقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ وحج البیت و صوم رمضان۔

(ب) عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل دم امرء مسلم الا باحدی ثلث الثیب الزانی والنفس بالنفس والتارک لدینہ المفارق للجماعۃ۔

5- درج ذیل عنوانات میں سے کسی دو پر قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل نوٹ لکھیں۔

(i) والدین کے حقوق وفرائض (ii) جہاد۔ (ii) اسلام کا نظام تعلیم (iv) تقویٰ۔

6- درج ذیل میں سے کسی ایک پر تفصیلی نوٹ لکھیں۔

(i) حضرت امام ابوحنیفہؒ (ii) حضرت امام احمد بن حنبلؒ (iii) حضرت امام اسماعیل بن جعفرؒ۔



## راولپنڈی بورڈ 2001ء

1- مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک پر نوٹ لکھیے۔

(الف) تدوین قرآن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں۔ (ب) وحی اور اس کی اقسام۔

2- مندرجہ ذیل میں سے کسی دو اجزاء کا ترجمہ اور تشریح کیجئے۔

(ا) فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ○

(ب) فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذَٰلِكَ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَىٰ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○

(ج) وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ○

(د) تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○

3- مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک پر سورۃ بقرہ کے حوالے سے نوٹ لکھیے۔

(ا) قبلہ کی اہمیت۔ (ب) اہل کتاب کا حسد اور تنگ نظری

4- مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک پر جامع نوٹ لکھئے۔

(ا) صحیح بخاری وصحیح مسلم۔ (ب) تدوین حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں۔

5- مندرجہ ذیل میں سے صرف دو کا ترجمہ اور تشریح کیجئے۔

(ا) اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰى۔

(ب) وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ۔

(ج) اَلْبِرُّ مَا اطْمَاَنَّتْ اِلَيْهِ النَّفْسُ وَاطْمَاَنَّ اِلَيْهِ الْقَلْبُ۔

(د) اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا۔

6- مندرجہ ذیل افعال میں سے کسی ایک کی گردان لکھئے۔

اخذ۔ رجم۔ یضع۔

## گروپ I فیصل آباد بورڈ 2001ء

1- وحی سے کیا مراد ہے؟ وحی کے مختلف شکلیں بیان کیجئے۔ یا

قرآن حکیم کی جمع وتدوین میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا کردار ادا کیا؟

2- سورۃ البقرۃ کی روشنی میں منافقین کی خصوصیات لکھئے۔ یا

سورۃ بقرہ کی روشنی میں قصہ آدم وابلیس بیان کیجئے۔

3- درج ذیل قرآنی آیات کا ترجمہ وتشریح لکھئے۔

(ا) الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ○

(ب) وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ

(ج) يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○

(د) وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ط یا

(ا) فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ لا فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ج وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ 5 لا بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ○

(ب) وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ ط

(ج) فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ط

(د) اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ لا قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

4- الجامع الصحیح للبخاری پر مفصل نوٹ لکھیے

یا

درج ذیل پر مختصر نوٹ لکھیے:

(ا) حدیث قولی (ب) حدیث عملی (ج) حدیث قدسی (د) متن حدیث (5) سند حدیث

5- درج ذیل میں سے کسی ایک حدیث کا ترجمہ و تشریح لکھیے۔

(1) اِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔

(ب) وَالصَّلٰوةُ نُوْرٌ وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ وَالْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَكَ اَوْ عَلَيْكَ۔ كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْا فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا۔

6- درج ذیل الفاظ کی جمع لکھیے۔

متقیٌ۔ ظلمةٌ۔ زَوْجٌ۔ قَلْبٌ۔ سَفِيْنَةٌ۔

کَتَبَ سے فعل ماضی معروف کی گردان لکھیے۔



# فیصل آباد بورڈ 2000ء

## گروپ I

۱- قرآن حکیم کا تعارف تحریر کیجیے۔ یا

"اعجاز القرآن" پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔

۲- سورۃ البقرہ کے مضامین کا خلاصہ تحریر کیجیے۔ یا

بنی اسرائیل کے کردار پر سورۃ البقرہ کی روشنی میں تبصرہ کیجیے۔

۳- درج ذیل آیات قرآنی میں سے کسی ایک جزو کا ترجمہ و تشریح بیان کیجیے۔ نیز خط کشیدہ الفاظ کے معانی الگ سے تحریر کیجیے۔

(ا) ان الذین یکتمون ما انزلنا من البینات والھدی من بعدما بینه للناس فی الکتاب اولئك یلعنهم الله و یلعنهم اللعنون○ الا الذین تابوا واصلحوا و بینوا فاولئك اتوب علیهم وانا التواب الرحیم○

(ب) ومن الناس من یتخذ من دون الله اندادا یحبونهم کحب الله والذین امنو اشد حبالله ولویری الذین ظلموا اذیرون العذاب ان القوة لله جمیعا وان الله شدید العذاب ○ اذتبر الذین اتبعوا من الذین اتبعوا ورا والعذاب تقطعت بهم الاسباب○

۴- صحاح ستہ پر ایک جامع نوٹ تحریر کیجیے۔ یا

اہمیت حدیث پر کتاب و سنت کی روشنی میں دلائل دیجیے۔

۵- درج ذیل احادیث میں سے کسی ایک حدیث کا ترجمہ و تشریح لکھیے۔

(ا) عن عبدالله ابن عمر رضی الله عنهما قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول بنی الاسلام علی خمس شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا عبده و رسوله و اقام الصلوة و ایتاء الزکوة و حج البیت وصوم رمضان۔

(ب) عن امّ المؤمنین عائشه رضی الله عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهورد۔ رواہ البخاری و مسلم و فی روایة من عمل عملا لیس علیه امرنا فهورد۔

۶- "ضرب" سے فعل مضارع معروف کی گردان مع اعراب لکھیے۔ یا

کلمہ کی اقسام بیان کیجیے اور ہر قسم کی تین تین مثالیں (عربی زبان میں) دیجیے۔

Scanned with CamScanner

## گوجرانوالہ بورڈ 2000ء

### گروپ I

۱- "اعجاز القرآن" پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔

یا

دلائل سے ثابت کیجیے کہ ترتیب و تدوین قرآن مجید کا کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارک ہی میں مکمل ہو گیا تھا۔

۲- سورۃ البقرۃ کی روشنی میں درج ذیل میں سے کسی دو پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

(ا) بنی اسرائیل کی وجہ تسمیہ اور مختصر تعارف (ب) واقعہ تحویل قبلہ

(ج) حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی دعا (د) صبر

۳- درج ذیل قرآنی آیات میں سے کسی دو اجزاء کا ترجمہ اور تشریح کیجیے:

(ا) وامنوا بما انزلت مصدقا لما معکم ولا تکونوا اول کافربه ولا تشتروا بایتی ثمنا قلیلا وایای فاتقون ○ ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون○

(ب) وقالوا لن یدخل الجنه الا من کان هودا او نصری تلک امانیهم و قل هاتوا برهانکم ان کنتم صدقین ○ بلی من اسلم وجهه لله وهو محسن فله اجره عند ربه ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون○

(ج) وظللنا علیکم الغمام و انزلنا علیکم المن والسلوی کلوا من طیبت ما رزقنکم وما ظلمونا ولکن کانوا انفسهم یظلمون واذ قلنا ادخلوا هذا القریه فکلوا منها حیث شئتم رغدا وادخلوا الباب سجدا و قولوا حطه نغفرلکم خطیکم وسنزید المحسنین○

(د) یایها الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوة ان الله مع الصبرین○ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون○

۴- حضرت صحابہ کرامؓ کی کتابت حدیث کے ضمن میں گرانقدر خدمات پر ایک شذرہ لکھیے۔

یا

کتب حدیث کی کم از کم پانچ اقسام کی تفصیل بیان کیجیے۔

۵- درج ذیل احادیث میں سے کسی دو کا ترجمہ اور تشریح کیجیے۔

(ا) من یسر علی معسر یسر الله علیه فی الدنیا والاخرة من ستر مسلما ستره الله فی الدنیا والاخرة۔

(ب) من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد۔

(ج) ان الله فرض فرائض فلا تضیعوها وحد حدودا فلا تعتدوها وحرم اشیاء فلا تنتهکوها۔

(د) لو یعطی الناس بدعواهم لادعی رجال اموال قوم ودماء هم لکن البینه علی المدعی والیمین علی من انکر۔



۶- درج ذیل میں سے فعل ماضی، فعل مضارع، فعل امر اور فعل نہی کی نشاندہی کیجیے:

ظللنا، کلوا، یظلمون، قلنا، نزید، لاتلبسوا، امنوا، یقتل، تشعرون، امنوا۔

یا

فعل ماضی مجہول کی گردان لکھیے۔

## گوجرانوالہ بورڈ 2000ء

### گروپ II

۱- عہد رسالتؐ میں جمع و تدوین قرآن مجید پر مفصل نوٹ لکھیے۔

یا

وحی سے کیا مراد ہے؟ وحی کی مختلف اقسام کی تفصیل تحریر کیجیے۔

۲- سورۃ البقرۃ کی روشنی میں درج ذیل میں سے کسی دو پر تفصیلی نوٹ لکھیے:

(ا) بنی اسرائیل پر انعامات الٰہی (ب) حضرت آدم علیہ السلام

(ج) رفع طور (د) شرک

۳- درج ذیل قرآنی آیات میں سے کسی دو کا ترجمہ اور تشریح کیجیے:

(ا) ومن الناس من یتخذ من دون الله اندادا یحبونهم کحب الله والذین امنوا اشد حبالله ولو یری الذین ظلموا اذ یرون العذاب ان القوة لله جمیعا وان الله شدید العذاب○

(ب) قل من کان عدوا لجبریل فانه نزله علی قلبک باذن الله مصدقا لما بین یدیه و هدی و بشری للمؤمنین من کان عدوا لله و ملئکته و رسله و جبریل و میکل فان الله عدو للکفرین○

(ج) ولن ترضی عنک الیهود ولاالنصری حتی تتبع ملتهم قل ان هدی الله هو الهدی ولئن اتبعت اهواء هم بعد الذی جائک من العلم مالک من الله من ولی ولا نصیر○ الذین اتینهم الکتب یتلونه حق تلاوته اولئک یؤمنون به ومن یکفربه فاولئک هم الخسرون○

(ج) یبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العلمین○ واتقوا یوما لاتجزی نفس عن نفس شیئا ولا یقبل منها شفاعه ولا یؤخذ منها عدل ولا هم ینصرون○

۴- تدوین حدیث کے پہلے دور (عہد نبوتؐ) پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

یا

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہمیت و ضرورت واضح کیجیے۔

۵- درج ذیل احادیث میں سے کسی دو کا ترجمہ اور تشریح کیجیے:

(ا) من رای منکم منکرا فلیغیره بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه و ذالک اضعف الایمان۔

Scanned with CamScanner

(ب) لایؤمن احدکم حتی یکون هواه تبعا لماجئت به-

(ب) الصوم جنة والصدقه تطفی الخطیئه کما یطفی الماء النار-

(د) من کان یؤمن بالله والیوم الاخر فلیقل خیرا اولیصمت-

٦- واحد کے جمع اور جمع کے واحد لکھیے :

انداد' عدو' قلوب' ید' ملئکہ' ملہ' مومنین' ولی' اولئک' ھو

یا

اسم مؤنث سے کیا مراد ہے؟ علامات تانیث کون کون سی ہیں؟ ہر ایک علامت کی دو دو مثالیں تحریر کیجیے۔